جلد چہارم



جواہر الفقہ

فقہی رسائل و مقالات
کا نادر مجموعہ

مفتی اعظم پاکستان
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ دار العلوم کراچی

جواہر الفقہ

فقہی رسائل و مقالات
کا نادر مجموعہ

مفتی اعظم پاکستان
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

جلد چہارم

مکتبہ دار العلوم کراچی ۱۴

باہتمام : محمد قاسم کلکتی
طبع جدید : ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ (مطابق نومبر ۲۰۱۰ء)

ملنے کے پتے

● مکتبہ دارالعلوم کراچی
احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی
فون نمبر: 021-35042280
021-35049774-6
ای میل
mdukhi@gmail.com

○ ادارۃ المعارف احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی
○ مکتبہ معارف القرآن احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی
○ ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور
○ ادارہ اسلامیات اردو بازار کراچی
○ دارالاشاعت اردو بازار کراچی
○ بیت الکتب گلشن اقبال نزد اشرف المدارس کراچی

مضمون صفحہ

تفصیلی فہرستِ مضامین

جواہرالفقہ جلد چہارم

کتاب الحج

الیواقیت فی أحکام المواقیت

مضمون صفحہ

مضمون | صفحہ

مضمون | صفحہ

مضمون | صفحہ

ضمیمہ احکام حج ۱۸۵

منهج الخير فى الحج عن الغير

(۵۴) حج بدل اور اس کے احکام ۲۰۱

کتاب النکاح

مضمون | صفحہ

مضمون　　　صفحہ

حکم الازدواج مع اختلاف دین الازواج

فصل فی الاولیاء والاکفاء

مضمون صفحہ

نہایات الارب فی غایات النسب

مضمون　　　　　　　　　　صفحہ

فصل فی الجهاز والمهر

(۵۹) اقامة العرف مقام الثبوت فی سقوط بعض الحق بالسكوت

مضمون صفحہ

کتاب الوقف

کتاب البیوع

مضمون صفحہ

فصل فی الحقوق المجردة

اباحة التقطیف من ثمرات الصنعة و التالیف

کتاب الربا و القمار

مضمون | صفحہ





الیواقیت فی احکام المواقیت

مواقیتِ احرام
اوران کے مسائل

تاریخ تالیف ______ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۸ھ (مطابق ۱۹۶۸ء)

مقامِ تالیف ______ دارالعلوم کراچی

اس مقالے کا اصل مقصد اس مسئلہ کی تحقیق ہے کہ ہندو پاک سے جانے والے عازمینِ حج کو کس جگہ سے احرام باندھنا چاہئے اور کیا اُن کے لئے جدّہ داخلِ میقات ہے؟ اس کے ضمن میں دوسرے متعلقہ احکام اور مسائل بھی جمع کر دیئے گئے۔

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

مواقیتِ احرام کا مسئلہ

الحمد للّٰہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ.

اما بعد!

حق تعالیٰ جل شانہ نے تمام عالم میں سے بیت اللہ کی زمین کو عزت و شرف کے لئے مخصوص فرما کر اس پر اپنا بیت بنایا، جو دنیا میں سب سے زیادہ معظم و مکرم ہے، اس کی تعظیم و شرف کے اظہار کے لئے اس کے گرد یکے بعد دیگرے کئی حلقے قائم فرمائے، اور ہر ایک حلقے کے ساتھ کچھ آداب و احکام مخصوص فرمائے۔

سب سے پہلا اور بیت اللہ سے متصل حلقہ مسجد حرام کا ہے، جس کے اندر بیت اللہ واقع ہے، اس کے خاص آداب و احکام ہیں، جن میں کچھ تو وہ ہیں، جن میں دنیا کی دوسری مساجد بھی شریک ہیں، اور کچھ اس مسجدِ حرام کے ساتھ مخصوص ہیں۔ مثلاً اس میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ کے برابر ہوتا ہے، بیت اللہ کا طواف مسجد کے اندر ہوتا ہے، اور مسجدِ حرام سے باہر کوئی سات چکر لگائے، طواف ادا نہیں ہوگا۔ (غنیۃ الناسک)

دوسرا حلقہ پہلے سے زیادہ وسیع شہر مکہ مکرمہ کا ہے، اسکے بھی خاص آداب و احکام اور پابندیاں ہیں۔ مثلاً یہ کہ پورا شہر مکہ بھی مسجد حرام کی طرح عام پناہ گاہ ہے، اس میں کسی مجرم کو بھی جو حرم سے باہر جرم کر کے حرم میں داخل ہوگیا، وہاں قتل نہیں کیا جا سکتا، البتہ اس کو مجبور کیا جائے گا کہ حرم سے نکلے، نکلنے کے بعد سزا دی جائے گی، اس میں کسی جانور کا شکار جائز نہیں، اس کے درختوں کا اور عام گھاس کا کاٹنا بھی جائز نہیں، مگر اس کی پابندیاں پہلے حلقے یعنی مسجد حرام سے کم ہیں۔

تیسرا بڑا حلقہ حرم کا ہے، جو پہلے دونوں حلقوں پر مشتمل ہے، حرم شریف کے حدود مکہ مکرمہ کے چاروں طرف حضرت ابراھیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے سے معین ومحدود ہیں۔

جدہ کی طرف سے جانے والوں کے لئے حدِ حرم حدیبیہ (۱) کے قریب ہے، جہاں دو (۲) ستون علامت حرم کے لئے قائم کئے ہوئے ہیں، اس تیسرے حلقے کے احکام وآداب اور شرعی پابندیاں بھی تقریباً وہی ہیں، جو دوسرے حلقے کی بیان ہو چکی ہیں، البتہ شرفِ مکانی کے درجات بیت اللہ کے قرب و بعد کے اعتبار سے متفاوت ہوں گے۔

حدودِ حرم مکہ مکرمہ کے چاروں طرف متعین ہیں، کسی طرف کم اور کسی طرف زیادہ، سب سے زیادہ قریب حد حرم تنعیم ہے، جو مکہ مکرمہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے، اور سب سے بعید نو میل پر ہے۔

چوتھا حلقہ ان سب سے وسیع تر ہے، جس میں یہ پہلے تینوں حلقے سمائے ہوئے ہیں، وہ حدود مواقیت ہیں، مواقیت میقات کی جمع ہے، حرم محترم کے تمام

(۱) آج کل اس جگہ کو شمیسیہ کہتے ہیں۔ ۱۲

اطراف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ مقامات متعین فرما دیے ہیں۔ جہاں سے مکہ مکرمہ میں آنے والے پر لازم کیا گیا ہے کہ بغیر احرام کے آگے نہ بڑھے، احرام خواہ حج کا ہو، یا عمرہ کا، ان مقامات میں سے ہر ایک کو میقات کہتے ہیں، اور پورے حلقہ مواقیت کو فقہاء کی اصطلاح میں حل کہا جاتا ہے، اس حلقے سے باہر تمام کو آفاق کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس حل صغیر کے بھی کچھ خاص آداب واحکام ہیں۔ مگر پہلے تینوں حلقوں سے کم ہیں، اس حلقے کی پابندیاں صرف اس قدر ہیں کہ مکہ مکرمہ میں داخل ہونے والا اس حلقے میں بغیر احرام کے داخل نہیں ہوسکتا ہے، اگر کوئی بغیر احرام کے داخل ہو جائے، تو اس پر دم یعنی قربانی واجب ہو جاتی ہے، جس کی تفصیل آگے آئے گی۔ اس مقالہ میں زیر بحث یہی چوتھا حلقہ ہے۔

اس کے احکام کی تفصیل معلوم کرنے سے پہلے کچھ اصطلاحی الفاظ کی تشریح بیان کر دینا ضروری ہے۔

اصطلاحی الفاظ کی تشریح

پہلے حلقہ کا اصطلاحی نام مسجد حرام ہے، دوسرے کو مکہ مکرمہ کہا جاتا ہے، تیسرے کا اصطلاحی نام حرم ہے، چوتھا حلقہ حدود حرم سے باہر مگر حدود مواقیت کے اندر ہے اس کا اصطلاحی نام حل ہے۔ یعنی اس میں شکار وغیرہ حلال ہے، حدودِ مواقیت سے باہر سارا عالم آفاق کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اور چونکہ حرم کی پابندی شکار وغیرہ کی جیسے حل میں نہیں ہے، ایسے ہی حل سے باہر آفاق میں بھی نہیں، اس لئے حل کے مفہوم میں آفاق بھی داخل ہے، اسی لئے بعض علماء حلقہ مواقیت کے اندر حرم سے باہر کے حل کو حل صغیر کہتے ہیں، اور حدودِ مواقیت سے باہر آفاق کو حل کبیر کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

مواقیتِ حج کی تعیین

صحیح بخاری میں بروایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ یہ حدیث منقول ہے:

''وقّتَ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم لاھل المدینۃ ذا الحلیفۃ و لاھل الشام الجحفۃ و لاھل نجد قرن المنازل و لاھل الیمن یلملم.'' (بخاری کتاب الحج)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ کے لئے ذوالحلیفہ اور اہل شام کے لئے جحفہ اور اہل نجد کے لئے قرن المنازل اور اہل یمن کے لئے یلملم میقات مقرر فرمایا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار میقات مقرر فرمائے، ذوالحلیفہ، جحفہ، قرن المنازل، اور یلملم ان مواقیت کی تفصیلی تحقیق آگے آجائے گی۔

اور صحیح بخاری ہی کی ایک دوسری حدیث میں بروایت ابن عمرؓ یہ بھی منقول ہے کہ جب فاروق اعظمؓ کے زمانے میں عراق فتح ہونے کے بعد اس کے دو شہر بصرہ اور کوفہ بسائے گئے، تو اہل عراق حضرت فاروق اعظمؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجد کے لئے میقات قرن المنازل کو مقرر فرمایا ہے، اور وہ ہمارے راستہ سے بہت دور ہے، اگر ہم اس راستہ کو اختیار کریں، تو ہماری مسافت اور مشقت بہت بڑھ جاتی ہے، اس پر حضرت فاروق اعظمؓ نے ارشاد فرمایا:

''فانظروا حذوھا من طریقکم فحد لھم ذات عرق.'' (صحیح البخاری کتاب الحج)

''اپنے راستہ سے اس کی محاذات دیکھ لو، چنانچہ (اس طریقہ سے)
فاروقِ اعظمؓ نے ان لوگوں کے لئے ذاتِ عرق کو میقات مقرر فرمایا۔''

اس روایت سے معلوم ہوا کہ پانچواں میقات ذات عرق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مقرر نہیں فرمایا تھا، حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے اجتہاد سے مقرر فرمایا۔

لیکن صحیح مسلم کی روایت میں شک و تردد کے ساتھ اور نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ وغیرہ میں بغیر شک کے یہ بھی منقول ہے کہ اہلِ عراق کے لئے ذات عرق کی تعیین خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی تھی۔ .... یہ روایتیں قوت و صحت کے اعتبار سے اگرچہ بخاری کی روایت کے ہم پلہ نہیں ہیں، مگر ان کو غیر معتبر بھی نہیں کہا جا سکتا، اسی لئے شیخ ابن ہمامؒ نے فتح القدیر میں تطبیق اس طرح فرمائی ہے کہ کوئی بعید نہیں کہ حضرت فاروق اعظمؓ کو اس واقعہ سے پہلے وہ حدیث نہ پہنچی ہو، جس میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذات عرق کو اہل عراق کا میقات مقرر فرمانا مذکور ہے۔ اس لئے انہوں نے اپنے اجتہاد سے کام لے کر متعین فرمایا اور یہ حضرت فاروقِ اعظمؓ کے خصوصی فضائل میں سے ہے، کہ ان کا اجتہاد ٹھیک حدیث کے مطابق واقع ہوا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اہل عراق کا میقات ذات عرق قرار پایا، خواہ اس کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرمایا ہو یا حضرت فاروق اعظمؓ نے، اس لئے کل مواقیت پانچ ہو گئے، ان پانچوں مواقیت اور ان کے مقامات کی ضروری تشریح یہ ہے۔

مواقیتِ خمسہ کی ضروری تشریح

ذوالحلیفہ اہل مدینہ کا میقات ہے، مصر اور شام کے مسافر جو تبوک کے راستہ سے آتے ہیں، ان کا میقات بھی یہی ہے، یہ مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ کی طرف جانے والے راستہ پر مدینہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ایک مقام کا نام ہے، جس کو آبارِ علی یا بیرعلی بھی کہا جاتا ہے، اور آج کل یہی نام مشہور ہوگیا ہے۔ (حاشیہ ارشاد الساری) اس کا فاصلہ مکہ مکرمہ تک نو یا دس مرحلے ہیں۔ (البحر الرائق)

اور مخدوم محمد ہاشم سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے حیاتُ القلوب میں اس کا فاصلہ مکہ مکرمہ سے ایک سو اٹھانوے میل بتلایا ہے، اس مقام سے ذرا ہٹ کر ایک مسجد ہے، جس کا نام مسجد شجرہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں یہاں ایک درخت تھا، اس کے نیچے آپ نے احرام باندھا تھا، پھر اس جگہ مسجد بنادی گئی، افضل واولیٰ یہی ہے کہ سنت کے مطابق احرام اسی مسجد سے باندھا جائے۔ اگرچہ یہ ذوالحلیفہ کے ابتدائی حصہ کے بعد ہے، اور عام مواقیت میں افضل یہ ہوتا ہے کہ میقات کے ابتدائی حصہ پر احرام باندھا جائے تاکہ پوری میقات پر اس کا گذر بحالتِ احرام ہوجائے، مگر ذوالحلیفہ بوجہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سے مستثنیٰ ہے کہ وہاں ابتداء ذوالحلیفہ کے بجائے مسجد شجرہ سے احرام افضل ہے۔

سید نورالدین سمہودی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے، کہ میں نے مسجد نبوی سے مسجد شجرہ تک ہاتھ سے پیمائش کی تو مسجد نبوی کے دروازے باب السلام سے مسجد شجرہ تک اونیس ہزار سات سو بتیس (۱۹۷۳۲) ہاتھ پایا، حاشیہ ارشاد الساری میں یہ قول نقل کرکے لکھا ہے کہ اس لحاظ سے یہ فاصلہ پانچ میل سے کچھ کم ہوا، کیونکہ میل ہمارے نزدیک چار ہزار ذراع کا ہوتا ہے، اس لوہے کے ذراع سے جو آج کل

مستعمل ہے۔ (حاشیہ ارشاد ص:۵۴)

جحفہ یہ رابغ کے قریب ایک گاؤں تھا، جس کو مہیعہ بھی کہا جاتا ہے، مکہ مکرمہ سے اس کے فاصلہ میں شدید اختلاف ہے، ارشاد الساری میں ملا علی قاری نے بتیس میل بتلایا ہے، اور حیات القلوب میں مخدوم ہاشم سندھیؒ نے بحوالہ علامہ مرشدی بیاسی میل لکھا ہے، اس طرح مراحل کے اعتبار سے فتح الباری شرح البخاری میں بحوالہ شرح مہذب نووی اس کا فاصلہ مکہ سے تین مرحلہ بتایا اور شیخ عبد اللہ بن سالم نے شرح بخاری میں مکہ مکرمہ تک پانچ منزل کا فاصلہ لکھا ہے، اور مدینہ منورہ تک سات منزل۔ (حیات القلوب قلمی ص:۲۱) غالباً وجہ اس اختلاف کی یہ ہے کہ جحفہ سے مکہ مکرمہ کے لئے راستے مختلف ہیں، کسی راستہ سے مسافت کم ہے، کسی سے زیادہ، یہ گاؤں جحفہ یا مہیعہ عرصہ دراز سے ویران اور بے نشان ہو گیا ہے، اس لئے اس طرف آنے والے رابغ سے احرام باندھتے ہیں، کیونکہ رابغ جحفہ سے کچھ پہلے ہے، یہاں سے احرام باندھنے والا گویا اصل میقات سے کچھ پہلے احرام باندھتا ہے، جو سب کے نزدیک جائز ہے، اس لئے احتیاط اسی میں ہے۔

اور رابغ ساحلِ سمندر پر مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف جانے والوں کے راستہ پر مشہور قصبہ ہے، اور آج کل تو اچھا شہر بن گیا ہے، جس میں مسافروں کے قیام کے لئے بڑے بڑے ہوٹل اور قہوہ خانے وغیرہ ہیں۔

قرن المنازل یہ اہل نجد کا میقات ہے، جس میں نجد یمن، نجد حجاز، نجد تہامہ شامل ہیں، لغتِ فقہ المغرب میں ہے کہ یہ ایک پہاڑ کا نام ہے، جو میدان عرفات کے اوپر ہے، اور شرح مصابیح میں ہے، بیضہ کی مانند ایک چکنا صاف اور مدور پہاڑ ہے، عرفات کے اوپر آیا ہوا ہے، اہل مکہ اور ان کے اطراف کے لوگ اس پہاڑ کو

کرا (بفتح الکاف) کہتے ہیں، اور قاموس میں ہے کہ قرن اس پہاڑ کا نام بھی ہے، اور اس کے متصل وادی کو بھی قرن کہتے ہیں، اور اس وادی کے اندر ایک گاؤں جو طائف کے قریب ہے اس کو بھی قرن کہا جاتا ہے۔ (حاشیہ ارشاد الساری ص:۵۵)

البحر الرائق میں ہے کہ قرن کا فاصلہ مکہ مکرمہ سے دو مرحلہ ہے، اور حیات القلوب میں مخدوم ہاشم سندھیؒ نے بھی بحوالہ نہایہ شرح ہدایہ دو مرحلہ کا فاصلہ اور باقانی شرح ملتقی الابحر کے حوالہ سے پچاس میل کا فاصلہ بتلایا ہے۔

(حیات القلوب قلمی ص:۲۱)

یَلَمْلَمَ ۔اہل یمن تہامہ کا میقات ہے، مکہ مکرمہ سے دو مرحلہ کے فاصلہ پر ایک پہاڑ کا نام ہے، اس زمانہ میں اس کو سعدیہ کہا جاتا ہے، علامہ عینی اور حافظ ابن حجر نے شرح بخاری میں اس کا فاصلہ مکہ مکرمہ سے تیس میل لکھا ہے، (حیات القلوب ص:۲۱) علامہ عینی نے لکھا ہے:

"قال ابن حزم هو جنوب مكة و منه الى مكة ثلاثون ميلاً." (عمدہ ص: ۱۴۰، ج:۵)

س "ابن حزم کہتے ہیں کہ یلملم مکہ مکرمہ کے جنوب میں ہے، اور اس سے مکہ مکرمہ تک تیس میل کا فاصلہ ہے۔"

اور شیخ عبدالرحمٰن نجدی نے اپنی کتاب مفید الانام نور الظلام ص:۵۷، ج:۱ میں اس کا فاصلہ چالیس میل بتلایا ہے، اور قسطلانی شرح بخاری، فتح القدیر شرح ہدایہ اور معجم البلدان وغیرہ میں میلوں کا فاصلہ بتلانے کے بجائے مرحلتین یا لیلتین کہا گیا ہے۔

ذاتِ عرق اہل عراق کا میقات ہے، ایک گاؤں کا نام ہے، جو عراق کی

طرف سے عقیق کے بعد مکہ مکرمہ سے دومنزل کے فاصلہ پر تھا، آج کل ویران ہوگیا ہے، اسی لئے اب اس کے بجائے عقیق سے احرام باندھا جاتا ہے، کیونکہ ذاتِ عرق کا صحیح تعین نہ رہا، عقیق سے احرام باندھنے میں اصل میقات سے کچھ پہلے احرام ہوگا، اسی میں احتیاط ہے۔

علامہ عابد مالکیؒ نے ہدایۃ الناسک میں فرمایا کہ ذات عرق مکہ مکرمہ سے دو مرحلے کے فاصلہ پر طائف کے راستہ پر ایک گاؤں تھا، جواب ویران ہوگیا ہے، اس کا محل وقوع اس مقام کے قریب تھا، جس کو آج کل سیل کہا جاتا ہے۔ (حاشیہ ارشاد الساری ص:۵۵) قسطلانی نے شرح بخاری میں اس کا فاصلہ مکہ مکرمہ سے بیالیس میل بتلایا ہے، اسی طرح فتح الباری شرح بخاری میں بیالیس میل کا فاصلہ لکھا ہے، نووی اور ابن حجر مکیؒ نے فرمایا کہ اس کا فاصلہ بھی مکہ مکرمہ سے دو مرحلہ کا ہے، جیسا کہ قرن اور یلملم کا فاصلہ دو مرحلے ہیں۔

(حیات القلوب) ومثلہ فی البحر۔

مواقیتِ خمسہ کے احکام

جو لوگ آفاق یعنی اطرافِ عالم سے آنے والے ان میقاتوں کے راستے سے گذرتے ہیں، اگر وہ مکہ مکرمہ میں جانے کے مقصد سے ان مواقیت سے آگے حل صغیر کی طرف جائیں، جو مواقیت کے اندر اور حرم سے باہر کے علاقے کا نام ہے، تو ان پر لازم ہے کہ ان مقامات سے حج یا عمرہ کا احرام باندھ کر آگے بڑھیں، بغیر احرام کے آگے بڑھنا گناہ ہے، اور جو ایسا کرے گا، اس کے ذمہ دم (قربانی) دینا واجب ہوگا۔ (ہدایہ، ارشاد الساری)

امام اعظمؒ ابوحنیفہؒ کے نزدیک آفاق یعنی حل کبیر سے آنے والا جو شخص مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کا ارادہ کرے، خواہ یہ ارادہ کسی دنیوی غرض تجارت یا عزیزوں سے ملاقات وغیرہ کی نیت سے کیا ہو، مگر بیت اللہ کی تعظیم کا تقاضا یہ ہے، کہ جب بھی وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہو، میقات سے حج یا عمرہ کا احرام باندھ کر داخل ہو، اور بیت اللہ کا یہ حق ادا کرے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص میقات سے آگے مکہ کی طرف بغیر احرام کے نہ بڑھے۔ (ہدایہ)

امام شافعیؒ کے نزدیک یہ پابندی صرف اس شخص کے لئے ہے، جو عبادت حج یا عمرہ کے قصد سے مکہ مکرمہ کا ارادہ کر رہا ہے، کسی تجارتی غرض یا عزیزوں سے ملاقات یا تفریحی طور سے جانے والے پر احرام باندھ کر جانے اور کم از کم عمرہ ادا کرنے کی پابندی نہیں ہے۔ (فتح القدیر شرح ہدایہ)

یہ حکم تو ان لوگوں کے لئے ہے، جو آفاق کے کسی علاقے سے آئیں، مگر کسی میقات کے راستہ سے مکہ مکرمہ جانے کے لئے حل صغیر میں داخل ہوتے ہیں، اب یہ دیکھنا ہے کہ جو لوگ پانچ میقاتوں میں سے کسی میقات پر نہیں گذرتے، دوسرے راستوں سے حل صغیر پھر حرم میں داخل ہوتے ہیں، ان کا کیا حکم ہے، کیا وہ اس پابندی ہی سے آزاد ہیں، اور بغیر احرام کے حرم میں داخل ہو سکتے ہیں، اور اگر ان پر بھی یہ پابندی ہے، تو ان کو کس جگہ سے احرام باندھنا واجب ہوگا، ملا علی قاری نے اپنے شرح مناسک میں اس کے متعلق فرمایا ہے:

"وعین هذه المواقیت لیست بشرط و لهٰذا یصح الاحرام قبلها بل الواجب عینها او حذوها ای محاذاتها و مقابلتها فمن سلک غیر میقات ای طریقا لیس فیه میقات معین براً او بحراً اجتهد و احرم اذا حاذی میقاتاً

منها ای من المواقیت المعروفة و من حذو الابعد اولی فان الافضل ان یحرم من اول المیقات و هو الطرف الابعد عن مکة حتی لایمر بشیء مما یقال میقاتاً غیر محرم و لو احرم من الطرف الاقرب الی مکة جاز باتفاق الاربعة و ان لم یعلم المحاذاة فانه لایتصور عدم المحاذات فعلی مرحلتین من مکة کجدة المحروسة من طرف البحر۔" (ارشاد الساری ص:۵٦)

"وقال فی حاشیته قوله کجدة فانها علی مرحلتین عرفیتین من مکة و ثلاث مراحل شرعیة و وجهه ان المرحلتین اوسط المسافات و الا فالاحتیاط الزیادة کذا فی شرح نظم الکنز و اقول لعل وجهه ایضاً ان اقرب المواقیت الی مکة علی مرحلتین عرفیتین من مکة فقدر بذالک. (ارشاد الساری ص:۵٦)

یہی مضمون دوسری تمام کتب فقہ میں مختصراً یا مفصلاً مذکور ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جولوگ کسی میقات معین کے اوپر سے نہیں گذرتے بلکہ درمیانی راستوں میں سے کسی راستہ سے مکہ مکرمہ کی طرف آتے ہیں، احرام کی پابندی ان پر بھی لازم ہے۔ اور طریقہ ان کے لئے یہ ہے کہ وہ جس راستہ سے حل صغیر کے اندر داخل ہو رہے ہیں، اس راستہ کا جو حصہ کسی میقات کی محاذات میں ہو، اسی جگہ سے احرام باندھ لیں، اگر راستہ ایسا ہے کہ ایک سے زائد میقاتوں کی محاذات راستہ میں آتی ہے، (۱) تو افضل یہ ہے کہ میقات ابعد کی محاذات سے احرام باندھیں، اور اگر اس

(۱) خط کشیدہ عبارت کا مفہوم کلام فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ میں نہیں ملتا۔

سے آگے بڑھ کر قریبی میقات کی محاذات سے احرام باندھ لیا، تو بھی جائز ہے۔ اور اصل بنیاد اس حکم کی صحیح بخاری کی وہ حدیث مذکور ہے، جس میں اہل عراق نے یہی سوال حضرت فاروق اعظمؓ کے سامنے پیش کیا، اور آپ نے ان کے جواب میں فرمایا:

"انظروا حذوها من طريقكم ثم حد لهم ذات عرق." (بخاری)

اپنے راستہ سے ان کی محاذات دیکھو پھر فاروق اعظمؓ نے (اس طریقے سے) ان کے لئے ذات عرق کو میقات مقرر فرمایا۔

اس میں حضرت فاروق اعظمؓ نے دوسرے راستوں سے گذرنے والوں کے لئے ایک ضابطہ بنا دیا کہ ان کا راستہ جو حل صغیر میں داخل ہونے کا ہے، اس راستہ پر جہاں کسی میقات کی محاذات آجائے، وہی ان لوگوں کے لئے میقات کے حکم میں ہے، یہاں سے مکہ کی طرف آگے بڑھنا بغیر احرام کے جائز نہیں۔

پھر اس ضابطہ کی رو سے اہل عراق کے لئے ان کے راستہ کے اس حصہ کو میقات قرار دیدیا، جو قرن المنازل کے محاذات میں ہے، یعنی ذات عرق۔

محاذات میقات کس طرح معلوم کی جائے؟

محاذات کے لغوی معنی مسامتت کے ہیں، جس کی تشریح شیخ ابن حجر ہیثمی مکیؒ نے تحفۃ المحتاج شرح منہاج میں بالفاظ ذیل کی ہے:

(و من سلک طريقا لا ينتهي الى ميقات فان حاذى) بالمعجمة (ميقاتا) اى سامته بان كان على يمينه او

یسارہ و لا عبرۃ بما امامہ او خلفہ (احرم من محاذاتہ)

(تحفہ علی ہامش الحواشی الشروانیہ ص: ۴۱، ج: ۴)

محاذات کا مطلب یہ ہے کہ میقات اس کے دائیں بائیں آجائے، سامنے اور پیچھے ہونے کا کوئی اعتبار نہیں۔

مطلب ظاہر ہے کہ محاذات سے مراد یہ ہے کہ میقات مکہ مکرمہ کی طرف جانے والے مسافر کی دائیں یا بائیں جانب آجائے، اور جب تک میقات اس کے آگے رہے، تو محاذات نہیں ہوئی، اور جب اس کے پیچھے پڑ جائے، تو محاذات سے تجاوز ہوگیا، مسائل نماز میں بھی محاذات کا یہی مطلب ہوتا ہے، اس کتاب میں اس کے بعد فرمایا ہے:

"(لم تجز مجاوزتہ) الی جھۃ الحرم (بغیر احرام) و خرج بقولنا الی جھۃ الحرم ما لو جاوزہ یمنۃ او یسرۃ فلہ ان یؤخر احرامہ لکن بشرط ان یحرم من محل مسافتہ الی مکۃ مثل مسافۃ ذالک المیقات کما قالہ الماوردی و جزم بہ غیرہ و بہ یعلم ان الجائی من الیمن فی البحر لہ ان یؤخر احرامہ الی جدۃ لان مسافتھا الی مکۃ کمسافۃ یلملم انتھیٰ."

عبارتِ مرقومہ سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ مسافر جب راستہ میں کسی میقات کی محاذات پر پہنچا، مگر اس کو کسی وجہ سے اس میقات کے راستہ سے مکہ مکرمہ کی طرف جانا نہیں ہے، بلکہ اس کا راستہ کسی دوسری سمت سے ہے، تو اس کے لئے اس محاذات پر احرام باندھنا واجب نہیں ہے، بلکہ جس راستہ سے اس کو مکہ مکرمہ کی طرف جانا ہے، اس راستہ پر محاذات کو دیکھا جائے گا، کیونکہ محاذات میقات سے

بغیر احرام تجاوز کرنا جو شرعاً ممنوع ہے، اس تجاوز سے مراد تجاوز الی جہۃ الحرم ہے، دوسری کسی سمت میں تجاوز ممنوع ہونے کی کوئی وجہ نہیں، جیسا کہ تحفہ کی عبارت مذکورہ سے واضح ہوگیا۔

اور غنیۃ الناسک میں مواقیت کی تعریف ہی اس طرح کی ہے:

"هی المواضع التی لایجوز ان یتجاوزها الی مکة و الحرم ولو لحاجة الا محرماً."

اس سے بھی معلوم ہوا کہ بلا احرام تجاوز ممنوع وہ ہے، جو تجاوز الی الحرم ہو، دوسری کسی جہت کی طرف تجاوز ممنوع نہیں۔

دوسری بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ اس دوسری محاذات میں یہ ضروری ہے کہ اس محاذات سے مکہ مکرمہ کا فاصلہ کم سے کم اتنا ہی ہو، جتنا اصل میقات سے فاصلہ ہے۔ مثلاً کوئی شخص یلملم کی محاذات سے جدہ کی طرف بڑھا، اور جدہ کے راستہ سے مکہ مکرمہ کی طرف جانے کا قصد کیا، تو اس کو احرام اس جگہ سے باندھنا چاہیے، جہاں سے مکہ مکرمہ کا فاصلہ یلملم کے فاصلہ کے برابر ہو۔ اور حسب تصریح فقہاء یلملم کا فاصلہ بھی مکہ مکرمہ سے مرحلتین کا ہے، اور جدہ کا فاصلہ بھی مرحلتین ہے، تو دونوں فاصلے مساوی ہونے کی وجہ سے جدہ سے احرام باندھنا جائز ہوگا۔

محاذات کی یہ تفسیر لغوی معنی کے لحاظ سے بھی اقرب ہے، اور فقہاء کی تفسیر سے بھی اسی کی ترجیح ہوتی ہے، صاحب بدائع کی ایک عبارت سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے، وہ یہ ہے:

"فاما اذا قصدها من طریق غیر مسلوک فانه یحرم اذا بلغ موضعاً یحاذی میقاتاً من هذه المواقیت لانه اذا

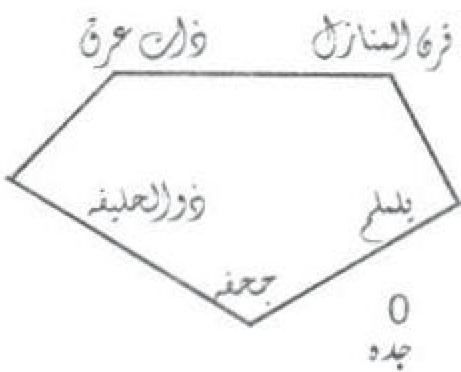
حاذی ذالک الموضع میقاتاً من المواقیت صار فی حکم الذی یحازیه فی القرب من مکة . ‘‘

(بدائع ص:۱۶۴، ج:۴)

محاذات کی ایک دوسری تفسیر

علامہ داملا اخوند جان مرغینانی مہاجر مکیؒ نے مواقیت حج کی تحقیق میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے، جس کی تاریخ تصنیف ۱۳۱۳ھ ہے، اور ۱۳۲۳ھ میں تاشقند کے ایک پریس میں چھپا ہے، یہ رسالہ حضرت حاجی شیر محمد صاحب سندھیؒ مہاجر مدنی نے احقر کو عطا فرمایا تھا، جو احقر کے پاس موجود ہے، اس رسالہ میں ان کی تحقیق یہ ہے کہ جس طرح حدود حرم کے ذریعہ تمام حلقہ حرم کی تعیین کی جاتی ہے، کہ حد حرم سے دوسری حد تک ایک خط ملایا جائے، اسی طرح تیسری چوتھی حدود کے باہم خطوط ملا کر ان خطوط کے درمیان جو رقبہ زمین آتا ہے، وہ حرم کہلاتا ہے۔

اسی طرح مواقیت کے حلقے کو سمجھنا چاہئے، ایک میقات سے دوسرے میقات تک خط ملا کر یہ خط محاذات ہوگا، خط سے باہر آفاق اور خط کے اندر حل کہا جائے گا، اس خط محاذات سے بغیر احرام کے مکہ مکرمہ کی طرف تجاوز کرنا جائز نہیں ہوگا، اس کی شکل بھی رسالہ کے حاشیہ پر ایک مخمس کی صورت میں یہ دی ہے۔



اس تفسیر محاذات کے مطابق یلملم سے جو خط جحفہ کے ساتھ ملایا جائے گا، تو جدہ اس خط سے باہر کافی فاصلہ پر رہتا ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے، کہ شہر جدہ سے

بھی آگے بحرہ کے قریب تک بلا احرام جاسکیں، محاذات کی یہ تفسیر اگرچہ قواعد محاذات کی رو سے معقول ہے، مگر فقہاء کے کلام میں اس کی تائید نہیں ملتی، بلکہ اس کے خلاف یہ تصریحات اوپر گذر چکی ہیں کہ اہل یمن و بلادِ مشرق کے باشندے جو جدہ کی طرف سے داخل حل ہوں، تو ان پر یہ پابندی لازم ہے کہ جس قدر مسافت یلملم کی مکہ مکرمہ سے ہے اسی قدر مسافت اس طرف سے بھی ہونی چاہئے، مثلاً وہ مرحلتین ہے، تو ادھر سے بھی مرحلتین کا فاصلہ مکہ مکرمہ سے ضروری ہے، اور وہ جدہ پر ہی ہوسکتا ہے، جدہ سے آگے نہیں۔ داملا اخوند جان کی عبارت اس کے متعلق یہ ہے:

"ظاهر ان المسجد مشتمل على البيت و حاوله من كل جهة و مكة مشتمل بهما و الحرم مشتمل بالثلاثة ممتد من كل جهة الى الحل الصغير المحيط بالحرم و لا شك ان الحرم غير مختص بالعلامات الموضوعة فى الطريق بل هو السطح الممتد من كل جهة قربا و بعدا و لايتوهم احد ان الحرم المكانات المتصلة بالعلامات فقط و كل عاقل يفهم ان الاماكن بين العلامات من ارض الحرم مثلاً العلامة عند التنعيم الى العلامة عند حديبية كلها حرم لايقتل صيده و لايقطع شجره."

"ثم الحل الصغير يبتدء من اطراف الحرم من كل جهة الى المواقيت كانها مخمسة الشكل و الحل الصغير بين الحرم و الحل الكبير الذى هو جميع

الآفاق و المواقیت بعض اجزاء الحل و لهذا يجوز لاهلها تاخير الاحرام الى قريب حد الحرم كما يجوز لاهل الحل الصغير (الى قوله) فتحصل من ذالک ان حرم الحرم ای المواقیت مثل الحرم المحيط بما فی جوفه مثل الخطوط الممتدة بين النقاط فكما ان النقاط مواقیت فكذالک الخطوط بينها و الا لجاز الدخول الى الحرم بلا احرام من بين المواقيت . "

(رسالہ اخوند جان ص:۱۶۳ طبع تاشقند)

پاکستان، ہندوستان اور مشرقی ممالک سے آنے والوں کا میقات

آج کل ان ممالک مشرقیہ سے آنے والے حجاج کے لئے راستے دو ہیں، ایک ہوائی دوسرا بحری، ہوائی جہازوں کا راستہ عموماً خشکی کے اوپر سے براہ قرن المنازل ہوتا ہے، ہوائی جہاز قرن منازل اور ذات عرق دونوں میقاتوں کے اوپر سے گذرتے ہوئے اول حل میں داخل ہو جاتے ہیں، اور پھر جدہ پہنچتے ہیں، اس لئے ہوائی سفر میں تو قرن المنازل کے اوپر آنے سے پہلے پہلے احرام باندھنا لازم و واجب ہے، اور چونکہ ہوائی جہازوں میں اس کا پتہ چلنا تقریباً ناممکن ہے، کہ کس وقت اور کب یہ جہاز قرن المنازل کے اوپر سے گذرے گا، اس لئے اہل پاکستان اور ہندوستان کیلئے تو احتیاط اسی میں ہے، کہ ہوائی جہاز میں سوار ہونے کے وقت ہی احرام باندھ لیں، اگر بغیر احرام باندھے ہوئے ہوائی جہاز کے ذریعہ جدہ پہنچ گئے، تو ان کے ذمہ دم یعنی قربانی ایک بکرے کی واجب ہو جائے گی، اور گناہ اس

کے علاوہ ہوگا، جس کی وجہ سے حج ناقص رہ جاتا ہے، مقبول نہیں ہوتا بہت سے حجاج اس میں غفلت کرتے ہیں۔

چین، انڈونیشیا، جاوا وغیرہ کے ہوائی جہاز بھی اگر خشکی پر پرواز کریں، تو ان کا بھی یہی حکم ہے، ہاں اگر ان کے جہاز خشکی کے بجائے سمندر کے اوپر سے پرواز کر کے جدہ پہنچیں، تو ان کا حکم وہ ہوگا، جو بحری جہاز سے آنے والوں کا ابھی لکھا جائے گا۔

مشرقی ممالک کے لئے دوسرا راستہ بحری سفر کا ہے، اس راستہ سے جانے والے بحری جہاز قدیم زمانے میں تو یلملم کے ساحل پر اترتے تھے، جو یمن کا ایک حصہ ہے، اور اہل یمن کی طرح وہ بھی میقات یلملم سے گذر کر حل میں پھر حرم اور مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے تھے، اسی لئے عام فقہاء کی تصریحات بھی ہیں کہ ہندوستان، پاکستان اور تمام بلاد مشرق کا میقات یلملم ہے، لیکن مدت دراز سے یہ ساحل متروک ہوگیا، اب بحری جہاز یہاں نہیں ٹھہرتے، بلکہ ساحل یلملم سے پندرہ بیس میل کے فاصلہ پر محاذات یلملم سے گذرتے ہوئے سمندر ہی میں آگے بڑھ جاتے ہیں، اور ساحل جدہ پر قیام کرتے ہیں، جدہ ہی سے سب مسافر مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔

اس صورت میں یہ تو ظاہر ہے کہ ان ممالک سے بحری جہازوں پر آنے والے مسافروں کے راستے میں عین میقات تو کوئی پڑتا نہیں، البتہ محاذات میقات یلملم سے دو جگہ ہوتی ہے، ایک درمیان سفر یلملم کے مقابل سے گذرتے ہوئے، دوسرے سفر کے اختتام پر جدہ میں، سابقہ تحریر میں یہ بات واضح ہو چکی ہے، کہ کسی میقات یا اس کی محاذات سے بلا احرام تجاوز کرنا جو ممنوع و ناجائز اور موجب دم

ہے، وہ اس وقت ہے، جب کہ یہ ان کا تجاوز الی جہۃ الحرم ہو، اور اگر اس محاذات سے سمندر ہی میں آگے بڑھتا ہوا آفاق ہی کے اندر سفر کرے، تو یہ تجاوز عن المیقات اور موجب دم نہیں ہوگا، جیسا کہ تحفہ شرح منہاج کے حوالہ سے اس کی تصریح پہلے آچکی ہے، جس کے بعض الفاظ یہ ہیں:

"و خرج بقولنا الی جهة الحرم ما لو جاوزه يمنة او يسرة فله ان يؤخر احرامه لكن بشرط ان يحرم من محل مسافته الى مكة مثل مسافة ذالك الميقات كما قاله الماوردى و جزم به غيره و به يعلم ان الجائى من اليمن فى البحر له ان يؤخر احرامه من محاذاة يلملم الى جده لان مسافتها الى مكة كمسافة يلملم كما صرحوا به." (تحفہ علی ہامش الحواشی الشروانیہ، ص:۴۵، ج:۴)

اس کا حاصل یہ ہے کہ مشرقی ممالک سے بحری جہازوں پر آنے والوں کے لئے محاذات یلملم پر احرام باندھنا واجب نہیں، ہاں کوئی یہیں پر احرام باندھے، تو افضل ہونے میں شبہ نہیں، کیونکہ میقات سے جتنا پہلے کوئی احرام باندھے اتنا ہی ثواب زیادہ ہے۔

اب قابلِ غور سوال یہ رہ جاتا ہے، کہ جب ان لوگوں پر محاذات یلملم سے احرام باندھنا واجب نہ ہوا، تو پھر کس جگہ سے احرام باندھنا واجب ہوگا، جہاں سے تجاوز بلا احرام جائز نہیں۔

جدہ سے احرام باندھنے کا مسئلہ

یہ بات اوپر واضح ہو چکی ہے کہ ہوائی جہاز کے ذریعہ خشکی کے اوپر سے جدہ

پہنچنے کے لئے میقات قرن المنازل اور میقات ذات عرق کے اوپر سے گذرنا ہوتا ہے، اس لئے ہوائی جہاز کے مسافروں کو بلا احرام جانا جائز نہیں، پاکستان، ہندوستان والوں کے لئے ضروری ہے کہ اپنے ہوائی جہاز میں سوار ہونے کے وقت ہی احرام باندھ لیں۔

البتہ غور طلب مسئلہ بحری جہازوں کا اور ان کے مسافروں کا ہے کہ جب میقات یلملم کی محاذات سے احرام واجب نہ ہوا تو اب کہاں واجب ہوگا۔

داملا اخوند جان کی تحریر کے مطابق تو یہ مقام جدہ شہر سے بھی کچھ آگے چل کر آئے گا، مگر فقہاء کی تصریحات اس سے مختلف ہیں، عام فقہاء کے نزدیک جدہ کی طرف سے جانے والے مشرقی مسافروں کے لئے یہ ضروری ہے، کہ اس مقام پر احرام باندھیں جس کا فاصلہ مکہ مکرمہ سے اس فاصلہ سے کم نہ ہو، جو یلملم اور مکہ مکرمہ کے درمیان ہے۔ اب یہ مقام کون سا ہوگا؟ اس کے متعلق علامہ ابن حجر مکی کی کتاب تحفہ شرح منہاج کے حوالہ سے یہ تصریح ابھی گذر چکی ہے کہ یہ مقام جدہ ہے کیونکہ مسافت جدہ کی مکہ مکرمہ سے اتنی ہی ہے، جتنی یلملم کی مکہ مکرمہ سے ہے۔

"لہ ان یؤخر احرامہ من محاذات یلملم الی جدۃ لان مسافتھا الی مکۃ کمسافۃ یلملم."

علامہ ابن حجر مکی کی تصریحات بالا سے تو یہ معلوم ہوا کہ حقیقی محاذات اس طرف سے معلوم کرنے کا طریقہ ہی یہ ہے کہ مسافت مرحلتین کا اعتبار کیا جائے، جس طرح یلملم سے مکہ مکرمہ دو مرحلے پر ہے، اسی طرح جدہ سے دو مرحلے ہے، اس لئے مسافت برابر ہونے کی وجہ سے جدہ ہی محاذات یلملم قرار دیا جائے گا۔

فقہاء حنفیہ میں حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کسی قدر فرق کے

ساتھ اس کی موافقت فرمائی، وہ یہ کہ اگر حقیقی محاذات کا علم نہ ہو، تو پھر دو مرحلے کی مسافت کا اعتبار کر کے جدہ ہی کو بحکم میقات سمجھا جائے گا، ان کے الفاظ مناسک ملا علی قاری میں یہ ہیں:

"و ان لم یعلم المحاذاة، فعلی مرحلتین من مکة کجدة المحروسة من طرف البحر ."

(ارشاد الساری ص:۵۶)

اسی طرح غنیۃ الناسک میں بحوالہ طوالع لکھا ہے:

"و ان لم یعلم المحاذاة فعلی مرحلتین عرفیتین من مکة کجدة من طرف البحر فانها علی مرحلتین عرفیتین من مکة و ثلث مراحل شرعیة طوالع."

(غنیۃ الناسک ص:۲۶)

اسی طرح فقیہ العصر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اب سے پچاس سال پہلے ۱۳۲۸ھ میں یہی فتویٰ دیا تھا، کہ حقیقی محاذات معلوم نہ ہونے کے سبب جدہ ہی کو میقات قرار دیا جائے گا۔

امداد الفتاویٰ تتمہ خامسہ طبع قدیم کے ص:۱۴۹ پر اور طبع جدید کی جلد دوم ص:۱۴۰ میں ان کا یہ ارشاد بالفاظ ذیل منقول ہے:

"حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سے عرض کیا کہ مدینہ کا راستہ بند ہونے کی صورت میں حج کا احرام کہاں سے باندھے گا، تو اس کے جواب میں فرمایا کہ حج بدل کا احرام جدہ سے ہوگا۔"

مناسک ملا علی قاری میں عبارت موجود ہے: "و ان لم یعلم المحاذاة فعلی مرحلتین من مکة کجدة المحروسة من

طرف البحر ۔'' اور یہ ظاہر ہے، اہل ہند کے لئے یلملم کی محاذات کسی معتبر طریقے سے نہیں ہوتی، لہٰذا جدہ ان کے لئے میقات ہے۔

(۱۷ شعبان ۱۳۴۸ھ)

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی دامت برکاتہم جو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں، ان سے زبانی بھی اس کی تصدیق ہوئی کہ حضرت مولانا موصوف اہل ہند کے لئے بحری جہاز سے آنے کی صورت میں جدہ ہی کو ان کا میقات قرار دیتے تھے۔ یہ تمام اقوال سابقہ اس پر تو متفق ہیں، کہ مکہ مکرمہ کی مسافت یلملم اور جدہ سے مساوی یعنی مرحلتین ہے، علامہ ابن حجر مکی اس مرحلتین کو عین محاذات قرار دے کر جدہ سے احرام کو جائز لکھتے ہیں، اور ملا علی قاری اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ اس بنا پر جدہ کو قائم مقام محاذات کا قرار دیتے ہیں، کہ اصل محاذات کا علم نہیں، اس لئے مسافت کا اعتبار کر کے مکہ مکرمہ سے دو مرحلہ پہلے احرام باندھنا واجب ہے، اور جدہ چونکہ دو مرحلہ کی مسافت پر ہے، اس لئے جدہ سے احرام باندھنا صحیح ہو گیا۔

ان تمام عباراتِ مرقومہ سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ حضرات فقہاء نے اس مسافت کی تعیین میں میلوں کی کمی بیشی کا اعتبار نہیں کیا، بلکہ مراحل کا اعتبار کیا ہے۔ اور مراحل کی مسافت میلوں کے اعتبار سے کم و بیش ہو سکتی ہے، یہی وجہ ہے کہ فتح الباری و عمدۃ القاری میں بحوالہ ابن حزم یلملم کا فاصلہ مکہ مکرمہ سے تیس میل لکھا ہے، اور بعض علماء نے چالیس میل بھی فرمایا ہے، اور آج کل کے پیمائش کرنے والوں نے باون تک بتلایا ہے، پھر اسی کو سب نے مرحلتین بھی فرمایا ہے، اور قرن المنازل کا فاصلہ میلوں کے اعتبار سے مخدوم ہاشم سندھیؒ نے حیات القلوب میں بحوالہ باقانی شرح ملتقی الابحر پچاس میل بتلایا ہے، اور اس کو بھی تمام فقہاء نے مرحلتین

ہی فرمایا ہے۔ کمافی البحر الرائق

اسی طرح ذات عرق کو بھی مکہ مکرمہ سے دو مرحلہ پر لکھا ہے، ارشاد الساری ص: ۵۵ والنووی شرح مسلم، تحفہ ابن حجر مکی، اور میلوں میں اس کا فاصلہ قسطلانی اور فتح الباری شرح بخاری میں بیالیس میل بتلایا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ میلوں کے اعتبار سے فاصلوں کی کمی بیشی کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے، تیس میل کو بھی دو مرحلے قرار دیا، پچاس میل کو بھی، بیالیس میل کو بھی اور اعتبار مراحل کا کر کے ان کی مسافتوں کو مکہ مکرمہ سے مساوی قرار دیا گیا ہے۔

جدہ کو میقات اہل یمن واہل مشرق قرار دینا اسی اصول پر مبنی ہے کہ مسافت مرحلتین پر ہے، اب میلوں کے اعتبار سے کتنا ہے، اس کی تحقیق ضروری نہیں رہی، آج کل کی پیمائش کے اعتبار سے جدہ کا فاصلہ مکہ مکرمہ سے تقریباً چھیالیس میل ہے۔

میقاتِ یلملم کے فاصلہ میں اختلاف کی وجہ

یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ فقہاء کے نزدیک اس جگہ مسافت میں مراحل کا اعتبار ہے، میلوں کی کمی بیشی سے کوئی فرق نہیں پڑتا، تاہم میلوں کا فاصلہ بھی اکثر فقہاء و علماء لکھتے چلے آئے ہیں، شرح بخاری، عمدۃ القاری، فتح الباری وغیرہ میں تو بحوالہ ابن حزم یہ فاصلہ تیس میل بتلایا ہے، اور شیخ عبداللہ بن عبدالرحمٰن نجدی نے اپنی کتاب مفید الانام ونور الظلام ص: ۷۵، ج: ۱ میں یہ فاصلہ چالیس میل لکھا ہے، اور آج کل بعض اہل فن نے یہ فاصلہ باون میل کا بتلایا ہے، اس اختلاف کا اصل منشاء موجود ہے، جو تحفہ شرح منہاج کے حاشیہ میں شیخ عبدالحمید شروانی نزیل مکہ مکرمہ نے

بتلایا ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں:

"و قد علمت ان یلملم جبل محاذ للسعدیة و سمعت ان بحذاء السعدیة جبلین احدهما بین طرفها المحاذی لمکة بینه و بین مکة اکثر من مرحلتین و الثانی ممتد لجهة مکة بینه و بین مکة باعتبار طرفه الذی بجهتها مرحلتان فاقل."

(حواشی شروانیہ ص: ۴۲، ج: ۴)

اس سے معلوم ہوا کہ یلملم اس پہاڑ کو کہا جاتا ہے، جو سعدیہ کے محاذ میں واقع ہے، اور وہ دو پہاڑ ہیں، ایک کا فاصلہ مکہ مکرمہ سے میلوں کے اعتبار سے دو مرحلے سے زیادہ ہے، دوسرے کا فاصلہ دو مرحلے سے بھی کم، معلوم ہوتا ہے کہ ابن حزم نے اس دوسرے فاصلہ کا اعتبار کر کے تیس میل بتلایا ہے، اور جنہوں نے پہلے فاصلہ کو لیا، انہوں نے چالیس پچاس میل تک کا فاصلہ قرار دیا۔

میقاتِ جدہ کے متعلق علماء کا اختلاف

تحفہ شرح منہاج ابن حجر مکیؒ کے حوالہ سے جو بات اوپر لکھی گئی ہے کہ جدہ کی مسافت بھی یلملم کی مسافت کے مساوی ہے، اس لئے جدہ سے احرام باندھنا صحیح ہے۔ اس کتاب کے حاشیہ میں شیخ عبدالحمید شروانی نزیل مکہ مکرمہ نے اس وقت کے علماء کا اختلاف بھی نقل کیا ہے، اور فرمایا ہے کہ علامہ شبلیؒ مفتی مکہ اور فقیہ احمد بلحاج اور ابن زیاد یمنی وغیرہ علماء نے اسی پر فتویٰ دیا ہے، جو تحفہ میں لکھا ہے، یعنی جدہ سے احرام باندھنے کو درست و جائز قرار دیا ہے، لیکن اس کے بالمقابل یمن کے بعض علماء عبداللہ بن عمر بالحزم، محمد بن ابی بکر اشخر، شیخ عبدالرؤف کا اختلاف بھی

نقل کیا ہے، ان حضرات کا قول یہ ہے کہ جدہ کی مسافت مکہ مکرمہ تک بہ نسبت مسافت یلملم کے کم ہے، اس لئے حجاج کو چاہئے کہ ساحل جدہ میں اترنے سے پہلے جس جگہ سے جہاز ساحل جدہ اور حرم کی طرف رخ موڑتا ہے، وہاں سے احرام باندھ لیں، ساحل جدہ تک مؤخر نہ کریں، ان کے الفاظ بحوالہ وفائی یہ ہیں:

"عبارة الوفائي: فله ان يؤخر احرامه من محاذاة يلملم الى رأس العلم المعروف قبل مرسى جدة و هو حال توجه السفينة الى جهة الحرم و ليس له ان يؤخر الى جدة لانها اقرب من يلملم بنحو الربع و قولهم ان جدة و يلملم مرحلتان مرادهم ان كلا لا ينقص عن مرحلتين و ان تفاوتت المسافتان كما حققه من سلك الطريق الخ." (ص: ۴۵، ج: ۴)

علماءِ عصر کی مجلس میں اس مسئلہ پر بحث

دارالعلوم کراچی مدرسہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی، مدرسہ اشرف المدارس کراچی کے اہل علم وفتویٰ نے عرصہ سے ایک مجلس کی تشکیل کی ہوئی ہے، جس کی غرض ایسے ہی جدید وقدیم مسائل پر بحث کر کے کوئی جہت متعین کرنا ہے، جس کا کوئی صریح حکم قرآن وسنت اور ائمہ فقہاء کے کلام میں موجود نہیں، اور علماء عصر کی رائیں ان میں مختلف ہیں، اب تک اس مجلس میں بہت سے اہم مسائل پر بحث ہو کر متفقہ رائے سے احکام مع تفصیل دلائل لکھ دیے گئے، جو مستقل رسالوں کی صورت میں ہیں، اور انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب ان کی اشاعت کا انتظام کیا جائے گا۔

یہ مسئلہ بھی مجلس میں زیر بحث آیا، اور متعدد مجالس میں بحث و تمحیص کے باوجود سب کا اتفاق کسی جانب نہیں ہو سکا، کچھ رائیں مختلف رہیں، چونکہ ایسا اختلاف کوئی نئی چیز نہیں، ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے، مگر آج کل اس طرح کے اختلاف کو عموماً ایک افتراق بنالیا جاتا ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس مختلف فیہ مسئلہ میں جن حضرات نے اختلاف کیا ہے، ان کی رائے مع ان کے دلائل کے لکھ دی جائے تاکہ لوگوں کو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ علماء کا اختلاف کس طرح ہوا کرتا ہے، اور اختلاف علماء کے وقت عوام کے لئے طریقہ کار کیا ہے۔

حضرت علامہ مولانا محمد یوسف بنوری کی رائے

بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ و کفی و سلام
علی عبادہ الذین اصطفیٰ،

رسالہ الیواقیت فی احکام المواقیت مصنفہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم و زیدت حسناتہم کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا، اور کچھ حصہ حضرت مصنف سے زبانی سنا، اور بحری حجاج مسافروں کے لئے جدہ سے جواز احرام کا مسئلہ ہماری مجلس فقہی کی متعدد مجالس میں زیر بحث آیا، اور کافی غور و خوض ہوا، اور تحفۃ المحتاج شرح المنہاج کی عبارت اور مخدوم ہاشم سندھیؒ وغیرہ کی عبارات و آراء پر بھی غور ہوا، اور بہت عرصہ پہلے انفرادی طور بھی بارہا غور کیا، کبھی انشراح صدر نہیں ہوا کہ جدہ سے احرام کی جواز کی صورت درست ہو سکتی ہے، جو کچھ فہم قاصر میں آیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

سرزمین حرم یا مکہ معظّمہ میں آنے والوں کے لئے دنیا کے کسی گوشے سے آئیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدود مقرر فرما دی ہیں، بلا احرام ان سے تجاوز

کرنا جائز نہیں، بیت اللہ الحرام کے شمال سے آنے والوں کے لئے ذی الحلیفہ ہے، مغرب سے آنے والوں کے لئے جحفہ ہے، (جدید نام رابغہ) جنوب سے آنے والوں کے لئے یمن کی سرزمین جبل یلملم ہے (جدید نام جبل سعدیہ) جنوب مشرق سے آنے والوں کیلئے قرن المنازل ہے، اور شمال مشرق سے آنے والوں کے لئے ذات عرق ہے، (جدید نام مقام عتیق) اب یا تو انہی پر مقامات پر گذر ہوگا، تو انہی مقامات سے احرام باندھنا ہوگا، یا ان سے فاصلے سے گذرنا ہوگا، تو دائیں یا بائیں یہ مقامات واقع ہوں گے، ان کی محاذات و مسامتت سے احرام باندھنا ہوگا۔

اگر محاذات کی جگہ متعین نہ ہو سکے اور علم یا ظن غالب سے تعین ممکن نہ ہو تو اس وقت ایسے مقام سے احرام باندھنا ہوگا، جس کا فاصلہ کم از کم دو مرحلہ عرفیہ یا تین مراحل شرعیہ ہوں، کیونکہ قریب ترین مواقیت کا فاصلہ اتنا ہی ہے، ظاہر ہے کہ میقات یا محاذات میقات سے تجاوز جائز ہونے کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ محاذات میقات مجہول ہو، نیز جدہ تمام فقہاء حنفیہ کی تصریحات کے مطابق داخل میقات ہے، اب جو شخص بحری سفر کر رہا ہو، محاذات میقات سے بلا احرام گذرے گا، اور داخل میقات کے مقام پر پہنچے گا، اس پر تجاوز عن المیقات بلا احرام کا حکم لگے گا، رہا کہ محاذات کا علم صحیح طریقہ سے ممکن نہیں، یہ بات صحیح نہیں، آج کل کے آلات اور نقشہ جات اور جہاز رانوں کی معلومات کے پیش نظر یہ محض خیال خام ہے، نیز آج کل پاکستان سے جو جہاز جاتے ہیں، جہاز ران تمام مسلمان ہوتے ہیں، اطلاع دینے والے کافر کا سوال بھی ختم ہو جاتا ہے۔

شیخ ابن حجر ہیثمی مکی کا یہ فرمانا کہ جب تجاوز یمنۃً و یسرۃً یعنی دائیں بائیں ایسے حال میں ہو کہ مسافر کا رخ مکہ کے سمت میں نہ ہو، اور جب رخ مکہ کی طرف

ہو، اس وقت محاذات میقات سے احرام باندھنا ہو گا، قابل اطمینان نہیں ہے، جب مسافر کا قصد مکہ ہی ہے، اور آگے چل کر صحیح تعین محاذات مشکل ہو، پھر متعین محاذات کو چھوڑنا غیر معقول ہے، جب کہ میقات سے اور محاذات میقات سے احرام باندھنا زیادہ بہتر ہو، اور اسی وجہ سے ابن حجر مکی کے چند شارحین نے ان کی رائے کی مخالفت کی ہے، اگر چہ مدار خلاف کچھ اور ہے، صرف اتنی بات تجاوز عن المیقات کے لئے کہ مسافت جدہ اور یلملم کے برابر ہے، جدہ سے احرام باندھنے کے لئے کافی نہیں، یہ تو صرف اسی وقت حکم ہے کہ محاذات میقات کا تعین نہ ہو سکے، بہر حال جو کچھ ابن حجر ہیثمی نے فرمایا ہے، وہ میری سمجھ سے بالا تر ہے، اور تعجب ہے کہ موصوف نے دعویٰ کی تائید یا تدلیل میں کوئی فقہی یا حدیثی دلیل پیش نہیں فرمائی، اس لئے موصوف کا دعویٰ بلا دلیل پر اتنی بڑی بنیاد قائم کرنا صحیح نہیں، اور میرے نزدیک فقہی مسئلہ یہی ہے، کہ بحری مسافر کو یلملم کی محاذات ہی سے احرام باندھنا ضروری ہے، ورنہ دم لازم آئے گا، اور توبہ بھی کرنا پڑے گی۔

مولانا مفتی رشید احمد صاحب مدرسہ اشرف المدارس کی رائے!

بسم اللہ الرحمن الرحیم سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم .

بندہ نے مسئلہ محاذات میقات پر قدیماً و حدیثاً، اجتماعاً و انفراداً جب بھی غور کیا، تو ہر دفعہ یہی نتیجہ نکلا کہ محاذات بصورت دائرہ لی جائے گی، یعنی مکہ مکرمہ سے جس مقام کا فاصلہ میلوں کے اعتبار سے میقات کے فاصلے سے برابر ہو گا، وہ مقام محاذی میقات کہلائے گا، اس نظریہ پر مختصراً چند دلائل عرض کرتا ہوں۔

ا:......محاذات میقات کے اصل معنی یہ ہیں کہ مکہ مکرمہ کی طرف جاتے

ہوئے میقات کے دائیں بائیں جانب برابر ہو جائے، کما فی التحفة الماسامة، بان کان علی یمینه او یساره۔ اور ظاہر ہے کہ یہ معنی اسی صورت میں متعین ہو سکتے ہیں، کہ مسافت کی مساوات میلوں کے اعتبار سے لے لی جائے، البتہ میقات سے بہت دور سے گذر رہو، تو دونوں میں تفاوت ہوگا۔

حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے قول: ''فانظروا حذوها من طریقکم'' سے بھی ظاہر ہے کہ اصل اعتبار میقات کے دائیں یا بائیں جانب سے مسافت کا ہے جو کہ مساواۃ بعد بحسب الامیال کو مستلزم ہے، الا یہ کہ میقات سے بہت دور سے گذر رہو، بلکہ من طریقکم کا لفظ بتلا رہا ہے کہ مسامتت انسان کی بجائے محاذاۃ مقام یعنی مساواۃ مسافت کا اعتبار کیا جائے گا، اور مسافت کی صحیح مساواۃ مراحل ترک کسور سے نہیں ہو سکتی۔

۲:......''وان لم یعلم المحاذاة فعلی مرحلتین من مکة کجدة المحروسة من طرف البحر۔'' (ارشاد الساری) اس سے ثابت ہوا کہ محاذاۃ میں مساواۃ مسافت کا اعتبار میلوں سے کیا جائے گا نہ کہ مراحل سے، کیونکہ اکثر مواقیت مرحلتین پر ہیں، پس اگر محاذاۃ میں بعد بحساب مراحل لیا جائے، تو عبارت مذکور کا حاصل یہ نکلے گا، و ان لم یعلم بعد المرحلتین فعلی مرحلتین. و هو بین البطلان.

۳:......عبارة الوفائی: ''فله ان یؤخر احرامه من محاذاة یلملم الی رأس العلم المعروف قبل مرسی جدة و هو حال توجه السفینة الی جهة الحرم و لیس له ان یؤخر الی جدة لانها اقرب من یلملم بنحو الربع و قولهم ان جدة و یلملم مرحلتان مرادهم ان کلا لاینقص

عن مرحلتین و ان تفاوتت المسافتان کما حققه من سلک الطریقین و هو عدد کادوا ان یتواتروا الخ." (حاشیہ شروانی علی تحفہ)

اس سے معلوم ہوا کہ جن حضرات نے مرحلتین کا اعتبار کرتے ہوئے جدہ کو یلملم سے محاذی قرار دیا ہے، ان کا بھی یہ مقصد نہیں کہ میلوں کا فرق غیر معتبر ہے، بلکہ ان کے نظریہ کی بنیاد اس پر ہے کہ انہوں نے مرحلتین کے اطلاق سے دونوں کی مسافت کو مساوی سمجھ لیا، لہٰذا اس پر تنبیہ کی گئی کہ دونوں کی مسافت مساوی نہیں بلکہ یلملم ابعد ہے۔

۴:......قال الشروانی: "الامر الاول و هو ان مبنی المواقیت علی التقریب کلام التحفة و النهایة و یلزمهم صریح خلافه." (حاشیہ شروانی ص:۴۶) حضراتِ فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ مختلف المسافت مواقیت کو دو مرحلے لکھتے ہیں، اس پر کوئی دلیل نہیں کہ محاذاۃ میں میلوں کا فرق غیر معتبر ہے، اس سے تو صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ مسافت کو شمار کرتے وقت مراحل کی کسور کو چھوڑ دیا جاتا ہے، اس میں کوئی مراحل کی خصوصیت نہیں، بلکہ ہر حساب میں ترک کسور کی عام عادت تھی۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے ان مواقیت کی مسافت کو برابر قرار دیا ہے، ورنہ قرن المنازل کو آخر المواقیت قرار دینے کے کیا معنیٰ؟ ڈھائی یا پونے تین مراحل کو بحذف کسر دو مرحلہ تو کہا جا سکتا ہے، مگر دو اور پونے تین مراحل کی مسافت کو برابر کہنا معقول نہیں۔ جیسے کہ دو ہزار اور پونے تین ہزار کو برابر نہیں کہا جا سکتا، یہ امر ویسے بھی بدیہی ہے اور مسلّم ہے کہ مساواۃ باہم بالکل برابری کو کہا جاتا ہے، البتہ اتنا قلیل فرق کہ جس کا حساب مشکل ہو، عرفاً ہدر ہوتا ہے۔ چونکہ احکام شرعیہ کا مدار یُسر پر ہے، لہٰذا مسافت کی مساواۃ معلوم کرنے میں فرلانگ وغیرہ کا حساب لگانا تو ضروری نہیں، بلکہ ایک آدھ میل کا فرق بھی نظر انداز کیا

جا سکتا ہے، مگر میلوں کا حساب تو سہل ہے، ہاں اگر کہیں میلوں کا حساب بھی مشکل ہو، تو اسے بھی ہدر کیا جا سکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرن المنازل کی محاذاۃ میں ذات عرق کی تعیین اسی طرح فرمائی تھی، بعض حضرات کا جدہ اور یلملم کی مسافت کو برابر کہنا بھی اسی پر مبنی ہے۔

آگے یہ بحث رہ جاتی ہے کہ یلملم جدہ میں سے کسی کی مسافت زیادہ نہیں ہے، سو جدید تحقیقات کے علاوہ متقدمین نے بھی یلملم کی مسافت زیادہ ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔ **و ان لم یعلم المحاذاۃ فعلی مرحلتین من مکۃ کجدۃ** ۔اور حضرت تھانوی اور حضرت سہارنپوری قدس سرہما کے فتاویٰ بھی اسی پر مبنی ہیں کہ یلملم کی محاذاۃ جدہ پہنچنے سے قبل ہو جاتی ہے، اگر کسی نے دونوں کو برابر کہا ہے، تو دوسرے حضرات نے اسے عدم العلم پر مبنی قرار دیا ہے۔ یلملم کی ابعدیت قول الاکثر اور احوط ہونے کے علاوہ ارجح بھی ہے۔ اس لئے کہ قول مساواۃ تو اندازاً بھی کیا جا سکتا ہے، اور حکم تفاوت خصوصاً مقدار زیادہ کی تعین اور دوسرے پر عدم علم کا حکم (کما فی حاشیہ شروانی) بدون کامل تحقیق کے نہیں لگایا جا سکتا، بلکہ قول الوفائی: "**و کما حققہ من سلک الطریقین و ہم عدد کادوا ان یتواتروا**" میں اس کی تصریح ہے کہ یہ فیصلہ جم غفیر نے کامل تحقیق کے بعد کیا ہے، شروانی نے وفائی اور عبدالرؤف تلمیذ شارح سے جو مقدار زیادہ کی تعیین نقل فرمائی ہے، تحقیقات جدیدہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ .... نتیجہ یہ کہ محاذات یلملم کا علم ہوتے ہوئے (جو اس زمانہ میں مشکل نہیں) جدہ تک تجاوز بدون احرام ناجائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد عفی عنہ

از اشرف المدارس ناظم آباد کراچی ۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۸ھ

مذکورہ بالا دونوں بزرگوں کے علمی اور عملی کمالات مجھ پا بر کاب ضعیف کے لئے قابل غبطہ ہیں، زادہم اللہ تعالیٰ علماً نافعاً وعملاً متقبلاً زیادات لاتتناہیٰ۔

لیکن جن وجوہ کی بناء پر ان حضرات نے بحری مسافروں کے لئے جدہ سے احرام باندھنے کو ناجائز موجب دم قرار دیا ہے، ان پر احقر کا قلب منشرح نہیں، احقر نے جہاں تک غور وفکر کیا، ترجیح اسی کی معلوم ہوئی کہ بحری مسافروں کے لئے جدہ تک احرام کو مؤخر کرنا اور جدہ سے باندھنا نہ کوئی گناہ ہے، نہ اس سے دم لازم آتا ہے۔

اس کی تفصیلی وجوہ کا بیان پہلے ہو چکا ہے، اجمالاً پھر اختصار کے ساتھ یہ ہے کہ:

ا:...... یلملم کی محاذات سے جو تجاوز بحر میں ہوتا ہے، وہ تجاوز آفاق کے اندر ہے، حل یا جہت حرم کی طرف نہیں ہے، اس کو موجب دم قرار دینا سمجھ میں نہیں آتا، جن لوگوں کا راستہ یلملم سے مکہ معظّمہ کی طرف براہ راست جانے کا تھا یا اب ہے، وہ اگر یلملم کی محاذات سے جانب مکہ مکرمہ تجاوز کریں، تو بے شک دم واجب ہوگا، لیکن آج کل بحری جہاز کے مسافر سمندر میں یلملم سے تقریباً بیس میل کے فاصلہ سے آفاق کے اندر سفر کرتے ہیں، ان کا یہ سفر تجاوز عن المیقات یا عن ذات المیقات نہیں کہلا سکتا۔

۲:...... جدہ کو فقہاء کا داخل میقات کہنا بھی اس کے منافی نہیں کہ جدہ سے احرام باندھنے کو جائز قرار دیا جائے، کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ جتنے بھی مواقیت ہیں، وہ سب اجزاء حل ہوتے ہیں، باہر سے بقصد مکہ مکرمہ آنے والا یہاں سے احرام باندھ سکتا ہے، اور یہاں کا یا اس کے قرب وجوار کا رہنے والا حلّی کہلاتا

ہے، اس کے لئے دخول مکہ بلا احرام جائز ہے، اسی لئے فقہاء نے ضرورت کے مواقع کے لئے یہ حیلہ لکھا ہے کہ جو شخص باہر سے بقصد جدہ، جدہ میں داخل ہو، اس پر احرام لازم نہیں، پھر جدہ میں مقیم ہو کر اگر وہ مکہ مکرمہ میں بلا قصد حج وعمرہ جانا چاہے، تو اس وقت بھی اس پر احرام کی پابندی نہیں۔

۳:......بحری جہاز یلملم کی محاذات سے آگے جو جدہ کی طرف سفر کرتا ہے، وہ تمام سفر آفاق میں ہے، جب جہاز بڑے سمندر سے ساحل جدہ کا رخ کرتا ہے، اس وقت یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اب محاذات میقات کس جگہ ہوگی، اس کے متعلق عامہ فقہاء کا ارشاد یہ ہے کہ حقیقی محاذات کا علم ہونا مشکل ہے اس لئے اقرب مواقیت کی مسافت کا اعتبار کر لیا جائے، یعنی جس جگہ سے مکہ مکرمہ کا فاصلہ دو مرحلہ ہے وہاں سے احرام باندھنا ضروری ہوگا، اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ جدہ سے مکہ مکرمہ کا فاصلہ دو مرحلہ ہے، اسی لئے شیخ ابن حجر مکی، ملا علی قاری، مخدوم ہاشم سندھی، و ملا اخوند جان وغیرہ اکابر علماء نے جدہ کو بحکم میقات قرار دیا۔

رہا یہ معاملہ کہ آج کل حقیقی محاذات کا علم کچھ دشوار نہیں، کیونکہ فاصلوں کی پیمائش اور زاویوں کی تحقیق کے ایسے جدید آلات موجود ہیں، جن کی وجہ سے حقیقی محاذات معلوم کرنے کو مشکل کہنا بے معنی ہے، اس میں قابل نظر یہ بات ہے، کہ بلاشبہ پیمائش کے آلات و ذرائع تو اس زمانے میں بہت موجود ہیں، سیاروں کے فاصلے اور زاویے ان سے صحیح لگائے جا سکتے ہیں، زمین کی مسافتوں کا تو کہنا کیا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ مبداء و منتہیٰ کا تعین تو آلات سے نہیں روایات سے ہوگا، منتہیٰ تو متعین ہے کہ بیت اللہ ہے لیکن مبداء یعنی میقات جس کی محاذات دیکھنا ہو وہ کیا ہے، اس کا عرض وطول کتنا ہے، اس کے کس گوشہ سے محاذات دیکھی جائے گی، یہ

کام تو جدید آلات کا نہیں، اس میں تو قدیم فقہاء کا قول ہی مستند ہوسکتا ہے، تحفہ شرح منہاج کے حواشی سے یہ بات اوپر لکھی جاچکی ہے، کہ یلملم جس کی محاذات کا یہاں اعتبار کرنا زیر بحث ہے، وہ حسب تصریح فقہاء سعدیہ کے بالمقابل پہاڑ ہے، اور یہ پہاڑ دو ہیں، ایک پہاڑ سے مکہ مکرمہ کی مسافت دو مرحلہ سے بھی زائد ہے، اور دوسرے پہاڑ سے مسافت لی جائے، تو دو مرحلہ یا اس سے بھی کچھ کم ہے۔

فتح الباری، عمدۃ القاری اور تمام کتب معتبرہ میں بحوالہ ابن حزم یلملم سے جو مسافت مکہ مکرمہ کی بیان کی گئی ہے، وہی قابل اعتماد ہے، آج کل کے نئے پیمائش کرنے والوں میں کسی نے تو خود سعدیہ ہی کو یلملم قرار دے کر وہاں سے مسافت لی ہے کسی نے کسی دوسری جگہ سے، ان کے آلات اور پیمائش کے حسابات کتنے ہی صحیح ہوں، مگر مبداء کے تعین میں ان کا قول بمقابلہ علماء سابقین کے کوئی حیثیت نہیں رکھتا، اور ان حضرات کا اس پر اتفاق ہے کہ یلملم کی محاذات بھی مکہ مکرمہ سے دو مرحلہ ہے، اور جدہ کی مسافت بھی، اب رہا میلوں کا فرق، سو احکام شرعیہ کا مدار کسی جگہ بھی اسی طرح کی تدقیقات پر نہیں ہے، مواقیت کے مسائل و احکام پر نظر کرنے سے یہ بات بہت واضح ہو جاتی ہے، کہ اس معاملہ میں اتنی تدقیق کا اعتبار نہیں کیا، یہ سطور اتفاق سے ایسے حال میں لکھ رہا ہوں، جب کہ ایک شدید مرض کی وجہ سے اٹھنے بیٹھنے پر قدرت نہیں، لیٹے ہوئے لکھی ہیں، مقصد یہ ہے کہ آراء مختلفہ مع وجوہ کے علماء کے سامنے آجائیں تاکہ ان میں غور کر کے وہ کوئی فیصلہ فرمادیں۔

عوام کے لئے

ایسے حالات میں کہ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف رائے ہے، احتیاط اسی میں ہے کہ بحری جہاز میں یلملم ہی سے احرام باندھ لیں۔

یا ساحل جدہ پر اترنے سے پہلے احرام باندھ لیں، کیونکہ حسب تصریح فقہاء محل اختلاف میں احتیاط کا پہلو اختیار کرنا بہتر ہے، تاکہ اپنی عبادت کے جواز میں کسی کا اختلاف نہ رہے، اس کے علاوہ احرام کو میقات سے پہلے باندھنا سب ہی کے نزدیک افضل ہے، بلکہ بعض روایات حدیث میں اپنے گھر سے ہی احرام باندھ کر چلنے کی فضیلت آئی ہے، شرط یہ ہے کہ محظورات احرام میں مبتلا ہونے کا خطرہ نہ ہو، اور جس کو یہ خطرہ ہو کہ محظورات احرام سے بچنا اس تمام عرصہ میں اس کے لئے مشکل ہوگا، اس کے لئے آخری حد تک مؤخر کرنا بہتر ہے، ایسے شخص کو آخری حد میں اتنی احتیاط کر لینا چاہئے کہ اس کا احرام علماء کے اختلاف سے نکل جائے۔

و اللّٰہ سبحانہ و تعالیٰ نسأل ان یھدینا لما اختلف فیه الی الحق باذنه وھو ولی التوفیق و السداد و الصواب و به نستعین ولا حول و لا قوۃ الا به۔

حد مواقیت کے اندر رہنے والے

اوپر جو احرام کے احکام کا بیان ہوا ہے، وہ اہل آفاق کے لئے ہے یعنی جو حلقہ مواقیت سے باہر تمام دنیا میں کسی جگہ رہتے ہیں، اور وہاں سے بقصد مکہ مکرمہ حل صغیر یعنی حدود مواقیت کے اندر داخل ہوتے ہیں، ان پر مواقیت یا ان کی محاذات سے احرام باندھنا لازم ہے، اور جو لوگ خود مواقیت اور یا ان کے اور حد حرم کے درمیان کے رہنے والے ہیں، جس کو حل کہا جاتا ہے، ان کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ حج یا عمرہ کے سوا کسی دوسرے کام کے لئے مکہ مکرمہ جانا چاہیں، تو ان پر احرام باندھنے اور حج یا عمرہ کرنے کی کوئی پابندی باتفاق ائمہ نہیں ہے، وہ جیسا چاہیں بلا احرام مکہ مکرمہ جاسکتے ہیں۔

ہاں اگر حج یا عمرہ کے ارادے سے جائیں، تو ان کے لئے افضل تو یہ ہے کہ اپنے گھر سے ہی احرام باندھ لیں، ورنہ حد حرم میں داخل ہونے سے پہلے احرام باندھنا لازم وواجب ہوگا۔ بقصد حج وعمرہ اگر یہ لوگ حدود حرم میں بلا احرام داخل ہوں گے، تو ان پر بھی دم (قربانی) لازم ہوگی۔

مناسک ملا علی قاری میں ہے:

"الصف الثانی و هم الذین منازلهم فی نفس المیقات او داخل المیقات الی الحرم فوقتهم الحل ای فمیقاتهم جمیع المسافة من المیقات الی انتهاء الحل للحج و العمرة و هم فی سعة ای جواز و رخصة و عدم لزوم کفارة ما لم یدخلوا ارض الحرم ای بلا احرام و من دویرة اهلهم افضل و لهم دخول مکة بغیر احرام اذا لم یریدوا نسکا." (اص: رشاد الساری ۵۷)

مسئلہ: اگر کوئی حدود میقات کے اندر یعنی حل صغیر میں رہتا ہے، اور کسی ضرورت سے آفاق یعنی حدود میقات سے باہر گیا، تو وہ بھی آفاقی کے حکم میں ہوگا، یعنی اگر وہ بھی بقصد دخول مکہ مکرمہ یا حرم حد میقات کے اندر آئے گا، تو اس پر بھی احرام حج یا عمرہ کا لازم ہو جائے گا، اب بغیر احرام کے اس کو مکہ مکرمہ یا حرم میں داخل ہونا جائز نہیں ہوگا، ہاں آفاق سے واپس اپنے گھر آنے کا قصد ہو، مکہ مکرمہ یا حرم کا اس وقت ارادہ نہ ہو، تو اپنے گھر میں بلا احرام آ سکتا ہے، اور جب یہاں بلا احرام پہنچ گیا، اب اگر یہاں سے مکہ معظمہ جانے کی کوئی ضرورت پیش آئے، تو بغیر احرام کے جا سکتا ہے، شرط یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں اس کا جانا بقصد حج وعمرہ نہ ہو، کسی اور ضرورت کے لئے ہو۔

مسئلہ: یہ جو اوپر لکھا گیا ہے کہ جو لوگ عین میقات پر یا داخل میقات رہتے ہیں، اس سے مراد یہ ہے کہ تمام مواقیت کے اندر رہتے ہیں، ان کا وہ حکم ہے جو ابھی لکھا گیا ہے، لیکن وہ لوگ جو کسی ایک میقات کے اندر ہیں، مگر دوسرے میقات سے باہر جیسے ذوالحلیفہ سے رابغ تک کے وہ مقامات جو حد حل میں داخل ہیں، ان کے رہنے والے میقات ذوالحلیفہ کے تو اندر ہیں، مگر میقات جحفہ کے باہر، تو ایسے لوگوں کا حکم یہ ہے کہ وہ بھی آفاقی لوگوں کے حکم میں ہیں، ان کے لئے دخول مکہ مکرمہ یا حرم بغیر احرام کے جائز نہیں۔

(حاشیہ ارشاد الساری بحوالہ در المختار ص: ۵۷)

مسئلہ: جب کہ مشرقی ممالک سے بحری راستہ پر آنے والوں کے لئے جدہ کو میقات قرار دیا گیا، جیسا کہ پہلے بتلایا گیا ہے، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جدہ والے بھی مکہ مکرمہ میں بغیر احرام کے نہ جا سکیں، کیونکہ مواقیت سب اجزاء حل ہوتے ہیں، ان میں یا ان کے قرب وجوار میں رہنے والوں پر بدون حج وعمرہ کے احرام کی کوئی پابندی نہیں ہوتی، اسی لئے بعض فقہاء نے اس شخص کے لئے جو کسی وجہ سے احرام باندھنے پر مجبور ہو، حیلہ یہ لکھا ہے، کہ وہ اپنے سفر میں جدہ یا خلیص کا قصد کر کے دائرہ مواقیت یعنی حل صغیر میں داخل ہو جائے، اور جب وہ ان مقامات میں سے کسی جگہ جا کر اتر گیا، تو وہ بھی میقاتی اور حلی لوگون کے حکم میں ہو گیا، اب اگر وہ بلا قصد حج وعمرہ کسی ضرورت سے مکہ مکرمہ جانا چاہے، تو وہ بھی بغیر احرام کے جا سکتا ہے۔

حدودِ حرم کے اندر رہنے والے

جو لوگ حدود حرم کے اندر مثلاً مکہ مکرمہ یا منیٰ وغیرہ میں رہتے ہیں، اگر وہ حج

کا ارادہ کریں، تو ان کا میقات حرم ہی ہے، حدود حرم میں جہاں سے چاہیں، احرام باندھ سکتے ہیں، اور بہتر یہ ہے کہ مسجد حرام سے یا اپنے گھر سے احرام باندھیں، اور اگر عمرہ کرنا چاہیں، تو ان کا میقات حل ہے، جو حدود حرم سے باہر ہے وہ حدود حرم سے باہر تنعیم، یا جعرانہ وغیرہ جا کر عمرہ کا احرام باندھیں، پھر مکہ مکرمہ آ کر افعال عمرہ ادا کریں۔

مسئلہ: جو لوگ آفاق کے رہنے والے مکہ مکرمہ یا حدود حرم میں داخل ہو جائیں، ان کا بھی حکم وہی ہے جو اہل مکہ کا ہے، کہ اگر یہ عمرہ کرنا چاہیں، تو حدود حرم سے باہر تنعیم یا جعرانہ جا کر احرام باندھیں اور حج کا احرام حرم ہی سے باندھیں۔

مسئلہ: یہ یاد رکھنا چاہئے کہ آفاقی لوگ جو اشہر حج میں جو شوال سے ذی الحجہ تک ہیں، احرام عمرہ باندھ کر داخل ہوئے اور عمرہ کر کے حلال ہو گئے ان کا یہ عمرہ تمتع کا ہوگا، اس عمرہ کے بعد حج سے پہلے کوئی دوسرا عمرہ یہ نہیں کر سکتے، حج سے فارغ ہونے کے بعد عمرہ کر سکتے ہیں۔

مسئلہ: جو آفاقی آدمی اشہر حج سے پہلے یعنی شوال شروع ہونے سے پہلے مکہ مکرمہ میں عمرہ کا احرام باندھ کر آئے، اور عمرہ کر کے حلال ہو گیا، اس کا یہ عمرہ تمتع کا نہیں ہے، اس لئے اس کو شوال شروع ہونے سے پہلے دوسرے عمرے کرنے کا بھی اختیار ہے۔

مسئلہ: کوئی مکہ مکرمہ یا حدود حرم کے اندر کا رہنے والا اگر حدود میقات سے باہر آفاق میں کسی وجہ سے چلا جائے، تو اب اس کا حکم بھی آفاقی کا حکم ہو جاتا ہے، اگر وہ وہاں سے مکہ مکرمہ یا حدود حرم کے اندر جانے کے قصد سے حدود مواقیت کے اندر آئے گا، تو اس پر لازم ہے کہ میقات یا محاذات میقات سے احرام باندھ کر

آئے بغیر احرام کے داخل ہونا آفاق میں جانے کے بعد اس کے لئے بھی جائز نہیں۔

و اللّٰہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم ، و الحمد للّٰہ أوّلہ و آخرہ و علانیتہ و سرہٗ ربنا تقبل منا انک أنت السّمیع العلیم .

ناکارہ خلائق بندہ

محمد شفیع

خادم دار العلوم کراچی

۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۸ھ



خطبہ حجۃ الوداع

تدوین متن : زیرِنگرانی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ

ترجمہ اردو : حکیم محمد نعیم الدین صاحب زبیری

ترجمہ انگریزی : جناب فضل احمد صدیقی صاحب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ حجۃ الوداع

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج کے موقع پر کم بیش ایک لاکھ انسانوں کے درمیان مکے سے متصل انبیا کی مبارک سرزمین پر واقع میدانِ عرفات میں جبلِ رحمت پر ایستادہ ہوکر ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔

یہ خطبہ اسلام کے انفرادی اور اجتماعی اخلاقیات اور اصول شریعت کا ایک جامع ضابطہ ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حقوق انسانی کے ایک عالمی منشور کی حیثیت رکھتا ہے۔ دی ہوئی ہدایات پر کوئی اضافہ نہیں کیا جاسکا نہ آئندہ کیا جاسکے گا۔ اس لحاظ سے صاحب جوامع الکلم اور افصح العرب والعجم کے فرمائے ہوئے یہ الفاظ حرفِ آخر ہیں اور اس بنا پر اس خطبے کو ایک دائمی انسانی منشور (ہیومن چارٹر) قرار دینا چاہیے۔

ان تمام اسباب سے اس خطبے کی اِشاعت ایک عظیم سعادت ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ مجھے یہ سعادت حاصل ہورہی ہے سرکارِ دوعالم (فداہ ابی وامّی) نے خود اس خطبے کے آخر میں ارشاد فرمادیا ہے کہ اس خطبے کو زیادہ سے زیادہ لوگوں کو پہنچایا جائے، حتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ اسلام کی تخصیص بھی نہیں فرمائی۔ چناں چہ سارے عالم میں اس خطبے کی اشاعت کا فرض ہم پر عائد ہوتا ہے۔ میں بارگاہِ ربّ العزت میں شکرگزار ہوں کہ اس حکم کی تعمیل کی توفیق بھی مجھے نصیب ہورہی ہے۔ پڑھنے والوں سے درخواست ہے کہ وہ اسے زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچائیں۔

حکیم محمد سعید

خطبہ حجۃ الوداع

HOLY PROPHET'S ADDRESS AT THE HAJJ

اِذَا كَانَ يَوْمُ الْحَجِ أَتٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَرَفَةَ فَنَزَلَ بِهَا حَتّٰى اِذَازَاغَتِ الشَّمْسُ اَمَرَ بِالْقَصْوَ آءِ فَرُحِلَتْ لَهٗ فَاَتٰى بَطْنَ الْوَادِىْ فَخَطَبَ النَّاسَ خُطْبَتَهُ الَّتِىْ بَيَّنَ فِيْهَا مَا بَيَّنَ

حج کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں قیام فرمایا۔ جب سورج ڈھلنے لگا تو آپ ﷺ نے قصوا (اپنی اونٹنی) کو لانے کا حکم فرمایا۔ اونٹنی تیار کر کے حاضر کی گئی، تو آپ ﷺ (اس پر سوار ہو کر) بطن وادی میں تشریف فرما ہوئے اور اپنا وہ خطبہ ارشاد فرمایا۔ جس میں دین کے اہم امور بیان فرمائے۔

On the Hajj Day Prophet Muhammad, ﷺ, arrived in Arafa and stayed there. As the day declined, he sent for his dromedary. The animal was brought and put ready. He rode into the heart of the valley, alighted there and delivered his famous address which provedhis life's last Hajj sermon in that memorable sermon he dwelt upon the basic message of religion.

فَحَمِدَاللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ قَائِلاً لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ صَدَقَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ

آپ نے خدا کی حمد وثنا کرتے ہوئے خطبے کی یوں ابتدا فرمائی: خدا کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے۔ وہ یکتا ہے۔ کوئی اس کا ساجھی نہیں، خدا نے اپنا وعدہ پورا کیا، اس نے اپنے بندے (رسول) کی مدد فرمائی اور تنہا اسی کی ذات نے باطل کی ساری مجتمع قوتوں کو زیر کیا۔

After praising Almighty the Creator he started address in these words:-

"There is none to worship except God. None is like Him or equals Him nor has He any co-sharer. He fulfilled His promise and helped His own creature and messenger, and He alone defeated and smashed all the concerted forces of falsehood"

اَيُّهَا النَّاسُ ! اِسْمَعُوْا قَوْلِيْ فَاِنِّيْ لَا اَرَانِيْ وَاِيَّاكُمْ اَنْ نَجْتَمِعَ فِيْ هٰذَا الْمَجْلِسِ اَبَدًا بَعْدَ عَامِيْ هٰذَا۔

اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ "يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ط فَلَيْسَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ فَضْلٌ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ وَلَا لِاَسْوَدَ عَلٰى اَبْيَضَ وَلَا لِاَبْيَضَ عَلٰى اَسْوَدَ فَضْلٌ اِلَّا بِالتَّقْوٰى۔

لوگوں میری بات سنو۔ میں نہیں سمجھتا کہ آئندہ کبھی ہم اس طرح کسی مجلس میں یک جا ہو سکیں گے (اور غالباً اس سال کے بعد میں حج نہ کر سکوں گا)۔

لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "انسانو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں جماعتوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا کہ تم

الگ الگ پہنچانے جا سکو۔ تم میں زیادہ عزت و کرامت والا خدا کی نظروں میں وہی ہے جو خدا سے زیادہ ڈرنے والا ہے"۔ چنانچہ اس آیت کی روشنی میں نہ کسی عرب کو عجمی پر کوئی فوقیت حاصل ہے نہ کسی عجمی کو کسی عرب پر۔ نہ کالا گورے سے افضل ہے، نہ گورا کالے سے۔ ہاں بزرگی اور فضیلت کا کوئی معیار ہے تو وہ تقوی ہے۔

O ye people! listen to me, as I do not think we may have another opportunity of meeting again as in this gathering (and presumably I may not perform another Hajj).

People! God almighty say: "O mankind! We created you from a male-and-female couple and made you into tribes and nations so as to be known one from the other. Verily in the eyes of God only the most righteous among you is the most honoured of you. "In the light of this Quoranic verse, the prophet continued, no Arab had any superiority and respectability was the one element of piety.

اَلنَّاسُ مِنْ اٰدَمَ وَ اٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ اَلَا كُلُّ مَأْثَرَةٍ اَوْدَمٍ اَوْمَالٍ يُدَّعٰى بِهٖ فَهُوَ تَحْتَ قَدَمَيَّ هَاتَيْنِ اِلَّا سَدَانَةُ الْبَيْتِ وَسِقَايَةُ الْحَاجِ ثُمَّ قَالَ يَامَعْشَرَ قُرَيْشٍ لَا تَجِيْئُوْا بِالدُّنْيَا تَحْمِلُوْنَهَا علٰى رِقَابِكُمْ وَيَجِيْئُ النَّاسُ بِالْاٰخِرَةِ فَلَا اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ۔

انسان سارے ہی آدم کی اولاد ہیں اور آدم کی حقیقت اس کے سوا کیا ہے
کہ وہ مٹی سے بنائے گئے۔ اب فضیلت و برتری کے سارے دعوے خون
و مال کے سارے مطالبے اور سارے انتقام میرے پاؤں تلے روندے جا
چکے ہیں۔ بس بیت اللہ کی تولیت اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمات علیٰ
حالہ باقی رہیں گی۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ قریش کے لوگو! ایسا نہ
ہو کہ خدا کے حضور تم اس طرح آؤ کہ تمہاری گردنوں پر تو دنیا کا بوجھ لدا ہو
اور دوسرے لوگ سامان آخرت لے کر پہنچیں اور اگر ایسا ہوا تو میں خدا
کے سامنے تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا۔

All created beings, he said, were the off-spring of Adam and the very existence of Adam was that he sprang from dust. "Hence all claims to superiority and greatness, all demands for blood or ransom and all false traits or trends of rule have been trodden under my feet. Only the trusteeship over the Kaaba and the age-old right to serve water to the Hajees will remain intact".

The Prophet further observed: "O ye the clan of Quraish, see lest you should appear resurrected on the Day of Judgment before God laden with worldly weight (of sins) against others equipped with acts of goodness deserving salvation. if that happened, i shall not be in a position to keep you up in the presence of the Creator.

مَعْشَرَ قُرَيْشٍ ! اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذْهَبَ عَنْكُمْ نَخْوَةَ الْجَا هِلِيَّةِ

وَتَعَظُّمَهَا بِالْاٰبَاءِ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ دِمَائَكُمْ وَاَمْوَالَكُمْ وَاَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ اِلٰى اَنْ تَلْقَوْا رَبَّكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَكَحُرْمَةِ شَهْرِكُمْ هٰذَا فِىْ بَلَدِكُمْ هٰذَا وَاِنَّكُمْ سَتَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ فَيَسْئَلُكُمْ عَنْ اَعْمَالِكُمْ

قریش کے لوگو! خدا نے تمہاری جھوٹی نخوت کو ختم کر ڈالا۔ اور باپ دادا کے کارناموں پر تمہارے فخر و مباہات کی کوئی گنجائش نہیں۔ لوگو! تمہاری خون و مال اور عزتیں ایک دوسرے پر قطعاً حرام کر دی گئیں ہمیشہ کے لئے۔ ان چیزوں کی اہمیت ایسی ہی ہے جیسی تمہارے اس دن کی اور اس ماہِ مبارک (ذی الحجہ) کی خاص کر اس شہر میں ہے۔ تم سب خدا کے آگے جاؤ گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس فرمائے گا۔

O the people of Quraish, God has put an end to your notions of false vanity and there is no room left now for your feeling proud any longer of your forefathers deeds. Now everybody's blood, property and prestige have become sacrosanct for others. All these are now of the same significance and sanctity as the sanctity of this holy month and specially in this city.

اَلَا فَلَا تَرْجِعُوْ ابَعْدِىْ ضُلًّا لَا يَّضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ فَمَنْ كَانَتْ عِنْدَهٗ اَمَانَةٌ فَلْيُؤَدِّهَا اِلٰى مَنِ ائْتَمَنَهٗ عَلَيْهَا ۔

دیکھو کہیں میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ آپس ہی میں کشت و خون کرنے لگو۔

اگر کسی کے پاس امانت رکھوائی جائے تو وہ اس بات کا پابند ہے کہ امانت

رکھوانے والے کو امانت پہنچا دے۔

After me do not go astray and begin to kill one another.

If anybody is made custodian of anything, he must keep that trust till the thing held in custody is restored to the rightful owner.

اَيُّهَا النَّاسُ كُلُّ مُسْلِمٍ اَخُو الْمُسْلِمِ وَاِنَّ الْمُسلِمِيْنَ اِخْوَةٌ اَرِقَّآءَ كُمْ اَرِقَّآءَ كُمْ اَطْعِمُوْ هُمْ مِمَّا تَأْكُلُوْنَ وَاكْسُوْ هُمْ مِمَّا تَلْبَسُوْنَ

لوگو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اپنے غلاموں کا خیال رکھو۔ ہاں غلاموں کا خیال رکھو۔ انہیں وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو، ایسا ہی پہناؤ جیسا تم پہنتے ہو۔

O Ye people, a Muslim is another Muslim's brother and thus all Muslims are brothers among themselves.

Take care of your salves. Let them eat what you yourself eat and let them wear as you wear for yourself.

اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مِنْ اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَيَّ مَوْضُوْعٌ وَدِمَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعَةٌ وَاِنَّ اَوَّلَ دَمٍ اَضَعُ مِنْ دِمَآئِنَا دَمُ ابْنِ الرَّبِيْعَةِ بْنِ الْحَارِثِ وَكَانَ مُسْتَرْضَعًا فِيْ بَنِيْ سَعْدٍ فَقَتَلَهُ هُذَيْلٌ ۔ وَرِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعٌ وَاَوَّلُ رِبًا اَضَعُ رِبَانَا رِبَا عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَاِنَّهُ مَوْضُوْعٌ كُلُّهُ ۔

دورِ جاہلیت کا سب کچھ میں نے اپنے پیروں سے روند دیا۔ زمانہ جاہلیت کے خون کے سارے انتقام اب کالعدم ہیں۔ پہلا انتقام جسے میں کالعدم قرار دیتا ہوں میرے، اپنے خاندان کا ہے۔ ربیعۃ بن الحارث کے دودھ پیتے بیٹے کا خون جسے بنو ہذیل نے مار ڈالا تھا۔ اب میں معاف کرتا ہوں۔ دور جاہلیت کا سود اب کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ پہلا سود جسے میں چھوڑتا ہوں عباس بن عبدالمطلب کے خاندان کا سود ہے، اب یہ ختم ہو گیا۔

All that prevailed during the pre-Islamic times of ignorance has been trampled under my feet. All blood dues of the days of ignorance have been written off and henceforth nonewill wreak vengeance on the other. The first right to retaliated pertaining to my own house stands waived. I hereby pardon the murder by Banu Hazail of the sucking badbe of Rabia, son of Haris, who belonged to my family.

All interess or usurious dues coming from the time of ignorance stand scotched off and I lead the rest by cancelling the interest payable to the family of my uncle Abbas Bin Abdul-Muttalib.

أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ قَدْ أَعطٰى كُلَّ ذِىْ حَقٍّ حَقَّهٗ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ

لوگو خدا نے ہر حق دار کو اس کا حق خود دے دا اب کوئی کسی وارث کے حق کے لیے وصیت نہ کرے۔

O ye people, God has (through the law of inheritance) fixed the right of every rightful heir, therefore no other testament be considered valid for any of these.

اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ

بچہ اسی کی طرف منسوب کیا جائے گا، جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا۔ جس پر حرام کاری ثابت ہو اس کی سزا پتھر ہے، حساب وکتاب خدا کے ہاں ہوگا۔

Only the child born within wedlock will be considered legitimate heir to the parents. Adultery proved will be punishable with stoning. All acts of omission and commission will be accountable to God hereafter.

مَنِ ادَّعٰى اِلٰى غَيْرِ اَبِيْهِ اَوْتَوَلّٰى اِلٰى غَيْرِ مَوَالِيْهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ

جوکوئی اپنا نسب بدلے گا یا کوئی غلام اپنے آقا کے مقابلے میں کسی اور کو اپنا آقا ظاہر کرے گا، اس پر خدا کی لعنت۔

Anybody claiming false ancestry or ascribing untrue bondage against his own master will be accursed by God.

اَلدَّيْنُ مَقْضِيٌّ وَالْعَارِيَةُ مُؤَدَّاةٌ وَ الْمِنْحَةُ مَرْدُوْدَةٌ وَالزَّعِيْمُ غَارِمٌ

قرض قابل ادائی ہے۔ عاریتاً لی ہوئی چیز واپس کرنی چاہئے۔ تحفے کا بدلہ دینا چاہئے اور جوکوئی کسی کا ضامن بنے وہ تاوان ادا کرے۔

Debts payable should be cleared, all borrowed property is to be returned, while gifts should be countered and a surety must make good the loss on behalf of the assured.

وَلَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ مِنْ اَخِيهِ اِلَّا مَا اَعْطَاهُ عَنْ طِيبِ نَفْسٍ مِنْهُ فَلَا تَظْلِمُنَّ اَنْفُسَكُمْ

کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی سے کچھ لے، سوائے اس کے جس پر اس کا بھائی راضی ہو اور خوشی خوشی دے۔ خود پر اور ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرو۔

It is not proper for anybody to have anything from his brother except whatever be given over through brother's consent and pleasure. Do not overstep yourselves as well as others and allow no excesses whatsoever.

اَلَا لَايَحِلُّ لِامْرَاَةٍ اَنْ تُعْطِيَ مِنْ مَالِ زَوْجِهَا شَيْئاً اِلَّا بِاِذْنِهِ

عورت کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کا مال اس کی بغیر اجازت کسی کو دے۔

A woman has no right to part with or transfer to any other person her husband's property without the latter's express permission.

اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ لَكُمْ عَلٰى نِسَآئِكُمْ حَقًّا وَلَهُنَّ عَلَيْكُم حَقًّا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ اَلَّا يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ اَحَدًا تَكْرَهُوْنَهُ وَعَلَيْهِنَّ اَنْ لَّا يَاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ فَاِنْ فَعَلْنَ فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْاَذِنَ لَكُمْ اَنْ تَهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاَنْ تَضْرِبُوْا ضَرْباً غَيْرَ مُبَرِّحٍ فَاِنِ انْتَهَيْنَ فَلَهُنَّ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ

دیکھو! تمہارے اوپر تمہاری عورتوں کے کچھ حقوق ہیں۔ اسی طرح اُن پر

تمہارے حقوق واجب ہیں، عورتوں پر تمہارا یہ حق ہے کہ وہ اپنے پاس کسی ایسے شخص کو نہ بلائیں جسے تم پسند نہیں کرتے اور وہ کوئی خیانت نہ کریں۔ کوئی کام کھلی بے حیائی کا نہ کریں اور اگر وہ ایسا کریں تو خدا کی جانب سے اس کی اجازت ہے کہ تم انہیں معمولی جسمانی سزا دو اور وہ باز آجائیں تو انہیں اچھی طرح کھلاؤ پہناؤ۔

O ye people, you own your women certain rights and likewise you have rights over your women. Your right is that the women should not allow near them anybody whom you do not like. Their right is to maintain complete integrity and shun indecency. If they fail, God allows you to chastise them and when they behave better and come round, let them be well looked after.

وَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَآءِ خَيْراً فَإِنَّهُنَّ عَوَانٍ لَكُمْ لَا يَمْلِكْنَ لِأَنْفُسِهِنَّ شَيْئًا فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَآ فَإِنَّكُمْ اَخَذْتُمُوهُنَّ بِامَانِ اللّٰهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ

عورتوں سے بہتر سلوک کرو، کیوں کہ وہ تو تمہاری پابند ہیں اور خود اپنے لیے وہ کچھ نہیں کر سکتیں۔ چنانچہ ان کے بارے میں خدا کا لحاظ رکھو کہ تم نے انہیں خدا کے نام پر حاصل کیا اور اسی کے نام پر وہ تمہارے لیے حلال ہوئیں۔ لوگو! میری بات سمجھ لو، میں نے حق تبلیغ ادا کر دیا۔

Treat your women nicely as they are bound to your and are incapable of managing many of their affairs themselves. Hence always keep God's command in view, namely, that

you have accepted them in the name of God and in His name have they been made lawful to you. O people understand what I say. I have conveyed to you the message of God.

وَاِنِّیْ قَدْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ مَّالَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهٗ اَبَدًا اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهٖ کِتَابَ اللّٰهِ وَاِیَّاکُمْ وَالْغُلُوَّ فِی الدِّیْنِ فَاِنَّمَا اَهْلَكَ مَنْ قَبْلَکُمُ الْغُلُوُّ فِی الدِّیْنِ

میں تمہارے درمیان ایک ایسی چیز چھوڑے جا تا ہوں کہ تم کبھی گمراہ نہ ہو سکو گے اگر اس پر قائم رہے اور وہ خدا کی کتاب ہے، اور ہاں دیکھو دینی معاملات میں غلو سے بچنا کہ تم سے پہلے کے لوگ انہی باتوں کے سبب ہلاک کر دیئے گئے۔

I leave in your midst a thing which, if held by, will never let you go astray. And that is the holy Book of God. And beware exceeding limits fixed in matters of religion, Races which preceded you, perished because of similar unwarranted lapses.

وَاِنَّ الشَّیْطَانَ قَدْ یَئِسَ مِنْ اَنْ یُّعْبَدَ فِیْ اَرْضِکُمْ هٰذِهٖ اَبَدًا وَلٰکِنْ سَتَکُوْنُ لَهٗ طَاعَةٌ فِیْمَا تُحَقِّرُوْنَ مِنْ اَعْمَالِکُمْ فَسَیَرْضٰی بِهٖ فَاحْذَرُوْهُ عَلٰی دِیْنِکُمْ۔

شیطان کو اب اس بات کی کوئی توقع نہیں رہ گئی ہے کہ اب اس کی اس شہر میں عبادت کی جائے گی، لیکن اس کا امکان ہے کہ ایسے معاملات میں جنہیں تم کم اہمیت دیتے ہو اس کی بات مان لی جائے اور وہ اسی پر راضی ہے، اس لیے تم اس سے اپنے دین و ایمان کی حفاظت کرنا۔

Satan has now been spared no hope of being worshipped any more in this City of yours. However, chances are yet there that in matters unwittingly considered minor by you, satan's way may prevail. Even that much may afford him a covenient footing. So, take care to safeguard your faith and religion against Satanic persuasions.

اَلَا فَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَصَلُّوْا خَمْسَكُمْ وَصُوْمُوْا شَهْرَكُمْ وَاَدُّوْا زَكٰوةَ اَمْوَالِكُمْ طَيِّبَةً بِهَا اَنْفُسُكُمْ وَتَحُجُّوْا بَيْتَ رَبِّكُمْ وَاَطِيْعُوْا وُلَاةَ اَمْرِكُمْ تَدْخُلُوْا جَنَّةَ رَبِّكُمْ

لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو۔ پانچ وقت کی نماز ادا کرو۔ مہینے بھر کے روزے رکھو۔ اپنے مالوں کی زکوۃ خوش دلی کے ساتھ دیتے رہو۔ اپنے خدا کے گھر کا حج کرو اور اپنے اہل امر کی اطاعت کرو تو اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

O ye people! worship the one God Almighty. Remain punctual in your daily five-time observances. Keep a month's fasts (during the Ramazan). Pay out zakat on your capital with a good cheer and perform pilgrimage to the House of God and obey your Emirs. Thus shall you enter God's paradise.

اَلَا لَا يَجْنِيْ جَانٍ اِلَّا عَلٰى نَفْسِهٖ اَلَا لَا يَجْنِيْ جَانٍ عَلٰى وَلَدِهٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ عَلٰى وَالِدِهٖ

اب مجرم خود ہی اپنے جرم کا ذمے دار ہوگا اور اب نہ باپ کے بدلے بیٹا

پکڑا جائے گا، نہ بیٹے کا بدلہ باپ سے لیا جائے گا۔

Henceforth a criminal will him-self be answerable for his crime. A son will not be chargeable on father's count nor will a father repay for the son's doings.

اَلَا فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعٰى مِنْ سَامِعٍ

سنو، جو لوگ یہاں موجود ہیں انہیں چاہئے کہ یہ احکام اور یہ باتیں ان لوگوں کو بتادیں جو یہاں نہیں ہیں، ہوسکتا ہے کہ کوئی غیر موجود تم سے زیادہ سمجھنے اور محفوظ رکھنے والا ہو۔

Listen! those who are present here should convey my message to others not present here. May be many of those not even present on this occasion may prove of greater understanding and be better trustees of what i have conveyed unto you.

وَاَنْتُمْ تُسْأَلُوْنَ عَنِّيْ فَمَا ذَا اَنْتُمْ قَائِلُوْنَ

اور لوگو! تم سے میرے بارے میں (خدا کے ہاں) سوال کیا جائے گا۔ بتاؤ تم کیا جواب دو گے؟

And O ye people, you may be questioned (by God) about me. what will be your reply?

قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ قَدْ اَدَّيْتَ الْاَمَانَةَ وَبَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ وَنَصَحْتَ

لوگوں نے جواب دیا کہ ہم اس بات کی شہادت دیں گے کہ آپ نے امانت (دین) پہنچادی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق رسالت ادا فرما دیا اور ہماری خیر خواہی فرمائی۔

The people cried in reply:

"We shall bear witness that you conveyed to us the divine message entrusted to you as Apostle of God and led us to the path of truth and goodness."

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاَصْبُعِهِ السَّبَّابَةِ يَرْفَعُهَا اِلَى السَّمَآءِ وَيَنْكُتُهَا اِلَى النَّاسِ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ

یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشت شہادت آسمان کی جانب اٹھائی اور لوگوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے تین مرتبہ ارشاد فرمایا۔ خدایا گواہ رہنا خدایا گواہ رہنا! خدایا گواہ رہنا!۔

Hearing that, Prophet Muhammad, peace be on him, pointing with his index finger towards the heaven, signed to the gathering and observed thrice in devout passion:

"Be witness to it, O my God Almighty"!!.



احکام حج

تاریخ تالیف ——— رجب ۱۳۹۲ء (مطابق ۱۹۷۲ء)

مقامِ تالیف ——— دارالعلوم کراچی

اس کتاب میں حج وعمرہ کے تمام ضروری مسائل اور طریقہ حج وعمرہ نہایت آسان زبان، سہل ترتیب اور مستند فقہی کتابوں کے حوالے لکھے گئے ہیں جو بحمد اللہ مقبول عام ہوئی اور بار بار اس کی اشاعت ہو رہی ہے۔

عرض حال

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡكَرِيۡمِ

احکام حج کے متعلق سینکڑوں علماء نے مختلف زمانوں اور مختلف زبانوں میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں بعض ان میں سے بہت مفصل ہیں اور بعض مجمل ہیں اس مختصر رسالہ کا مقصد آسان زبان میں آسان ترتیب کے ساتھ صرف ضروری احکام کا بیان ہے جو انہی بزرگوں کی کتابوں سے لیا گیا ہے اور اکثر جگہ ان کتابوں کے حوالے لکھ دیئے گئے ہیں ۔حدیث وفقہ کی عام کتابوں کے علاوہ جن کتابوں سے مسائل لئے گئے ہیں وہ یہ ہیں ۔مناسک ملا علی قاری، غنیۃ الناسک، زبدۃ المناسک تصنیف حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ مع اس کی شرح کے مصنفہ حضرت حاجی شیر محمد صاحب مہاجر مدنی اور بیشتر مسائل اسی کتاب سے ماخوذ ہیں اصل خدمت انہی بزرگوں کی ہے اور ناکارہ کا حصہ اس میں محض ترتیب وتسہیل کا ہے جو بعض اپنے بزرگوں کے حکم کی تعمیل کے لئے شوال ۱۳۸۷ھ میں دس روز کے اندر لکھا گیا ہے۔کیا بعید ہے کہ حق تعالیٰ ان بزگوں کی برکت سے اس کو بھی قبول فرمالیں۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

رجب ۱۳۹۲ھ

حج میں اصطلاحی الفاظ کی وضاحت اور خاص خاص مبارک مقامات کی تشریح

﴿بترتیب حروف تہجی﴾

احرام

کے معنی کسی چیز کو حرام کرنا، حاجی جس وقت حج یا عمرہ یا دونوں کی نیت پختہ کر کے تلبیہ پڑھتا ہے تو اس پر چند حلال چیزیں حرام ہو جاتی ہیں اس لئے اس کو احرام کہتے ہیں اور مجازاً ان چادروں کو بھی احرام کہتے ہیں جن کو حاجی احرام کی حالت میں استعمال کرتے ہیں۔

استلام

حجرِ اسود کو بوسہ دینا اور ہاتھ سے چھونا یا حجرِ اسود یا رکنِ یمانی کو صرف ہاتھ لگانا۔

اضطباع

احرام کی چادر کو داہنی بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کاندھے پر ڈالنا۔

آفاقی

وہ شخص ہے جو میقات کی حدود سے باہر رہتا ہو۔ جیسے ہندوستانی ،

پاکستانی، مصری، شامی، عراقی، اور ایرانی وغیرہ۔

اشہر حج

(حج کے مہینے) شوال ذوالقعدہ کامل ذوالحجہ کے شروع کے دس دن۔

ایامِ تشریق

نویں ذی الحجہ سے تیرہ ذی الحجہ تک۔ جن ایام میں تکبیر تشریق پڑھی جاتی ہے۔

افراد

صرف حج کا احرام باندھ کر حج کے افعال ادا کرنا۔

بیت اللہ

خانہ کعبہ کو کہتے ہیں جس کی پوری تشریح آگے کعبہ مکرمہ میں آرہی ہے۔

بطنِ عرنہ

عرفات کے قریب ایک جنگل ہے جس میں وقوف درست نہیں ہے کیونکہ یہ عرفات سے خارج ہے۔

باب السلام

اس نام کا ایک دروازہ مکہ معظّمہ میں مسجد حرام کا ہے پہلے پہل جب مسجد احرام میں داخل ہوں تو اس دروازہ سے جانا افضل ہے دوسرا اسی نام کا دروازہ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کا ہے۔

باب جبریل

یہ مسجد نبوی کا ایک دروازہ ہے یہاں سے سیدنا جبریل نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اسی دروازے سے جنت البقیع جاتے ہیں۔

تمتع

حج کے مہینوں میں پہلے عمرہ کرنا پھر اسی سال میں حج کا احرام باندھ کر حج کرنا۔

تکبیر

اللہ اکبر کہنا۔

تلبیہ

لبیک اللّٰھم لبیک......الخ پڑھنا۔

تہلیل

لاالٰہ الا اللہ پڑھنا۔

تنعیم

ایک مقام کا نام ہے مکہ مکرمہ کے قیام میں یہاں سے عمرہ کے لئے احرام باندھتے ہیں یہ مکہ سے تین میل ہے اور حدود حرم میں سب سے قریب یہی جگہ ہے۔ یہاں ایک مسجد ہے جسے مسجد عائشہؓ کہتے ہیں عام لوگ اس کو چھوٹا عمرہ اور عمرہ صغیرہ کہتے ہیں۔

جنایت

ممنوعات احرام اور احکام حج کی خلاف ورزی کو جنایت کہا جاتا ہے اس کی جمع جنایات آتی ہے۔

جمرات یا جمار

منیٰ میں تین مقام ہیں جن پر بہت اونچے ستون بنے ہوئے ہیں یہاں کنکریاں ماری جاتی ہیں ان میں سے جو مسجد خیف کے قریب مشرق کی طرف ہے اس کو جمرۃ الاولیٰ کہتے ہیں اور اس کے بعد والے کو جمرۃ الوسطیٰ اور اس کے بعد والے کو

جمرۃ العقبہ اور جمرۃ الاخریٰ کہتے ہیں۔

جحفہ

رابغ کے قریب مکہ سے تین منزل پر ایک مقام ہے یہ شام سے آنے والوں کی میقات ہے۔

جنت المعلیٰ

مکہ کا وہ قبرستان ہے جہاں ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور حضور کے صاحبزادے اور دوسرے صحابہ کرامؓ مدفون ہیں، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی قبر بھی یہیں ہے۔

جنت البقیع

یہ مدینہ طیبہ کا وہ قبرستان ہے یہاں حضور کے چچا سیدنا عباسؓ اور سیدنا امام حسنؓ اور سیدنا عثمان غنیؓ اور دیگر ہزارہا صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین مدفون ہیں۔ علاوہ ازیں حضور کے صاحبزادے سیدنا ابراہیمؓ، حضرت فاطمہؓ، حلیمہ سعدیہ اور امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن اجمعین بھی یہیں مدفون ہیں سوائے حضرت میمونہؓ کے کیونکہ ان کا مدفن مقام سرف ہے۔

جبل ثبیر

منیٰ میں ایک پہاڑ ہے۔

جبل نور

ایک مشہور پہاڑ ہے جو مکہ سے منیٰ جاتے ہوئے راستہ میں بائیں طرف پڑتا ہے اس کی اونچی چوٹی دور سے نظر آتی ہے غارِ حرا اسی میں واقع ہے۔

جبل رحمت

عرفات میں ایک پہاڑ ۔ ہے۔

جبل قزح

مزدلفہ میں ایک پہاڑ ہے۔

جبل اُحد

مدینہ منورہ سے باہر تقریباً تین میل پر ایک پہاڑ ہے جہاں جنگ اُحد ہوئی تھی، یہاں شہداء کے مزارات ہیں۔

جبل ابوقبیس

مکہ میں ایک پہاڑ کا نام ہے جو صفا پہاڑی کے قریب ہے اس پر ایک مسجد ہے جسے مسجد بلال کہتے ہیں بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ معجزہ شق القمر یہیں ظاہر ہوا تھا۔

حج کے مہینے

شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے شروع کے دس دن۔

حجرِ اسود

سیاہ پتھر، یہ جنت کا پتھر ہے جنت سے آنے کے وقت یہ دودھ کے مانند سفید تھا لیکن بنی آدم کے گناہوں نے اسے سیاہ کر دیا یہ بیت اللہ کے مشرقی جنوبی گوشے میں قد آدم کے قریب اُونچائی پر دیوار میں گڑا ہوا ہے۔ اس کے چاروں طرف چاندی کا حلقہ چڑھا ہوا ہے۔

حدیبیہ

جدہ سے مکہ جانے والے راستہ پر حدود حرم سے پہلے ایک مقام کا نام ہے آج

کل یہ شمیسیہ کے نام سے معروف ہے اسی جگہ ایک مسجد بنی ہوئی ہے یہاں نبی علیہ السلام نے کفار کے ساتھ ایک معاہدہ فرمایا تھا اور بیعت الرضوان حضور ﷺ نے یہیں پر صحابہ سے لی تھی یہاں سے حرم کی حد شروع ہوتی ہے۔

حطیم

بیت اللہ کی شمالی جانب بیت اللہ سے متصل قد آدم دیوار سے کچھ حصہ زمین کا گھرا ہوا ہے اس کو حطیم، حجر اور حطیرہ بھی کہتے ہیں اس حصہ کو بھی طواف میں شامل کرنا واجب ہے۔ یہ کعبہ شریف کا حصہ ہے قریش مکہ نے زمانہ اسلام سے قبل کعبہ شریف کی تعمیر کی تھی تو حلال خرچہ کی کمی کے باعث اس حصہ کی تعمیر چھوڑ دی تھی۔

حرم

مکہ مکرمہ کے چاروں طرف کچھ دور تک زمین حرم کہلاتی ہے اس کی حدود پر نشانات لگے ہوئے ہیں اس میں شکار کھیلنا درخت کاٹنا جانور کو گھاس چرانا حرام ہے۔

حَرَمی یا اہل حرم

وہ شخص جو زمین حرم میں رہتا ہو خواہ مکہ میں رہتا ہو یا مکہ سے باہر حدود حرم میں۔

حِلّ

حرم کے چاروں طرف یعنی حدود حرم سے باہر اور مواقیت کے اندر جو زمین ہے اس کو حل کہتے ہیں کیونکہ ان میں وہ چیزیں حلال ہیں جو حرم کے اندر حرام ہیں۔

حِلّی

زمین حل کا رہنے والا۔

حلق

سر کے بال منڈوانا یا خود مونڈ لینا۔ اس کے ذریعہ احرام سے نکلتے ہیں۔

دم

احرام کی حالت میں بعضے ممنوع افعال کرنے سے بکری وغیرہ ذبح کرنی واجب ہوتی ہے اس کو دم کہتے ہیں۔

ذوالحلیفہ

یہ ایک جگہ کا نام ہے مدینہ سے مکہ آتے ہوئے تقریباً چھ میل پر واقع ہے جو مدینہ والوں کے لئے میقات ہے اس کو آج کل بیر علی کہتے ہیں۔

ذات عرق

ایک مقام کا نام ہے جو آج کل ویران ہو گیا ہے مکہ مکرمہ سے تقریباً تین روز کی مسافت پر عراق کی طرف ہے عراق سے مکہ آنے والوں کی میقات ہے۔

رکن یمانی

بیت اللہ کے جنوبی مغربی گوشہ کو کہتے ہیں جو یمن کی جانب ہے۔

رکن عراقی

بیت اللہ کا مشرقی شمالی گوشہ جو عراق کی طرف ہے۔

رکن شامی

بیت اللہ کا وہ گوشہ جو شام کی طرف ہے یعنی مغربی شمالی۔

رمل

طواف کے پہلے تین پھیروں میں اکڑ کر شانہ ہلاتے ہوئے قریب قریب قدم رکھ کر ذرا تیزی سے چلنا۔

رمی

جمرات پر کنکریاں پھینکنا۔

زمزم

مسجد حرام میں بیت اللہ کے قریب ایک کنواں ہے جس کو حق تعالیٰ نے اپنی قدرت سے چشمہ کی صورت میں اپنے نبی حضرت اسماعیل علیہ السلام اوران کی والدہ کے لئے جاری فرمایا تھا اور ہزاروں سال سے اب تک جاری ہے۔

سعی

صفا اور مروہ کے درمیان مخصوص طریق سے سات چکر لگانا۔

شوط

بیت اللہ کے چاروں طرف سات بار چکر لگاتے ہیں ہر چکر کو شوط کہتے ہیں۔ صفا مروہ کے درمیان سعی کے وقت صفا سے مروہ تک جانے کو بھی ایک شوط اور مروہ سے صفا تک آنے کو دوسرا شوط کہتے ہیں اسی طرح باقی سات تک۔

صفا

کعبہ شریف کے قریب جنوب کی جانب ایک پہاڑی ہے جس سے سعی شروع ہوتی ہے۔

طواف

کعبہ شریف کے چاروں طرف سات مرتبہ گھومنا۔

طواف قدُوم

مکہ معظّمہ میں پہنچتے ہی حاجی جو پہلا طواف کرتے ہیں اسے طواف قدوم کہتے

ہیں یہ طواف قارن اور مفرد آفاقی کے لئے سنت ہے۔

طواف زیارت

وہ طواف جو وقوف عرفات کے بعد کیا جاتا ہے اسے طواف رکن بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ حج کا فرض ہے۔

طواف وداع

مکہ سے واپس ہوتے وقت جو طواف کرتے ہیں طواف وداع کہلاتا ہے اسے طواف صدر بھی کہتے ہیں۔

عمرہ

حل یا میقات سے احرام باندھ کر بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کی سعی کرنا۔

عَرفَاتَ

مکہ مکرمہ سے ۹ رمیل کے فاصلہ پر حد حرم سے باہر ایک عظیم الشان میدان ہے جہاں حج ہوتا ہے۔

غارِحراء

جہاں حضور ﷺ پر وحی نازل ہوئی جبل نور میں ہے جو کہ منیٰ جاتے ہوئے راستہ میں پڑتا ہے اور اس کی اونچی چوٹی دور سے نظر آتی ہے۔

غارِثور

اس غار میں حضور ﷺ نے مکہ سے ہجرت کرتے ہوئے تین روز قیام فرمایا تھا۔

قِران

حج اور عمرہ دونوں کا احرام ایک ساتھ باندھ کر پہلے عمرہ اور پھر حج کرنا۔

قارِن

قِران کرنے والا۔

قرن

مکہ سے تقریباً بیالیس میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑ ہے جو نجد یمن و نجد حجاز اور نجد تہامہ سے آنے والوں کی میقات ہے۔

قصر

احرام سے باہر ہونے کے لئے بال کٹوانا یا خود کاٹ لینا۔

کعبہ مکرمہ

جسے بیت اللہ بھی کہتے ہیں یہ مکہ معظّمہ میں مسجد حرام کے بیچ میں ایک مقدس مکان اور دنیا میں سب سے پہلا عبادت خانہ ہے اس کو فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے آدمؑ کی پیدائش سے بھی پہلے بنایا تھا پھر منہدم ہو جانے کے بعد حضرت آدم علیہ السلام نے اس کو تعمیر کیا پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پھر قریش نے پھر عبداللہ بن زبیر نے پھر عبدالملک نے ،اس کے بعد بھی مختلف زمانوں میں کچھ اصلاحات و مرمت ہوتی رہی ہے یہ مسلمانوں کا قبلہ ہے اسی طرف رخ کر کے سارے عالم کے مسلمان نماز ادا کرتے ہیں۔

مُحرِم

احرام باندھنے والا۔

مُفرِدُ

جس نے صرف حج کا احرام باندھا ہو۔

میقات

وہ مقام جہاں سے مکہ جانے والوں کے لئے احرام باندھنا واجب ہے یہ میقات کل پانچ ہیں جن کے مجموعہ کو ''مواقیت'' کہا جاتا ہے۔

میقاتی

میقات کا رہنے والا۔

مسجد حرام

کعبہ شریف کے چاروں طرف جو مسجد ہے۔

مطاف

طواف کرنے کی جگہ جو بیت اللہ کے چاروں طرف مسجد حرام کے اندر ہے۔

مقام ابراہیم

جنتی پتھر ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس پر کھڑے ہوکر بیت اللہ کو بنایا تھا آج کل مطاف کے اندر آ گیا ہے۔

مُلتَزَم

حجر اسود اور بیت اللہ کے دروازے کے درمیان دیوار جس پر لپٹ کر دعا مانگنا مسنون ومقبول ہے۔

میزاب رحمت

حطیم کے اندر کعبہ شریف کے اوپر سے گرنے والا پرنالہ اس کے نیچے کھڑے ہوکر دعا کرنی چاہیے کیونکہ یہاں دعا قبول ہوتی ہے۔

میلین اَخضرین

صفا اور مروہ کے درمیان دیواروں میں دو سبز ستون ہیں جن کے درمیان مرد

سعی (دوڑ کر چلتے) ہیں۔

مسعیٰ

صفا مروہ کے درمیان سعی کرنے (یعنی دوڑنے) کی جگہ۔

مَروہ

بیت اللہ کے شرقی شمال گوشہ کے قریب ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے جس پر سعی ختم ہوتی ہے۔

منیٰ

مکہ معظّمہ سے تین میل مشرق کی طرف دو پہاڑوں کے درمیان ایک بہت بڑا میدان ہے جہاں پر رمی اور قربانی کی جاتی ہے یہ حرم میں داخل ہے یہاں تین دن قیام رہتا ہے۔

مدعیٰ

دعا مانگنے کی جگہ اس سے مسجد حرام اور مکہ کے قبرستان کے درمیان ایک جگہ مراد ہے جہاں مکہ میں داخل ہونے کے وقت دعا مانگنا مستحب ہے۔

مسجد خیف

منیٰ کی بڑی مسجد کا نام ہے جو منیٰ کے شمال کی جانب میں پہاڑ سے متصل ہے۔

مسجد نمرہ

عرفات کے کنارے پر ایک مسجد ہے۔

مزدلفہ

منیٰ اور عرفات کے درمیان ایک میدان ہے جو منیٰ سے تقریباً تین میل مشرق

کی جانب ہے عرفات سے واپس ہوکر یہاں رات کو رہتے ہیں۔

مُحَسِّر

مزدلفہ سے ملا ہوا ایک میدان ہے، جہاں سے گذرتے وقت دوڑ کر نکلتے ہیں اس جگہ اصحاب فیل پر جنہوں نے بیت اللہ پر چڑھائی کی تھی عذاب نازل ہوا تھا۔

موقف

ٹھہرنے کی جگہ اس سے میدان عرفات یا مزدلفہ میں ٹھہرانے کی جگہ مراد ہوتی ہے۔

مسجد الرایۃ

یہ مسجد جنت المعلیٰ کے راستہ میں ہے فتح مکہ کے دن یہاں حضور اقدس ﷺ نے جھنڈا نصب فرمایا تھا۔

مسجد قُبا

مدینہ طیبہ سے تقریباً تین میل پہلے ایک مسجد ہے جس کی تعمیر میں نبی علیہ السلام نے بذات خود شرکت فرمائی تھی مدینہ کے پاس یہ مسلمانوں کی سب سے پہلی مسجد ہے اس میں دو نفل پڑھنے کا اجر ایک عمرہ کے برابر ہے یہاں ہفتہ کے دن جانا مستحب ہے۔

مساجد خندق

غزوہ احزاب کے موقعہ پر جس جگہ خندق کھودی گئی تھی وہاں چند مسجدیں بنی ہوئی ہیں ان میں سے ایک مسجد کو مسجد احزاب اور مسجد فتح کہتے ہیں اس جگہ حضور علیہ السلام نے دعا کی تھی اللہ پاک نے دعا قبول فرمائی اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اس کے گرد اور بھی کئی مسجدیں صحابہ کے نام سے بنی ہوئی ہیں۔

مسجد قبلتین

مدینہ کے شمال مغرب میں وادی عقیق کے قریب ایک ٹیلہ پر ہے اس میں ایک محراب بیت المقدس کی طرف ہے اور دوسری کعبہ کی جانب ہے چونکہ قبلہ تبدیل ہونے کا واقعہ نماز کے درمیان مسجد میں ہوا تھا اسی وجہ سے اس کو مسجد قبلتین کہتے ہیں یعنی دو قبلہ والی۔

مسجد بنی ظفر

جسے مسجد بغلہ بھی کہتے ہیں یہ جنت البقیع کے مشرق کی جانب واقع ہے یہاں قبیلہ بنی ظفر رہتا تھا ایک بار یہاں حضور اقدس ﷺ تشریف لائے اور ایک صحابی نے آپ کے فرمان پر آپ کو سورۂ نساء سنائی مسجد کے قریب آپ کے خچر کے سم کا نشان ہے اس لئے اس کو مسجد البغلہ بھی کہتے ہیں۔

مسجد الاجابہ

یہ مسجد جنت البقیع سے شمال کی جانب ہے یہاں حضور اقدس ﷺ نے دعا فرمائی تھی۔

مشعر حرام

مزدلفہ میں ایک مسجد ہے اور مزدلفہ کا پہاڑ جبل قزح بھی مشعر حرام کہلاتا ہے۔

وقوف

اس کے معنی ٹھہرنے کے ہیں اور احکام حج میں اس سے مراد میدان عرفات یا مزدلفہ میں خاص خاص وقت میں ٹھہرنا۔

یوم الترویہ

آٹھویں ذوالحجہ کو کہتے ہیں۔

یوم عرفہ

نویں ذوالحجہ جس روز حج ہوتا ہے اور حاجی لوگ عرفات میں وقوف کرتے ہیں۔

یلملم

مکہ سے جنوب کی طرف دو منزل پر ایک پہاڑ ہے اس کو آج کل سعدیہ بھی کہتے ہیں اس کے مقابل گزرتے ہوئے ہمارے ملک سے جانے والے حضرات پانی کے جہاز میں احرام باندھتے ہیں۔

ان مقامات مقدسہ کی مکمل تشریح ان کے فاصلے اور پیمائشیں اور نقشے اور ان کی مخصوص تاریخ اور ان میں کسی کام کرنے کے خاص فضائل دلچسپی اور فائدے سے خالی نہیں مگر اس مختصر رسالے میں اس کی گنجائش نہ ہونے کے سبب اجمالی تعارف پر اکتفا کیا گیا۔



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حج اسلام کا ایک اہم رکن ہے

قرآن کریم میں ہے۔

وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الۡبَیۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَیۡہِ سَبِیۡلًا ؕ وَمَنۡ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الۡعٰلَمِیۡنَ ○

یعنی لوگوں پر اللہ کا حق ہے بیت اللہ کا حج کرنا جو اس گھر تک آنے کی قدرت رکھتا ہو پھر جو کفر کرے (یعنی باوجود قدرت کے نہ آئے) تو (وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے) اللہ تو بے نیاز ہے سب جہاں والوں سے۔

اس گھر یعنی خانہ کعبہ تک جانے کی قدرت کا مطلب یہ ہے کہ اس کے پاس اپنی ضروریات روزمرہ سے زائد اتنا سرمایا ہو جس سے وہ بیت اللہ تک جانے آنے اور وہاں زمانہ قیام کے اپنے مصارف پورے کر سکے اور جن اہل وعیال کا نفقہ اس کے ذمہ واجب ہے اس کا بھی واپسی تک کے لئے انتظام کر لے جو شخص باوجود اس قدرت کے حج نہ کرے اس کے لئے قرآن وحدیث میں سخت وعید آئی ہے۔

حج کس پر فرض ہے؟

مسئلہ ......جس شخص کے پاس کسی وقت بھی اس قدر سرمایہ جمع ہو گیا جو حج کے لئے کافی ہے اور زمانہ حج یعنی شوال کے شروع ہونے تک اس کی ملک میں رہا تو اس پر حج فرض ہو گیا پھر اگر اس نے بجائے حج کرنے کے اس کو مکان کی تعمیر یا کسی شادی کی تقریب یا اور کسی کام میں خرچ کر دیا تو چونکہ اس کے ذمہ حج فرض ہو چکا اس

لئے اس پر لازم ہے کہ پھر کوشش کر کے اتنا سرمایہ جمع کر لے جس سے اپنا حج فرض ادا کر سکے۔ (مناسک ملا علی قاری)

حج کی فضیلت

حدیث ...... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کے لئے حج ادا کرے اور اس میں فحش کام و کلام اور فسق و گناہ سے بچتا رہے تو وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو کر لوٹتا ہے جیسے آج شکم مادر سے پیدا ہوا۔ (بخاری و مسلم)

حدیث ...... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حج و عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں اگر وہ دعا کریں تو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا۔ (ابن ماجہ)

ایک مسلمان کیلئے اس سے بڑی نعمت اور کیا ہو سکتی ہے کہ عمر بھر کے گناہ معاف ہو جائیں اور وہ جو دعا مانگے قبول ہو جائے جس کے ذریعہ وہ اپنے تمام دینی اور دنیوی مقاصد میں بآسانی کامیاب ہو جائے۔

مسائلِ حج کی اہمیت اور ان کی پابندی کی ضرورت

حج کے فضائل و برکات کا حاصل کرنا صرف اس وقت ممکن ہے جب کہ حج کے فرائض واجبات اور سنتیں پوری احتیاط سے ادا کرے اور جو چیزیں حج کو خراب کرنے والی ہیں ان سے پرہیز کرے ورنہ اگر فرض سے سبکدوشی ہو بھی گئی تو فضائل و برکات سے محروم رہنا یقینی ہے۔ حج و زیارت کو جانے والے حضرات اس معاملے میں اکثر غفلت کرتے ہیں حج و زیارت کے احکام اور مسائل معلوم کرنے کا اہتمام نہیں کرتے، وہاں پہنچ کر معلموں کے ناواقف نوکروں کے سپرد ہو جاتے ہیں نہ واجبات کی ادائیگی کا اہتمام کرتے ہیں نہ دوران احرام گناہوں سے بچنے کی فکر کرتے ہیں۔

یادرہے کہ حج وعمرہ کا احرام باندھ کر انسان پر بہت سی شرعی پابندیاں عائد ہوتی ہیں جن کے خلاف کرنا سخت گناہ ہے اور حرم شریف میں جو گناہ کیا جائے اس کا وبال بھی انتہائی سخت ہوتا ہے۔ بے خبر لوگ حج کر کے یہ حساب لگاتے ہیں کہ ہم گناہوں سے پاک ہو کر آئے ہیں اور سنتیں ترک کرنے کا وبال اور واجبات احرام کی خلاف ورزی کر کے گناہوں کا ذخیرہ لے کر لوٹتے ہیں حرمین شریفین کی بے شمار برکات اور حق تعالیٰ کی بے حد رحمت سے یہ سب معاف ہو جائیں اس کا امکان ضرور ہے مگر ہمیں اس سے بے فکر ہونے کا کوئی حق نہیں اور جو گناہ بے پرواہی سے کیا جائے اس کے معاف ہونے کا امکان بھی کم ہے۔ اس لئے مسائل حج کو سفر سے پہلے اور دوران سفر میں برابر سامنے رکھیں انشاء اللہ تعالیٰ حج مقبول نصیب ہوگا۔

سفر حج سے پہلے کون کون سے کام شرعاً ضروری ہیں

اس مبارک سفر سے پہلے چند باتوں کا پورا اہتمام کریں۔

(۱) اپنی نیت خالص اللہ تعالیٰ اور ثواب آخرت کے لئے کریں۔ دنیا کی عزت اور نام ونمود یا تجارتی فوائد یا دوسری دنیوی اغراض کو ارادہ حج میں داخل نہ ہونے دیں پھر اگر بفضل خدا کچھ دنیوی فوائد بھی حاصل ہو جائیں تو اس کا مضائقہ نہیں (اور حدیث کے وعدہ کے مطابق دنیوی فوائد بھی ضرور حاصل ہوں گے) مگر اپنی نیت کو ان میں ملوث نہ کرے۔

(۲) اپنے تمام چھوٹے بڑے گناہوں سے توبہ کریں اور توبہ میں تین کام کرنا ضروری ہیں۔ زمانہ (۱) ماضی میں اپنے کئے ہوئے گناہوں پر ندامت وافسوس اور جن چیزوں کی قضا یا تدارک کیا جا سکتا ہے انکی قضا اور تدارک کرنا (۲) حال میں فوراً ان تمام گناہوں کو چھوڑ دینا۔ (۳) مستقبل میں گناہوں کے پاس نہ جانیکا عزم اور پختہ قصد کرنا ان تینوں

کاموں کے بغیر محض زبان سے توبہ کا لفظ بولنے سے توبہ نہیں ہوگی۔

زمانہ ماضی میں قابل قضا یہ چیزیں ہیں: روزے، نمازیں۔ جو نمازیں اور روزے بالغ ہونے کے بعد ادا نہیں کیے ان کا حساب لگا کر اور حساب پورا یاد نہ ہو تو اندازہ لگا کر قضا کرنا۔ اگر گزشتہ زمانے میں اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کی تو اب حساب کر کے یا محتاط اندازہ لگا کر فوت شدہ زکوٰۃ ادا کرنا۔ کوئی قسم کھائی پھر اس کے خلاف کیا تو اس کا کفارہ۔ یا کوئی نذر و منت مانی اور پھر ادا نہیں کی تو اس کو ادا کرنا۔

اور قابل تدراک حقوق العباد یہ ہیں مثلاً کسی کا قرض دینا، یا کوئی مالی حق آپ کے ذمہ رہ گیا ہے یا کسی کو آپ نے زبان یا ہاتھ سے تکلیف پہنچائی ہے یا کسی کی غیبت کی ہے تو ان سے معاف کرانا اور سب حقوق ادا کرنا، یا اگر وہ معاف کر دیں تو معاف کرانا۔

مسئلہ...... جس کا مالی حق آپ کے ذمہ ہے اگر وہ مر گیا ہے تو اس کے وارثوں کو ادا کریں یا ان سے معاف کرائیں اگر حق والے بہت زیادہ ہیں اور ان کے پتے معلوم نہیں تو جس قدر مالی حق ان کا آپ کے ذمہ ہے ان کی طرف سے صدقہ کر دیں اور ہاتھ یا زبان سے ان کو ایذاء پہنچائی تھی تو ان کے لئے کثرت سے دعائے مغفرت کرتے رہیں انشاء اللہ حقوق کے وبال سے نجات ہو جائے گی۔

مسئلہ...... اگر قضا شدہ نمازیں اور روزے اتنی مقدار میں ہیں جن کو سفر حج سے پہلے آپ پورا نہیں کر سکتے یا لوگوں کے حقوق اتنے زیادہ آپ کے ذمہ ہیں کہ ان سب سے معاف کرانا یا ادا کرنا اس وقت اختیار میں نہیں ہے تو ایسا کیجئے کہ ان سب حقوق و فرائض کی ادائیگی یا معاف کرانے کا پختہ عزم ابھی سے کر لیجئے اور جس قدر ادا کیا جا سکے اس کو ادا کر دیجئے اور جو باقی رہیں ان کے لئے ایک وصیت نامہ لکھئے اور اپنے کسی عزیز یا ہمدرد دوست کو اس پر آمادہ کر لیجئے کہ اگر آپ ادا نہ کر سکیں تو آپ کے

بعد وہ ادا کرے۔

مسئلہ ......جس شخص کے ذمہ لوگوں کے قرض ہوں اور قرض سے فاضل مال نہیں ہے تو اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ ادائے قرض سے پہلے حج کا ارادہ نہ کرے بلکہ جو کچھ سرمایہ ہے اس قرض سے سبکدوشی میں خرچ کرے لیکن اگر ادائے قرض سے پہلے حج کرلیا تو حج ادا ہو جائے گا تجارتی قرضے جو عادۃً ہمیشہ جاری رہتے ہیں اس میں داخل نہیں ایسے قرضوں کی وجہ سے حج کو مؤخر نہیں کیا جائے گا۔

مسئلہ ......جس شخص کے ذمہ لوگوں کا قرضہ ہو اور اس کی کوئی ایسی جائیداد وغیرہ بھی نہیں جس سے قرض ادا کیا جاسکے تو اس کو قرض خواہ کی اجازت کے بغیر حج کرنا جائز نہیں۔ (مناسک ملاعلی)

(۳) حج کے لئے مال حلال جمع کرنے کا اہتمام کریں حرام مال سے حج کیا جائے تو وہ مقبول نہیں ہوتا اور اس کا ثواب نہیں ملتا اگرچہ فرض ساقط ہو جاتا ہے۔ (مناسک ملاعلی)

مسئلہ ......جس شخص کا مال مشتبہ ہو اس کو چاہئے کہ کسی غیر مسلم سے قرض لے کر اس سے حج کرے پھر قرض اپنے مال سے ادا کردے تاکہ حج کے ثواب وبرکات سے محروم نہ رہے۔

(۴) ضروریات سفر تیار کرتے وقت احرام کا کپڑا ساتھ لینے کا ضرور خیال رکھیں احرام کے لئے ایک چادر اور ایک تہبند ہونا چاہئے سفید لٹھے کا ہونا بہتر ہے تیز گرمی اور تیز سردی کے ایام میں دو بڑے تولئے کا احرام بہتر ہے جو چادر اور تہبند کا کام دے سکیں۔ اگر اللہ نے وسعت دی ہے تو دو تین احرام رکھ لیں کہ ایک میلا ہو جائے تو دوسرا استعمال کرسکیں۔

سفر کے وقت آداب اور دعائیں

(۱) احباب واقرباء سے رخصت ہوتے وقت اپنا قصور معاف کرائیں اور ان سے دعائے خیر کی درخواست کریں جب گھر سے نکلنے کا ارادہ کریں تو دو رکعت نماز نفل پڑھیں جب دروازہ کے قریب آئیں تو سورۃ اِنَّـآ اَنْـزَلْنَا پڑھیں۔ جب گھر سے باہر آئیں تو اپنی گنجائش کے موافق کچھ صدقہ کریں اور آیۃ الکرسی پڑھ کر یہ دعا کریں۔

(۲) اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ اَنْ اَضِلَّ اَوْاُضَلَّ اَوْاَزِلَّ اَوْ اُزَلَّ اَوْاَظْلِمَ اَوْاُظْلَمَ اَوْاَجْھَلَ اَوْیُجْھَلَ عَلَیَّ.

اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ میں گمراہ ہو جاؤں یا گمراہ کر دیا جاؤں یا ظلم کروں یا مجھ پر ظلم ہو یا جہالت کروں یا مجھ پر جہالت ہو۔

اور یہ دعا بھی پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّـا نَسْئَلُکَ فِیْ سَفَرِنَاھٰذَاالْبِرَّوَالتَّقْوٰی وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰی اَللّٰھُمَّ ھَوِّنْ عَلَیْنَاسَفَرَنَا ھٰذَا وَاطْوِعَنَّا بُعْدَہٗ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِیْفَۃُ فِی الْاَھْلِ. اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ وَّعْثَاءِ السَّفَرِوَکَآبَۃِ الْمَنْظَرِوَسُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِی الْمَالِ وَالْاَھْلِ وَالْحَوْرِ بَعْدَ الْکَوْرِوَدَعْوَۃِالْمَظْلُوْمِ ط

اے اللہ! ہم تجھ اس سفر میں نیکی اور پرہیز گاری کا سوال کرتے ہیں اور ان اعمال کا سوال کرتے ہیں جن سے آپ راضی ہوں اے اللہ ہمارے اس سفر کو ہم پر آسان فرما دے اور اس کا راستہ جلدی جلدی طے کرا دے اے اللہ تو سفر میں ہمارا ساتھی ہے اور ہمارے پیچھے گھر کا کارساز، اے اللہ میں تیری پناہ

چاہتا ہوں سفر کی مشقت سے اور بری حالت کے دیکھنے سے اور واپس ہو کر مال میں یا اولاد میں برائی دیکھنے سے اور بننے کے بعد بگڑنے سے اور مظلوم کی بددعا سے۔

اگر دعا کے الفاظ یاد نہ ہوں تو دعاؤں کا مضمون جو ترجمے میں لکھا ہوا ہے اپنی اپنی زبان میں اس کی دعا مانگ لیں۔

(۳) جب عزیزوں سے رخصت ہوں تو یہ دعا مانگیں۔

اَسْتَوْدِعُکُمُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَاتَضِیْعُ وَدَائِعُهٗ.

میں تمہیں اللہ کے سپرد کرتا ہوں جس کے سپرد کی ہوئی چیزیں ضائع نہیں ہوا کرتیں۔

(۴) جب سواری پر سوار ہوں تو بسم اللہ کہہ کر سوار ہوں اور یہ دعا کریں۔

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَاهٰذَاوَمَاکُنَّالَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَالَمُنْقَلِبُوْنَ o

سب تعریفیں خدا ہی کے لئے ہیں جس نے اس کو ہمارے قبضہ میں دے دیا اور ہم (اس کی قدرت کے بغیر) اسے قبضہ میں کرنے والے نہ تھے اور بلاشبہ ہم کو اپنے رب کی طرف ضرور جانا ہے۔

دورانِ سفر میں

بیہودہ اور ناجائز باتوں سے پرہیز رکھیں۔ جہاں تک ہو سکے ذکر اللہ میں یا ایسی دینی کتابوں کے مطالعہ میں مشغول رہیں جن سے عمل کی اصلاح اور آخرت کی فکر پیدا ہو۔

عمرہ اور افعالِ حج کی ابتداء

جیسے نماز کی ابتداء تکبیر تحریمہ یعنی اللہ اکبر کہنے سے ہوتی ہے اسی طرح حج اور عمرہ کی ابتداء احرام سے ہوتی ہے احرام کا بیان آگے آرہا ہے پہلے حج اور عمرہ کا فرق اور حج کی اقسام سمجھ لیجئے۔

حج اور عمرہ

بیت اللہ کے ساتھ دو بڑی عبادتیں متعلق ہیں ایک حج جس کے اکثر افعال صرف ماہ ذی الحجہ کے پانچ دن میں ادا کئے جا سکتے ہیں دوسرے ایام میں نہیں ہوسکتے۔ جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ دوسرے عمرہ جو حج کے پانچ دنوں کے علاوہ سال کے ہر مہینہ اور ہر وقت میں ہوسکتا ہے اور اس کے صرف تین کام ہیں ایک یہ کہ میقات سے یا اس کے پہلے عمرہ کا احرام باندھیں دوسرے مکہ معظّمہ پہنچ کر بیت اللہ کا طواف کریں تیسرے صفا و مروہ کے درمیان سعی کریں اس کے بعد سر کے بال کٹوا کر یا منڈا کر احرام ختم کردیں۔ عمرہ کو حج کے ساتھ جمع کرنے نہ کرنے کے اعتبار سے حج کی تین قسمیں ہوجاتی ہیں۔

حج کی تین قسمیں

اول یہ کہ سفر کے وقت صرف حج کی نیت کریں اسی کا احرام باندھیں عمرہ کو حج کے ساتھ جمع نہ کریں اس قسم کے حج کا نام ''افراد'' ہے اور ایسا حج کرنے والے کو مفرد کہتے ہیں۔

(۲) دوسری قسم یہ ہے کہ حج کے ساتھ عمرہ کو بھی اول ہی سے جمع کریں یعنی دونوں کی نیت کریں اور احرام بھی دونوں کا ایک ساتھ باندھیں اس کا نام قِرَان ہے اور ایسا حج کرنے والے کو قارن کہتے ہیں۔

(۳) تیسری قسم یہ ہے کہ حج کے ساتھ عمرہ کو اس طرح جمع کریں کہ میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھیں اس احرام میں حج کو شریک نہ کریں پھر مکہ معظّمہ پہنچ کر عمرہ سے فارغ ہو کر بال کٹوانے کے بعد احرام ختم کر دیں پھر آٹھویں ذی الحجہ کو مسجد حرام سے حج کا احرام باندھیں اس کا نام تَمَتُّع ہے اور ایسا حج کرنے والے کو مُتَمَتِّع کہتے ہیں۔

حج کرنے والے کو اختیار ہے کہ ان تینوں قسموں میں سے جو چاہے اختیار کرلے مگر قران امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک افضل ہے ان تینوں قسموں کی نیت اور بعض احکام میں فرق ہے اس لئے ان کو اچھی طرح ذہن نشین کرلینا ضروری ہے۔

حج کی مذکورہ تینوں قسموں میں فرق

ایک فرق تو ان تینوں قسموں کی نیتوں میں ہے پہلی قسم یعنی افراد میں احرام باندھنے کے وقت صرف حج کی نیت کی جاتی ہے دوسری قسم میں حج وعمرہ دونوں کی نیت کی جاتی ہے تیسری قسم یعنی تمتع میں اول احرام کے وقت صرف عمرہ کی نیت کی جاتی ہے۔

دوسرا بڑا فرق یہ ہے کہ پہلی دونوں قسموں میں جو احرام اوّل باندھا جائے گا وہ افعال حج پورے کرنے تک باقی رہے گا اور تیسری قسم میں مکہ معظّمہ پہنچ کر افعال عمرہ یعنی طواف وسعی سے فارغ ہونے کے بعد یہ احرام سر کے بال کٹوانے یا منڈوانے سے ختم ہو جائے گا اور آٹھویں ذی الحجہ تک یہ شخص بلا احرام کے مکہ شریف میں قیام کر

سکے گا اور اس عرصہ میں اس پر احرام کی کوئی پابندی نہ ہوگی پھر آٹھویں ذی الحجہ کو مسجد حرام سے حج کا احرام باندھے گا۔

تیسری قسم میں سہولت زیادہ ہے لیکن افضلیت قران کی زیادہ ہے بشرطیکہ اس طویل احرام کی پابندیوں کو احتیاط کے ساتھ پورا کرسکے ورنہ تمتع کرلینا بہتر ہے۔

حج کے اعمال واحکام اسی طرح عمرہ کے اعمال احکام اور احرام کے تمام مسائل تینوں قسموں میں یکساں ہیں فرق اتنا ہے کہ دسویں ذی الحجہ کو منیٰ میں قربانی کرنا قارن اور متمتع پر واجب ہے، مفرد کے لئے مستحب ہے۔

تینوں قسموں میں جو نیت بتلائی جارہی ہے اس کو دل سے کرلینا کافی ہے اور زبان سے بھی اپنے محاورہ میں ادا کرلینا چاہئے اور عربی الفاظ میں کہیں تو بہتر ہے مثلاً افراد میں نیت اسی طرح کریں۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُالْحَجَّ فَیَسِّرْهُ لِیْ وَتَقَبَّلْهُ مِنِّیْ.

یا اللہ میں حج کا ارادہ کرتا ہوں اسے میرے لئے آسان فرمائیے اور قبول فرمائیے۔

اور قران میں اس طرح نیت کرے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُالْحَجَّ وَالْعُمْرَةَفَیَسِّرْهُمَالِیْ وَتَقَبَّلْهُمَا مِنِّیْ.

یا اللہ میں حج وعمرہ دونوں کا ارادہ کرتا ہوں یہ دونوں میرے لئے آسان فرمادیجئے اور قبول فرمائیے۔

اور تمتع کی صورت میں احرام اول کے وقت اس طرح نیت کریں۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُالْعُمْرَةَفَیَسِّرْ هَالِیْ وَتَقَبَّلْهَامِنِّیْ.

یا اللہ میں عمرہ کا ارادہ کرتا ہوں اس کو میرے لئے آسان فرمائیے اور قبول فرمائیے۔

یہاں نیت کے عربی و اردو دونوں طرح کے الفاظ لکھ دیئے گئے ہیں کسی کو عربی الفاظ یاد کرنے میں دشواری ہو تو اردو، فارسی، پنجابی، سندھی، بنگلہ، پشتو جو بھی اپنی زبان ہو اس میں یہ مضمون ادا کر دینا صحیح ہے۔

احرام باندھنے کا طریقہ

حج اور عمرہ کے افعال میں سب سے پہلا عمل احرام ہے۔ حج یا عمرہ کی نیت سے تلبیہ پڑھنے کو احرام کہتے ہیں۔ صرف تلبیہ یا صرف نیت کرنے سے احرام شروع نہیں ہوتا اور صرف احرام کے کپڑے پہننے سے بھی احرام شروع نہیں ہوتا اور احرام باندھنے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ جب احرام باندھنے کا ارادہ کریں تو پہلے غسل کریں اور وضو کر لینا بھی کافی ہے اور سنت یہ ہے کہ وضو یا غسل سے پہلے ناخن ترشوالیں مونچھوں کے بال کٹوا کر پست کریں۔ بغل اور زیر ناف کے بالوں کو صاف کریں سر منڈانے یا مشین سے بال کٹوانے کی عادت ہو تو یہ بھی کر لیں اگر سر پر پٹھے ہوں تو کنگھے سے ان کو درست کریں۔

احرام کے لئے دونئی یا دھلی ہوئی چادریں ہونا سنت ہے ایک کا تہبند بنایا جائے دوسرے کو چادر کی طرح اوڑھا جائے اگر سیاہ یا دوسرا کوئی رنگ ہو تو بھی جائز ہے۔ سردی کے وقت کمبل سے بھی یہ کام لیا جا سکتا ہے۔ اور تولئے سے بھی، تہبند باندھنے اور چادر اوڑھنے کے بعد مستحب یہ ہے کی دو رکعت نفل پڑھیں بشرطیکہ وقت مکروہ نہ ہو یعنی آفتاب کے طلوع یا غروب یا نصف النہار (زوال) کا وقت نہ ہو۔ نیز بعد فجر طلوع آفتاب سے پہلے اور بعد عصر غروب آفتاب سے پہلے کا وقت نہ ہو کیونکہ ان دو وقتوں میں بھی نماز نفل مکروہ ہے۔ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورہ قُلْ يَاأَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور دوسری میں سورہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ پڑھنا افضل ہے دوسری کوئی

سورت پڑھ لیں تو بھی جائز ہے اس نماز کے وقت جو چادر اوڑھی ہوئی ہے اسی سے سر بھی چھپا لیں کیونکہ ابھی احرام شروع نہیں ہوا جس میں سر کھلا رکھنا ضروری ہوتا ہے۔

دو رکعت نفل کے بعد حج کی مذکورہ تین قسموں میں سے جس قسم کے حج کا ارادہ ہے اس کے مطابق نیت دل میں بھی کریں اور زبان سے بھی وہ الفاظ کہیں جو ہر قسم کے لئے پہلے لکھے گئے ہیں اس کے بعد تلبیہ پڑھیں اور تلبیہ کے مسنون الفاظ یہ ہیں ان کو اچھی طرح پہلے سے یاد کر لیا جائے ان میں سے کوئی لفظ کم کرنا مکروہ ہے۔

لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ ط لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ ط
اِنَّ الْحَمْدَوَ النِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ ط لَاشَرِیْکَ لَکَ ط۔

میں حاضر ہوں اے اللہ میں حاضر ہوں آپ کا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں بے شک سب تعریف اور نعمت آپ ہی کے لئے ہے اور سارا جہاں ہی آپ کا ہے آپ کا کوئی شریک نہیں۔

احرام کے صرف کپڑے پہن لینے یا نفل پڑھنے سے یا صرف نیت کرنے سے احرام شروع نہیں ہوتا بلکہ نیت کے ساتھ الفاظ تلبیہ پڑھتے ہی احرام شروع ہو جاتا ہے اس لئے تلبیہ پڑھنے سے پہلے سر کو چادر سے کھول دیا جائے اور پھر دوران سفر میں کثرت سے تلبیہ کے مذکورہ الفاظ بلند آواز کے ساتھ پڑھا کریں خصوصاً تغیر حالات کے وقت مثلاً صبح شام اٹھتے بیٹھتے باہر جاتے وقت اندر آنے کے وقت، لوگوں سے ملاقات کے وقت، رخصت کے وقت، سو کر اٹھتے وقت، سوار ہونے کے وقت، سواری سے اترتے ہوئے، بلندی پر چڑھتے وقت، نشیب میں اترتے ہوئے زیادہ مستحب ہے یعنی اور مستحبات کے مقابلہ میں اس کی تاکید زیادہ ہے۔ عورتیں بآواز بلند نہ پڑھیں آہستہ پڑھیں مرد بھی مسجد میں اتنی بلند آواز سے نہ پڑھیں جس سے نمازیوں کو تشویش ہو اور جب بھی تلبیہ کہیں تو تین بار کہنا چاہیے بہتر یہ ہے کہ تین بار تلبیہ بآواز

بلند کہنے کے بعد آہستہ آواز سے درود شریف پڑھیں اور پھر اپنے مقاصد کی دعا مانگیں اور تلبیہ کے بعد مسنون دعا یہ ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡئَلُکَ رِضَاکَ وَالۡجَنَّۃَ وَاَعُوۡذُبِکَ مِنۡ غَضَبِکَ وَالنَّارِ.

اے اللہ میں آپ کی رضا اور جنت کا سوال کرتا ہوں اور آپ کے غصہ اور عذاب دوزخ سے پناہ چاہتا ہوں۔

احرام کی پابندیاں

احرام کی حالت میں مندرجہ ذیل چیزیں ناجائز ہیں۔

(۱) مردوں کو بدن کی ہیئت پر سلا ہوا یا بنا ہوا کپڑا پہننا جیسے کرتہ، شلوار، پاجامہ، بنیان، شیروانی، کوٹ، سوئٹر، جانگیہ موزے وغیرہ، احرام کی چادریں اگر کوئی پیوند لگا ہو یا لنگی درمیان سے سلی ہو اس کا مضائقہ نہیں مگر افضل یہ ہے کہ احرام کا کپڑا بالکل سلا ہوا نہ ہو اور روپیہ پیسہ رکھنے کے لئے سلی ہوئی ہمیانی یا پیٹی باندھنا بھی جائز ہے۔

(۲) مرد کے لئے سر اور چہرہ ڈھانکنا اور عورت کو صرف چہرہ پر کپڑا لگانا۔

(۳) کپڑوں یا بدن کو کسی قسم کی خوشبو لگانا، خوشبودار صابن استعمال کرنا، خوشبودار تمباکو وغیرہ کھانا، خوشبودار پھل اور پھول وغیرہ کا قصداً سونگھنا بھی مکروہ ہے بلا ارادہ خوشبو ناک میں آجائے تو مضائقہ نہیں۔

(۴) بدن کے بال کسی جگہ سے کاٹنا یا توڑنا۔ (۵) ناخن کاٹنا۔

(۶) بحالت احرام بیوی کے ساتھ بوس وکنار اور جماع سب ناجائز ہیں۔

(۷) بحالت احرام عورتوں کے سامنے جماع کا ذکر کرنا بھی ناجائز ہے۔

(۸) لڑائی جھگڑا کرنا۔

(۹) خشکی کا شکار مارنا یا شکاری کی مدد کرنا یا شکاری کے لئے شکار کی طرف اشارہ کرنا۔

(۱۰) اپنے جسم یا اپنے کپڑے کی جُوں مارنا یا جدا کرنا۔

(۱۱) ٹڈی مارنا۔

عورتوں کا احرام

عورتوں کا احرام اور حج بھی مردوں کی طرح ہے فرق یہ ہے کہ عورت کو سلے ہوئے کپڑے پہنے رہنا چاہیے سر کو بھی چھپانا چاہیے صرف چہرہ کھلا رہنا چاہیے مگر اجنبی مردوں کے سامنے برقع کا نقاب اس طرح ڈال لے کہ وہ چہرہ کو نہ لگے۔ عورتوں کو موزے اور دستانے پہننا جائز ہے زیور بھی پہن سکتی ہیں۔ حالت حیض ونفاس میں بھی احرام باندھ سکتی ہیں مگر اس حالت میں احرام کے لئے دوگانہ احرام نہ پڑھیں۔

مذکورہ بالا تمام چیزوں کی پابندیاں احرام میں لازم ہیں اس کے خلاف کرنا گناہ ہے اور اس کے کفارہ کے لئے اکثر صورتوں میں دم یعنی قربانی واجب ہوتی ہے جس کی پوری تفصیل تو بڑی کتابوں میں دیکھ کر یا علماء سے دریافت کر کے معلوم کی جا سکتی ہے مگر بقدر ضرورت مسائل اس کتابچہ میں بھی آگے لکھ دیئے گئے ہیں۔

ان پابندیوں کی خلاف ورزی گناہ تو ہے ہی اس سے انسان کا حج بھی ناقص ہو جاتا ہے گو فرض ادا ہو جاتا ہے۔

مسئلہ ...... ایک کام اور ایک صورت ایسی ہے کہ اس سے حج بھی فاسد ہو جاتا ہے دوسرے سال حج کرنا لازم ہو جاتا ہے وہ وقوف عرفات سے پہلے جماع کر لینا ہے۔ جماع کے علاوہ بوس وکنار وغیرہ گناہ ہیں مگر اس کے کرنے سے حج فاسد نہیں ہوتا۔

میقات کا بیان

احرام کہاں اور کس وقت باندھا جائے؟

اس کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ کے گرد چاروں طرف کچھ مقامات متعین فرما دیئے ہیں جہاں پہنچ کر مکہ مکرمہ جانے والوں پر احرام باندھنا واجب ہے خواہ حج کا احرام باندھیں یا عمرہ کا ان مقامات کو میقات کہتے ہیں اور اس کی جمع مواقیت آتی ہے۔ مواقیت کا تعین صحیح احادیث میں منقول ہے اور یہ پابندی میقات سے باہر رہنے والوں پر عام ہے جب بھی وہ مکہ مکرمہ کے ارادہ سے حدود میقات میں داخل ہوں خواہ وہ کسی تجارتی غرض سے مکہ مکرمہ جا رہے ہوں یا عزیز دوستوں سے ملاقات کے لئے بہر حال بیت اللہ کا یہ حق ان کے ذمہ ہے کہ میقات سے احرام باندھ کر مکہ میں داخل ہوں اگر حج کا وقت ہے تو حج کا، ورنہ عمرہ کا احرام باندھیں، اور پہلے بیت اللہ کا یہ حق ادا کریں اور پھر اپنے کام میں مشغول ہوں۔

ہاں اگر جدہ کا سفر مکہ مکرمہ جانے کی نیت سے نہ ہو بلکہ صرف جدہ یا مدینہ طیبہ جانے کی نیت ہو تو میقات سے احرام باندھنا ضروری نہیں البتہ جب مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کا سفر کریں میقات پر احرام باندھنا واجب ہے۔

میقات پانچ ہیں

(۱) ذوالحلیفہ

مدینہ طیبہ کی طرف سے مکہ مکرمہ آنے والوں کے لئے ہے جو مدینہ طیبہ سے تقریباً چھ میل پر مکہ مکرمہ کے راستہ میں ہے یہاں ایک مسجد بنی ہوئی ہے آج کل یہ

مقام بئر علی کے نام سے مشہور ہے۔

(۲) جحفہ

یہ ملک شام کی طرف سے آنے والوں کے لئے ہے اور مدینہ طیبہ کے راستہ کی مشہور منزل رابغ کے قریب ہے۔

(۳) قَرْنُ الْمَنَازِلْ

نجد کی طرف سے آنے والوں کے لئے ہے۔

(۴) یَلَمْلَم

یمن کی طرف سے آنے والوں کے لئے ہے یہ ایک پہاڑی ساحل سمندر سے پندرہ بیس میل کے فاصلے پر ہے یہ اصل میں یمن اور عدن والوں کا میقات ہے پہلے زمانے میں جب جدہ کی بندرگاہ نہ تھی تو ہندوستان، پاکستان اور دوسرے مشرقی ممالک سے بحری راستہ پر آنے والے حجاج کا بھی یہی راستہ تھا، اس لئے اہل پاکستان و ہندوستان کے لئے بھی یہی میقات مشہور ہے۔

(۵) ذَاتُ عِرْق

عراق کی طرف سے آنے والوں کے لئے ہے جن لوگوں کا راستہ خاص ان میقات پر سے نہ ہو تو مکہ مکرمہ جانے کے لئے جس جگہ پر بھی ان میں سے کسی میقات کی محاذات آئے گی اس محاذات کے اندر داخل ہونے سے پہلے احرام باندھنا واجب ہے۔

یہ مواقیت ان لوگوں کے لیے ہیں جو حدود میقات سے باہر ساری دنیا میں کہیں رہتے ہیں اصطلاح میں مواقیت سے باہر ساری دنیا کو آفاق کے نام سے تعبیر کرتے ہیں اور آفاق کے لوگوں کو اصطلاح میں ''آفاقی'' کہا جاتا ہے۔

حدود میقات کے اندر رہنے والے

پہلے یہ بات جان لینا مناسب ہے کہ کعبہ مکرمہ نہایت ہی اشرف واعلیٰ مقام ہے حق تعالیٰ نے اس کے احترام کے لئے اس کے گرد تین دائرے بنائے ہیں۔ ہر دائرے کے کچھ مخصوص احکام ہیں پہلا دائرہ مسجد حرام کا ہے جس کے درمیان بیت اللہ واقع ہے یہ مکہ مکرمہ میں بیت اللہ کے بعد سب سے زیادہ اشرف واعلیٰ مقام ہے اسی کو ''مسجد حرام'' کہا جاتا ہے اس مسجد کے ساتھ بہت سے احکام مخصوص ہیں مگر ان کا خصوصی تعلق احرام سے نہیں اس لئے ان کی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں دوسرا دائرہ حدود حرم کا ہے یعنی مکہ مکرمہ کے چاروں طرف کچھ دور تک کی زمین شہر مکہ سمیت ''حرم'' کہلاتی ہے حرم کی حدود جہاں سے شروع ہوتی ہے وہاں کچھ علامات لگی ہوئی ہیں ان کو حدود حرم کہا جاتا ہے حدود حرم کا فاصلہ مکہ مکرمہ سے کسی طرف تین میل اور کسی طرف نو میل ہے اور کسی طرف کم وبیش ہے۔ مکہ مکرمہ سمیت اس دائرے میں جو زمین ہے۔ اُسے ''حرم'' کہا جاتا ہے جو لوگ اس دائرے کے اندر رہتے ہیں مثلاً مکہ کے رہنے والے وہ اہلِ حرم کہلاتے ہیں تیسرا دائرہ مواقیت کا ہے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے حدود حرم سے باہر مگر دائرہ میقات کے اندر رہنے والوں کو اہلِ حل کہا جاتا ہے اور ان سب دائروں سے باہر رہنے والوں کو اہلِ آفاق کہا جاتا ہے۔

احرام کے بارے میں اہل آفاق کا حکم تو پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ جب بھی وہ مکہ مکرمہ کے قصد سے حدود میقات یا ان کی محاذات سے مکہ کی طرف بڑھیں اس سے پہلے ان پر احرام باندھنا واجب ہے خواہ ان کا ارادہ حج وعمرہ کا ہو یا تجارت ملازمت یا دوستوں سے ملاقات وغیرہ مقصود ہو۔

دوسرے دائرے یعنی حدود حرم سے باہر رہنے والے جن کو ''اہل حل'' کہتے

ہیں ان کا حکم یہ ہے کہ جب وہ حج یا عمرہ کے ارادہ سے مکہ مکرمہ جانا چاہیں تو اپنے گھر سے باہر یا حدود حرم سے پہلے پہلے احرام باندھ لیں اور اگر وہ کسی اور مقصد سے مکہ مکرمہ جانا چاہیں تو ان پر احرام باندھنے کی کوئی پابندی نہیں جب چاہیں مکہ مکرمہ بغیر احرام کے جاسکتے ہیں۔

اور پہلے دائرے یعنی حدود حرم کے اندر رہنے والوں پر بھی احرام کی کوئی پابندی نہیں وہ جب عمرہ کرنا چاہیں تو حدود حرم سے باہر جا کر احرام باندھ لیں اور جب حج کرنا چاہیں تو حرم ہی سے احرام باندھ لیں۔

پاکستان اور ہندوستان والے کہاں سے احرام باندھیں

یہ بات یاد رکھیں کہ آفاقی لوگوں کے لئے میقات یا میقات کی محاذات پر احرام باندھ لینا واجب ہے بغیر احرام کے میقات یا محاذاتِ میقات سے مکہ کی طرف بڑھنا جائز نہیں اگر ایسا کیا تو اس پر دم لازم آئے گا۔ البتہ میقات یا محاذات میقات سے پہلے ہی کوئی احرام باندھ لے تو یہ جائز بلکہ افضل ہے۔

جب سے ہوائی جہازوں کا سفر ہونے لگا ہے اس وقت سے پاکستان اور ہندوستان والوں کے لئے دو راستے ہو گئے ایک بحری دوسرا ہوائی، احرام کے معاملے میں دونوں راستوں کے احکام جدا جدا ہیں۔

بحری راستہ کا حکم

سمندری جہاز چونکہ دریا کے اندر کنارے گذرتا ہے۔ جدہ تک راستہ میں کوئی میقات نہیں آتا اور نہ کسی میقات کی ایسی محاذات آتی ہے جس کی وجہ سے سمندر ہی میں احرام باندھنا واجب ہو جائے البتہ عدن گذر جانے کے بعد اہل یمن کی میقات یلملم کی

محاذات کا ہونا معروف ومشہور ہے اور اسی وجہ سے جہاز میں اس محاذات کا خیال کرتے ہوئے احرام باندھتے ہیں اور اس محاذات کی جگہ احرام باندھنا جائز بلکہ افضل ہے لیکن چونکہ جہاز یلملم کی محاذات کے اندر مکہ مکرمہ کے رخ پر داخل نہیں ہوتا بلکہ باہر باہر جدہ پہنچتا ہوتا ہے اور جدہ پہنچنے تک مسافر کی محاذات کعبہ کے رخ پر جاتے ہوئے نہیں ہوتی اس لئے اگر کوئی شخص جدہ تک احرام کو مؤخر کرے جدہ پہنچ کر احرام باندھ لے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ اس کی مفصل تحقیق احقر کے رسالہ احکام مواقیت میں شائع ہو چکی ہے۔ (جو جواہر الفقہ میں شائع ہوا ہے)

ہوائی راستہ کا حکم

کراچی سے جدہ جانے والا ہوائی جہاز اہل نجد یا اہل عراق کی میقات یا ان کی محاذات سے گذرتا ہوا بلکہ بعض اوقات حدودِ حرم کے قریب سے گذرتا ہوا جدہ پہنچتا ہے اس لئے کراچی سے بذریعہ ہوائی جہاز جانے کے لئے یہ گنجائش نہیں ہے کہ وہ جدہ پہنچنے تک احرام کو موخر کریں ان حضرات پر لازم ہے کہ جہاز روانہ ہونے کے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کے اندر اندر جہاز ہی میں احرام باندھ لیں تا کہ بلا احرام میقات یا اس کی محاذات سے تجاوز نہ ہو ورنہ گنہگار بھی ہوں گے اور دم بھی لازم ہوگا۔

ہندوستان اور بنگلہ دیش کے حجاج کرام جو بمبئی یا ڈھاکہ سے بذریعہ ہوئی جہاز روانہ ہوتے ہیں، نقشہ دیکھنے سے اندازہ ہوا کہ ان کا جہاز بھی نجد یا عراق کے میقات کی محاذات کے اندر سے گزر کر جدہ پہنچتا ہے اس لئے ان حضرات کو بھی جہاز روانہ ہونے کے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کے اندر جہاز ہی میں احرام باندھ لینا چاہیے۔

ایک مفید مشورہ

بعض اوقات ہوائی جہاز کی پرواز ایک ایک دو دو دن مؤخر ہو جاتی ہے اگر

حاجی احرام باندھ چکے ہوں تو ان کو سخت دشواری پیش آتی ہے کیونکہ احرام کی پابندیاں اپنے شہر میں رہتے ہوئے نباہنا آسان نہیں اور خلاف ورزی پر بہت سی صورتوں میں دم لازم ہو جاتا ہے اور گناہ بھی ہوتا ہے اس لئے حجاج کرام کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ ایئرپورٹ پر احرام نہ باندھیں بلکہ جب جہاز فضا میں بلند ہو جائے اس وقت احرام باندھیں جس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ پہلے احرام باندھیں کہ پیچھے احرام باندھنے کے طریقہ میں جتنے کام تفصیل سے لکھے گئے ہیں، نیت اور تلبیہ کے سوا وہ سب کام تو کراچی میں اپنی رہائش گاہ یا ائرپورٹ پر پورے کرلیں، احرام کے کپڑے بھی باندھ لیں مگر نیت اور تلبیہ نہ کریں، نیت اور تلبیہ کے بغیر احرام شروع نہیں ہوتا، نہ اس کی پابندیاں عائد ہوتی ہیں جب جہاز فضا میں بلند ہو جائے اس وقت نیت کر کے تلبیہ پڑھیں۔ احرام اور اس کی پابندیاں اس وقت سے شروع ہوں گی۔

جدہ پہنچنے کے بعد

سمندری اور ہوائی دونوں راستوں سے سفر کرنے والے پہلے جدہ پہنچتے ہیں اس لئے جدہ کو حرمین کا دروازہ کہا جائے تو بعید نہیں، یہاں پہنچ کر اللہ کا شکر ادا کریں کہ منزل مقصود قریب آ گئی اور تلبیہ موقع بہ موقع بآوازِ بلند کثرت سے پڑھتے رہیں اور ضروریات سے فراغت کے تمام اوقات کو ذکر اللہ میں مشغول رکھیں۔

جدہ سے مکہ مکرمہ کا سفر موٹروں کی وجہ سے بہت تھوڑی دیر کا رہ گیا ہے، درمیانی منزل بحرہ سے کچھ دور آگے جا کر حدیبیہ کے قریب جسے آج کل شمیسیہ کہا جاتا ہے کے بعد حدود حرم کے دو ستون نظر آ جائیں گے یہاں سے حرم مکہ شروع ہوتا ہے۔

حدودِ حرم میں داخلہ

حدود کوچۂ محبوب ہیں وہیں سے شروع
جہاں سے پڑنے لگیں پاؤں ڈگمگائے ہوئے

حدود حرم میں داخلہ رب العزت جل شانہٗ کی بارگاہ عظمت پناہ میں داخلہ ہے جو بہت خوش نصیبوں کو نصیب ہوتا ہے اس کی عظمت وجلال کو خوب دل میں مستحضر کر کے ان حدود میں داخل ہوں انبیائے سابقین علیہم السلام اور بزرگان امت کا عمل تو یہ رہا ہے کہ یہاں سے پیدل ننگے پاؤں چلتے تھے یہاں سے نہ ہوا تو ذی طویٰ (ایک مقام شہر مکہ مکرمہ سے باہر ہے وہاں) سے پیدل اور ننگے پاؤں ہو جاتے تھے یہ بھی نہ ہوسکتا تھا تو مکہ مکرمہ میں داخل ہو کر یہ عمل کرتے تھے (حیات القلوب) لیکن آج کل عموماً موٹروں کی سواری ہے اترنا آسان نہیں پھر سامان موٹر میں رہے تو دل ادھر لگا رہے گا اس لئے سوار ہی ہو کر داخل ہوتے ہیں مگر کوشش کر کے نہایت خشوع وخضوع سے استغفار کرتے ہوئے بار بار تلبیہ پڑھتے ہوئے داخل ہوں۔ (زبدہ)

مکہ معظّمہ میں داخلہ

مسئلہ...... مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے پہلے غسل کرنا سنت ہے آج کل جدہ میں غسل کر کے چلنے سے یہ سنت ادا ہوسکتی ہے کیونکہ موٹروں کی وجہ سے بہت تھوڑے وقت میں یہ سفر طے ہو جاتا ہے مکہ مکرمہ میں داخلہ کے بعد پہلے اپنے سامان اور جائے قیام کا انتظام کریں تا کہ دل اس میں الجھا نہ رہے اس کے بعد مسجد حرم میں داخل ہوں۔

مسئلہ...... مسجد حرام کے بہت سے دروازے ہیں مستحب یہ ہے کہ جب مسجد حرام میں جائیں تو باب السلام سے داخل ہوں یا کسی دوسرے دروازے سے

داخل ہوں تو بھی کچھ حرج نہیں تلبیہ پڑھتے ہوئے تواضع اور خشوع کے ساتھ بیت اللہ کی عظمت وجلالت کا دھیان کئے ہوئے داخل ہوں۔

مسئلہ ...... مسجد میں داخل ہوتے وقت داہنا پاؤں پہلے داخل کریں اور درود شریف پڑھ کر یہ دعا پڑھیں۔

اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ وَسَهِّلْ لَنَا اَبْوَابَ رِزْقِکَ.

یا اللہ ہمارے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے اور ہمارے لئے رزق کے دروازے آسان فرما دے۔

اگر دعا کے الفاظ یاد نہ ہوں تو اپنی زبان میں اس مضمون کی دعا مانگنا بھی کافی ہے۔

بیت اللہ پر پہلی نظر کے وقت

تین مرتبہ اللّٰہ اکبر لاالہ الا اللّٰہ کہے اور نیچے لکھے ہوئے الفاظ دعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ فَحَیِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ اَللّٰهُمَّ زِدْ بَیْتَکَ هٰذَا تَعْظِیْمًا وَتَشْرِیْفًا وَّ تَکْرِیْمًا وَّمَهَابَةً وَّ زِدْ مَنْ حَجَّهٗ اَوِ اعْتَمَرَهٗ تَشْرِیْفًا وَّتَکْرِیْمًا وَّتَعْظِیْمًا وَّبِرًّا ط

یا اللہ آپ ہی سلام ہیں اور آپ ہی کی طرف سے سلامتی ہے اے ہمارے پروردگار ہمیں سلامتی کے ساتھ زندہ رکھ یا اللہ اپنے اس گھر کی تعظیم وتکریم اور شرف ہیبت زیادہ کر دیجئے اور جو اس کا حج کرے یا عمرہ کرے اس کی تعظیم وتکریم اور شرف اور ثواب کو بڑھا دیجئے۔

اس دعا کا پڑھنا مستحب ہے اگر یاد نہ ہو جو دعا چاہے مانگے اس وقت دعا قبول ہوتی ہے۔

مسئلہ ...... مسجد حرام میں داخل ہونے کے وقت نفل تحیۃ المسجد کے نہ پڑھے کیونکہ یہاں بغرض طواف آنے والوں کا تحیہ نماز کے بجائے طواف ہے (غنیۃ) اس لئے مسجد حرام میں داخل ہو کر سب سے پہلے طواف کرنا چاہیے۔ البتہ جس شخص کا مسجد حرام میں طواف کی غرض سے آنا نہ ہو صرف بیٹھنے یا نماز پڑھنے کی غرض سے ہو۔ اور مکروہ وقت بھی نہ ہو تو عام مساجد کی طرح یہاں بھی تحیۃ المسجد پڑھ لینا چاہئے۔ (غنیۃ)

سب سے پہلا کام طواف

باہر سے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے والا خواہ کسی بھی قسم کی نیت کر کے آیا ہو چونکہ اس پر لازم ہے کہ میقات سے احرام کے بغیر اندر نہ آئے اس لئے یہاں آنے والا حج کی قسموں میں سے کسی قسم کا یا عمرہ کا احرام باندھ مکہ معظمہ پہنچے گا لہٰذا ہر حال میں اس کا پہلا کام یہ ہے کہ سامان کے انتظام سے فارغ ہو کر مسجد حرام پہنچے اور طواف کرے البتہ طواف کی نوعیت علیحدہ علیحدہ ہوگی عمرہ اور تمتع کرنے والے کے لئے یہ عمرہ کا طواف ہوگا اور مفرد کے لئے یہ طواف قدوم ہوگا جو سنت ہے واجب نہیں۔

جس نے قران کا احرام باندھا ہو وہ مکہ مکرمہ پہنچ کر پہلے عمرہ کا طواف اور سعی کرے پھر حج کا طواف قدوم کرے۔

طواف کرنے کا طریقہ اور حجر اسود کا استلام

طواف کے معنی کسی چیز کے گرد گھومنے کے ہیں طواف کی نیت کر کے بیت اللہ کے گرد سات مرتبہ گھومنے کو طواف کہتے ہیں یعنی ایک طواف سات چکر لگانے سے مکمل ہوتا ہے اور ایک چکر کو شوط کہتے ہیں بیت اللہ کے سوا کسی چیز یا کسی مقام کا طواف کرنا جائز نہیں طواف کے لئے نیت فرض ہے بغیر نیت کے کتنے ہی چکر لگائے طواف نہیں ہوگا۔

طواف کی نیت اس طرح کرے کہ یا اللہ میں تیری رضا حاصل کرنے کے لئے طواف کا ارادہ کرتا ہوں اس کو میرے لئے آسان کر دے اور قبول فرما۔ دل سے یہ نیت کرنا فرض ہے اور زبان سے بھی کہہ لینا افضل ہے اولاً بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر کے اس گوشے کے پاس جس میں حجرِ اسود ہے اس طرح کھڑا ہو کہ پورا حجر اسود اس کی دائیں جانب ہو جائے پھر طواف کی نیت کر کے ذرا سا دائیں جانب کو چلے اتنا کہ حجر اسود بالکل مقابل ہو جائے حجر اسود کے سامنے کھڑا ہو کر اس طرح ہاتھ اٹھائے جیسے نماز کی تکبیر تحریمہ کے وقت اٹھاتے ہیں اور یہ پڑھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ج اَللّٰهُمَّ اِيْمَانًا بِكَ وَوَفَاءً بِعَهْدِكَ وَاتِّبَاعًا لِّسُنَّةِ نَبِيِّكَ ﷺ۔

اگر یہ دعا یاد نہ ہو یا ہجوم کی وجہ سے پوری طرح پڑھنا مشکل ہو تو صرف بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ ط کہہ لینا کافی ہے پھر ہاتھ چھوڑ کر دونوں ہاتھ حجر اسود پر اس طرح رکھے جیسے سجدہ میں رکھے جاتے ہیں اور دونوں ہتھیلیوں کے بیچ سر رکھ کر حجر اسود کو ادب کے ساتھ بوسہ دے ہجوم کی وجہ سے بوسہ دینا ممکن نہ ہو تو حجر اسود کو ہاتھ سے چھو کر ہاتھ کو بوسہ دے۔ ہاتھ بھی نہ رکھ سکے لکڑی یا کسی دوسری چیز سے حجر اسود کو چھو کر اس چیز کو بوسہ دے یہ بھی نہ ہو سکے تو دونوں ہاتھ حجر اسود کی طرف اس طرح اٹھائے کہ گویا حجر اسود پر رکھے ہوئے ہیں اور ہاتھوں کی پشت اپنے چہرے کی طرف رکھے اس کے بعد ہاتھوں کو بوسہ دے۔ حجر اسود کو بوسہ دینے یا ہاتھ لگانے میں اس کا پورا خیال رکھیں کہ کسی کو تکلیف نہ پہنچے اگر تکلیف کا خطرہ ہو تو اس کو چھوڑ دیں صرف ہاتھوں کو کانوں تک اٹھا کر حجر اسود کے بالمقابل کر کے ہاتھوں کو بوسہ دینے پر ہی اکتفا کریں۔ کیونکہ حجر اسود کا استلام مستحب ہے اور کسی مسلمان کو تکلیف پہنچانا حرام

ہے، استلام حجر اسود کے بعد دائیں طرف کعبہ شریف کے دروازے کی جانب کو چلے اور بیت اللہ کے گرد طواف کرے جب رکن یمانی پر پہنچے تو اس کو دونوں ہاتھوں سے یا صرف داہنے ہاتھ سے چھونا سنت ہے اس کو بوسہ دینا یا صرف بائیں ہاتھ سے چھونا خلاف سنت ہے اگر ہاتھ لگانے کا موقع نہ ملے تو ایسے ہی گزر جائے۔

بیت اللہ کے چار گوشے

بیت اللہ کے چار گوشے ہیں ہر گوشے کو رکن کہتے ہیں ایک رکن تو حجر اسود کا ہے اس کے بالمقابل مغربی جانب کا گوشہ رکن یمانی کہلاتا ہے باقی دو گوشے رکن شامی اور رکن عراقی کے نام سے موسوم ہیں مگر طواف میں ان دونوں گوشوں سے کوئی حکم متعلق نہیں ہے۔

جب لوٹ کر حجر اسود پر پہنچے تو پھر بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَلِلّٰہِ الْحَمْد کہہ کر حجر اسود کو بوسہ دینے یا ہاتھ لگانے اور ہاتھ کو بوسہ دینے کا وہی عمل کرے جو پہلے کیا تھا اس طرح یہ ایک شوط (چکر) پورا ہو گیا اب اسی طرح باقی چھ شوط (چکر) حجر اسود سے شروع کر کے حجر اسود تک کریں گے تو ایک طواف مکمل ہوگا سات شوط پورے کرنے کے بعد آٹھویں مرتبہ بھی حجر اسود کا استلام اسی طرح کرے جس طرح پیچھے بیان ہوا ہے۔

مسئلہ ...... حجر اسود کا استلام یعنی بوسہ دینا یا ہاتھ وغیرہ لگانا پہلی مرتبہ اور آٹھویں مرتبہ باتفاق سنت مؤکدہ ہے۔ بیچ والے چکروں میں زیادہ تاکید نہیں ہے۔

مسئلہ ...... جب جماعت نماز کے لئے اقامت ہو رہی ہو اور جب امام خطبہ کے لئے کھڑا ہو اس وقت طواف کرنا مکروہ ہے اس کے علاوہ کسی وقت میں طواف مکروہ نہیں اگرچہ وہ اوقات ہوں جن میں نماز مکروہ ہوتی ہے۔ (حیات القلوب)

طواف کی دعائیں

دورانِ طواف میں ذکر اللہ میں مشغول رہنا اور دعا مانگنا افضل ہے دعا حالت طواف میں مقبول ہوتی ہے مگر کوئی خاص ذکر اور دعاء ایسی معین نہیں ہے کہ اس کے بغیر طواف نہ ہو، حدیث میں یہ دو دعائیں منقول ہیں جو مختصر سی ہیں ایک رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان ہے۔ وہ یہ ہے۔

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ط.

اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھلائی دے اور دوزخ کے عذاب سے بچا۔

دوسری دعا جس کا حجر اسود اور حطیم کے درمیان پڑھنا منقول ہے یہ ہے۔

اَللّٰھُمَّ قَنِّعْنِیْ بِمَا رَزَقْتَنِیْ وَبَارِکْ لِیْ فِیْهِ وَاخْلُفْ عَلٰی کُلِّ غَائِبَةٍ لِّیْ بِخَیْرٍ. لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ط

اے اللہ جو کچھ آپ نے مجھے عنایت فرمایا اس پر مجھے قناعت دے اور اس میں مجھے برکت بھی دے اور میرا مال و اولاد جو کچھ میرے سامنے نہیں تو اس کی حفاظت فرما۔ کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا وہ واحد ہے لاشریک ہے اسی کے لئے ملک ہے اور اسی کے لئے حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

امام محمدؒ نے مبسوط میں فرمایا کہ مقامات حج میں کوئی دعا متعین کرنا اچھا نہیں جس میں جی لگے اور جس کی ضرورت سمجھے وہ دعا کرے کیونکہ معین الفاظ کی پابندی

سے رقت قلب اور خشوع اکثر نہیں رہتا۔

طواف کے ہر شوط کے لئے جو دعائیں بعض حضرات نے شائع کی ہیں وہ رسول اللہ ﷺ سے منقول تو ہیں مگر خاص طواف کے لئے منقول نہیں، بہت سے عوام وہ کتابیں ہاتھ میں لے کر طواف کی حالت میں ان الفاظ کو بے سمجھے مشکل سے ادا کرتے ہیں اس سے بہتر یہ ہے کہ جو کچھ اپنی سمجھ میں آئے اور جس چیز کی ضرورت ہو اپنی زبان میں اس کی دعا کریں۔

البتہ کسی کو عربی دعائیں یاد ہوں اور ان کو سمجھ کر دعا کرے تو بہت اچھا ہے ایسے حضرات کے لئے وہ دعائیں کرنا اچھا ہے۔

مسئلہ......طواف کی حالت میں ذکر افضل ہے اور تلاوت قرآن بھی جائز ہے مگر ذکر و تلاوت اور دعا بلند آواز سے نہ کرے تاکہ دوسرے طواف کرنے والوں کو تشویش نہ ہو (زبدہ) اس سے معلوم ہوا کہ معلموں کا شور و شغب جو لوگوں کو دعائیں پڑھانے کیلئے ہوتا ہے اچھا نہیں۔

طواف کے بعد دو رکعت نماز

ہر طواف کے بعد دو رکعت نماز واجب ہے خواہ طواف نفل یا سنت یا واجب یا فرض ہو۔ دو رکعتوں کا مقام ابراہیمؑ کے پیچھے ادا کرنا سنت اور افضل ہے۔

مسئلہ......دوگانہ مقام ابراہیم کے پیچھے ہونے کا یہ مطلب ہے کہ مقام ابراہیم نمازی اور بیت اللہ کے درمیان آجائے مقام ابراہیم سے جتنا قریب ہو سکے بہتر ہے اور کچھ فاصلہ بھی ہو تو مضائقہ نہیں لوگوں کو تکلیف دے کر آگے پہنچنا جہالت ہے۔

بھیڑ کے وقت بالکل قریب جانے میں اپنے کو تشویش اور دوسروں کو ایذاء ہوتی ہے اس سے بہتر یہ ہے کہ کچھ فاصلہ سے پڑھ لے مگر بلا ضرورت دور نہ جائے اور

مقام ابراہیم اس کے اور بیت اللہ کے درمیان رہے۔

مسئلہ...... دوگانہ طواف مکروہ اوقات میں جائز نہیں یعنی آفتاب کے طلوع یا غروب یا زوال کے وقت نہ پڑھے اگرچہ طواف ان اوقات میں بھی جائز ہے (زبدہ)

مسئلہ...... دوگانہ طواف کے لئے جس کو مقام ابراہیم کے قریب جگہ مل جائے اس کو چاہئے کہ مختصر قرأت کے ساتھ دو رکعت پڑھے اور مختصر دعا کر کے جگہ چھوڑ دے تاکہ دوسروں کو موقع مل جائے اور انہیں تکلیف نہ ہو طویل دعا یا نوافل یہاں نہ پڑھے بلکہ وہاں سے ہٹ کر پڑھے۔

مسئلہ...... اس دوگانہ کو طواف کے متصل پڑھنا چاہیے بلا عذر تاخیر مکروہ ہے۔ (زبدہ)

مسئلہ...... کئی طواف کر کے سب کے دوگانہ ایک مرتبہ جمع کرے یہ مکروہ ہے ہاں وقت مکروہ ہو تو مضائقہ نہیں کہ کئی طواف کر لے پھر وقت مکروہ نکل جانے کے بعد ہر طواف دوگانہ الگ الگ ادا کر لے۔

مسئلہ...... دوگانہ طواف اگر مقام ابراہیم کے پیچھے ادا نہ کر سکے تو اس کے آس پاس یا حطیم میں یا سارے حرم[1] میں یا کہیں بھی پڑھ لے تو واجب ادا ہو جائے گا مگر حرم کے باہر مکروہ ہے (زبدہ)

مُلتَزَم پر جانا اور دعا مانگنا

بیت اللہ شریف کا وہ حصہ جو حجر اسود اور دروازہ بیت اللہ کے درمیان ہے مُلتَزَم کہلاتا ہے اس مقام پر خاص طور سے دعا قبول ہوتی ہے اور سنت یہ ہے کہ طواف سے فارغ ہو کر مُلتَزَم پر جائے اور اس جگہ کی دیوار کعبہ پر اپنے دونوں ہاتھ سر کے اوپر

(۱) حرم سے حرم مکہ یعنی جملہ حدود مراد ہے (غنیة)

سید ھے بچھا دے اور سینہ دیوار سے ملا دے اور رخسار کو بھی دیوار کے ساتھ رکھے اور خشوع وخضوع کے ساتھ مانگے تجربہ یہ ہے کہ یہ دعا کبھی رد نہیں ہوتی، مگر دوسروں کو تکلیف پہنچانے سے ہر کام میں پرہیز کرے۔

آبِ زم زم پینا

مستحب ہے کہ طواف اور رکعتوں اور مُلتَزَم سے فارغ ہو کر زمزم کے کنویں پر جائے اور بیت اللہ کی طرف رخ کر کے زمزم کا پانی پیٹ بھر کر تین سانس میں پیئے شروع میں بسم اللہ اور آخر میں الحمد للہ کہے۔

مسئلہ...... زمزم کے پانی سے غسل اور وضو کرنا اچھا نہیں مگر بے وضو کو وضو کر لینا جائز ہے استنجا کرنا یا بدن یا کپڑے کی ناپاکی اس سے دھونا جائز نہیں۔ (غنیۃ)

طواف میں اِضطِبَاع اور رَمل

یہاں تک جو افعال طواف میں بیان ہوئے وہ ہر طواف کرنے والے کے لئے برابر ہیں خواہ طواف عمرہ کا ہو یا حج کا اور خواہ یہ شخص مفرد ہو یا قارن یا متمتع اور طواف خواہ فرض ہو یا واجب ہو یا سنت ہو یا نفل، لیکن جس طواف کے بعد صفا مروہ کے درمیان سعی کرنا ہو اس طواف میں صرف مردوں کو دو کام زائد کرنا ہیں اور یہ دونوں سنت مؤکدہ ہیں ایک اضطباع یعنی احرام کی چادر کو دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں مونڈھے پر ڈالنا طواف کے اول سے آخر تک اضطباع کرنا سنت مؤکدہ ہے مگر جب دوگانہ طواف پڑھے اس وقت دستور کے موافق چادر اوڑھ کر دونوں مونڈھے ڈھانک لے۔ دوسرا کام رمل ہے۔ جو صرف طواف کے پہلے تین چکروں میں سنت ہے رمل کا طریقہ یہ ہے کہ چلنے میں جھپٹ کر جلدی جلدی اور زور زور سے قدم اٹھائے

اور قدم نزدیک نزدیک رکھے دوڑے نہیں اور مونڈھوں کو اس طرح ہلاتا ہوا چلے جیسے بہادر میدان جنگ میں جاتا ہے۔

مسئلہ...... اضطباع اور رمل صرف مردوں کے لئے سنت ہے عورتوں کے لئے نہیں۔

مسئلہ...... قارن اور متمتع جو پہلا طواف کریں گے وہ عمرہ کا طواف ہوگا اس کے بعد عمرہ کی سعی کرنا ان کے لئے ضروری ہے اس لئے ان دونوں کو تو پہلے ہی طواف میں اضطباع اور رمل کرنا ہے لیکن مفرد جس نے صرف حج کا احرام باندھا ہے اس کا یہ پہلا طواف ''طواف قدوم'' ہوگا جس کے بعد حج کے لئے سعی کرنا اس وقت ضروری نہیں کیونکہ اسے اختیار ہے کہ سعی ابھی کرے یا طواف زیارت کے بعد دسویں ذوالحجہ کو کرے۔ اگر مفرد حج کی سعی طواف قدوم کے ساتھ کرنا چاہے تو وہ بھی پہلے ہی طواف میں جو طواف قدوم ہے اضطباع اور رمل کی سنت ادا کرے مگر افضل یہی ہے کہ حج کی سعی طواف زیارت کے بعد کرے۔

صفا مروہ کے درمیان سعی

صفا مروہ دو پہاڑیاں ہیں جو مسجد حرام کے قریب ہیں سعی کے لفظی معنیٰ دوڑنے کے ہیں اور شرعاً صفا مروہ کے درمیان مخصوص طریقہ پر سات چکر لگانے کو سعی کہتے ہیں۔ یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ حضرت ہاجرہ کے خاص عمل کی یادگار ہے اور عمرہ و حج دونوں میں یہ سعی کرنا واجب ہے۔

سعی کی شرائط اور آداب

سعی کا طواف کے بعد ہونا شرط ہے کوئی طواف سے پہلے سعی کرلے تو وہ معتبر نہیں طواف کے بعد دوبارہ کرنا ہوگی (زبدہ) سعی طواف کے بعد فوراً کرنا ضروری

نہیں مگر طواف کے متصل کرنا سنت ہے اگر تکان یا کسی دوسری ضرورت کی وجہ سے درمیان میں کچھ وقفہ کرلے تو مضائقہ نہیں۔ (زبدہ)

مسئلہ ...... حج کی جو سعی وقوف عرفات کے بعد طواف زیارت کے ساتھ کی جاتی ہے اس میں احرام شرط نہیں بلکہ افضل و مستحب یہ ہے کہ دسویں تاریخ کو منیٰ میں قربانی اور حلق کرکے احرام کھولنے کے بعد طواف زیارت کرے اگرچہ یہ بھی جائز ہے کہ احرام کھولنے سے پہلے طواف زیارت کرلے، لیکن حج کی جو سعی وقوف عرفات سے پہلے کی جائے اس میں احرام شرط ہے اسی طرح عمرہ کی سعی کے لئے بھی احرام شرط ہے (حیات القلوب)

مسئلہ ...... اگر طواف قدوم کے بعد سعی نہ کی تھی تو ایام نحر میں طواف زیارت کے بعد کرے ایام نحر کے بعد تاخیر مکروہ ہے۔ (حیات القلوب)

مسئلہ ...... سعی پیدل کرنا واجب ہے کوئی عذر ہو تو سواری رکشا وغیرہ پر بھی کرسکتے ہیں اگر بلا عذر کے سواری پر سعی کی تو دم یعنی قربانی واجب ہے۔

سعی کرنے کا مسنون طریقہ

جب طواف کے بعد آب زمزم پی کر فارغ ہو اور سعی کے لیے جانے لگے تو پھر حجر اسود پر جاکر نویں مرتبہ استلام کرے یعنی موقعہ ملے تو حجر اسود کو بوسہ دے ورنہ ہاتھ یا چھڑی وغیرہ حجر اسود کو لگا کر اس کو بوسہ دے وہ بھی نہ ہو سکے تو ہاتھوں کو حجر اسود کے مقابل کرکے ان کو بوسہ دے۔ بھیڑ کی وجہ سے قریب نہ جاسکے تو دور ہی سے استلام کرے اور اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہے اس کے بعد آنحضرت ﷺ کی سنت کے مطابق باب الصفا سے باہر آئے کسی دوسرے دروازے سے جائے تو بھی جائز ہے پھر صفا پر اتنا چڑھے کہ بیت اللہ نظر آسکے پھر قبلہ رخ کھڑا ہو کر سعی کی نیت اس طرح

کرے کہ یا اللہ میں آپ کی رضا کے لئے صفا مروہ کے درمیان سات شوط (چکر) سعی کا ارادہ کرتا ہوں اس کو میرے لئے آسان فرما دیجئے اور قبول فرمائیے، یہ نیت دل میں کرنا کافی ہے مگر زبان سے بھی کہنا افضل ہے پھر دونوں ہاتھ اس طرح اٹھائے جیسے دعا میں اٹھائے جاتے ہیں نماز کی تکبیر تحریمہ کی طرح نہ اٹھائے جیسے بہت سے ناواقف لوگ کرتے ہیں (مناسک ملا علی قاری) اور تکبیر وتہلیل باآواز بلند اور درود شریف آہستہ پڑھے اور خشوع وخضوع کے ساتھ دعا مانگے یہ بھی قبولیت دعا کا مقام ہے۔ یوں تو اختیار ہے کہ جو چاہے ذکر کرے اور جو چاہے دعا مانگے مگر جو دعا رسول اللہ ﷺ سے اس جگہ منقول ہے وہ دعا یہ ہے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ج لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ اَنْجَزَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ (زبدہ)

کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اس کیلئے ملک ہے اور اسی کے لئے حمد ہے وہ زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تنہا ہے اس نے اپنا وعدہ پورا فرمایا اور اپنے بندہ کی مدد فرمائی اور صرف تنہا اسی نے دشمنوں کی جماعت کو شکست دی۔

اس کے بعد یہ دعا پڑھنا بھی آنحضرت ﷺ سے منقول ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ قُلْتَ اُدْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ وَاِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ وَاِنِّيْ اَسْئَلُكَ كَمَا هَدَيْتَنِيْ لِلْاِسْلَامِ اَنْ لَّا تَنْزِعَهٗ مِنِّيْ حَتّٰى تَوَفَّانِيْ وَاَنَا مُسْلِمٌ ط

یا اللہ آپ نے فرمایا ہے کہ مجھ سے دعا مانگو میں قبول کروں گا اور آپ وعدہ

خلافی نہیں کیا کرتے اور میں آپ سے دعا کرتا ہوں کہ جس طرح آپ نے مجھے دین اسلام کی ہدایت فرمائی ہے اسی طرح اس کو باقی رکھئے یہاں تک کہ اسلام ہی پر میری وفات ہو۔

یہ تکبیرات اور دعائیں تین مرتبہ پڑھے اور اس کے علاوہ جو چاہے دعا مانگے کیونکہ یہ قبولیت کی جگہ ہے پھر ذکر کرتا ہوا صفا سے مروہ کی طرف اپنی چال چلے جب وہ جگہ قریب آنے لگے جہاں دیوار میں سبز رنگ کے ستون لگائے ہوئے ہیں اور بقدر چھ ہاتھ کے فاصلہ پر رہ جائے تو صرف مرد دوڑنا شروع کردیں اور دوسرے سبز ستون کے بعد بھی چھ ہاتھ تک دوڑتے رہیں عورتیں یہاں بھی نہ دوڑیں گی بلکہ معمولی رفتار سے چلتی رہیں گی پھر مرد بھی اپنی چال چلنے لگیں اور اس وقت میں یہ دعا رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے۔

رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَکْرَمُ.(زبدہ)

اے میرے رب بخش دے اور رحم فرما تو باعزت اور بڑا کریم ہے۔

اس کے علاوہ بھی جو چاہیں دعا مانگیں کہ یہ بھی قبولیت کا مقام ہے۔

مسئلہ...... اگر سواری پر سعی کر رہا ہے تو دونوں سبز ستونوں کے درمیان سواری کو تیز کردے بشرطیکہ دوسرے لوگوں کو اس سے ایذاء نہ پہنچے، پیادہ یا سوار دوڑنا اسی حد تک سنت ہے کہ دوسرے کو تکلیف دینے کا سبب نہ بنے۔ جب صفا کے بالمقابل مروہ پہاڑ پر پہنچے تو اس کے اوپر چڑھ کر بیت اللہ کی طرف رخ کر کے کھڑا ہو اور جس طرح صفا پر ہاتھ اٹھا کر تکبیر وتہلیل اور دعا کی تھی ویسا ہی عمل یہاں بھی کرے یہ ایک شوط پورا ہوگیا۔ اس کے بعد مروہ سے صفا کی طرف واپس چلیں تو اب بھی صرف مرد سبز ستون کے آنے سے کچھ پہلے دوڑنا شروع کردیں اور دوسرے سبز ستون کے کچھ بعد تک دوڑتے رہیں پھر اپنی چال چل کر صفا پر چڑھیں اور جیسا کہ پہلے لکھا گیا

ہے ہاتھ دعا کی طرح اٹھا کر تکبیر وتہلیل اور دعا کریں۔ یہ دوسرا شوط پورا ہو گیا اسی طرح سات شوط پورے کریں۔ صفا سے شروع ہو کر مروہ پر سعی ختم ہوتی ہے۔

مسئلہ...... سعی کے سات شوط پورے کرنے کے بعد دو رکعت نماز حرم میں آ کر مطاف کے کنارہ پر پڑھنا رسول اللہ ﷺ کی مستحب ہے اگر باب عمرہ پر کسی جگہ پڑھ لے تو یہ بھی درست ہے۔

مسئلہ...... سعی میں باوضو ہونا اور کپڑوں کا پاک ہونا مستحب ہے اور اس کے بغیر بھی سعی ہو جاتی ہے۔ (غنیۃ)

مسئلہ...... خواتین دو سبز ستونوں کے درمیان نہیں دوڑیں گی بلکہ معمول کے مطابق چلتی رہیں گی سعی کے باقی مسائل مرد و عورت سب کے لئے یکساں ہیں۔ (غنیۃ و زبدہ)

سعی سے فارغ ہو کر

اگر احرام صرف عمرہ کا ہے یا حج میں تمتع کا ہے تو اب احرام اور عمرہ کے افعال تمام ہو گئے سعی سے فارغ ہو کر سر کے بال منڈا دے یا بقدر ایک پورا انگشت کے کٹوا دے، مونڈنے کو حلق اور کاٹنے کو قصر کہتے ہیں۔ اس حلق یا قصر کرنے کے بعد احرام ختم ہو گیا صرف عمرہ کرنے والا فارغ ہو گیا اور حج تمتع کا عمرہ کرنے والا عمرہ تمتع سے فارغ ہو گیا احرام کی پابندیاں ختم ہو گئیں اب عام اہل مکہ کی طرح مکہ شریف میں مقیم رہے اور ایام حج جو اُٹھویں ذی الحجہ سے شروع ہوں گے ان کا انتظار کرے اس دوران میں مسجد حرام کی حاضری اور نفلی طواف بکثرت کرنے کو سعادت کبریٰ سمجھے بازاروں مجلسوں میں بلاضرورت وقت ضائع نہ کرے۔

اگر یہ شخص مفرد ہے یعنی میقات سے صرف حج کا احرام باندھا ہے یا قارن

ہے کہ میقات سے حج وعمرہ دونوں کا احرام باندھا ہے تو ان دونوں کا احرام ابھی باقی ہے اب دونوں پر لازم ہے کہ احرام کی پابندیوں کے ساتھ مکہ مکرمہ میں قیام کریں مسجد حرام کی حاضری اور بیت اللہ کے طواف کو غنیمت سمجھ کر زیادہ سے زیادہ وقت اس میں لگائیں اور ایام حج جو آٹھویں ذی الحجہ سے شروع ہوں گے ان کا انتظار کریں۔

مسئلہ...... نفلی طواف میں اضطباع اور رمل نہیں ہوتا۔

حج کے پانچ دن

ذی الحجہ کی ساتویں تاریخ سے حج کے افعال وارکان مسلسل شروع ہوتے ہیں سات تاریخ کو ظہر کے بعد امام حج کا پہلا خطبہ دیتا ہے جس میں حج کے احکام اور پانچ دن کا پروگرام بتایا جاتا ہے۔

پہلا دن ۸ر ذی الحجہ

آج طلوع آفتاب کے بعد حالت احرام میں سب حاجیوں کو منیٰ جانا ہے مفرد جس کا احرام حج کا ہے اور قارن جس کا احرام حج وعمرہ دونوں کا ہے ان کے احرام تو پہلے سے بندھے ہوئے ہیں متمتع جس نے عمرہ کر کے احرام کھول دیا تھا اسی طرح اہل حرم حج کا احرام آج باندھیں گے۔ وہ سنت کے مطابق غسل کر کے احرام کی چادریں پہن کر مسجد حرام میں آئیں اور مستحب یہ ہے کہ طواف کریں اور طواف کی دو رکعتیں ادا کرنے کے بعد احرام کے لئے دو رکعت پڑھیں اور حج کی نیت اس طرح کریں کہ یا اللہ میں آپ کی رضا کے لئے حج کا ارادہ کرتا ہوں اس کو میرے لئے آسان کر دیجئے اور قبول فرمائیے اس کی نیت کے ساتھ تلبیہ پڑھیں۔

لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ ط لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ ط

اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ ط لَاشَرِیْکَ لَکَ ط.

تلبیہ پڑھتے ہی احرام حج شروع ہوگیا اب احرام کی تمام مذکورہ پابندیاں لازم ہوگئیں اس کے بعد منیٰ کو روانہ ہوجائیں منیٰ مکہ مکرمہ سے تین میل کے فاصلہ پر دو طرفہ پہاڑوں کے درمیان ایک بہت بڑا میدان ہے آٹھویں تاریخ کی ظہر سے نویں تاریخ کی صبح تک منیٰ میں پانچ نمازیں پڑھنا اور اس رات کو منیٰ میں قیام کرنا سنت ہے اگر اس رات کو مکہ میں رہا یا سیدھا عرفات میں پہنچ گیا تو مکروہ ہے۔ (شرح زبدہ)

دوسرا دن ۹ رذی الحجہ یوم عرفہ

آج حج کا سب سے بڑا رکن ادا کرنا ہے جس کے بغیر حج نہیں ہوتا آج طلوع آفتاب کے بعد جب کچھ دھوپ پھیل جائے منیٰ سے عرفات کو روانہ ہوجائیں عرفات مکہ مکرمہ سے نو میل کے فاصلہ پر حد حرم سے باہر ایک عظیم الشان میدان ہے، اس کے حدود چاروں طرف سے متعین ہیں اور اب سعودی حکومت نے ان حدود پر نشانات لگوادیئے تاکہ وقوف عرفات جو حج کا رکن اعظم ہے حدود عرفات سے باہر نہ ہو۔

اس میدان میں جس طرف سے داخل ہوتے ہیں وہاں حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قائم کی ہوئی ایک بڑی مسجد ہے جس کو مسجد نمرہ کہتے ہیں یہ مسجد میدان عرفات کے بالکل کنارے پر ہے اس کی مغربی دیوار کے نیچے کا حصہ عرفات سے خارج ہے اس حصہ زمین کو جو عرفات میں داخل نہیں بطنِ عرنہ کہا جاتا ہے یہاں کا وقوف معتبر نہیں آج کل دیکھا جاتا ہے کہ بہت سے خیمے اسی بطن عرنہ میں لگے ہوتے ہیں اگر یہ لوگ وقوف کے وقت ان خیموں سے نکل کر حدود عرفات میں آجائیں تو حج

ان کا درست ہو جائے گا ورنہ ان کا حج ہی نہیں ہوگا اس بات کو خوب سمجھ لیا جائے محض معلموں کے کہنے پر نہ رہیں۔ عرفات کے پورے میدان میں جس جگہ چاہیں ٹھہر سکتے ہیں اور جبل رحمت کے قریب ٹھہرنا افضل ہے۔

وقوف عرفات

وقوف کے لفظی معنیٰ ٹھہرنے کے ہیں نویں ذی الحجہ کو زوال آفتاب کے بعد سے صبح صادق تک کے درمیانی حصہ میں کسی قدر ٹھہرنا حج کا رکن اعظم ہے اور نویں کے غروب تک عرفات میں ٹھہرنا واجب ہے مستحب یہ ہے کہ زوال آفتاب سے پہلے غسل کریں اور اس کا موقع نہ ملے تو وضو بھی کافی ہے اس طرح تیاری کر کے مسجد نمرہ میں جائیں یہاں امام المسلمین یا اس کا نائب حج کا دوسرا خطبہ دے گا جو سنت ہے واجب نہیں پھر ظہر اور عصر کی دونوں نمازیں ظہر ہی کے وقت میں پڑھائے گا پہلے ظہر کی پھر عصر کی اس صورت میں ظہر کی دو سنتیں چھوڑ دی جائیں گی جو نماز عصر کے بعد بھی نہ پڑھی جائیں گی۔

آج کی نماز ظہر و عصر

مسئلہ...... عرفات میں عرفہ کے روز ظہر و عصر دونوں کو ظہر کے وقت میں جمع کرنا سنت ہے مگر شرط یہ ہے کہ حج کا احرام باندھے ہوئے ہو، اور امام المسلمین یا اس کے نائب کی اقتداء میں پڑھ رہا ہو پہلے ظہر پھر عصر الگ الگ پڑھی جائیں۔

مسئلہ...... جمہور صحابہؓ کے نزدیک اس دن کی نمازوں میں بھی عام نمازوں کی طرح مقیم کو چار رکعت نماز فرض پوری پڑھنا فرض ہے مگر بعض حضرات کے نزدیک اس دن میں مقیم کو بھی قصر کرنا یعنی چار رکعت کی نماز میں دو رکعت پڑھنا احکام حج میں داخل ہے، اگر مسجد نمرہ میں ظہر و عصر کی امامت کوئی مقیم امام کرے اور نماز میں

قصر کرے تو جمہور کے نزدیک یہ نماز نہیں ہوتی اس لئے اس کا اعادہ واجب ہے۔

آج کل عموماً ایسا ہی ہوتا ہے کہ مقیم امام جماعت کے ساتھ قصر کر کے دو رکعت پڑھاتا ہے اس لئے اپنی جگہ پر خیموں میں ظہر کو ظہر کے وقت میں پھر عصر کو عصر کے وقت میں جماعت کے ساتھ ادا کریں کیونکہ دونوں نمازوں کو ظہر کے وقت میں جمع کرنے کی شرط یہ ہے کہ امام المسلمین یا اس کے نائب کی اقتداء میں ہو اور امام المسلمین یا اس کا نائب چونکہ مقیم ہونے کے باوجود قصر کرتا ہے اس لئے حنفی مقیم یا مسافر کی نماز اس کے پیچھے درست نہیں ہے۔

وقوف عرفات کا مسنون طریقہ

زوال آفتاب کے بعد سے غروب آفتاب تک پورے میدان عرفات میں جہاں چاہے وقوف کر سکتا ہے مگر افضل یہ ہے کہ جبل الرحمۃ جو عرفات کا مشہور پہاڑ ہے اس کے قریب جس جگہ رسول اللہ ﷺ نے وقوف فرمایا تھا وہاں وقوف کرے، بالکل اس جگہ نہ ہو تو جس قدر اس سے قریب ہو بہتر ہے لیکن اگر جبل الرحمۃ کے پاس جانے میں دشواری ہو یا واپسی کے وقت اپنا خیمہ تلاش کرنا مشکل ہو جیسا کہ آج کل عموماً پیش آتا ہے تو اپنے خیمہ ہی میں وقوف کرلے اصل چیز دل جمعی اور خشوع وخضوع ہے وہ جب ہی حاصل ہوتا ہے کہ قلب اپنے سامان یا متعلقین کی طرف لگا ہوا نہ ہو۔

مسئلہ...... افضل واعلیٰ تو یہ ہے کہ قبلہ رخ کھڑا ہو کر مغرب تک وقوف کرے اگر پورے وقت تک کھڑا نہ ہو سکے تو جس قدر کھڑا ہو سکتا ہے کھڑا رہے پھر بیٹھ جائے پھر جب قوت ہو کھڑا ہو جائے اور پورے وقت میں خشوع وخضوع کے ساتھ بار بار تلبیہ پڑھتا رہے، گریہ وزاری کے ساتھ ذکر اللہ اور تلاوت اور درود شریف اور استغفار میں مشغول رہے اور دینی ودنیاوی مقاصد کے لئے اپنے واسطے اور اپنے متعلقین

واحباب کے اور تمام مسلمانوں کے واسطے دعائیں مانگتا رہے یہ وقت مقبولیت دعا کا خاص وقت ہے اور ہمیشہ نصیب نہیں ہوتا اس میں بلا ضرورت آپس کی جائز گفتگوؤں سے بھی پرہیز کرے پورے وقت کو دعاؤں اور ذکر اللہ میں صرف کرے۔

مسئلہ......وقوف کی دعاؤں میں دعا کی طرح ہاتھ اٹھانا سنت ہے جب تھک جائے ہاتھ چھوڑ کر بھی دعا مانگ سکتا ہے حضور سرور کائنات ﷺ سے روایت ہے کہ آپ نے دست مبارک اٹھا کر تین مرتبہ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْد کہا اور پھر یہ دعا پڑھی۔

لَآاِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَـهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ط اَللّٰهُمَّ اهْدِنِیْ بِالْهُدٰی وَنَقِّنِیْ بِالتَّقْوٰی وَاغْفِرْلِیْ فِی الْاٰخِرَةِ وَالْاُولٰی.

کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کے لئے ملک ہے اور اسی کے لئے حمد ہے اے اللہ تو مجھے ہدایت پر رکھ اور تقویٰ کے ذریعہ پاک فرما اور مجھے دنیا وآخرت میں بخش دے۔

پھر ہاتھ چھوڑ دے اتنی دیر جتنی دیر میں الحمد پڑھی جاتی ہے اس کے بعد پھر ہاتھ اٹھا کر وہی کلمات اور دعا پڑھے پھر اتنی دیر یعنی بقدر الحمد للہ ہاتھ چھوڑے رکھے پھر تیسری مرتبہ وہی کلمات اور دعا پڑھے۔ (زبدہ)

وقوف کے وقت کی دعائیں

اصل بات یہ ہے کہ جو دعا دل سے اور خشوع وخضوع کے ساتھ مانگی جائے وہی بہتر ہے خواہ کسی زبان میں مانگے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ ہر شخص کو مانگنے کا سلیقہ نہیں آتا ہمارے جان و مال اور ماں باپ قربان ہوں رسول اللہ ﷺ پر کہ آپ نے ہمیں دینی مقاصد کے ساتھ دنیاوی کاموں اور ضرورتوں کے لئے بھی ایسی دعائیں

سکھا دی ہیں جو ہمارے وہم وگمان میں بھی نہ آسکتی تھیں، یہ دعائیں علماء نے مستقل کتابوں میں جمع کر دی ہیں مثلاً الحزب الاعظم اور اس کا خلاصہ مناجات مقبول چھپی ہوئی ہر جگہ ملتی ہے دعاؤں کے نیچے ترجمہ بھی لکھا ہوا ہے وقت وسیع ہے اس میں پورا الحزب الاعظم یا پوری مناجات مقبول کی دعائیں مانگی جاسکتی ہیں مگر یاد رہے کہ دعا کا پڑھنا مقصد نہیں دعا مانگنا مقصود ہے اس لئے خوب گڑگڑا کر دعا مانگیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عرفہ کے روز بہترین دعا اور جو دعائیں میں نے پڑھیں یا مجھ سے پہلے انبیاء نے پڑھیں ان میں بہتر دعا یہ ہے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ.

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں حکومت اسی کی ہے اور اسی کی تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

یہ مختصر سی دعا ہے اس کو بار بار پڑھتے رہیں اور کچھ دعائیں یہ ہیں۔

(۱)...... اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ ظُلْمًا كَثِيْرًا وَّ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْ لِيْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِيْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ.

اے اللہ! میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کیا اور گناہوں کو تیرے سوا کوئی نہیں بخش سکتا پس تو میری مغفرت فرمادے اپنی خاص مغفرت اور مجھ پر رحم فرما بلا شبہ تو بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

(۲)...... اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ مَغْفِرَةً تُصْلِحُ بِهَا شَانِيْ فِي الدَّارَيْنِ وَتُبْ عَلَيَّ تَوْبَةً نَّصُوْحًا لَا اَنْكُثُهَا اَبَدًا وَ اَلْزِمْنِيْ سَبِيْلَ

اَلْاِسْتِقَامَةِ لَا اَزِيْغُ عَنْهَا اَبَدًا.

اے اللہ! تو میری ایسی مغفرت فرمادے جس سے تو دونوں جہاں میں میرے حال کی اصلاح فرمادے اور تو میری ایسی سچی توبہ قبول فرما جسے میں کبھی نہ توڑوں اور مجھے راست بازی کی راہ پر لگا دے جس میں کبھی نہ بھٹکوں۔

(۳)......اَللّٰهُمَّ انْقُلْنِىْ مِنْ ذُلِّ الْمَعْصِيَةِ اِلٰى عِزِّ الطَّاعَةِ.

اے اللہ! مجھے نافرمانی کی ذلت سے فرمانبرداری کی عزت کی طرف پھیر دے۔

مسئلہ......جو شخص غروب آفتاب سے قبل عرفات کی حدود سے نکل گیا اس پر لازم ہے کہ واپس آئے اور غروب کے بعد عرفات سے باہر نکلے اگر ایسا نہ کیا تو اس پر دم واجب ہوگا۔

مسئلہ......اگر کسی شخص کو کسی مجبوری سے نویں تاریخ کے زوال سے مغرب تک وقوف عرفہ کا موقع نہیں ملا تو وہ غروب آفتاب کے بعد شب میں صبح صادق سے پہلے پہلے وقوف کرلے ایسا کرنے سے فرض ادا ہو جائے گا اگرچہ یہ وقوف چند منٹ کا ہو۔ (مناسک ملاعلی)

عرفات سے مزدلفہ کو روانگی اور وہاں کے مسائل

مزدلفہ منیٰ سے مشرق کی جانب تین میل کے فاصلہ پر حدود حرم کے اندر ہے عرفات کے وقوف سے فارغ ہو کر دسویں ذی الحجہ کی شب میں مزدلفہ پہنچنا ہے اور مغرب اور عشاء کی دونوں نمازوں کو عشاء کے وقت میں جمع کرکے پڑھنا ہے۔ اس کے راستہ میں بھی ذکر اللہ اور تلبیہ پڑھتے ہوئے چلیں، اس روز حجاج مغرب کی نماز کو

مؤخر کر کے مزدلفہ میں عشاء کے ساتھ پڑھیں مغرب کے فرض کے فوراً بعد عشاء کے فرض پڑھیں مغرب کی سنتیں اور عشاء کی سنت اور وتر سب بعد میں پڑھیں۔ (زبدہ)

مسئلہ...... مزدلفہ میں مغرب وعشاء کی دونوں نمازیں ایک اذان اور ایک اقامت سے پڑھی جائیں۔

مسئلہ...... مزدلفہ میں مغرب وعشاء کی دونوں نمازیں عشاء کے وقت میں جمع کرنا واجب ہے اور اس کے لئے جماعت بھی شرط نہیں۔ (حیات القلوب)

مسئلہ...... اگر مغرب کی نماز عرفات میں یا راستہ میں پڑھ لی ہے تو مزدلفہ پہنچ کر اس کا اعادہ کرنا واجب ہے۔

مسئلہ...... اگر عشاء کے وقت سے پہلے مزدلفہ پہنچ گیا تو ابھی مغرب کی نماز نہ پڑھے عشاء کے وقت کا انتظار کرے اور عشاء کے وقت میں دونوں نمازوں کو جمع کرے۔ (زبدہ)

مسئلہ...... مزدلفہ کی رات میں جاگنا اور عبادت میں مصروف رہنا مستحب ہے یہ رات بعض کے نزدیک شب قدر سے بھی افضل ہے۔ (زبدہ)

مسئلہ...... دسویں شب ذی الحجہ یعنی عید کی شب مزدلفہ میں قیام کرنا سنت مؤکدہ ہے۔ (حیات القلوب)

حج کا تیسرا دن

وُقُوفِ مُزْدَلفَہ

آج ذی الحجہ کی دسویں تاریخ ہے اس میں حج کے بہت سے کام واجبات وفرائض ادا کرنا ہیں اسی لئے حجاج سے نماز عید معاف کردی گئی ہے پہلا واجب وقوف مزدلفہ کا ہے اس کا وقت طلوع فجر سے طلوع آفتاب سے کچھ پہلے تک ہے اگر کوئی طلوع فجر کے بعد تھوڑی دیر ٹھہر کر منیٰ چلا جائے طلوع آفتاب کا انتظار نہ کرے تو بھی واجب وقوف ادا ہو گیا واجب کی ادائیگی کے لئے اتنا بھی کافی ہے کہ نماز فجر مزدلفہ میں پڑھ لے مگر سنت یہی ہے کہ طلوع آفتاب تک ٹھہرے۔

مسئلہ ...... مزدلفہ کے تمام میدان میں جہاں چاہے وقوف کرسکتا ہے بجز وادیٔ محسر کے جو منیٰ کی جانب مزدلفہ سے خارج وہ مقام ہے جہاں اصحاب فیل پر عذاب آیا تھا۔ اس کو آج کل وادیٔ النار بھی کہتے ہیں سعودی حکومت نے اس کے شروع پر تختی لگا دی ہے تا کہ غلطی سے کوئی وادیٔ محسر میں نہ ٹھہرے۔ افضل یہ ہے کہ مشعر حرام جس کو جبل قزح بھی کہا جاتا ہے وہاں وقوف کرے اگر بھیڑ کی وجہ سے وہاں پہنچنا مشکل ہو تو جس جگہ ٹھہرا ہے وہیں صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھ کر وقوف کرے اس وقوف میں بھی تلبیہ اور تکبیر وتہلیل اور استغفار وتوبہ اور درود شریف کی کثرت کرے۔

مسئلہ ...... وقوف مزدلفہ واجب ہے لیکن عورتیں اور بہت بوڑھے ضعیف بیمار مرد اگر یہ وقوف ترک کردیں اور سیدھے منیٰ چلے جائیں تو جائز ہے اور اس کا کوئی کفارہ اور دم وغیرہ بھی واجب نہیں البتہ مرد اگر بیماری اور بہت بڑھاپے کے عذر کے

بغیر یہ وقوف ترک کردیں تو دم (قربانی) واجب ہوگا (غنیۃ)

مسئلہ...... بیمار اور غیر بیمار کا یہ فرق کہ بیمار پر وقوف مزدلفہ چھوڑنے سے کوئی دم لازم نہیں ہوتا صرف وقوف مزدلفہ کے ساتھ خاص ہے ممنوعات احرام میں سے کسی کی خلاف ورزی اگر بیماری کی وجہ سے بھی کرنی پڑی تب بھی دم واجب ہوتا ہے۔ (زبدہ)

مزدلفہ سے منیٰ کو روانگی

جب طلوع آفتاب سے کچھ دیر بقدر دو رکعت کے باقی رہے تو مزدلفہ سے منیٰ کے لئے روانہ ہو جائیں اس کے بعد تاخیر کرنا خلاف سنت ہے (حیات القلوب) اور مستحب یہ ہے کہ جمرۂ عقبہ کی رمی کے لئے سات کنکریاں بڑے چنے یا کھجور کی گٹھلی کے برابر مزدلفہ سے اٹھا کر ساتھ لے جائیں۔ (زبدہ)

دسویں ذوالحجہ کا دوسرا واجب جمرۂ کی رمی

آج منیٰ میں پہنچ کر سب سے پہلا کام جمرۂ عقبہ کی رمی ہے جو آج کے دن واجب ہے یاد رہے کہ منیٰ میں تین جگہ ہیں جن کو جمرات کہا جاتا ہے اور ان پر سات سات کنکریاں ماری جاتی ہیں پہلا جمرہ منیٰ کی مسجد یعنی مسجد خیف کے نزدیک ہے جس کو جمرہ اولیٰ کہتے ہیں اور دوسرا جمرہ اس کے آگے ہے جس کو جمرہ وسطیٰ کہتے ہیں تیسرا جمرہ بالکل منیٰ کے آخر میں ہے جس کو جمرہ عقبہ کہا جاتا ہے آج دسویں تاریخ کو صرف جمرہ عقبہ پر سات کنکریوں میں رمی کرنا ہے رمی کے معنی کنکریاں مارنے کے ہیں یہ رمی حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوۃ السلام کے اس مقبول عمل کی یادگار ہے جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کے لئے لے جانے کے وقت تین جگہ جب شیطان بہکانے کے لئے آیا اس کو کنکریاں مار کر دفع کیا تھا۔

مسئلہ...... پہلے دن کی رمی جمرۂ عقبہ کے لئے سات کنکریاں مزدلفہ سے لانا مستحب ہے کسی دوسری جگہ سے لے لے تو یہ بھی جائز ہے مگر جمرات کے پاس سے نہ اٹھائے کیونکہ جمرات کے پاس جو کنکریاں پڑی رہ جائیں وہ حسب تصریح حدیث اللہ کے نزدیک مردود ہیں جن کا حج قبول ہوتا ہے ان کی کنکریاں اٹھالی جاتی ہیں، باقی دنوں میں جو جمرات کی رمی کی جائے گی ان کی کنکریاں مزدلفہ سے لانا مستحب نہیں وہاں سے یا کہیں اور سے اٹھانا برابر ہے مگر جمرات کے پاس سے نہ اٹھائے۔ (زبدہ)

مسئلہ...... کنکری بڑے چنے کے برابر ہو کھجور کی گٹھلی کے برابر ہو تو بھی جائز ہے بڑے پتھر سے رمی کرنا مکروہ ہے۔ (زبدہ)

مسئلہ...... ناپاک کنکریوں سے رمی کرنا مکروہ ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ رمی سے پہلے کنکریوں کو دھولیا جائے اور جب تک ناپاکی کا یقین نہ ہو بغیر دھوئے استعمال میں بھی مضائقہ نہیں۔

جمرۂ عقبہ کی رمی کا طریقہ

دسویں تاریخ ذی الحجہ کو جو صرف جمرۂ عقبہ کی رمی کی جاتی ہے اس کا مسنون وقت طلوع آفتاب سے زوال آفتاب تک ہے اور زوال سے غروب آفتاب تک بھی جائز ہے غروب کے بعد مکروہ ہے مگر ضعیف بیمار عورتوں کے لئے غروب کے بعد بھی مکروہ نہیں۔ (زبدہ) آج کل سخت ہجوم ہوتا ہے اور زوال سے پہلے رمی کرنے میں سخت بھیڑ کی وجہ سے بعض اموات بھی واقع ہوگئی ہیں اس لئے غروب آفتاب تک کرنے کی گنجائش ہے اس سے کام لیں اور غروب آفتاب سے پہلے عورتوں کو موقع نہ مل سکے تو مغرب کے بعد رمی کریں اسی طرح بیمار اور کمزور مرد بھی مغرب کے بعد رمی کر لیں ترک نہ کریں۔

مسئلہ...... جمرہ عقبہ سے کم از کم پانچ ہاتھ کے فاصلہ پر کھڑا ہو زیادہ فاصلہ

ہوتو حرج نہیں بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کر داہنے ہاتھ سے ایک ایک کنکری کو جمرہ پر پھینکے ہر کنکری کے ساتھ بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتا رہے اور یاد رہے تو یہ بھی دعا پڑھے۔

رَغْمًا لِّلشَّیْطَانِ وَرِضًی لِّلرَّحْمٰنِ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا مَّبْرُوْرًا وَّسَعْیًا مَّشْکُوْرًا وَّذَنْبًا مَّغْفُوْرًا ط

یہ کنکریاں شیطان کو ذلیل کرنے اور خدائے پاک کو راضی کرنے کے لئے مارتا ہوں اے اللہ تو میرے حج کو حجِ مقبول بنا اور کوشش کو قبول فرما اور گناہوں کو معاف فرما۔

مسئلہ ......ساتوں کنکریاں جمرہ پر ایک ہی دفعہ پھینک دیں تو وہ ایک ہی شمار ہوں گی پھر سات کا عدد پورا کرنا ضروری ہوگا۔

مسئلہ ......جمرہ عقبہ کی رمی شروع کرتے ہی تلبیہ پڑھنا بند کر دیں اور بعد میں بھی تلبیہ نہیں پڑھا جائے گا۔

مسئلہ ......اس تاریخ میں جمرہ عقبہ کی رمی کرنے کے بعد دعا کے لئے ٹھہرنا سنت نہیں۔ رمی کے بعد اپنی قیام گاہ پر چلے جائیں اور اس تاریخ میں دوسرے جمرات کی رمی کرنا جہالت ہے۔

رمی کے متعلق ضروری مسائل

مسئلہ ......دسویں تاریخ کی رمی اگر چہ عورتوں اور بیماروں کے علاوہ دوسروں کے لئے مغرب کے بعد مکروہ ہے مگر رات میں طلوع فجر سے پہلے پہلے کرنے سے واجب ادا ہو جاتا ہے اور کوئی کفارہ بھی واجب نہیں ہوتا۔

مسئلہ ......اگر دسویں تاریخ کے بعد رات گذر گئی اور رمی نہیں کی تو اس کی قضا بھی واجب ہے اور وقت کے بعد کرنے کی وجہ سے دم دینا بھی لازم ہے۔

اپنی رمی دوسرے سے کرانا

مسئلہ ...... مرد، عورت بیمار، ضعیف سب خود اپنے ہاتھ سے رمی کریں کسی کو نائب بنا کر رمی کرانا عذر شرعی کے بغیر جائز نہیں اور شرعی عذر ایسی بیماری یا کمزوری ہے جس کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہو یا جمرات تک سوار ہو کر پہنچنے میں بھی سخت تکلیف ہو یا مرض کے شدت اختیار کرنے کا قوی اندیشہ ہو یا پیدل چلنے میں قدرت نہیں ایسا شخص معذور ہے وہ اپنی طرف سے دوسرے آدمی کو نائب بنا کر رمی کرا سکتا ہے۔ (غنیۃ صفحہ ۱۰۰)

مسئلہ ...... جو شخص کسی دوسرے آدمی کی طرف سے رمی کرے اس کے لئے افضل یہ ہے کہ پہلے اپنی رمی کرے بعد میں دوسرے کی طرف سے کرے جن دنوں میں تینوں جمرات کی رمی کی جاتی ہے ان میں پہلے اپنی طرف سے تینوں جمرات کی رمی کر کے فارغ ہو جائے پھر دوسرے کی طرف سے تینوں جمرات کی رمی کرے، اور اگر ہر جمرہ پر اپنی سات کنکریاں پھینکنے کے بعد ہی دوسرے کی طرف سے اسی وقت سات کنکریوں سے رمی کر دی پھر دوسرے اور تیسرے جمرہ پر اسی طرح کیا تو یہ بھی جائز ہے اور آج کل شدید ہجوم کی وجہ سے اسی میں سہولت ہے لیکن ہرگز ایسا نہ کرے کہ ایک کنکری اپنی طرف سے مار دی اور دوسری کنکری دوسرے کی طرف سے مارے کیونکہ یہ مکروہ ہے اگرچہ واجب ادا ہو جائے گا اور کوئی کفارہ بھی لازم نہیں ہوگا بلکہ اپنی پہلے سات کنکریاں ختم کرے پھر دوسرے کی طرف سے سات کنکریاں مارے۔ (غنیۃ صفحہ ۱۰۰)

مسئلہ ...... معذور کی طرف سے دوسرے کی رمی درست ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ دوسرا آدمی اس کو اپنا نائب بنا کر خود بھیجے بغیر اس کے کہنے سے دوسرے نے رمی کر دی تو وہ معتبر نہیں البتہ بے ہوش اور چھوٹے بچوں اور مجنون کی طرف سے ان کے ولی خود کر دیں تو یہ جائز ہے۔ (زبدہ بحوالہ لباب)

مسئلہ...... کنکری کا جمرہ پر لگنا ضروری نہیں ہے اگر کنکری جمرہ کے قریب گر گئی تو بھی جائز ہے اور قریب کی حد دیوار کا وہ احاطہ ہے جو ہر جمرہ کے گرد بنا دیا گیا ہے جو کنکری احاطہ میں نہ گرے تو اس کی جگہ دوسری کنکری مارے۔

مسئلہ...... کنکریوں کو جمرہ کی جڑ پر مارنا چاہئے، کچھ اوپر بھی لگ جائے تو بھی حرج نہیں۔ (غنیۃ)

دسویں تاریخ کا تیسرا واجب قربانی

قارن اور متمتع کی چونکہ دو عبادتیں عمرہ اور حج ادا ہوئیں اس لئے ان پر بطور شکرانہ ایک قربانی واجب ہے لہٰذا قارن اور متمتع پر واجب ہے کہ جمرہ عقبہ کی رمی سے فارغ ہو کر اس وقت تک حلق یا قصر نہ کرائیں جب تک یہ قربانی نہ کریں اگر اس سے پہلے حلق یا قصر کرالیا تو دم واجب ہوگا البتہ مفرد جس نے حج کا احرام باندھا ہے اس کے لئے یہ قربانی واجب نہیں مستحب ہے لہٰذا اگر کوئی مفرد قربانی نہ کرے اور حلق کرالے تو جائز ہے۔

مسئلہ...... اگر قارن اور متمتع کے پاس مال میں اتنی گنجائش نہیں کہ قربانی کر سکیں تو قربانی کے بدلے دس روزے رکھنا بھی کافی ہے شرط یہ ہے کہ ان میں سے تین روزے یوم عرفہ تک رکھ لیں باقی سات کا اختیار ہے جب چاہیں واپسی کے بعد رکھیں لیکن اگر یہ تین روزے عرفہ کے دن تک نہیں رکھے تو قربانی کرنا ہی متعین ہے اور عدم گنجائش کی وجہ سے قربانی نہ کر سکیں تو حلق کر کے حلال ہو جائیں، مگر اب ان کے ذمہ دو دم لازم ہو جائیں گے ایک دم قران یا تمتع جسے دم شکر کہا جاتا ہے اور دوسرا دم جنایت جو قربانی سے پہلے حلق کرنے کی وجہ سے بطور سزا کے واجب ہو گیا۔ (زبدہ)

دسویں تاریخ کا چوتھا واجب حلق یا قصر ہے

قربانی کے بعد سر کے بال منڈوانا یا انگلی کے ایک پورے کے برابر کٹوانا واجب ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ آج ہی کرے بارہویں تاریخ تک کرسکتا ہے مگر جب تک حلق یا قصر نہیں کرلے گا احرام میں رہے گا اور احرام کی پابندیاں برقرار رہیں گی خواہ کتنی ہی مدت گزر جائے اور دسویں تاریخ کو منیٰ میں حلق یا قصر کرلے گا تو احرام سے فراغت ہوجائے گی سلا ہوا کپڑا پہننا، خوشبو لگانا، ناخن اور بال کاٹنا سب حلال ہوجائے گا مگر بیوی سے مباشرت اور بوس وکنار اس وقت تک حلال نہیں جب تک طواف زیارت یعنی طواف فرض سے فارغ نہ ہوجائے۔ (زبدہ)

مسئلہ...... عورت کے لئے سر کے بال منڈوانا حرام ہے اس لئے صرف قصر کرنے کا حکم ہے یعنی تمام سر کے بالوں کو انگلی کے ایک پورے کے برابر کاٹے یا کٹوائے اگر چوتھائی سر کے بال بھی ایک پورے کے برابر کٹ گئے تو احرام سے نکلنے کیلئے کافی ہے۔ (زبدہ)

مسئلہ...... سر کے بال منڈوانے یا کتروانے سے پہلے ناخن کاٹنا یا لبیں تراشنا جائز نہیں ایسا کرے گا تو کفارہ لازم ہوگا۔ (غنیۃ)

مسئلہ...... حج کا حلق منیٰ میں کرنا سنت ہے لیکن حدود حرم میں کسی اور جگہ کر لیا تو یہ بھی جائز ہے اور اگر حد حرم سے باہر جاکر حلق کیا تو دم لازم ہوجائے گا۔ (حیات القلوب)

قربانی اور بال کٹوانے سے متعلق ایک آسانی

جمرۂ عقبہ کی رمی کے بعد دو واجب یعنی قربانی پھر حلق دسویں تاریخ کو لازمی نہیں بارہویں تک بھی کرسکتے ہیں، اگر جمرہ عقبہ کی رمی سے فارغ ہونے کے بعد

قربانی کرنا لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے مشکل ہو تو بلا ضرورت اپنے آپ کو مشقت میں نہ ڈالیں آج نہیں ہو سکی تو کل پرسوں تک قربانی کر سکتے ہیں البتہ قران یا تمتع کرنے والا جب تک قربانی نہ کرلے حلق یا قصر کرنا جائز نہیں اور جب تک حلق یا قصر نہ کرے احرام سے خارج نہیں ہوگا۔

طواف زیارت کن دنوں میں کیا جا سکتا ہے

احرام کے بعد حج کے رکن اور فرض کل دو ہیں ایک وقوف عرفات دوسرے طوافِ زیارت جو دسویں تاریخ کو ہوتا ہے اس طواف کی سنت یہ ہے کہ رمی، قربانی اور حلق کے بعد کیا جائے۔ اگر ان سے پہلے طواف زیارت کرے گا تو بھی فرض ادا ہو جائے گا۔

مسئلہ ......طواف زیارت کا افضل دن دسویں ذی الحجہ ہے لیکن بارہویں تاریخ کو آفتاب غروب ہونے سے پہلے پہلے کرلے تو یہ بھی جائز ہے اگر بارہویں تاریخ گذر گئی اور طواف زیارت نہ کیا تو تاخیر کی وجہ سے دم دینا لازم ہوگا اور طواف پھر بھی فرض رہے گا۔

یہ طواف کسی حال میں نہ فوت ہوتا ہے اور نہ اس کا بدل دے کر ادا ہو سکتا ہے بلکہ آخر عمر تک اس کی ادائیگی فرض رہے گی اور جب تک اس کو ادا نہیں کرے گا حج ادا نہ ہوگا اور بیوی سے مباشرت اور بوس و کنار حرام رہے گی۔ (غنیۃ)

مسئلہ ......طواف زیارت سے فارغ ہو کر ممنوعات احرام سب حلال ہو جاتی ہیں، بیوی سے مباشرت بھی حلال ہو جاتی ہے۔

مسئلہ ......جو عورت حالت حیض یا نفاس میں ہو اس کے لئے طواف کرنا جائز نہیں دسویں تاریخ کو یا اس سے پہلے حیض یا نفاس شروع ہو گیا اور بارہویں تاریخ تک بھی فراغت نہ ہو تو وہ طواف زیارت کو مؤخر کرے اور اس تاخیر پر اس کے ذمہ دم

لازم نہیں ہے لیکن جب تک حیض ونفاس سے پاک نہ ہوجائے طواف زیارت نہیں ہوسکتا اور طواف زیارت کے بغیر وطن کو واپسی نہیں ہوسکتی اگر واپس ہوجائے تب بھی عمر بھر یہ فرض لازم رہے گا اور پھر دوبارہ حاضر ہوکر طواف کرنا پڑے گا اس لئے حیض ونفاس سے پاک ہونے کا انتظار لازمی ہے۔

صفا ومروہ کے درمیان حج کی سعی

جو شخص حج کی سعی طواف قدوم کے ساتھ کرچکا ہے اب نہ سعی کرے اور نہ طواف زیارت میں اضطباع ورمل کرے البتہ مفرد جس نے طواف قدوم کے ساتھ سعی نہیں کی اور قارن ومتمتع جنہوں نے وقوف عرفات سے پہلے صرف عمرہ کی سعی کی ہے حج کی سعی نہیں کی ان پر واجب ہے کہ طواف زیارت کے بعد سعی کریں اور طواف زیارت کے ابتدائی تین شوط میں رمل بھی کریں اور طواف زیارت اگر سلے ہوئے کپڑوں میں کرے تو اضطباع نہیں سعی کا طریقہ بیان ہوچکا ہے طواف زیارت اور سعی کے بعد دسویں تاریخ کے سب کام پورے ہوگئے اب اس سے فارغ ہوکر پھر منیٰ چلا جائے۔

حج کا چوتھا دن گیارہ ذی الحجہ

اب حج کے واجبات میں مختصر کام رہ گئے ہیں دو یا تین دن منیٰ میں رہ کر تینوں جمرات کی رمی کرنا ہے ان دنوں کی راتیں بھی منیٰ میں گذارنا سنت مؤکدہ ہے اور بعض کے نزدیک واجب ہے منیٰ سے باہر مکہ میں یا کسی دوسرے مقام میں رات گزارنا ممنوع ہے (ارشاد الساری)

اگر قربانی یا طواف زیارت کسی وجہ سے دس تاریخ کو نہیں کرسکا تو آج گیارہویں تاریخ کو کرلے اور بہتر یہ ہے کہ ظہر سے پہلے اس سے فارغ ہوجائے

زوال آفتاب کے بعد نماز ظہر کے بعد تینوں جمرات کی رمی کرنے کے لئے روانہ ہو جائیں۔ آج کی رمی کا وقت مستحب زوال کے بعد سے شروع ہو کر غروب آفتاب تک ہے غروب کے بعد مکروہ ہے مگر بارہویں تاریخ کی صبح طلوع ہونے سے پہلے پہلے رمی کر لی جائے تو ادا ہو جاتی ہے دم دینا نہیں پڑتا اور اگر بارھویں تاریخ کی صبح ہو گئی تو اب گیارہویں تاریخ کی رمی کا وقت فوت ہو گیا اس پر قضا بھی لازم ہے اور جزاء میں دم بھی واجب ہے یعنی بارھویں تاریخ کو اس دن کی رمی بھی کرے اور گیارھویں کی فوت شدہ رمی کی بھی قضاً کرے اور قضاً کرنے کی وجہ سے دم بھی دے گیارھویں تاریخ کی رمی اس ترتیب سے کرے کہ پہلے جمرہ اولیٰ پر آ کر سات کنکریوں سے رمی اسی طریقہ سے کرے جس طرح دس تاریخ کو جمرہ عقبہ کی رمی کر چکا ہے۔ اس کی رمی سے فارغ ہونے کے بعد مجمع سے ہٹ کر قبلہ رخ ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعا کرے، کم سے کم اتنی دیر ٹھہرنا سنت ہے جتنی دیر میں بیس آیتیں پڑھی جاسکیں اس وقفہ میں تکبیر تہلیل و استغفار اور درود شریف میں مشغول رہے اپنے اور اپنے احباب اور عام مسلمانوں کے لئے دعا کرے کہ یہ بھی قبولیت کا مقام ہے۔ (زبدہ)

اس کے بعد جمرہ وسطیٰ پر آئے اور اسی طرح سات کنکریاں اس جمرے کی جڑ میں مارے جس طرح پہلے کر چکا ہے اور اس کے بعد بھی مجمع سے ہٹ کر قبلہ رخ ہو کر دعا و استغفار میں کچھ دیر مشغول رہے پھر جمرہ عقبہ پر آئے اور یہاں بھی حسب سابق سات کنکریوں سے رمی کرے اور اس کے بعد دعا کے لئے نہ ٹھہرے کہ یہاں سنت سے ثابت نہیں ہے۔ آج کی تاریخ کا اتنا ہی کام تھا جو پورا ہو گیا باقی اوقات اپنی جگہ پر منیٰ میں گزارے، ذکر اللہ، تلاوت، دعا میں مشغول رہے۔ غفلتوں اور فضول کاموں میں وقت ضائع نہ کرے۔

حج کا پانچواں دن ۱۲/ ذی الحجہ

اگر قربانی یا طواف زیارت گیارھویں تاریخ کو بھی نہ کر سکا تو آج بارھویں تاریخ کو کرلے اور آج کا اصل کام صرف تینوں جمرات کی رمی کرے جس طرح گیارہ ذی الحجہ کو کی ہے۔ اب تیرھویں تاریخ کی رمی کے لیے منیٰ میں مزید قیام کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہے اگر چاہے تو آج بارہویں کی رمی سے فارغ ہوکر مکہ معظّمہ جا سکتا ہے بشرطیکہ سورج غروب ہونے سے پہلے منیٰ سے نکل جائے اگر بارھویں تاریخ کا آفتاب منیٰ میں غروب ہوگیا تو منیٰ سے نکلنا مکروہ ہے اس کو چاہیے کہ آج کی رات اور منیٰ میں قیام کرے اور تیرھویں تاریخ کو رمی کر کے مکہ معظّمہ جائے اگر بعد غروب مکہ مکرمہ چلا گیا تو کراہت کے ساتھ جائز ہے اور اگر منیٰ میں تیرھویں کی صبح ہوگئی تو رمی اس دن کی بھی اس کے ذمہ واجب ہوجاتی ہے بغیر رمی کئے ہوئے جانا جائز نہیں اگر بغیر رمی چلا جائے گا تو دم واجب ہوگا البتہ تیرھویں تاریخ کی رمی میں یہ سہولت ہے کہ وہ زوال آفتاب سے پہلے بھی جائز ہے باقی طریقہ وہی ہے جو ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ کی رمی کا ہے۔

مسئلہ...... تیرھویں تاریخ کی شب میں منیٰ کا قیام اور تیرھویں تاریخ کی رمی اصل سے واجب نہیں مگر افضل ہے البتہ تیرھویں کی صبح منیٰ میں ہوجائے تو اس دن کی رمی بھی واجب ہوجاتی ہے۔

منیٰ سے مکہ معظّمہ کو واپسی

اب منیٰ سے فارغ ہوکر مکہ معظّمہ کو واپس آئے راستہ میں مقام محصب میں

تھوڑی دیر ٹھہرنا سنت ہے مگر آج کل موٹروں کی سواری عموماً اختیار میں نہیں ہوتی اس لیے راستہ میں ٹھہرنا سخت مشکل ہوتا ہے اس مجبوری سے اگر یہاں ٹھہرنے کا موقع نہ ملے تو کوئی حرج نہیں۔ (زبدہ)

اب اس کے ذمہ حج کے کاموں میں صرف ایک طواف وداع باقی رہا ہے جو مکہ واپس ہوتے وقت واجب ہے جب تک مکہ مکرمہ میں قیام رہے دوسرے نفلی طواف اپنی قدرت کے مطابق کثرت سے کرتا رہے حرم شریف کی حاضری بیت اللہ کا طواف اور بیت اللہ کو بقصد تعظیم دیکھنا۔ حرم میں نمازیں اور ذکر و تلاوت کو غنیمت جانے کہ پھر معلوم نہیں نصیب ہو یا نہ ہو۔ کم از کم ایک قرآن شریف حرم شریف میں ختم کرنے کی کوشش کرے اور صدقہ خیرات جتنا کرتا رہے کرے۔ اہل مکہ سے محبت اور ان کی تعظیم و ادب ضروری سمجھے ان کی حقارت سے انتہائی پرہیز کرے اور چھوٹے بڑے ہر طرح کے گناہوں سے بچنے کا پورا اہتمام کرے کیونکہ حرم مکہ میں جیسا عبادات کا ثوب ایک لاکھ کی برابر ہے اسی طرح وہاں جو گناہ سرزد ہو جائے تو اس کا وبال بھی بہت ہی بڑا ہے۔ (زبدہ)

طوافِ وداع

میقات سے باہر رہنے والوں پر واجب ہے کہ جب مکہ شریف سے واپس جانے لگیں تو رخصتی طواف کریں اور یہ حج کا آخری واجب ہے اور اس میں حج کی تینوں قسمیں برابر ہیں یعنی ہر قسم کا حج کرنے والے پر واجب ہے یہ طواف اہل حرم اور حدود میقات کے اندر رہنے والوں پر واجب نہیں۔

مسئلہ ...... جو عورت حج کے سب ارکان و واجبات ادا کر چکی ہے اور اس کا محرم روانہ ہونے لگا اور عورت کو اس وقت حیض یا نفاس شروع ہو جائے تو طواف صدر اس عورت کے ذمہ واجب نہیں رہتا اس کو چاہئے کہ مسجد میں داخل نہ ہو مگر دروازہ کے

پاس کھڑی ہوکر دعا مانگ کر رخصت ہو جائے عورت کے محرم اور قافلہ والوں پر لازم نہیں ہے کہ اس کے پاک ہونے تک ٹھہریں اپنی صوابدید سے جب چاہیں روانہ ہو جائیں اور یہ عورت بھی ساتھ چلی جائے۔ (حیات القلوب)

مسئلہ...... طواف وداع کے لئے نیت بھی ضروری نہیں اگر واپسی سے پہلے کوئی طواف نفلی کرلیا ہے تو وہ بھی طواف وداع کے قائم مقام ہو جاتا ہے لیکن افضل یہی ہے کہ مستقل نیت سے واپسی کے عین وقت پر یہ طواف کرے۔ (زبدہ وغنیۃ)

مسئلہ...... اگر طواف صدر کر لینے کے بعد کسی ضرورت سے پھر مکہ میں قیام کرے تو پھر چلنے کے وقت طواف وداع کا اعادہ مستحب ہے۔ (زبدہ)

مسئلہ...... طواف وداع کے بعد دوگانہ طواف پڑھے پھر قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو کر زمزم کا پانی پیئے، پھر حرم شریف سے رخصت ہو۔ (زبدہ)

مسئلہ...... طواف وداع سے پہلے مکہ معظّمہ میں قیام کے زمانہ میں یہ بھی اختیار ہے کہ عمرے زیادہ کرتا رہے جس کے لئے حد حرم سے باہر جا کر احرام باندھنا ضروری ہے قریبی حد حرم مقام تنعیم ہے وہاں سے احرام باندھ کر آئے اور عمرے کے افعال ادا کرے اس میں اختلاف ہے کہ زیادہ عمرے کرنا بہتر ہے یا مکہ مکرمہ مسجد حرام میں ٹھہر کر کثرت سے طواف کرنا بہتر ہے۔ حضرت ملا علی قاری طواف کثرت سے کرنے کو زیادہ عمرے کرنے پر ترجیح دیتے ہیں اور صحابہ وتابعین کے عمل کے ساتھ یہی زیادہ قریب ہے۔ (واللہ سبحانہٗ تعالیٰ اعلم)

جنایات اور ان کی جزاء

ممنوعات احرام اور دیگر احکام حج کی خلاف ورزی کو جنایت کہا جاتا ہے۔ ان جنایتوں پر شریعت میں کچھ جزائیں (کفارے) مقرر ہیں جو جنایت کرنے والے پر لازم ہوتی ہیں۔ ان کی تفصیل تو بڑی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے ہم یہاں زیادہ

پیش آنے والے ضروری مسائل درج کرتے ہیں۔

جنایات کی قسمیں

جنایات حج دو قسم کی ہیں۔

اول..... جنایات احرام یعنی حالت احرام میں جو کام ناجائز ہیں ان کا ارتکاب۔

دوم..... حج کے واجبات میں سے کسی واجب کو ترک کر دینا یا کسی طرح اس میں کوتاہی ہونا۔

قسم اول جنایات احرام اور ان کی جزائیں

جنایات احرام کے متعلق پہلے ضابطہ کے طور پر چند ضروری ہدایات لکھی جاتی ہیں۔

ہدایت نمبر ا

جنایات احرام حسب ذیل ہیں:۔

ا..... خوشبو لگانا

۲..... مرد کو بدن کی ہیئت پر سلا ہوا یا بنا ہوا کپڑا پہننا

۳..... مردوں کو سر اور چہرہ ڈھانکنا اور عورت کو صرف چہرہ ڈھانکنا

۴..... جسم کے کسی حصہ کے بال دور کرنا

۵..... ناخن کاٹنا

۶..... اپنے بدن یا کپڑے سے جوں مارنا یا جدا کرنا

۷..... جماع کرنا یا شہوت کے ساتھ بوس و کنار کرنا

۸..... خشکی کے جانور کا شکار کرنا۔ (غنیۃ)

ہدایت نمبر۲

ممنوعات احرام کا معاملہ عام عبادات سے مختلف ہے اس میں بھول چوک، خطا، اور عذر بلا عذر ہر حال میں جزاء لازم ہوتی ہے احرام کی پابندیوں کی خلاف ورزی کرنا خواہ ناواقفیت سے ہو یا خطا اور بھول سے یا کسی کی زبردستی سے اور خواہ جاگتے ہوئے ہو یا سوتے ہوئے ہو یا بے ہوشی اور نشے میں ہو یا تنگدستی اور مجبوری سے خود کرے یا دوسرے سے کرائے یا دوسرا اس کے کہے بغیر اس کے ساتھ کرے۔ مثلاً زبردستی اس کو خوشبو لگا دے ہر حال میں جزاء محرم پر واجب ہوتی ہے اور اس تفصیل میں مرد اور عورت سب برابر ہیں (زبدہ)

البتہ بھول چوک، یا عذر سے خلاف ورزی کرنے میں گناہ نہیں ہوتا صرف جزاء لازم ہوتی ہے اور بلا عذر کرنے میں گناہ بھی ہوتا ہے اور جزاء بھی لازم ہوتی ہے۔(غنیۃ)

کوئی پیسے والا اگر بلا عذر ممنوعات احرام کی خلاف ورزی اس بناء پر کرے کہ جزاء یعنی دم دے دے گا تو سخت گناہ گار ہے اس پر حج مبرور مقبول نہیں ہوتا۔(زبدہ)

عذر اور بلا عذر میں دوسرا فرق یہ ہے کہ بلا عذر خلاف ورزی کی صورت میں جو جزاء مقرر کی گئی ہے وہ ہی واجب ہوتی ہے اس کے بدلے میں روزے رکھنا کافی نہیں ہوتا اور جو خلاف ورزی عذر سے کی جائے تو اس میں اس طرح کی سہولتیں ہیں جن کا بیان آگے آرہا ہے۔

ہدایت نمبر۳

جنایات کی جزاء کا فوراً ادا کرنا واجب نہیں مگر افضل یہ ہے کہ جلد ادا کر دے مرنے سے پہلے ادا کرنا واجب ہے اگر خود نہ کر سکا تو اس کی وصیت کرنا واجب ہے بغیر وصیت کے بھی اگر وارث[1] احساناً اس کی طرف سے ادا کر دیں تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ

اس کو میت کی طرف سے ادئیگی قرار دیدیں مگر وارث میت کی طرف سے روزے نہیں رکھ سکتا۔ (زبدہ)

ہدایت نمبر ۴: اصطلاحات کی تشریح

دم:

جس جگہ لفظ دم بولا جاتا ہے اس سے مراد بکری یا بھیڑ یا ساتواں حصہ گائے کا یا اونٹ کا ہوتا ہے اور اس میں وہ تمام شرائط ضروری ہیں جو قربانی کے جانور کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔

بدنہ:

جہاں بولا جاتا ہے اس سے مراد پوری گائے یا پورا اونٹ ہوتا ہے اور یہ پوری گائے یا اونٹ کی قربانی صرف دو جنایتوں میں لازم ہوتی ہیں ایک حیض یا نفاس یا جنابت کی حالت میں طواف زیارت کرنا دوسرے وقوف عرفہ کے بعد حلق یا قصر اور طواف زیارت سے پہلے جماع کرنا۔

اور لفظ صدقہ:

جہاں مطلق ہو اس کی خاص مقدار ساتھ نہ لکھی ہو اس سے صدقۃ الفطر کی مقدار مراد ہوتی ہے یعنی پونے دو کلو گیہوں یا اس کی قیمت اور جہاں لفظ صدقہ کے ساتھ اس کی کوئی مقدار بھی لکھی ہو وہاں وہی مقدار واجب ہوگی (زبدہ) ایسا بھی ہوتا ہے کہ مطلق صدقہ کے بجائے کہا جاتا ہے اور کچھ صدقہ کردے اس میں مٹھی بھر غلہ یا اس کی قیمت یا ایک روٹی یا ایک قرش نقد دے دینا بھی کافی ہوتا ہے۔

روزے:

جنایات کی بعض صورتوں میں ایک یا تین یا دس روزے بھی واجب ہو جاتے ہیں جن کی کچھ تفصیل آگے آئے گی۔

جنایات میں عذر اور بلا عذر کا فرق

عذر سے مراد اس جگہ بخار، شدید سردی، شدید گرمی، زخم، دردسر، جوئیں، اور ہر وہ بیماری ہے جس میں مشقت اور تکلیف زیادہ ہو، مرض کا ہمیشہ رہنا یا ہلاکت تک پہنچنے کا خطرہ شرط نہیں (زبدہ) خطا بھول چوک، بے ہوشی، نیند اور مفلسی عذر نہیں (زبدہ) دونوں قسموں میں کسی انسان کا جبر بھی عذر معتبر نہیں۔

اگر بیماری وغیرہ کے عذر سے سلا ہوا کپڑا پہنا یا خوشبو استعمال کی یا بال کٹوائے یا سر کو یا چہرہ کو کپڑے سے چھپایا یا عورت نے چہرہ کو کپڑے سے اس طرح چھپایا کہ کپڑا اس کے چہرے کو لگا ہوا رہا تو ان سب صورتوں میں اگر جنایت کامل ہوئی تو اختیار ہے کہ دم دے یا تین روزے رکھے یا چھ مسکینوں کو بقدر صدقۃ الفطر صدقہ دے یعنی ہر مسکین کو پونے دوکلو گندم یا اس کی قیمت دے اور اگر جنایت کامل نہیں تو دو چیزوں کا اختیار ہے کہ جو صدقہ واجب ہوا ہے یعنی ایک صدقۃ الفطر مقدار کی وہ ادا کرے یا اسکے بدلے ایک روزہ رکھے (ارشاد الساری) ایک صدقہ دے یا ایک روزہ رکھے تین یا دو چیزوں میں اختیار صرف عذر کی حالت میں ہے اور بغیر عذر کے کرے گا تو کامل جنایت میں دم اور ناقص میں صدقہ متعین ہے روزے سے جزاء ادا نہ ہوگی اور جنایت کامل اور ناقص کی تفصیل حسب ذیل ہے (غنیۃ زبدہ)

جنایت کامل یا ناقص کی تشریح

جنایت کامل یا ناقص کی تفصیل ہر ایک قسم کی جنایت میں الگ الگ ہے جس کا بیان یہ ہے۔

بدن پر خوشبو استعمال کرنے کی جنایت

اگر کسی بڑے عضو مثلاً سر یا داڑھی یا ہتھیلی یا ران یا پنڈلی پر پورے عضو کو خوشبو لگائی تو جنایت کامل ہوگئی اگر چہ ذرا دیر ہی استعمال کی ہو اس صورت میں بغیر عذر کے دم لازم ہے اگر فوراً ہی اس کو دھوڈالا ہو تب بھی دم ساقط نہیں ہوگا۔ (غنیۃ)

اور عذر کی صورت میں مذکورہ سابق تین اختیار ہیں کہ دم دے یا تین روزے رکھے یا چھ مسکینوں کو بقدر صدقۃ الفطر ادا کرے اگر کسی چھوٹے عضو جیسے ناک، کان، آنکھ، مونچھ، انگلی کو خوشبو لگائی یا بڑے عضو کے کسی حصہ کو خوشبو لگائی پورے عضو کو نہیں تو جنایت ناقص ہے اس میں ایک مسکین کو صدقہ بقدر صدقۃ الفطر کے واجب ہے اور عذر کی حالت میں ایک روزہ بھی قائم مقام ہوسکتا ہے (زبدہ وارشادالساری)

مسئلہ...... حجر اسود پر اگر خوشبو لگی ہو (حج کے موسم میں بعض لوگ اس پر خوشبو لگا دیتے ہیں) اور طواف کرنے والا محرم ہو تو اس کا استلام جائز نہیں بلکہ ہاتھوں سے اشارہ کر کے ہاتھوں کو بوسہ دے لے اگر محرم نے حجر اسود کا استلام کیا اور اس کے منہ یا ہاتھ کو خوشبو لگی پس اگر بہت لگی تو دم اور تھوڑی لگی تو صدقہ لازم ہوگا۔ (غنیۃ)

مسئلہ...... سر یا ہاتھ یا ڈاڑھی کو حالت احرام میں مہندی لگانا ممنوع ہے اگر پورے سر یا پوری ڈاڑھی یا چوتھائی سر یا چوتھائی[1] داڑھی کو مہندی لگائی اور مہندی پتلی

(۱) اس مسئلہ میں چوتھائی داڑھی کا حکم نہ زبدہ میں ہے نہ شرح زبدہ میں نہ غنیۃ میں احقر کو ملا۔ رفیع ۱۴۲۳/۵/۲

پتلی لگائی خوب گاڑھی نہیں لگائی تو دم واجب ہے اور اگر گاڑھی گاڑھی لگائی تو دو دم واجب ہوں گے۔ایک دم خوشبو کی وجہ سے دوسرا دم سر یا چہرہ ڈھانکنے کی وجہ سے یہ اس صورت میں ہے جب کہ سارے دن یا ساری رات لگائے رکھا اور اگر ایک دن یا رات سے کم لگایا تو ایک دم اور ایک صدقہ واجب ہوگا یہ مرد کا حکم ہے عورت پر ایک ہی دم واجب ہوگا کیونکہ اس کے لئے سر ڈھانکنا ممنوع نہیں۔

مسئلہ...... پوری ہتھیلی پر مہندی لگانے سے بھی دم واجب ہوتا ہے اگر عورت ہتھیلی کو مہندی لگائے تو دم واجب ہوگا (غنیۃ)

مسئلہ...... پان میں خوشبودار تمبا کو یا الائچی ڈال کر کھانا محرم کے لئے بالاتفاق مکروہ ہے اور کتب فقہ کی بعض عبارات سے دم لازم ہونے کی طرف بھی اشارہ نکلتا ہے لہٰذا احتیاط ضروری ہے۔

مسئلہ...... اگر خوشبودار سرمہ ایک دو بار لگایا تو صدقہ لازم ہے اور اگر دو بار سے زیادہ لگایا تو دم واجب ہوگا۔ بلا خوشبو کا سرمہ لگانے میں نہ کچھ حرج ہے اور نہ کچھ واجب ہے (غنیۃ)

مسئلہ...... احرام کے بعد گلے میں پھولوں کا ہار ڈالنا مکروہ ہے عام طور پر لوگ اس طرف خیال نہیں کرتے ہیں اور خوشبودار پھل یا پھول قصداً سونگھنا بھی مکروہ ہے مگر اس سے کچھ لازم نہیں ہوتا۔ (غنیۃ)

مسئلہ...... اگر چند اعضاء کو تھوڑی تھوڑی خوشبو لگائی تو اگر سب مل کر ایک بڑے عضو کے برابر ہو جائے تو دم لازم ہوگا ورنہ صدقہ۔ (زبدہ)

ضروری وضاحت

یہ اس وقت ہے جبکہ خوشبو تھوڑی مقدار میں ہو اور اگر خوشبو زیادہ ہو تو پھر

چھوٹے بڑے عضو کا اور عضو کامل اور ناقص کا کوئی فرق نہیں ہر حال میں دم لازم ہوگا اور عذر کی صورت میں مذکورہ بالا تین اختیار ملیں گے اور تھوڑا زیادہ ہونا ہر خوشبو کا الگ الگ ہوتا ہے جس کو عرفی طور پر زیادہ سمجھا جائے وہ زیادہ کہلائی جائے گی۔ مثلاً مشک کی قلیل مقدار بھی جو عام استعمال کے لحاظ سے کثیر سمجھی جائے وہ کثیر ہی میں داخل ہوگی اور اگر وہاں قلیل وکثیر کا رواج نہ ہو یعنی یہ معلوم نہ ہو سکے کہ عرف میں اسے زیادہ سمجھا جاتا ہے یا کم تو جس کو خوشبو لگی ہے اس کی رائے میں جو زیادہ معلوم ہو اس پر زیادہ کا اور اس کی رائے میں جو کم معلوم ہو اس پر کم کا حکم لگایا جائے گا۔

کپڑے میں خوشبو استعمال کرنے کی جنایت

مسئلہ...... اگر کپڑا خوشبو کی چیز میں بھرا ہوا پہنے اگر خوشبو بہت ہے مگر بالشت[1] در بالشت سے کم لگی ہوئی ہو یا خوشبو تھوڑی ہے مگر بالشت در بالشت سے زیادہ میں لگی ہے تو ایسے کپڑے کو جو شخص سارے دن یا ساری رات پہنے رہتا ہو جنایت کامل ہوگئی اس پر دم لازم ہے (زبدہ)

اگر خوشبو تھوڑی ہو اور بالشت در بالشت سے کم میں لگی ہو تو صدقہ دے اگرچہ سارا دن پہنے رہے اور ایسے کپڑے کو ایک دن سے کم میں پہننے کی صورت میں بھی صدقہ ہی ہے (زبدہ)

اور ایک دن سے کم میں اگرچہ بہت خوشبو ہو اور بالشت در[2] بالشت میں بھرا ہوا ہو تو صدقہ ہے اور عذر کی وجہ سے لگائی ہو تو صدقہ کی بجائے ایک روزہ بھی رکھ سکتا ہے

---

(۱) : بالشت در بالشت سے مراد یہ ہے کہ لمبائی میں بھی ایک بالشت ہو اور چوڑائی میں بھی ایک بالشت۔ دیکھئے ارشاد الساری (محمد رفیع عثمانی)

(۲) : بالشت در بالشت کا حکم بھی ان سب مسائل میں وہی ہے جو بالشت در بالشت سے کم کا ہے کذا فی ارشاد الساری وزبدہ۔ (محمد رفیع عثمانی غفرلہ ولوالدیہ)

اور آدھی رات سے آدھے دن تک ایک دن شمار ہوگا۔ (زبدہ)

مسئلہ ...... کھانے کی چیز میں اگر خوشبو ملا کر پکائی گئی ہو تو اس کے کھانے سے کچھ لازم نہیں ہوتا اگر چہ خوشبو آرہی ہو اور غالب ہی کیوں نہ ہو اگر کھانا پکنے کے بعد خوشبو ملائی گئی جیسے مصالحہ، دار چینی، الا ئچی وغیرہ ڈالتے ہیں تو ایسا کھانا کھانے سے بھی کچھ لازم نہ ہوگا البتہ اگر کھانے میں خوشبو آرہی ہو تو یہ فعل مکروہ ہوگا اور اگر ایسی چیز کھائے جس میں خوشبو ملائی ہوئی ہو مگر وہ پکایا نہیں گیا جیسے چٹنی، اچار وغیرہ تو اگر خوشبو غالب ہے تو دم واجب ہوگا جب کہ مقدار کھانے کی زیادہ ہو اور تھوڑا سا کھائے تو صدقہ دے اگر چہ خوشبو نہ آتی ہو کیونکہ اس صورت میں جزاء کا مدار اجزاء پر ہے نہ کہ خوشبو آنے پر۔ اگر اس طرح کا کھانا تھوڑا تھوڑا کئی بار کھایا تو دم لازم ہوگا۔ بغیر پکائے ہوئے کھانے کی چیز میں اگر خوشبو ملا دیں گے تو اگر وہ کھانے کی چیز غالب ہے تو کچھ لازم نہیں اگر چہ بہت کھائے لیکن اگر خوشبو آتی رہی تو مکروہ ہوگا۔ (غنیۃ، زبدہ)

مسئلہ ...... اگر کسی نے بہت سی خوشبو چبالی مثلاً زعفران چبائی اور منہ کے اکثر حصہ میں لگ گئی تو دم واجب ہے اور منہ کے اکثر حصہ میں نہیں لگی تو صدقہ لازم ہوگا یہ مسئلہ خالص خوشبو کھانے کا ہے جو نہ پکائی گئی ہے نہ کسی اور چیز کے ساتھ ملائی گئی ہو۔ (زبدہ)

مسئلہ ...... لیمن سوڈا اور کوئی پانی کی بوتل یا شربت جس میں خوشبو نہ ملائی گئی ہو احرام کی حالت میں پینا جائز ہے اور جس بوتل میں خوشبو ملی ہوئی ہو اگر معمولی خوشبو ہو تو صدقہ واجب ہوگا لیکن اگر ایک ہی مجلس میں کئی بار پیئے تو دم واجب ہوگا اور اگر خوشبو غالب ہو تو ایک ہی بار زیادہ پینے میں دم واجب ہو جائے گا۔ (غنیۃ)

مسئلہ ...... جس بستر میں خوشبو لگائی ہو محرم کے لئے اس پر لیٹنا آرام کرنا جائز نہیں اس کی جزاء میں وہی تفصیل ہے جو اوپر کپڑے کے مسئلے میں بیان ہوئی۔

سلے ہوئے کپڑے کا استعمال

جو کپڑا بدن کی ہیئت پر سلا ہوا یا بنا ہوا ہوا اگر اس کو پہنا اور پورے دن یا پوری رات پہنے رہا تو جنایت کامل ہے دم لازم ہوگا اور اس سے کم وقت استعمال کیا تو صدقہ واجب ہوگا اور عذر بلا عذر کا فرق پہلے بیان ہو چکا ہے۔ (غنیۃ)

مسئلہ ...... اگر کسی شخص نے سلے ہوئے کپڑوں ہی میں احرام باندھ لیا یعنی نیت احرام کی کر کے تلبیہ پڑھ لیا تو اگر تلبیہ پڑھنے کے بعد پورے دن سلے ہوئے کپڑے پہنے رہا تو صدقہ بقدر صدقۃ الفطر واجب ہے۔ (غنیۃ)

موزے یا بُوٹ جُوتے پہننا

موزے اور ایسا جوتہ جو قدم کے بیچ میں ابھری ہوئی ہڈی تک چھپالے جیسے انگریزی فل بوٹ میں اور بعض دیسی قسم کے جوتوں میں ہوتا ہے یہ احرام میں ممنوع ہے۔ اگر ایسا جوتا یا موزہ ایک دن یا ایک رات پہنے رہا تو دم واجب ہے اور اس سے کم میں صدقہ بقدر صدقۃ الفطر۔ (غنیۃ)

سر یا چہرہ ڈھانپنے کی جنایت

اگر مرد نے سر یا چہرہ اور عورت نے چہرہ کپڑے وغیرہ سے ڈھانپ لیا تو اگر ایک دن کامل یا ایک رات کامل اسی طرح رکھا تو جنایت کامل ہوگئی دم لازم ہوگا اس سے کم میں صدقہ واجب ہوگا اور عورت کو احرام کی حالت میں بھی سر چھپانا اسی طرح ضروری ہے جس طرح عام حالات میں اگر اس نے سر کھول دیا تو اس پر کچھ واجب نہیں کیونکہ سر کا چھپانا اس کے لئے احرام کا جزو نہیں ہے عام حکم ہے۔ (ہدایہ)

مسئلہ ...... اگر سلا ہوا کپڑا سارے دن پہنے رہے یا سر و چہرہ دن بھر ڈھانکے رکھا اور اس کا کفارہ ایک دم دیدیا مگر کپڑا بدستور استعمال کرتا رہا تو دوسرا کفارہ

دینا ہوگا اور اگر بیچ میں کفارہ دم نہیں دیا تو ایک ہی دم کافی ہو جائے گا۔(زبدہ)

مسئلہ...... چوتھائی سر یا چوتھائی چہرہ کا ڈھانکنا سارے سر اور سارے چہرہ کے حکم میں ہے۔(زبدہ)

بال منڈوانے یا بال کٹوانے کی جنایت

چوتھائی سر یا چوتھائی داڑھی یا اس سے زیادہ کے بال منڈوائے یا کترائے یا کسی کے ذریعہ دور کرے یا اکھاڑے خواہ اختیار سے ہو یا بے اختیار ہر حال میں جنایت کاملہ ہے جس کی جزاء میں دم لازم ہے۔(زبدہ)

مسئلہ...... اسی طرح ایک پوری بغل منڈوائی یا زیر ناف کے پورے بال صاف کئے یا پوری گردن کے بال صاف کرائے تو دم لازم ہے۔(زبدہ)

مسئلہ...... اگر دو تین بال مونڈے یا کاٹے تو ہر بال کے بدلے میں ایک مٹھی گندم یا ٹکڑا روٹی کا صدقہ دے دے اور تین بال سے زائد میں پورا صدقۃ الفطر واجب ہے۔(زبدہ)

مسئلہ...... اگر بال از خود بغیر محرم کے کسی فعل کے گر جائیں تو کچھ لازم نہیں اور اگر محرم کے ایسے فعل سے گریں جس کا وہ مامور ہے جیسے وضو تو تین بال میں بھی ایک مٹھی گندم کا صدقہ کافی ہے۔(زبدہ)

مسئلہ...... ایک محرم دوسرے کا چوتھائی یا اس سے زیادہ سر مونڈے تو مونڈنے والے پر صدقہ واجب ہے اور منڈوانے والے پر دم۔(زبدہ)

مسئلہ...... ناخن چاروں ہاتھ پاؤں کے ایک مجلس میں کاٹے یا صرف ایک ہاتھ پاؤں کے ناخن پورے کاٹے تو جنایت کاملہ ہے دم لازم ہوگا۔(زبدہ)

جوئیں مارنا

اگر ایک جوں ماری یا کپڑا دھوپ میں ڈالا تا کہ جوئیں مر جائیں یا کپڑا جوں مارنے کے لئے دھو دیا تو ایک جوں کے عوض روٹی کا ٹکڑا اور دو تین کے بدلے میں ایک مٹھی گیہوں دیدے اور تین سے زیادہ کے عوض اگر چہ کتنی ہی ہوں پورا صدقہ یعنی پونے دوکلو دے۔ (زبدہ)

مسئلہ ...... اگر کپڑا دھوپ میں ڈالا یا دھویا اور جوئیں مر گئیں لیکن جوئیں مارنے کی نیت نہ تھی تو کچھ واجب نہیں۔ (غنیۃ)

مسئلہ ...... اپنے بدن کی جوں کو کسی دوسرے سے مروانا یا پکڑ کر زمین میں زندہ ڈال دینا یا خود پکڑ کر کسی دوسرے کو مارنے کے لئے دے دینا سب برابر ہے سب صورتوں میں جزاء واجب ہوگی۔ (غنیۃ)

جنایات متعلقہ جنسی خواہشات

مسئلہ ...... کسی عورت یا مرد کا شہوت کے ساتھ بوسہ لینے یا شہوت کے ساتھ ہاتھ لگانے سے دم واجب ہوتا ہے انزال ہو یا نہ ہو۔ (غنیۃ)

مسئلہ ...... اگر وقوف عرفات سے پہلے جماع کر لیا تو حج فاسد ہو گیا اگلے سال یا اس کے بعد اس کی قضا بھی لازم ہے اور دم یعنی بکری ذبح کرنا بھی واجب ہے اگر دونوں محرم تھے تو دونوں پر ایک ایک دم ہوگا اور حج کے فاسد ہونے کے سبب افعال حج کو ترک کر دینا جائز نہیں بلکہ عام حجاج کی طرح تمام افعال حج پورے ادا کرنا واجب ہے مگر اس سے اس کا حج ادا نہ ہوگا بلکہ اگلے سال قضا کرنا واجب ہوگا اگر فاسد شدہ حج فرض تھا تب تو قضا واجب ہونا ظاہر ہے اور اگر حج نفل تھا تو وہ بھی چونکہ شروع کرنے سے واجب ہو گیا اس لئے اس کی قضا ضروری ہے۔ (غنیۃ)

مسئلہ......اگر وقوف عرفات کے بعد حلق یا (قصر) اور طواف زیارت سے پہلے جماع کرلیا تو حج فاسد نہیں ہوا مگر ایک بدنہ یعنی سالم گائے یا سالم اونٹ ذبح کرنا لازم ہوگا۔ (غنیۃ وزبدہ)

مسئلہ......اور اگر حلق یا قصر کے بعد طواف زیارت سے قبل جماع کرلیا تو اس صورت میں بھی حج فاسد نہ ہوگا لیکن جزاء میں ایک بکری واجب ہوگی بعض حضرات نے اس صورت میں بھی بدنہ ہی واجب کہا ہے۔ (غنیۃ وزبدہ)

مسئلہ......اور طواف زیارت کے بعد حلق سے پہلے جماع کیا تو بالاتفاق صرف دم واجب ہے اس صورت میں بدنہ واجب نہیں۔

احرام میں شکار مارنا

مسئلہ......احرام کی حالت میں خشکی کا شکار مارنا، زخمی کرنا، اس کے پاؤں توڑنا، پر کاٹنا، انڈا توڑنا، دودھ نکالنا اور شکار کی طرف مارنے کے لئے اشارہ کرنا، بتلانا یہ سب بھی منع ہے اور ان سب پر جزاء واجب ہوتی ہے جن کی تفصیلات بڑی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

مسئلہ......احرام میں بکری، گائے، اونٹ، بھینس، مرغی، گھریلو جانوروں کا ذبح کرنا ہر حال میں ممنوع ہے خواہ پالتو کبوتر ہو اس کی تحقیق ایک جداگانہ رسالہ میں لکھ دی گئی ہے کیونکہ حرم میں رہنے والے بہت سے لوگ پالتو کبوتر کا ذبح حلال سمجھتے ہیں جو غلط ہے۔ (غنیۃ)

مسئلہ......احرام میں ٹڈی مارنا بھی منع ہے ایک دو تین ٹڈی کے مارنے سے جو چاہے تھوڑا بہت صدقہ دے دے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک کھجور ایک ٹڈی سے بہتر ہے (موطا محمد)

اور تین سے زیادہ میں نصف صاع گندم دے (زبدہ) اور ٹڈی کو حرم میں مارنے کا بھی وہی حکم ہے جو احرام میں مارنے کا ہے (غنیۃ)

حرم کا شکار مارنا یا درخت کاٹنا

مسئلہ......حرم میں شکار کرنا محرم اور غیر محرم دونوں کے لئے حرام ہے اور حرم کی گھاس اور درخت کاٹنا بھی ممنوع ہے اس میں جزاء لازم ہو جاتی ہے اگر ایسا واقعہ ہو جائے تو کسی عالم سے دریافت کر لیں منیٰ، مزدلفہ، حدود حرم میں داخل ہیں یہاں کی گھاس وغیرہ کاٹنے سے پرہیز لازم ہے عرفات کا میدان حدود حرم سے باہر ہے اس کی گھاس کاٹنے کا مضائقہ نہیں۔

جنایات کی دوسری قسم متعلقہ واجبات حج

بلا احرام میقات سے آگے بڑھ جانا

مسئلہ......اگر کوئی شخص عاقل بالغ جو میقات سے باہر رہنے والا ہو اور مکہ میں داخل ہونے کا خیال رکھتا ہے، خواہ حج وعمرہ کی نیت ہو یا اور کسی غرض سے جانا چاہتا ہو میقات سے بلا احرام آگے مکہ مکرمہ کی طرف جائے گا تو گنہگار ہوگا اور میقات کی طرف لوٹنا واجب ہوگا اور اگر لوٹ کر میقات پر نہ آیا اور میقات سے آگے ہی احرام باندھ لیا تو ایک دم دینا واجب ہوگا اور اگر میقات پر واپس آ کر احرام باندھا تو دم ساقط ہو جائے گا۔ (غنیۃ)

بے وضو یا جنابت یا حیض ونفاس کی حالت میں طواف کرنا یا طواف کے چکروں میں کمی کرنا

مسئلہ......اگر بدن یا کپڑے پر طواف فرض یا طواف نفل کرتے وقت

نجاست لگی ہوئی تھی تو کچھ واجب نہ ہوگا لیکن مکروہ ہے۔ (زبدہ)

مسئلہ......اگر پورا یا اکثر طواف زیارت بے وضو کیا تو دم دے اور اگر طواف قدوم یا طواف وداع یا نفل یا نصف طواف سے کم طواف زیارت بلا وضو کیا تو ہر پھیرے کے لئے بقدر صدقۃ الفطر صدقہ ہے اور اگر ان تمام صورتوں میں وضو کر کے طواف کا ارادہ کر لیا تو کفارہ اور دم ساقط ہو جائے گا۔ (عالمگیری)

مسئلہ......اگر پورا یا اکثر طواف زیارت جنابت یا حیض ونفاس کی حالت میں کیا تو بدنہ (یعنی ایک اونٹ یا ایک گائے سالم) واجب ہوگا اور اگر طواف قدوم یا طواف وداع یا طواف نفل ان حالتوں پر کیا تو ایک بکری واجب ہوگی اور ان سب صورتوں میں طہارت کے ساتھ طواف کا اعادہ کر لینے سے کفارہ ساقط ہو جائے گا۔ (غنیۃ)

مسئلہ......جو طواف جنابت یا حیض ونفاس کی حالت میں کیا ہو اس کا اعادہ واجب ہے اور جو بے وضو کیا ہے اس کا اعادہ مستحب ہے۔ (زبدہ) لیکن اگر اعادہ نہ کیا تو مذکورہ بالا جزاء دینا لازم ہے۔

مسئلہ......اگر سعی پہلے طواف کے بعد کر چکا ہو تو سعی کا اعادہ نہ کرے کیونکہ پہلا طواف معتبر ہو گیا لیکن ناقص ہونے کی وجہ سے اعادہ کیا گیا ہے اور دوسرا طواف صرف اس نقصان کی تلافی کے لئے ہے۔ (زبدہ)

مسئلہ......طواف زیارت ایام نحر میں بے وضو کر لیا تو اگر اس کے بعد طواف وداع ایام نحر میں ہی باوضو کر لیا تو یہ طواف زیارت بن جائے گا اور اگر ایام نحر کے بعد کیا تو طواف زیارت کے قائم مقام نہ ہوگا بلکہ دم واجب رہے گا۔ (زبدہ)

مسئلہ......طواف عمرہ پورا یا اکثر یا اقل اگرچہ ایک ہی چکر ہو اگر جنابت یا حیض ونفاس کی حالت میں یا بے وضو کیا تو دم واجب ہوگا۔ (زبدہ)

مسئلہ......اور اگر طواف کا ارادہ کر لیا تو دم ساقط ہو جائے گا۔ (غنیۃ)

مسئلہ ......عمرہ کے کسی واجب کے ترک کرنے سے بدنہ یا صدقہ واجب نہیں ہوتا بلکہ صرف دم (یعنی ایک بکری یا ساتواں حصہ گائے یا اونٹ کا) واجب ہوتا ہے لیکن عمرہ کے احرام میں ممنوعات احرام کے ارتکاب سے مثل احرام حج کے دم یا صدقہ واجب ہوتا ہے۔ (زبدہ)

مسئلہ ......اگر طواف قدوم یا طواف وداع کا ایک چکر یا دو تین چکر ترک کئے تو ہر چکر کے بدلے پورا صدقہ واجب ہوگا اور چار چکر یا زیادہ چھوڑ دے تو دم واجب ہوگا اور طواف قدوم بالکل چھوڑنے کی وجہ سے کچھ واجب نہ ہوگا لیکن چھوڑنا مکروہ اور برا ہے۔ (زبدہ)

مسئلہ ......اگر طواف قدوم شروع کرنے کے بعد چھوڑا تو اکثر اشواط میں دم ہے اور اقل میں ہر شوط کے بدلے صدقہ مثل طواف صدر کے ہے اور نفلی طواف کا حکم مثل قدوم کے ہے۔ (غنیۃ، شامی)

سعی کی جنایات

مسئلہ ......اگر پوری سعی یا اکثر چکر سعی کے بلا عذر ترک کئے یا بلا عذر سوار ہو کر کئے تو حج ہو گیا لیکن دم واجب ہوگا اور پیدل اعادہ کرنے سے دم ساقط ہو جائے گا اور اگر عذر کی وجہ سے سوار ہو کر سعی کی تو کچھ واجب نہ ہوگا اور ایک یا دو تین چکر سعی کے چھوڑ دیئے یا بلا عذر سوار ہو کر کئے تو ہر چکر کے بدلے صدقہ لازم ہوگا۔ (غنیۃ کذا فی زبدہ ص ۱۰۰)

غروب آفتاب سے قبل عرفات سے نکل آنا

مسئلہ ......اگر عرفات سے غروب آفتاب سے پہلے نکل گیا تو دم واجب ہوگا اگر چہ بھاگے ہوئے اونٹ کو پکڑنے کے لئے یا کسی شخص کو تلاش کرنے کے لئے نکلا ہو البتہ غروب سے پہلے عرفات میں واپس آ گیا تو دم ساقط ہو جائے گا اور اگر

غروب کے بعد آیا تو دم ساقط نہ ہوگا۔ (زبدہ)

بلا عذر وقوف مزدلفہ ترک کرنا

مسئلہ...... اگر وقوف مزدلفہ بلا عذر ترک کیا تو دم واجب ہوگا اور اگر عذر کی وجہ سے ترک کیا مثلاً عورت یا بہت بوڑھے ضعیف مرد نے ہجوم کے خوف سے ترک کیا تو کچھ واجب نہ ہوگا۔ (غنیۃ)

دسویں تاریخ کے افعال خلاف ترتیب ادا کرنا

مسئلہ...... اگر مفرد یا قارن یا متمتع نے رمی سے پہلے سر منڈایا یا قارن اور متمتع نے ذبح سے پہلے سر منڈایا یا قارن اور متمتع نے رمی سے پہلے ذبح کیا تو دم واجب ہوگا کیونکہ ان چیزوں میں ترتیب واجب ہے مفرد کے لئے صرف رمی اور سر منڈانے میں ترتیب واجب ہے کیونکہ ذبح اس پر واجب نہیں اور قارن پر تینوں (یعنی رمی اور ذبح اور سر منڈانا) میں ترتیب واجب ہے۔ اول رمی کرے اس کے بعد ذبح کرے اس کے بعد سر منڈائے اگر تقدیم وتاخیر کی تو دم واجب ہوگا۔ (غنیۃ وزبدہ)

جنایات متعلقہ رمی

مسئلہ...... ایک دن کی رمی پوری ترک کر دے یا اکثر کنکریاں چھوڑ دے تو دم واجب ہے مثلاً پہلے دن کی رمی میں چار کنکریاں چھوڑ دیں تین سے رمی کی یا باقی دنوں کی رمی میں گیارہ کنکریاں چھوڑ دیں دس سے رمی کی تو دم واجب ہوگا اگر ایک دن سے زیادہ دنوں کی یا پورے چاروں دنوں کی رمی چھوڑ دی تب بھی ایک ہی دم واجب ہے۔ (زبدہ)

مسئلہ...... تیرھویں تاریخ کی رمی اس وقت واجب ہوتی ہے جب کہ منیٰ میں تیرھویں تاریخ کی صبح ہو جائے اس صورت میں اگر کسی نے صرف تیرھویں تاریخ

کی رمی چھوڑ دی تب بھی دم واجب ہوگا۔(زبدہ)

دم اور صدقہ دینے کا طریقہ اور متعلقہ تفصیلات

۱)...... جتنے مسائل میں دم واجب ہونے کا ذکر ہے ان سب میں ضروری ہے کہ جانور حدود حرم کے اندر ذبح کیا جائے حرم سے باہر ذبح کرنا کافی نہیں اور ذبح شدہ جانور صدقہ کرنا لازم ہے اس میں خود کھانا یا اغنیاء کو کھلانا جائز نہیں۔(غنیۃ)

۲)...... اگر بسبب مفلسی کے دم یا صدقہ میسر نہ ہو تو یہ کفارہ اس کے ذمہ واجب ہوتا ہے جب میسر ہو ادا کرے یعنی جس نے بلا عذر کے ایسی جنایات کی جس پر دم یا صدقہ واجب ہے تو کفارہ اس پر ہمیشہ رہے گا جب تک ادا نہ کرے اس کے بدلے میں روزے رکھنے کا اختیار نہیں ہے ہاں اگر عذر سے ان پانچ جنایتوں کا ارتکاب کیا جو شروع میں لکھی گئی ہیں یعنی (۱) سلا ہوا کپڑا یا بوٹ موزے پہنے، (۲) یا خوشبو استعمال کی (۳) یا بال کٹوائے (۴) یا مرد نے سر کو یا چہرہ کو کپڑے سے چھپایا یا عورت نے چہرہ کو کپڑے سے اس طرح چھپایا کہ کپڑا اس کے چہرے کو لگا ہوا رہا۔ (۵) یا ناخن کاٹے اور ان کی وجہ سے دم یا صدقہ واجب ہوا تو دم کے بجائے تین روزے رکھ لینا کافی ہے اور صدقہ کے بجائے ایک روزہ بھی کافی ہے۔(زبدہ)

۳)...... جنایات احرام میں قارن پر دو جزائیں واجب ہوتی ہیں خواہ دم واجب ہو خواہ صدقہ کیونکہ اس کے دو احرام ہوتے ہیں البتہ اگر قارن میقات سے بلا احرام گذر جائے تو ایک ہی دم واجب ہوگا نیز واجبات حج میں قارن سے جو جنایت ہوگی اس پر ایک ہی جزاء واجب ہوگی۔(غنیۃ)

۴)...... دم جنایت کی قیمت دینا جائز نہیں جانور کی قربانی حرم میں کرنا واجب ہے البتہ جہاں دم اور اطعام (یعنی کھانا دینے) میں اختیار دیا گیا ہے اس میں دم کی قیمت ادا کرنے سے ادائیگی ہو جائے گی۔(غنیۃ)

زیارتِ مدینہ منورہ

حج کے بعد سب سے افضل اور سب سے بڑی سعادت سید الانبیاء رحمۃ للعالمین کے روضۂ اقدس کی زیارت ہے رسول مقبول ﷺ کی محبت وعظمت وہ چیز ہے جس کے بغیر ایمان ہی درست نہیں ہوتا اس کا تقاضا فطری طور سے بھی ہونا چاہئے کہ دیار مقدس میں پہنچنے کے بعد روضۂ اقدس ﷺ کی زیارت کے بغیر واپس نہ ہو اور اس پر مزید یہ ہے کہ روضہ اقدس کے سامنے حاضری اور سامنے حاضر ہو کر درود کے وہ عظیم الشان ثمرات اور برکات ہیں جو دور سے درود وسلام پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتے۔

حدیث ...... میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے واسطے میری شفاعت واجب ہوگی۔ (زبدہ)

حدیث ...... اور ارشاد فرمایا کہ جو شخص میری زیارت کو آئے اور مقصود میری زیارت ہی ہو تو مجھ پر حق ہو گیا کہ قیامت میں اس کی شفاعت کروں۔ (زبدہ)

حدیث ...... اور فرمایا اگر میرے انتقال کے بعد میری قبر کی زیارت کرے تو ایسا ہے جیسے میری حیات میں میری زیارت کی۔ (زبدہ)

کون سا مسلمان ہے جو بغیر کسی مجبوری کے اس سعادت کبریٰ سے محروم واپس آ جائے گا۔

مسئلہ ...... جس شخص پر حج فرض ہے اس کے لئے پہلے حج کر لینا اور زیارت مدینہ کے لئے بعد میں جانا بہتر ہے ورنہ اختیار ہے پہلے مدینہ منورہ حاضر ہو بعد میں حج کرے، یا حج کرنے کے بعد مدینہ طیبہ حاضر ہو۔ (زبدہ)

حاضریٔ مدینہ منوّرہ کے بعض آداب

جب مدینہ منورہ کی طرف چلے تو راستہ میں کثرت سے درود شریف پڑھتا

رہے اور جب مدینہ طیبہ کے درخت نظر پڑیں اور زیادہ کثرت کردے اور جب وہاں کی عمارتیں نظر پڑیں تو درود شریف پڑھ کر یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ هٰذَا حَرَمُ نَبِيِّكَ فَاجْعَلْهُ وِقَايَةً لِّيْ مِنَ النَّارِ وَاَمَانًا مِّنَ الْعَذَابِ وَسُوْءِ الْحِسَابِ.

یا اللہ یہ آپ کے نبی کا حرم ہے اس کو میرے لئے جہنم سے پردہ اور عذاب سے اور برے حساب سے امان دیجئے۔

مستحب یہ ہے مدینہ منورہ سے داخلہ سے پہلے غسل کرے اور وضو بھی کافی ہے اور پاک صاف کپڑے اور اچھا لباس جو اپنے پاس موجود ہو وہ پہنے اگر نئے کپڑے ہوں تو وہ بہتر ہے اور خوشبو لگائے اور شہر میں داخل ہونے سے پہلے پیادہ چلنے لگے اس شہر مقدس کی عظمت کا خیال کرتے ہوئے نہایت خشوع وخضوع اور تواضع کے ساتھ شہر میں آئے اور جب مدینہ میں داخل ہو تو یہ دعا پڑھے۔

رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِيْرًا ط اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَارْزُقْنِيْ مِنْ زِيَارَةِ رَسُوْلِكَ ﷺ مَا رَزَقْتَ اَوْلِيَاءَكَ وَاَهْلَ طَاعَتِكَ وَاغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ يَا خَيْرَ مَسْئُوْلٍ وَاَغْنِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَبِطَاعَتِكَ عَنْ مَعْصِيَتِكَ وَبِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ وَنَوِّرْ قَلْبِيْ وَقَبْرِيْ. اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ الْخَيْرَ كُلَّهٗ عَاجِلَهٗ وَاٰجِلَهٗ مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَمَالَمْ اَعْلَمْ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الشَّرِّ كُلِّهٖ مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَمَالَمْ

اَعْلَمُ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ اَوْسَعَ رِزْقِكَ عَلَيَّ عِنْدَ كِبَرِ سِنِّيْ وَانْقِطَاعِ عُمْرِيْ وَاجْعَلْ خَيْرَ عُمْرِيْ اٰخِرَهٗ وَخَيْرَ عَمَلِيْ خَوَاتِيْمَهٗ وَخَيْرَ اَيَّامِيْ يَوْمَ اَلْقَاكَ فِيْهِ.

اے میرے پروردگار مجھے یہاں صحیح طور داخل کیجئے اور صحیح طریقے سے نکالئے اور اپنی طرف سے میرے لئے مددگار بنادیجئے۔ یا اللہ میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دیجئے اور مجھے اپنے رسول کی زیارت سے وہ فائدہ عطا فرمایئے جو آپ اپنے اولیاء اور اپنے فرمانبردار بندوں کو عطا فرماتے ہیں اور میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم فرما، جن سے کچھ مانگا جاتا ہے آپ ان میں سب سے بہتر ہیں اور مجھے اپنے حلال کے ذریعہ اپنے حرام سے اور اپنی طاعت کے ذریعہ اپنی معصیت سے اور اپنے فضل کے ذریعہ اپنے غیر سے مستغنی کردے اور میرے دل اور قبر کو نور سے بھر دے میں تجھ سے ہر بھلائی مانگتا ہوں جلدی آنے والی بھی دیر سے آنے والی بھی وہ بھلائی بھی جو میرے علم میں ہے اور وہ بھلائی بھی جو میرے علم میں نہیں اور ہر برائی سے تیری پناہ مانگتا ہوں اس برائی سے بھی جو میرے علم میں ہے اور اس سے بھی جو میرے علم میں نہیں ۔اے اللہ! تو مجھ پر اپنا سب سے زیادہ رزق میرے بڑھاپے اور اختتام عمر کے قریب نازل فرما اور میری بہترین زندگی آخری عمر کو اور بہترین عمل آخری اعمال کو اور بہترین دن اپنی ملاقات کے دن کو بنادے۔

ادب اور حضور قلب کے ساتھ درود شریف پڑھتا ہوا داخل ہو اور یہ پیش نظر رکھے کہ یہ وہ زمین ہے جس پر جابجا رسول اللہ ﷺ کے قدم مبارک پڑے ہیں۔

مسجد نبوی ﷺ میں داخلہ

سب سے پہلے مسجد نبوی میں داخل ہوتو داہنا پاؤں پہلے رکھے اور درود شریف پڑھ لے اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ پڑھے بہتر یہ ہے کہ باب جبریل سے مسجد میں داخل ہو عورتیں باب النساء عورتوں کے دروازے سے داخل ہوں جو باب جبریل کی طرف سڑک پر ہے مسجد میں اگر جماعت کھڑی ہو چکی ہو تو مرد مردوں کی صفوں میں اور عورتیں خواتین کی صفوں میں جس کی جگہ عورتوں کے لئے الگ مقرر ہے وہاں نماز پڑھیں بعد نماز اگر جگہ ہو اور دوسروں کو تکلیف پہنچائے بغیر ممکن ہو تو پہلے روض الجنۃ میں آئے جو قبر شریف اور منبر شریف کے درمیان جگہ ہے اس کے متعلق حدیث میں ہے کہ یہ قطعہ جنت کا ہے روض الجنۃ میں تحیۃ المسجد کی دو رکعت پڑھے اس کے بعد روضہ اقدس کے پاس حاضر ہو اور سرہانے کی دیوار کے کونے میں جو ستون ہے اس کے تین چار ہاتھ کے فاصلہ پر کھڑا ہو۔ نہ بالکل جالیوں کے پاس جائے اور نہ بہت دور بلا ضرورت کھڑا ہو، رخ روضہ اقدس کی طرف اور پشت قبلہ کی طرف کر کے یہ تصور کرے کہ آنحضرت ﷺ قبر شریف میں قبلہ کی طرف چہرہ مبارک کئے ہوئے لیٹے ہیں اور پھر نہایت ادب کے ساتھ درمیانہ آواز سے نہ بہت پکار کر نہ بالکل آہستہ سلام عرض کرے یہاں سلام کے کوئی خاص الفاظ مقرر نہیں لیکن نیچے لکھے ہوئے الفاظ میں درود و سلام عرض کرے تو بہتر ہے۔

رسول اکرم ﷺ پر درود و سلام

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ. اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَاخَیْرَ خَلْقِ اللّٰہِ. اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَاخِیْرَۃَ اللّٰہِ. اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَاحَبِیْبَ اللّٰہِ. اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا سَیِّدَ وُلْدِ اٰدَمَ. اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَااَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّكَ عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ. اَشْهَدُ اَنَّكَ بَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ وَاَدَّيْتَ الْاَمَانَةَ وَنَصَحْتَ الْاُمَّةَ وَكَشَفْتَ الْغُمَّةَ، فَجَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا جَزَاكَ اللّٰهُ عَنَّا اَفْضَلَ مَا جَازٰى نَبِيًّا عَنْ اُمَّتِهٖ. اَللّٰهُمَّ اَعْطِ سَيِّدَنَا عَبْدَكَ وَرَسُوْلَكَ مُحَمَّدَ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَالدَّرَجَةَ الرَّفِيْعَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَ الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ اِنَّكَ لَاتُخْلِفُ الْمِيْعَادَ وَاَنْزِلْهُ الْمَنْزِلَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ اِنَّكَ سُبْحَانَكَ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ.

السلام علیک یا رسول اللہ، السلام علیک یا خیر خلق اللہ، اے اللہ کی مخلوق میں سے اللہ کے برگزیدہ آپ پر سلام ہو، اے اللہ کے حبیب آپ پر سلام ہو اے اولاد آدم کے سردار آپ پر سلام ہو۔ یا رسول اللہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے رسالت پہنچا دی اور امانت ادا کر دی اور امت کی خیر خواہی کی اور بے چینی کو دور کر دیا پس اللہ آپ کو اچھی جزاء دے۔ اللہ آپ کو ہماری طرف سے ان جزاؤں سے بہتر جزا دے جو اس نے کسی نبی کو اس کی امت کی طرف سے دی ہو، اے اللہ تو اپنے بندے اور رسول سیدنا محمد ﷺ کو وسیلہ اور فضیلت اور بلند درجہ عطا فرما ان کو مقام محمود پر پہنچا دے جس کا تو نے وعدہ کیا ہے بے شک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا اور ان کو اپنے نزدیک مقرب درجہ عطا فرما بے شک تو پاک ہے اور عظیم احسان والا ہے۔

اور پھر حضرت محمد ﷺ کے واسطے سے دعا کرے اور شفاعت چاہے۔ کہے:

يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَسْئَلُكَ الشَّفَاعَةَ وَاَتَوَسَّلُ بِكَ اِلَى اللّٰهِ فِيْ

اَنْ اَمُوْتَ مُسْلِمًا عَلٰی مِلَّتِکَ وَسُنَّتِکَ.

یارسول اللہ میں آپ سے شفاعت کا طلب گار ہوں اور اللہ کی طرف آپ کا وسیلہ چاہتا ہوں اس بات کے لئے کہ میں اسلام اور آپ کی ملت وسنت پر مروں۔

اور ان الفاظ میں جس قدر چاہے زیادہ کرے مگر ادب اور عجز کے کلمات ہوں لیکن سلف جہاں تک اختصار ممکن ہو مستحسن رکھتے ہیں اور بہت پکار کر نہ بولے بلکہ آہستہ آہستہ خضوع اور ادب سے عرض کرے اور جس کسی کا سلام کہنا ہو عرض کرے۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ مِنْ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ یَسْتَشْفَعُ بِكَ اِلٰی رَبِّكَ۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر سلام

پھر بقدر ایک ہاتھ کے ہٹ کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر سلام کرے۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا خَلِیْفَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَثَانِیَهٗ فِی الْغَارِ، رَفِیْقَهٗ فِی الْاَسْفَارِ وَاَمِیْنَهٗ عَلَی الْاَسْرَارِ اَبَابَکْرِ نِ الصِّدِّیْقِ، جَزَاکَ اللّٰهُ عَنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ خَیْرًا.

اے رسول اللہ کے خلیفہ، غار میں ان کے ساتھی اور سفروں میں ان کے رفیق اور ان کے رازوں کے امین ابوبکر صدیق آپ پر سلام ہو، اللہ آپ کو امت محمدیہ کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر سلام

پھر بقدر ایک ہاتھ کے اور ہٹ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر سلام کہے۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عُمَرَ الْفَارُوْقَ الَّذِیْ اَعَزَّ اللّٰهُ بِهِ الْاِسْلَامَ اِمَامَ الْمُسْلِمِیْنَ مَرْضِیًّا حَیًّا وَّمَیِّتًا

جَزَاکَ اللّٰہُ عَنْ اُمَّۃِ مُحَمَّدٍ خَیْرًا.

اے امیر المؤمنین عمر فاروق کہ جن کے ذریعہ اللہ نے اسلام کو عزت عطا فرمائی آپ پر سلام ہو اللہ نے آپ کو مسلمانوں کا امام بنایا اور زندہ مردہ پسند کیا اللہ آپ کو امت محمدیہ کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔

اور یہاں بھی الفاظ کی کمی زیادتی میں اختیار ہے اور جس نے کہہ دیا ہو اس کا سلام پہنچادے پھر ذرا آگے بڑھ کر کہے۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمَا یَاضَجِیْعَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ وَرَفِیْقَیْہِ وَ وَزِیْرَیْہِ جَزَاکُمَا اللّٰہُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ جِئْنَا کُمَا نَتَوَسَّلُ بِکُمَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ لِیَشْفَعَ لَنَا وَیَدْعُوْلَنَا رَبَّنَا اَنْ یُّحْیِیَنَا عَلٰی مِلَّتِہٖ وَسُنَّتِہٖ وَیَحْشُرَنَا فِیْ زُمْرَتِہٖ وَجَمِیْعَ الْمُسْلِمِیْنَ.

اے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ لیٹنے والو اور ان کے رفیقو اور وزیرو اللہ تعالیٰ تم دونوں کو بہترین جزاء عطا فرمائے ہم تمہارے پاس اس لئے آئے ہیں کہ تمہیں رسول اللہ ﷺ تک اپنا وسیلہ بنائیں تاکہ رسول اللہ ﷺ ہماری شفاعت کریں اور ہمارے لئے پروردگار سے یہ دعا کریں کہ وہ ہمیں ان کی ملت اور سنت پر زندہ رکھے اور ہمیں اور تمام مسلمانوں کو حشر میں ان کے زمرہ میں اٹھائے۔

پھر آگے بڑھ کر چہرہ مبارک کے مقابل کھڑا ہو کر جو کچھ ہو سکے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے خصوصاً اپنے اور اپنے والدین اور عام مسلمانوں کے واسطے دعا کرے پھر وہاں سے نکل کر ستون اسطوانہ ابولبابہ کے پاس آکر دو رکعت پڑھ کر دعا کرے پھر روض الجنہ میں آکر نفلیں پڑھے اگر وقت مکروہ ہو تو اذکار استغفار و دعا کرتا رہے جس قدر اس میں کثرت ہو سکے بہتر ہے اور جب تک مدینہ منورہ میں رہے تلاوت اور ذکر

کرتا رہے اور درود شریف میں لگا رہے اور راتوں میں بہت جاگے اور وقت ضائع نہ کرے اور حتی الوسع نماز مسجد نبوی میں پڑھے اور زیارت قبر مبارک کے بعد ہر روز یا جمعہ کو زیارت مزارات بقیع کی بھی ضرور کرے کہ حضرت عثمانؓ اور حضرت عباسؓ اور حضرت حسنؓ اور حضرت ابراہیمؓ پسر نبی کریم ﷺ اور ازواج مطہراتؓ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین وہاں تشریف رکھتے ہیں اور حضرت امیر حمزہ اور شہدائے اُحد کی بھی زیارت کرے اور مسجد فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں جا کر نماز پڑھے اور ہفتہ کے روز مسجد قبا میں جا کر نماز پڑھ کر دعا کرے۔

جب تک مدینہ منورہ میں قیام ہو کثرت سے روضۂ اقدس کے سامنے حاضر ہو کر سلام عرض کیا کرے خصوصاً پانچ نمازوں کے بعد۔ (زبدہ)

مسئلہ...... اگر کسی وقت خاص مواجہہ شریف پر حاضری کا موقع نہ ملے تو روضہ اقدس کے کسی طرف بھی کھڑے ہو کر یا مسجد نبوی میں کسی جگہ بھی سلام عرض کر سکتا ہے اگر چہ اس کی وہ فضیلت نہیں جو سامنے حاضر ہو کر سلام عرض کرنے کی ہے۔

مسئلہ...... مسجد نبوی سے باہر بھی جب کبھی روضۂ اقدس کے سامنے سے گذرے تو تھوڑی دیر ٹھہر کر سلام عرض کر کے آگے بڑھے۔

مسئلہ...... عورتوں کو بھی روضۂ اقدس کی زیارت اور مواجہہ شریف میں حاضر ہو کر سلام عرض کرنا چاہئے۔ البتہ ان کے لئے بہتر ہے کہ رات کے وقت حاضر ہوں اور جب زیادہ ازدہام ہو تو کچھ فاصلہ ہی سے سلام عرض کر دیں۔

مسئلہ...... مسجد نبوی میں دنیا کی باتوں سے بہت زیادہ پرہیز کرے اور بلند آواز سے کوئی بات نہ کرے۔

مدینہ طیبہ سے رخصت

رخصت کے وقت دو نفل مسجد نبوی میں پڑھے پھر روضۂ اقدس کے سامنے حاضر ہو کر سلام عرض کرے پھر دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ میرے سفر کو آسان فرما دے اور مجھے بہ سلامت عافیت اپنے اہل وعیال میں پہنچا دے اور دونوں جہاں کی آفتوں سے محفوظ رکھ اور یہ کہ مجھے پھر مدینہ طیبہ کی حاضری نصیب فرما اس حاضری کو میری آخری حاضری نہ بنا۔

وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْهِ التُّكْلَانُ

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ



احکامِ حجِ بَدَل

حج بدل کے احکام میں تفصیل طویل ہے یہاں اس کے خاص خاص ضروری مسائل تحریر کئے جاتے ہیں۔

مسئلہ...... جس شخص پر حج فرض ہوگیا اور اس نے زمانہ حج کا پایا مگر باوجود قدرت کے کسی وجہ سے حج نہیں کیا پھر وہ حج سے معذور اور عاجز ہوگیا اور آئندہ بھی قدرت ہونے کی بظاہر کوئی امید نہیں مثلاً ایسا بیمار ہوگیا جس سے شفا کی کوئی امید نہیں مثلاً نابینا یا لنگڑا، یا اپاہج ہوگیا یا بڑھاپے کی وجہ سے ایسا کمزور ہوگیا کہ خود سواری پر سوار نہیں ہوسکتا تو اس کے ذمہ فرض ہے کہ اپنی طرف سے کسی دوسرے کو بھیج کو حج بدل خود کرادے یا یہ وصیت کردے کہ میرے مرنے کے بعد میری طرف سے میرے مال سے حج بدل کرادیا جائے۔

اگر ایسے دائمی عذر کی وجہ سے کسی نے اپنا حج فرض کسی سے اپنی زندگی میں کرادیا بعد میں اتفاق سے یہ عذر جاتا رہا تو اب خود حج ادا کرنا اس پر فرض ہے[1] پہلا حج جو بطور بدل کرایا تھا وہ نفلی ہوجائے گا[2]۔

---

(۱) یہ مسئلہ جواہر الفقہ میں درج نہیں اور یہاں پر بھی حوالے کے بغیر آیا ہے بظاہر اس میں کتابت وغیرہ کی کوئی غلطی ہے کیونکہ شرح زبدہ (ص ۴۴۸) میں زبدہ (ص ۱۳۹) کے حوالے سے یہ حکم اس عذر میں لکھا ہے جس کے رفع ہونے کی توقع تھی اور جس عذر کے زائل ہونے کی توقع نہیں ہوتی اس میں حج بدل کرانے کے بعد اگر غیر متوقع طور پر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ عذر جاتا رہا تو لکھا ہے کہ اس پر حج کا اعادہ فرض نہیں اس کا فرض ادا ہوگیا۔ رفیع ۱۰ صفر ۲۴ھ۔

(۲) بعد میں جواہر الفقہ (ص ۵۰۰) میں مناسک ملا علی قاری کے حوالے سے مسئلہ تقریباً اسی طرح لکھا ہوا مل گیا جس طرح یہاں (احکام حج) میں درج ہے نیز فتح القدیر اور العنایہ اور الکفایہ میں بھی اس طرح ہے جب کہ زبدہ (شرح زبدہ) میں جو حکم لکھا ہے اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا گیا۔ رفیع

مسئلہ ......اسی طرح اگر عورت کے پاس بقدر ضرورت حج مال موجود ہو مگر ساتھ کے لئے کوئی محرم نہیں ملتا یا ملتا ہے مگر وہ اپنا خرچ برداشت نہیں کر سکتا اور عورت کے پاس اتنا مال نہیں کہ اپنے خرچ کے علاوہ محرم کا خرچ بھی خود برداشت کرے تو اس عورت پر فرض ہے کہ اپنی طرف سے حج بدل کرائے یا وصیت کرے۔

مسئلہ ......بہتر یہ ہے کہ حج بدل اس شخص سے کرایا جائے جس نے اپنا حج ادا کر لیا ہے اگر کسی ایسے شخص سے حج بدل کرایا جس نے ابھی اپنا حج ادا نہیں کیا اور اس پر حج فرض بھی نہیں تو حج بدل ہو جائے گا مگر خلاف اولیٰ ہوگا۔

اور اگر اس کے ذمہ اپنا حج فرض ہونے کے باوجود اس نے اب تک حج فرض ادا نہیں کیا تو اس کے لئے دوسرے کے واسطے حج بدل پر جانا جائز نہیں مکروہ تحریمی اور گناہ ہے مگر حج بدل کرانے والے کا حج فرض پھر بھی ادا ہو جائے گا۔ (غنیۃ)

مسئلہ ......حج بدل اجرت پر کرانا جائز نہیں حج کرنے پر معاوضہ و اجرت لینا اور دینا دونوں حرام ہیں اگر کسی نے اجرت طے کر کے حج بدل کرا دیا تو کرنے والا اور کرانے والا دونوں گنہگار ہوئے البتہ حج پھر بھی آمر ہی کا ادا ہو جائے گا اور جو اجرت لی ہے وہ واپس کرنا لازم ہوگا صرف مصارف حج اس کو دیئے جائیں گے۔

مسئلہ ......حج بدل پر تمام ضروری مصارف حج کرانے والے کے ذمہ ہیں جس میں آنے جانے کا کرایہ اور زمانہ سفر میں اور قیام حرمین میں کھانے پینے کپڑے دھلوانے وغیرہ کے اخراجات رہنے کے لئے مکان یا خیمہ کا کرایہ وغیرہ سب داخل ہیں اور احرام کے کپڑے اور سفر کے لئے ضروری برتن اور اشیائے ضرورت کی خریداری سب آمر کے ذمہ ہے لیکن کپڑے اور برتن وغیرہ حج سے فارغ ہونے کے بعد آمر یعنی حج کرانے والے کو واپس دینا ہوں گے۔

اسی طرح خرچ کرنے کے بعد اگر کچھ نقد رقم بچ رہی ہو تو بھی واپس کرنا ہوگی

البتہ اگر حج بدل کرانے والا اپنی خوشی سے اسی کو دیدے یا پہلے ہی کہہ دے کہ یہ سامان اور باقی ماندہ رقم تمہارے لئے میری طرف سے ہبہ ہے تو باقی مال کو اپنے خرچ میں لانا درست ہے مگر میت کی طرف سے میت ہی کے ترکہ سے حج بدل کرایا ہو تو ایسی گنجائش دینے کے لئے خود میت کی وصیت ہونا ضروری ہے اور اگر میت کی ایسی وصیت نہ ہو یا وصیت تو ہو مگر وہ وصیت اس کے ترکہ کے ایک تہائی سے زائد ہو تو اب وارثوں کا اس پر رضامند ہونا ضروری ہے۔

مسئلہ...... حج بدل کا سفر آمر یعنی حج کرانے والے کے وطن سے شروع کرایا جائے۔

مسئلہ...... مامور یعنی حج بدل کرنے والے پر لازم ہے کہ احرام باندھنے کے وقت نیت اس شخص کے حج کی کرے جس کی طرف سے حج بدل کر رہا ہے اور بہتر یہ ہے کہ احرام کے ساتھ جو تلبیہ پڑھے اس سے پہلے یہ الفاظ بھی کہے لَبَّيْكَ عَنْ فَلَانٍ۔ فلاں کی جگہ اس کا نام ذکر کرے۔

مسئلہ...... مامور پر لازم ہے کہ آمر یعنی حج کرانے والے کی ہدایات جو حج کے متعلق ہوں ان کے خلاف کوئی کام نہ کرے اگر خلاف کیا تو اس کا حج بدل ادا نہیں ہوگا بلکہ یہ حج خود مامور کی طرف سے ہو جائے گا اور اس پر لازم ہوگا کہ آمر کی جو رقم اس حج پر خرچ کی ہے وہ اس کو واپس کرے۔

مسئلہ...... لہٰذا اگر آمر نے صرف حج کے لئے کہا ہے تو اس پر لازم ہے کہ حج کی تین قسموں میں سے صرف ''افراد'' کرے قران یا تمتع کرنا جائز نہیں اگر کرے گا تو یہ حج آمر کا نہیں ہوگا بلکہ مامور کا اپنا ہو جائے گا اور مصارف حج واپس کرنے پڑیں گے۔

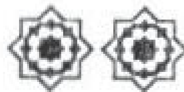
مسئلہ...... اگر حج بدل کرنے والے نے آمر کی ہدایات کے خلاف کیا تو یہ حج اگرچہ مامور کی طرف سے ہو جائے گا مگر اس مامور کا بھی حج فرض ادا نہیں ہوگا بلکہ

یہ نفلی حج ہوگا اگر بعد میں اس کے پاس اتنا مال جمع ہوگیا جو حج کے لئے کافی ہو اور حج فرض ہونے کی باقی شرطیں بھی پائی گئیں تو اس کو اپنا حج فرض پھر ادا کرنا پڑے گا۔

مسئلہ......اگر آمر یعنی حج بدل کرانے والے نے اس کو عام اجازت دیدی کہ تمہیں اختیار ہے میری طرف سے جس قسم کا چاہو حج کرلو خواہ افراد یعنی صرف حج کرلو یا قران یعنی حج وعمرہ دونوں کا ایک ساتھ احرام باندھ لو یا تمتع کرو کہ میقات سے عمرہ کا احرام باندھو پھر عمرہ سے فارغ ہوکر حج کا احرام مکہ مکرمہ سے باندھ کر حج کرلو۔ تو اس صورت میں مامور کے لئے افراد اور قران تو باتفاق جائز ہیں مگر تمتع کے معاملہ میں فقہاء کا اختلاف ہے بہت سے فقہاء اس کو آمر کی اجازت کے باوجود جائز نہیں کہتے ان کے نزدیک تمتع کی صورت میں آمر کا حج ادا نہیں ہوگا اگرچہ اجازت مل جانے کی وجہ سے مامور پر یہ لازم نہ ہوگا کہ مصارف حج واپس کرے مگر آمر کو اپنا حج بدل دوبارہ کرانا ضروری ہوگا اس لئے اس میں بہت احتیاط لازم ہے۔

البتہ چونکہ بہت سے فقہاء نے آمر کی اجازت سے تمتع کرنے کو بھی جائز کہا ہے اس لئے شدید مجبوری تمتع کرنے کی پیش آجائے اور تمتع کرلے تو اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ حج کرانے والے کا فرض ادا ہوجائے گا۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم



دعائے عرفات

وقوف کا اصلی وقت زوال آفتاب سے غروب تک ہے اس وقت افضل واعلیٰ تو یہ ہے کہ قبلہ رخ کھڑا ہوکر مغرب تک وقوف کرے اگر پورے وقت میں کھڑا نہ ہو سکے تو جس قدر کھڑا رہ سکتا ہے کھڑا رہے پھر بیٹھ جائے پھر جب قدرت ہو کھڑا ہو جائے اور سارے وقت میں ذکر اللہ اور تلاوت اور درود شریف اور استغفار وتوبہ میں مشغول رہے درمیان میں بار بار تلبیہ بآواز بلند پڑھتا ہے اور گریہ وزاری کے ساتھ اپنے لئے اور عزیزوں دوستوں کے لئے اور سب مسلمانوں کے لئے دعاء کرتا رہے یہ قبولیت دعا کا خاص وقت ہے۔

وقوف کی دعاؤں میں دعا کی طرح ہاتھ اٹھانا سنت ہے جب تھک جائے ہاتھ چھوڑ کر دعا کرے پھر جب قدرت ہو ہاتھ اٹھائے آنحضرت ﷺ سے روایت ہے کہ آپ نے دست مبارک اٹھا کر تین مرتبہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ کہا اور پھر یہ دعا پڑھی۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ.
اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ بِالْهُدٰى وَنَقِّنِيْ بِالتَّقْوٰى وَاغْفِرْلِيْ فِي الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى.

پھر ہاتھ چھوڑ دیئے اتنی دیر جتنی دیر میں سورۂ فاتحہ پڑھی جا سکے اس کے بعد پھر ہاتھ اٹھا کر وہی کلمات اور وہی دعا پڑھی۔ پھر اتنی دیر ہاتھ چھوڑے رکھے جتنی دیر میں سورۂ فاتحہ پڑھی جا سکے پھر تیسری مرتبہ وہی دعا ہاتھ اٹھا کر پڑھی۔ (زبدۃ المناسک)

اور یہ بھی روایات حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پورا وقت وقوف کا دعا اور ذکر اللہ میں صرف فرمایا مگران دعاؤں اور ذکر اللہ کی کوئی تعیین احادیث

میں مذکور نہیں اس لئے بہتر یہ ہے کہ حزب الاعظم کی پوری دعائیں ترجمہ دیکھ کر سمجھ کر مانگے یہ نہ ہو سکے تو اس سے مختصر مناجات مقبول ہے اس کی پوری دعاؤں کو سمجھ کر خشوع وخضوع کے ساتھ مانگے یہ دونوں کتابیں چھوٹی تقطیع پر چھپی ہوئی ملتی ہیں ساتھ رکھنا مشکل نہیں اور کم از کم جو دعائیں حزب اعظم میں عرفات میں پڑھنے کے لیے لکھی ہیں وہ تو ضرور پڑھ لے اس دعا کے اکثر اجزاء حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں منقول ہیں جس کو تفسیر درمنثور میں بیہقی کے حوالہ سے نقل کیا گیا۔

حدیث:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مسلمان عرفہ کے دن بعد زوال میدان عرفات میں قبلہ رخ ہو کر

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَاشَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ.

(۱۰۰) سو مرتبہ

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوًا اَحَدٌ

پوری سورت سو (۱۰۰) مرتبہ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ وَعَلَيْنَا مَعَهُمْ.

سو مرتبہ پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا اے میرے فرشتو! اس بندہ کی کیا جزاء ہے جس نے میری تسبیح وتہلیل، تکبیر وتعظیم، تعریف وثناء کی اور میرے

رسول پر درود بھیجا اے میرے فرشتو! تم گواہ رہو میں نے اس کو بخش دیا ہے اور اس کی شفاعت قبول کی اور اگر وہ اہل عرفات کے لئے شفاعت کرتا تو بھی میں قبول کرتا

(درمنثور)

اور حزب اعظم میں حدیث مذکور کی تین دعاؤں کے ساتھ سو مرتبہ کلمہ سوم اور سو مرتبہ استغفار کا بھی اضافہ کیا ہے۔ کلمہ سوم یہ ہے۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ۔



ضمیمہ احکام حج

طواف کی دعائیں

جس میں طواف وسعی کے ساتوں چکروں اور مقام ابراہیم، ملتزم اور زمزم وغیرہ پر پڑھنے کی دعائیں، مولانا عاشق الٰہی صاحب بلندشہری کی ''کتاب العمرہ'' سے لے کر شامل کی گئی ہیں ۔

طواف کی دعائیں

طواف خود عبادت ہے اور بہت بڑی عبادت ہے اس میں ذکر اور دعا میں مشغول ہونے سے ثواب میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے طواف میں تیسرا کلمہ یعنی سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآاِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ۔ پڑھنا حدیث سے ثابت ہے اس کی فضیلت وارد ہوئی ہے اور رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ پڑھنا ثابت ہے اس کے علاوہ اور جو چاہے دعا مانگے حضور قلب کے ساتھ دعا کرے اور اصل دعا وہی ہے جو حضور قلب کے ساتھ ہو۔

ہر چکر کے لئے الگ الگ دعائیں جو معروف و مشہور ہیں گو ان میں سے بعض دعائیں حضور سے ثابت ہیں مگر خاص کر طواف کے لئے اور کسی خاص چکر کے لئے ان میں سے کسی دعا کا مخصوص ہونا ثابت نہیں ہے یوں یہ دعائیں اچھی ہیں اور عوام کی آسانی کے لئے بعض حضرات نے ان کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے اگر ان کو پڑھے اور مسنون نہ سمجھے تو ان کا پڑھنا بھی درست ہے ذیل میں ہم وہ دعائیں لکھتے ہیں، حضور قلب ان کے پڑھنے میں بھی ہونا چاہیے اور ان کے معنیٰ اور مطلب کو سمجھ کر پڑھے تو بہت ہی اچھا ہے۔

پہلے چکر کی دعا

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ. وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ط وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ

ﷺ ط اَللّٰھُمَّ اِیْمَانًا م بِکَ وَتَصْدِیْقًا م بِکَلِمَاتِکَ وَوَفَآءً م بِعَھْدِکَ وَاتِّبَاعًا لِّسُنَّةِ نَبِیِّکَ وَحَبِیْبِکَ مُحَمَّدٍ ﷺ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ وَالْمُعَافَاةَ الدَّآئِمَةَ فِی الدِّیْنِ وَالدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَالْفَوْزَ بِالْجَنَّةِ وَالنَّجَاۃَ مِنَ النَّارِ.

اللہ تعالیٰ پاک ہے اور سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں اور اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے اور (گناہوں سے پھرنے کی طاقت) اور عبادت کی طرف راغب ہونے کی) قوت اللہ کی طرف سے ہے جو بزرگی اور عظمت والا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور سلام (نازل ہو) اللہ کے رسول ﷺ پر۔ اے اللہ تجھ پر ایمان لاتے ہوئے اور تیرے کلمات کی تصدیق کرتے ہوئے اور تجھ سے کئے ہوئے عہد کو پورا کرتے ہوئے اور تیرے نبی اور تیرے حبیب ﷺ کی سنت کی پیروی کرتے ہوئے (میں طواف کرتا ہوں) اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں (گناہوں سے) معافی کا اور ہر (بلا سے) سلامتی کا اور (ہر تکلیف سے) دائمی حفاظت کا۔ دین اور دنیا اور آخرت میں اور جنت نصیب ہونے اور دوزخ سے نجات پانے کا۔

رکن یمانی پر پہنچ کر یہ دعا ختم کر دیجئے اور اس سے آگے بڑھتے ہوئے یہ دعا پڑھے۔

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ. وَاَدْخِلْنَا الْجَنَّةَ مَعَ الْاَبْرَارِ ط یَا عَزِیْزُ یَا غَفَّارُ ط یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ ط

اے پروردگار ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھی اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا اور نیک لوگوں کے ساتھ ہمیں جنت میں داخل فرمائے

بڑی عزت والے اے بڑی بخشش والے اے تمام جہانوں کے پالنے والے۔

دوسرے چکر کی دعا

اَللّٰهُمَّ اِنَّ هٰذَاالْبَيْتَ بَيْتُكَ وَالْحَرَمَ حَرَمُكَ وَالْاَمْنَ اَمْنُكَ وَالْعَبْدَ عَبْدُكَ وَاَنَاعَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَهٰذَامُقَامُ الْعَآئِذِبِكَ مِنَ النَّارِ ط فَحَرِّمْ لُحُوْمَنَا وَبَشْرَتَنَاعَلَى النَّارِ ط اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ اِلَيْنَاالْاِيْمَانَ وَزَيِّنْهُ فِيْ قُلُوْبِنَاوَكَرِّهْ اِلَيْنَاالْكُفْرَوَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ وَاجْعَلْنَامِنَ الرَّاشِدِيْنَ ط اَللّٰهُمَّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ ط اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِى الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ.

اے اللہ یہ بے شک تیرا گھر ہے اور یہ حرم تیرا حرم ہے اور (یہاں کا) امن وامان تیرا ہی دیا ہوا ہے اور ہر بندہ تیرا ہی بندہ ہے اور میں تیرا ہی بندہ ہوں اور تیرے ہی بندہ کا بیٹا ہوں اور یہ دوزخ کی آگ سے تیری پناہ پکڑنے والوں کی جگہ ہے سو تو ہمارے گوشت اور کھال کو دوزخ پر حرام فرمادے۔ اے اللہ ہمارے لئے ایمان کو مضبوط بنادے اور ہمارے دلوں میں اس کو مزین کردے اور کفر اور بدکاری اور نافرمانی سے ہمارے دل ہٹا دے اور ہمیں ہدایت پانے والوں میں شامل فرمادے۔ اے اللہ! جس دن تو اپنے بندوں کو دوبارہ زندہ کرکے اٹھائے مجھے عذاب سے بچانا۔ اے اللہ مجھے بغیر حساب کے جنت عطا فرمانا۔

رکن یمانی پر پہنچ کر یہ دعا ختم کر دیجئے اور آگے بڑھتے ہوئے یہ دعا پڑھے۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ. وَاَدْخِلْنَا الْجَنَّةَ مَعَ الْاَبْرَارِ ط یَا عَزِیْزُ یَا غَفَّارُ ط یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ ط

اے پروردگار ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھی اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا اور نیک لوگوں کے ساتھ ہمیں جنت میں داخل فرما اے بڑی عزت والے اے بڑی بخشش والے اے تمام جہانوں کے پالنے والے۔

تیسرے چکر کی دعا

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الشَّکِّ وَالشِّرْکِ وَالشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوْءِ الْاَخْلَاقِ وَسُوْءِ الْمَنْظَرِ وَسُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِی الْمَالِ وَالْاَهْلِ وَالْوَلَدِ ط اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ رِضَاکَ وَالْجَنَّةَ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ سَخَطِکَ وَالنَّارِ ط اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْیَا وَ الْمَمَاتِ ط

اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں (تیرے احکام میں) شک کرنے سے اور تیری ذات وصفات سے میں شرک کرنے سے اور نفاق سے اور برے اخلاق سے اور برے حال سے اور برے انجام سے مال میں اور اہل وعیال میں۔ اے اللہ! میں تجھ سے تیری رضامندی کی بھیک مانگتا ہوں اور جنت کا

سوال کرتا ہوں اور تیری پناہ چاہتا ہوں تیرے غضب سے اور دوزخ سے۔
اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں قبر کی آزمائش سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں زندگی اور موت کی ہر مصیبت سے۔

رکنِ یمانی پر پہنچ کر یہ دعا ختم کر دیجئے اور آگے بڑھتے ہوئے یہ دعا پڑھے۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ. وَاَدْخِلْنَا الْجَنَّةَ مَعَ الْاَبْرَارِ ط یَاعَزِیْزُ یَاغَفَّارُ ط یَارَبَّ الْعَالَمِیْنَ ط

اے پروردگار ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھی اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا اور نیک لوگوں کے ساتھ ہمیں جنت میں داخل فرما، اے بڑی عزت والے اے بڑی بخشش والے اے تمام جہانوں کے پالنے والے۔

چوتھے چکر کی دعا

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا مَّبْرُوْرًا وَّسَعْیًا مَّشْكُوْرًا وَّذَنْبًا مَّغْفُوْرًا وَّعَمَلًا صَالِحًا مَّقْبُوْلًا وَّتِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ط یَاعَالِمَ مَافِی الصُّدُوْرِ اَخْرِجْنِیْ یَااَللّٰهُ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ط اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ وَّالْغَنِیْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَّالْفَوْزَ بِالْجَنَّةِ وَالنَّجَاةَ مِنَ النَّارِ ط رَبِّ قَنِّعْنِیْ بِمَا رَزَقْتَنِیْ وَبَارِكْ لِیْ فِیْمَا اَعْطَیْتَنِیْ وَاخْلُفْ عَلٰی كُلِّ غَائِبَةٍ لِّیْ مِنْكَ بِخَیْرٍ.

اے اللہ بنادے حج کو حج مقبول اور سعی کو مشکور اور گناہوں کو بخشا ہوا اور عمل کو صالح اور مقبول اور تجارت کو بے نقصان اے دلوں کے بھید جاننے والے۔

اے اللہ! مجھے (گناہ کی) اندھیریوں سے (ایمان صالح کی) روشنی کی طرف نکال دے اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیری رحمت کو واجب کر دینے والے اعمال اور ان اسباب کا جو تیری مغفرت کو لازمی بنا دیں اور ہر گناہ سے سلامتی کا اور ہر نیکی سے فائدہ اٹھانے کا اور جنت سے بہرہ ور ہونے کا اور دوزخ سے نجات پانے کا۔ اے میرے پروردگار تو نے جو کچھ مجھے رزق دیا ہے اس میں قناعت عطا کر اور جو نعمتیں مجھے عطا فرمائی ہیں ان میں برکت دے اور میری جو چیزیں میرے سامنے نہیں ہیں تو ان کی حفاظت فرما۔

رکن یمانی پر پہنچ کر یہ دعا ختم کر دیجئے اور آگے بڑھتے ہوئے یہ دعا پڑھے۔

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ. وَاَدْخِلْنَا الْجَنَّةَ مَعَ الْاَبْرَارِ ط يَا عَزِيْزُ يَا غَفَّارُ ط يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ ط

اے پروردگار ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھی اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا اور نیک لوگوں کے ساتھ ہمیں جنت میں داخل فرما اے بڑی عزت والے اے بڑی بخشش والے اے تمام جہانوں کے پالنے والے۔

پانچویں چکر کی دعا

اَللّٰهُمَّ اَظِلَّنِيْ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِكَ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّ عَرْشِكَ وَلَا بَاقِيَ اِلَّا وَجْهُكَ وَاسْقِنِيْ مِنْ حَوْضِ نَبِيِّكَ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ ﷺ شَرْبَةً هَنِيْئَةً مَّرِيْئَةً لَّا نَظْمَاُ بَعْدَهَا اَبَدًا ط اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا سَئَلَكَ مِنْهُ نَبِيُّكَ سَيِّدُنَا مُحَمَّدٌ ﷺ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَكَ مِنْهُ نَبِيُّكَ سَيِّدُنَا مُحَمَّدٌ ﷺ ط اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ الْجَنَّةَ

وَنَعِيْمِهَا وَمَا يُقَرِّبُنِيْ اِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ اَوْ فِعْلٍ اَوْ عَمَلٍ ط وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ النَّارِ وَمَا يُقَرِّبُنِيْ اِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ اَوْ فِعْلٍ اَوْ عَمَلٍ.

اے اللہ جس روز سوائے تیرے عرش کے سایہ کے کہیں سایہ نہ ہوگا اور تیری ذات پاک کے سوا کوئی باقی نہ رہے گا اپنے عرش کے سایہ میں جگہ دینا اور اپنے نبی سیدنا محمد ﷺ کے (حوض کوثر) سے مجھے ایسا خوشگوار اور خوش ذائقہ گھونٹ پلانا کہ اس کے بعد کبھی ہمیں پیاس نہ لگے۔ اے اللہ! میں تجھ سے ان چیزوں کی بھلائی مانگتا ہوں جن کو تیرے نبی سیدنا محمد ﷺ نے تجھ سے طلب کیا اور ان چیزوں کی برائی سے تیری پناہ چاہتا ہوں جن سے تیرے نبی سیدنا محمد ﷺ نے پناہ مانگی۔ اے اللہ! میں تجھ سے جنت اور اس کی نعمتوں کا سوال کرتا ہوں اور ایسے قول یا فعل یا عمل (کی توفیق) کا سوال کرتا ہوں جو مجھے جنت سے قریب کردے اور میں دوزخ سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور ہر اس قول یا فعل یا عمل سے جو مجھے دوزخ کے قریب کردے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

رکن یمانی پر پہنچ کر یہ دعا ختم کردیجئے اور آگے بڑھتے ہوئے یہ دعا پڑھے۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ. وَاَدْخِلْنَا الْجَنَّةَ مَعَ الْاَبْرَارِ ط يَاعَزِيْزُ يَاغَفَّارُ ط يَارَبَّ الْعَالَمِيْنَ ط

اے پروردگار ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھی اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا اور نیک لوگوں کے ساتھ ہمیں جنت میں داخل فرمالے بڑی عزت والے اے بڑی بخشش والے اے تمام جہانوں کے پالنے والے۔

چھٹے چکر کی دعا

اَللّٰھُمَّ اِنَّ لَکَ عَلَیَّ حُقُوْقًا کَثِیْرَۃً فِیْمَا بَیْنِیْ وَبَیْنَکَ وَحُقُوْقًا کَثِیْرَۃً فِیْمَا بَیْنِیْ وَبَیْنَ خَلْقِکَ ط اَللّٰھُمَّ مَا کَانَ لَکَ مِنْھَا فَاغْفِرْہُ لِیْ وَمَا کَانَ لِخَلْقِکَ فَتَحَمَّلْہُ عَنِّیْ وَاَغْنِنِیْ بِحَلَالِکَ عَنْ حَرَامِکَ وَبِطَاعَتِکَ عَنْ مَعْصِیَتِکَ وَبِفَضْلِکَ عَنْ مَّنْ سِوَاکَ یَا وَاسِعَ الْمَغْفِرَۃِ ط اَللّٰھُمَّ اِنَّ بَیْتَکَ عَظِیْمٌ وَّوَجْھَکَ کَرِیْمٌ وَّاَنْتَ یَا اَللّٰہُ حَلِیْمٌ کَرِیْمٌ عَظِیْمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ.

اے اللہ! مجھ پر تیرے بہت حقوق ہیں ان چیزوں سے جو میرے اور تیرے درمیان ہیں اور بہت سے حقوق ہیں ان معاملات میں سے جو میرے اور تیری مخلوق کے درمیان ہیں۔ اے اللہ ان میں سے جن کا تعلق صرف تیری ذات سے ہے ان کی مجھے معافی دے اور جن چیزوں کا تعلق تیری مخلوق سے ہے ان کا تو ذمہ دار بن جا۔ اے اللہ! مجھے رزق حلال عطا فرما، حرام سے بے نیاز فرما دے اور اپنی فرمانبرداری کی توفیق عطا فرما کر نافرمانی سے اور اپنے فضل سے بہرہ مند فرما کر اپنے سوا دوسروں سے مستغنی فرما دے اے وسیع مغفرت والے۔ اے اللہ بے شک تیرا گھر بڑی عظمت والا ہے اور تیری ذات بڑی عظمت والی ہے اور تو اے اللہ بڑا حلم والا ہے بڑا کرم والا ہے اور بڑی عظمت والا ہے تو معافی کو پسند فرماتا ہے سو میری خطاؤں کو معاف فرما دے۔

رکن یمانی پر پہنچ کر یہ دعا ختم کر دیجئے اور آگے بڑھتے ہوئے یہ دعا پڑھے۔

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ. وَاَدْخِلْنَا الْجَنَّۃَ مَعَ الْاَبْرَارِ ط یَا عَزِیْزُ یَا غَفَّارُ ط یَا رَبَّ

الْعَالَمِیْنَ ط

اے پروردگار ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھی اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا اور نیک لوگوں کے ساتھ ہمیں جنت میں داخل فرما اے بڑی عزت والے اے بڑی بخشش والے اے تمام جہانوں کے پالنے والے۔

ساتویں چکر کی دعا

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ اِیْمَانًا کَامِلًا وَّیَقِیْنًا صَادِقًا وَّرِزْقًا وَّاسِعًا وَّقَلْبًا خَاشِعًا وَّلِسَانًا ذَاکِرًا وَّرِزْقًا حَلَالًا طَیِّبًا وَّ تَوْبَةً نَّصُوْحًا وَّتَوْبَةً قَبْلَ الْمَوْتِ وَرَاحَةً عِنْدَ الْمَوْتِ ط وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً بَعْدَ الْمَوْتِ ط وَالْعَفْوَ عِنْدَ الْحِسَابِ ط وَالْفَوْزَ بِالْجَنَّةِ وَالنَّجَاةَ مِنَ النَّارِ ط بِرَحْمَتِکَ یَا عَزِیْزُ یَا غَفَّارُ ط رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ط

اے اللہ! میں تجھ سے کامل ایمان اور سچا یقین اور کشادہ رزق اور عاجزی کرنے والا دل اور تیرا ذکر کرنے والی زبان اور حلال اور پاک روزی اور سچے دل کی توبہ اور موت سے پہلے توبہ اور موت کے وقت کا آرام اور مرنے کے بعد مغفرت اور رحمت اور حساب کے وقت معافی اور جنت کا حصول اور دوزخ سے نجات (یہ سب کچھ میں مانگتا ہوں) تیری رحمت کے وسیلہ سے اے بڑی عزت والے، اے بڑی مغفرت والے۔ اے پروردگار میرے علم میں اضافہ فرما اور مجھے نیک لوگوں میں شامل فرمادے۔

رکن یمانی پر پہنچ کر یہ دعا ختم کر دیجئے اور آگے بڑھتے ہوئے یہ دعا پڑھے۔

رَبَّنَآاٰتِنَافِی الدُّنیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِحَسَنَةً وَّقِنَاعَذَابَ النَّارِ. وَاَدْخِلْنَاالْجَنَّةَ مَعَ الْاَبْرَارِ ط یَاعَزِیْزُیَاغَفَّارُ ط یَارَبَّ الْعَالَمِیْنَ ط

اے پروردگار ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھی اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا اور نیک لوگوں کے ساتھ ہمیں جنت میں داخل فرما اے بڑی عزت والے اے بڑی بخشش والے اے تمام جہانوں کے پالنے والے۔

طواف کرتے ہوئے جب بھی حجر اسود پر آئے تو بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَکْبَرُ کہے اور اسی طرح سے اس کا استلام کرے جس طرح شروع میں کیا تھا یعنی حجر اسود پر دونوں ہاتھ رکھ کر دونوں ہتھیلیوں کے درمیان حجر اسود کو بوسہ دے یہ نہ ہو سکے تو دونوں ہاتھ رکھ کر یا صرف داہنے ہاتھ سے چھو کر ہاتھوں کو بوسہ دے۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو دونوں ہاتھ حجر اسود کی طرف اس طرح اٹھائے کہ دونوں ہتھیلیاں حجر اسود کی طرف ہوں اور ہتھیلی کی پشت اپنی طرف ہو اس کے بعد ہاتھوں کو بوسہ دے۔ جب طواف ختم کر چکے تو اٹھویں مرتبہ بطریق مذکور حجر اسود کا استلام کرے نیز ہر چکر میں رکن یمانی کا بھی دونوں ہاتھوں سے یا سیدھے ہاتھ سے استلام کرے اور اگر استلام کا موقع نہ ہو تو اس کے لئے اشارہ نہ کرے یاد رہے کہ حجر اسود یا رکن یمانی کے استلام میں یا طواف کرتے ہوئے کسی بھی موقع پر دھکا پیل کر کے کسی کو ایذاء نہ دے کیونکہ ایذاء مسلم حرام ہے۔

مقام ابراہیم کے پیچھے طواف کی رکعتیں

ہر طواف کے بعد دو رکعت نماز طواف پڑھنا واجب ہے اس کو واجب الطّواف کہتے ہیں ان دو رکعتوں کو مقام ابراہیم کے پیچھے ادا کرنا افضل ہے مقام

ابراہیم کعبہ شریف کے دروازے کی جانب کعبہ شریف سے چند گز کے فاصلے پر ایک بلوری شیشہ کے اندر رکھا ہوا ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ مقام ابراہیم نمازی اور کعبۃ اللہ کے درمیان آ جائے۔ مقام ابراہیم سے جتنا قریب ہو بہتر ہے اس کا خیال رہے کہ لوگوں کو تکلیف نہ ہو۔

اگر مقام ابراہیم کے قریب جگہ نہ ملے تو کچھ دور بھی پڑھ سکتا ہے بلکہ مسجد حرام میں جس جگہ بھی پڑھ لے دوگانہ ادا ہو جائے گا۔

دو رکعت واجب الطّواف پڑھ کر جو چاہے دعا مانگے بعض اکابر نے مقام ابراہیم کے قریب ذیل کی دعا پڑھنا بتایا ہے اگر چاہے تو اس کو پڑھ لے۔

دوگانہ طواف کے بعد مقام ابراہیم کے پاس کی دعا

اَللّٰهُمَّ اِنَّکَ تَعْلَمُ سِرِّیْ وَعَلَانِیَتِیْ فَاقْبَلْ مَعْذِرَتِیْ وَتَعْلَمُ حَاجَتِیْ فَاَعْطِنِیْ سُؤْلِیْ وَتَعْلَمُ مَافِیْ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ ط اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ اِیْمَانًا یُّبَاشِرُ قَلْبِیْ وَیَقِیْنًا صَادِقًا حَتّٰی اَعْلَمَ اَنَّهٗ لَایُصِیْبُنِیْ اِلَّامَا کَتَبْتَ لِیْ وَرِضَامِنْکَ بِمَا قَسَمْتَ لِیْ اَنْتَ وَلِیِّ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ط تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصَّالِحِیْنَ ط اَللّٰهُمَّ لَاتَدَعْ لَنَافِیْ مُقَامِنَا هٰذَا ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَاهَمًّا اِلَّافَرَّجْتَهٗ وَلَاحَاجَةً مِّنْ حَوَائِجِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ اِلَّاقَضَیْتَهَا وَیَسَّرْتَهَا فَیَسِّرْ اُمُوْرَنَا وَاشْرَحْ صُدُوْرَنَا وَنَوِّرْ قُلُوْبَنَا وَاخْتِمْ

بِالصَّالِحَاتِ اَعْمَالَنَا ط اَللّٰهُمَّ اَحْيِنَا مُسْلِمِيْنَ ط وَتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ط وَاَلْحِقْنَا بِالصَّالِحِيْنَ غَيْرَ خَزَايَا وَلاَ مَفْتُوْنِيْنَ ط اٰمِيْنَ يَارَبَّ الْعٰلَمِيْنَ

اے اللہ تو میری سب چھپی اور کھلی باتیں جانتا ہے لہٰذا میری معذرت قبول فرما اور تو میری حاجت کو جانتا ہے لہٰذا میری خواہش کو پورا فرما اور تو میرے دل کا حال جانتا ہے لہٰذا میرے گناہوں کو معاف فرما۔ اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں ایسا ایمان جو میرے دل میں سما جائے اور ایسا سچا یقین جس کی وجہ سے جان لوں کہ جو تو نے میری تقدیر میں لکھ دیا ہے وہی مجھے پہنچے گا اور تیری طرف سے جو میری قسمت میں مقرر کیا گیا اس پر رضامندی کا سوال کرتا ہوں تو ہی میرا مددگار ہے دنیا اور آخرت میں مجھے اسلام کی حالت میں وفات دے اور نیک لوگوں کے زمرہ میں شامل فرما۔ اے اللہ اس مقدس مقام کی حاضری کے موقع پر کوئی ہمارا گناہ بغیر معاف کئے نہ چھوڑنا اور کوئی پریشانی دور کئے بغیر نہ چھوڑنا اور کوئی حاجت دنیا اور آخرت کی حاجتوں میں سے پوری کئے بغیر اور سہل کئے بغیر نہ چھوڑنا سو ہمارے تمام کام آسان کردے اور ہمارے سینوں کو کھول دے اور ہمارے دلوں کو روشن کردے اور ہمارے عملوں کو نیکیوں کے ساتھ ختم فرما۔ اے اللہ ہمیں اسلام کی حالت میں زندہ رکھ اور حالتِ اسلام میں موت دے اور ہمیں نیک لوگوں میں شامل فرما نہ ہم رسوا ہوں نہ آزمائشوں میں پڑیں۔ آمین اے رب العالمین۔

زمزم پینا

مسجد حرام میں زمزم پینے کو بھی خوب ملتا ہے اور اس کا پینا مستحب ہے اور باعث برکت ہے، جب بھی پیئے خوب ڈٹ کر پیئے اور تین سانس میں پیئے شروع

میں بسم اللہ اور آخر میں الحمد للہ کہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ زمزم پی کر یہ دعا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ عِلْمًا نَّافِعًا وَّرِزْقًا وَّاسِعًا وَّشِفَآءً مِّنْ کُلِّ دَآءٍ.

اے اللہ مجھے علم نافع نصیب فرما اور وسعت اور فراخی کے ساتھ روزی عطا فرما اور ہر بیماری سے شفا دے۔

ملتزم پر پڑھنے کی دعا

کعبہ شریف کے دروازہ اور حجر اسود کے درمیان جو دیوار کا حصہ ہے اس کو ملتزم کہتے ہیں، موقعہ پا کر اس جگہ بھی جائے اور اس جگہ کعبہ شریف کی دیوار پر دونوں ہاتھ سر کے اوپر سیدھے بچھا دے اور اپنا سینہ دیوار سے ملا دے اور رخساروں کو (کبھی داہنا رخسار اور کبھی بایاں رخسار) دیوار پر رکھے اور خوب خشوع وخضوع کے ساتھ دعا مانگے، یہ دعا قبول ہونے کی جگہ ہے۔ تجربہ ہے کہ یہاں جو دعا کی جائے رد نہیں ہوتی بعض بزرگوں سے اس جگہ ذیل کی دعا کرنا منقول ہے۔

اَللّٰهُمَّ یَارَبَّ الْبَیْتِ الْعَتِیْقِ اَعْتِقْ رِقَابَنَا وَرِقَابَ اٰبَآئِنَا وَ اُمَّهَاتِنَا وَاِخْوَانِنَا وَاَوْلَادِنَا مِنَ النَّارِ ط یَاذَا الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ ط وَالْفَضْلِ وَالْمَنِّ وَالْعَطَآءِ وَالْاِحْسَانِ ط اَللّٰهُمَّ اَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِی الْاُمُوْرِ کُلِّهَا وَاَجِرْنَا مِنْ خِزْیِ الدُّنْیَا وَعَذَابِ الْاٰخِرَةِ ط اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ عَبْدُکَ وَابْنُ عَبْدِکَ وَاقِفٌ تَحْتَ بَابِکَ مُلْتَزِمٌ بِاَعْتَابِکَ مُتَذَلِّلٌ بَیْنَ یَدَیْکَ ط اَرْجُوْا رَحْمَتَکَ وَاَخْشٰی

عَذَابِکَ مِنَ النَّارِ یَا قَدِیْمَ الْاِحْسَانِ ط اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ اَنْ تَرْفَعَ ذِکْرِیْ وَتَضَعَ وِزْرِیْ وَتُصْلِحَ اَمْرِیْ وَتُطَھِّرَ قَلْبِیْ وَتُنَوِّرَ لِیْ فِیْ قَبْرِیْ وَتَغْفِرَ لِیْ ذَنْبِیْ وَاَسْئَلُکَ الدَّرَجَاتِ الْعُلٰی مِنَ الْجَنَّةِ اٰمِیْنَ ط

اے اللہ! اے اس قدیم گھر کے مالک ہماری گردنوں کو اور ہمارے باپ دادوں اور ماؤں اور بھائیوں اور اولادوں کی گردنوں کو دوزخ سے آزاد کر دے۔ اے بخشش والے، کرم والے، فضل والے، احسان والے، عطا والے، خوبی کا برتاؤ کرنے والے۔ اے اللہ تمام معاملات میں ہمارا انجام بخیر فرما اور ہمیں دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے محفوظ رکھ۔ اے اللہ میں تیرا بندہ ہوں اور تیرا بندہ زادہ ہوں تیرے (مقدس) گھر کے نیچے کھڑا ہوں تیرے دروازے کی چوکھٹوں سے چمٹا ہوا ہوں تیرے سامنے عاجزی کے ساتھ ہوں تیری رحمت کا طلب گار ہوں اور تیرے دوزخ کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ اے ہمیشہ کے محسن اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میرے ذکر کو بلندی عطا فرما اور میرے گناہوں کو ختم فرما اور میرے کاموں کو درست فرما اور میرے دل کو پاک فرما اور میرے لئے قبر کی روشنی فرما اور میرے گناہ معاف فرما اور میں تجھ سے جنت کے اونچے درجے کی بھیک مانگتا ہوں۔ آمین۔

تمت بالخیر



منهج الخیر فی الحج عن الغیر

حج بدل اور اس کے احکام

تاریخ تالیف ______ رجب ۱۳۹۲ھ (مطابق ۱۹۷۲ء)

مقامِ تالیف ______ دار العلوم کراچی

اس مقالہ کا موضوع نام سے ظاہر ہے، اس کا اصل محرک اس مسئلہ کی تحقیق تھی کہ حج بدل کرنے والا قران یا تمتع کر سکتا ہے یا نہیں؟ پھر ضمناً حجِ بدل سے متعلق دوسرے مسائل بھی اس میں جمع کر دیے گئے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

منهج الخير فی الحج عن الغير

حج بدل اور اس کے احکام

حج بدل کے مسائل سے پہلے ایک اصولی سوال کا جواب سمجھ لیجئے، سوال یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کی طرف سے کوئی عبادت ادا کرسکتا ہے، یا نہیں؟ اس میں یہ تفصیل ہے کہ عبادات کی تین قسمیں ہیں، ایک عبادت بدنی جیسے نماز، روزہ۔ دوسرے عبادت مالی جیسے زکوٰۃ، صدقہ الفطر، تیسرے وہ عبادت جو بدنی اور مالی کا مجموعہ ہے، یعنی اس میں کچھ مال بھی خرچ ہوتا ہے کچھ جسمانی محنت بھی اٹھانی پڑتی ہے، جیسے حج وعمرہ وغیرہ۔

ان تینوں قسم کے احکام یہ ہیں کہ عبادات بدنیہ میں تو ایک کا فرض کوئی دوسرا آدمی مطلقاً ادا نہیں کرسکتا، ایک کی نماز کوئی دوسرا ادا نہیں کرسکتا، ایک کا روزہ دوسرا نہیں رکھ سکتا۔ اور عبادات مالیہ میں مطلقاً ایک کا فرض دوسرا ادا کرسکتا ہے، جس پر زکوٰۃ فرض ہے، وہ کسی کو بھی اپنا وکیل بنا کر زکوٰۃ اس کے ذریعہ ادا کرسکتا ہے، اس کا مسلمان ہونا بھی شرط نہیں، اور کوئی دوسرا آدمی اپنے مال سے دوسرے کی زکوٰۃ فرض اس کی اجازت کے ساتھ ادا کرسکتا ہے، اس میں کوئی شرط نہیں۔

تیسری قسم یعنی وہ عبادت جو مالی اور بدنی سے مرکب ہے، اس کا حکم یہ ہے، کہ خود ادائیگی پر قادر ہونے کی حالت میں تو کوئی دوسرا اس کی طرف سے ادا نہیں کر سکتا، البتہ خود قدرت نہ ہو، تو ضرورت کے وقت دوسرا آدمی اس کا فرض ادا کر سکتا ہے۔ حج اسی قسم میں داخل ہے، کیونکہ اس میں مال بھی خرچ ہوتا ہے، اور محنت بھی، اس تیسری قسم کے لئے کچھ شرائط ہیں، جن کا ذکر آگے آتا ہے۔

مسئلہ: یہ حکم ان فرض اور واجب عبادات کا ہے، جو مالی اور بدنی دونوں عبادات پر مشتمل ہوں، کہ ایک کا فرض دوسرا آدمی ادا کر دے، لیکن نفلی عبادات میں ہر شخص کو اختیار ہے کہ اپنی عبادت کا ثواب جس کو چاہے بخش دے، خواہ عبادت بدنی نماز، روزہ ہو یا مالی صدقات ہوں، یا حج وغیرہ جو دونوں سے مرکب ہیں، وہ ہوں، ہر قسم کی نفلی عبادت کا ثواب ہر آدمی کو حق ہے، کہ جس کو چاہے بخشش کر سکتا ہے، خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ عبادت کرنے کے بعد دل سے نیت کر لے، اور زبان سے کہہ دینا زیادہ بہتر ہے، کہ اس عبادت کا ثواب فلاں شخص کو پہنچے، اس میں یہ بھی اختیار ہے کہ ایک عبادت کا ثواب چند آدمیوں کو پہنچا دے، اہل سنت و الجماعت کا یہی مسلک ہے، کہ جو شخص اپنی عبادت کا ثواب کسی کو بخش دے، تو وہ اس کو پہنچتا ہے، البتہ بعض ائمہ فقہاء کے نزدیک بدنی عبادت کا ثواب کسی دوسرے کو نہیں بخشا جا سکتا، (ہدایہ) اس سے معلوم ہوا، کہ کوئی شخص نفلی طور پر اپنے حج یا عمرہ کا ثواب دوسرے کو بخش دے، تو یہ بھی جائز ہے، اور اس کے لئے کوئی شرط نہیں، جب کہ یہ حج و عمرہ اپنے مال سے کیا ہو، اور اگر آمر اپنا مال اور خرچ دے کر اپنی طرف سے نفلی حج یا عمرہ کرنے کے لئے کسی کو بھیجے، تو اس میں چند شرائط .... ضروری ہیں جن کا ذکر آگے آئے گا۔

حج بدل فرض کے احکام

نفلی حج بدل کے احکام بعد میں بیان کئے جائیں گے۔

مسئلہ: جس شخص پر حج فرض ہو گیا، اور اس نے ادائے حج کا زمانہ بھی پایا، مگر باوجود قدرت کے کسی وجہ سے حج ادا نہ کیا، پھر وہ حج سے معذور اور عاجز ہو گیا، تو اس پر فرض ہے کہ اپنی طرف سے کسی کو بھیج کر خود حج بدل کرائے، یا وصیت کرے کہ میرے بعد میری طرف سے حج کرایا جائے۔

مسئلہ: اگر حج کی مالی استطاعت حاصل ہو جانے کے بعد زمانۂ حج آنے سے پہلے فوت ہو گیا، تو وصیت کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ حج اس کے ذمہ سے ساقط ہو گیا، اسی طرح اگر یہ شخص پہلے ہی سال حج کے لئے روانہ ہو گیا، پھر حج سے پہلے فوت ہو گیا، تو اس کے ذمہ سے بھی حج ساقط ہو گیا، وصیت کی ضرورت نہیں۔ (مناسک ملا علی قاری)

حج سے عاجز و معذور قرار دینے کی شرائط

حج سے عاجز اور معذور ہونے کی ایک صورت تو وہ ہے جو اوپر گذری کہ حج کا موقع پانے سے پہلے انتقال ہو گیا، اس میں تو حج سرے سے ساقط ہی ہو جاتا ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ کسی نے اس کو قید کر لیا، یا زبردستی مکہ معظّمہ جانے سے روک دیا، تیسری یہ کہ کوئی ایسا مرض پیش آ گیا، جس سے صحت کی امید نہیں، مثلاً اپاہج یا نابینا یا لنگڑا ہو گیا، یا بڑھاپے کا ضعف ایسا ہو گیا کہ خود سواری پر سوار نہیں ہو سکتا۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ راستہ مامون نہیں رہا، سفر کرنے میں جان و مال کا اندیشہ ہے۔ پانچویں صورت خاص عورتوں کے لئے یہ ہے کہ کوئی محرم ساتھ کے لئے نہ ملا، ان سب

صورتوں میں اس کو معذور سمجھا جائے گا، بشرطیکہ یہ عذر موت تک مسلسل جاری رہا ہو، اگر یہ اعذار قبل الموت رفع ہو جائیں، مگر پھر خود زمانۂ حج پانے کی صورت میں حج کرنے کی نوبت نہ آئے، تو حج بدل کرانا یا اس کی وصیت کرنا واجب ہے، اور اگر مرنے تک یہ اعذار قائم رہے، تو امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک مشہور روایت کے مطابق وصیت کرنا واجب نہیں، بشرطیکہ عذر سے پہلے زمانۂ حج نہ پایا ہو۔ کیونکہ شرط نہ پانے کی وجہ سے فرض ساقط ہو گیا۔ اور صاحبین کے نزدیک مالی استطاعت تو ایسی شرط ہے کہ اس کے نہ ہونے یا ایام حج آنے سے پہلے ختم ہو جانے کی وجہ سے فرض حج ساقط ہو جاتا ہے۔ باقی شرائط وجوب حج کے لئے نہیں بلکہ ادائے حج کے لئے ہیں۔ ان کے فوت ہو جانے کی وجہ سے فرض ساقط نہیں ہوتا، مگر جب خود ادا کرنے پر قدرت نہ رہے، تو حج بدل کی وصیت کرنا واجب ہے، محقق ابن ہمام وغیرہ نے صاحبین کے مذہب کو ترجیح دی ہے، اس لئے احتیاط ان سب صورتوں میں یہ ہے کہ حج بدل کی وصیت کر جائیں، اور وارث حج بدل کرا دیں۔ (مناسک ملا علی قاری)

حج بدل کی شرائط

یہ شرائط کتب فقہ میں مذکور ہیں، یہاں ملا علی قاری کے مناسک سے لکھی جاتی ہیں، لیکن ترتیب کچھ بضرورت بدل گئی ہے۔ جس شخص کے ذمہ حج فرض ہو یا اس نے بذریعہ نذر (منت) اپنے اوپر حج یا عمرہ کو لازم کر لیا ہو، پھر خود ادا کرنے کی قدرت نہ رہی، جس کی تفصیل اوپر آ چکی ہے، تو ایسے شخص کا حج یا عمرہ بطور بدل ادا کرانے کے لئے بیس شرطیں ہیں ان شرائط میں دو لفظ بار بار آئیں گے، ان کے معنی سمجھ لیجئے، ایک آمر دوسرا مأمور، حج کرانے والے کو آمر کہتے ہیں، اور جو دوسرے کے حکم سے حج بدل کرتا ہے، اس کو مأمور کہتے ہیں۔

پہلی شرط

یہ ہے کہ جس شخص کی طرف سے حج بدل کیا جارہا ہو، اس پر حج بدل کرانے کے وقت حج فرض ہو، اگر اس وقت اس پر حج فرض نہیں تھا، اس حالت میں اپنی طرف سے حج بدل کرادیا، تو یہ نفلی حج ہوا، اگر اس کے بعد اس کو حج کی استطاعت ہو، تو حج فرض ہو گیا، اب دوبارہ حج خود کرنا پڑے گا، خود نہ کرسکا، تو حج بدل دوبارہ کرانا پڑے گا۔

دوسری اور تیسری شرط

دائمی عجز اور حج بدل کرانے سے پہلے عاجز ہونا ہے، یعنی جن اعذار کی وجہ سے انسان کو حج سے عاجز قرار دیا گیا ہے، جس کی تفصیل پہلے بیان ہوچکی ہے، ان اعذار کا موت تک باقی رہنا .... حج بدل کرانے سے پہلے موجود ہونا بھی فرض حج بدل کے لئے شرط ہے، اگر کسی معذور شخص کا حج بدل کرادینے کے بعد عذر رفع ہو گیا، اور حج پر قدرت ہوگئی، مثلاً بیمار تھا اچھا ہو گیا، عورت کو محرم مل گیا، تو دوبارہ خود حج ادا کرنا ضروری ہوگا، اور جو حج بدل پہلے کرایا ہے، وہ نفلی حج ہو جائے گا۔ (مناسک ملا علی)

چوتھی شرط

یہ ہے کہ جس کا حج فرض ادا کرنا ہے، اس کی طرف سے حج بدل کرنے والے کو امر کیا گیا ہو، یا کم از کم اجازت دی گئی ہو، اگر اس کے امر و اجازت کے بغیر کسی شخص نے اس کی طرف سے حج بدل کردیا، تو اس کا فرض ادا نہ ہوگا۔

اس کا مقتضٰی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص جس پر حج فرض تھا، اور اس نے ادا نہیں کیا، اور ادا کرانے کے لئے وصیت بھی نہیں کی، تو کوئی آدمی اگر اس پر احسان کر کے اس کی طرف سے حج بدل کردے، تو اس کا حج فرض ادا نہ ہوگا، لیکن امام اعظم ابو حنیفہؒ

نے ایک حدیث کی بناء پر فرمایا کہ اگر کسی شخص نے اپنے والدین کی طرف سے یا کسی اور وارث یا اجنبی نے اپنے مرنے والے عزیز کی طرف سے بغیر اسکے امر اور وصیت کے ہی حج بدل ادا کر دیا، تو انشاء اللہ اس کا فرض ادا ہو جائے گا، انشاء اللہ اس لئے کہا کہ کسی نص صریح سے اس کا ادا ہو جانا یقینی طور پر ثابت نہیں۔

پانچویں، چھٹی، ساتویں شرط

یہ ہے کہ مأمور یعنی حج کرنے والا، مسلمان ہو، عاقل ہو، مجنون پاگل نہ ہو، اگر نابالغ ہو، تو ممیز ہو، یعنی احکام حج ادا کرنے اور سفر کے انتظام کی تمیز رکھتا ہو۔

مسئلہ: معلوم ہوا کہ مامور کا بالغ ہونا شرط نہیں۔ نابالغ بھی حج بدل کر سکتا ہے، بشرطیکہ اس میں اتنی تمیز اور صلاحیت ہو کہ احکام حج ادا کر لے، یعنی قریب البلوغ ہو، مگر اس میں بعض علماء کا اختلاف ہے، اس لئے احتیاط یہ ہے کہ نابالغ سے حج نہ کرایا جائے۔ (مناسک ملاعلی قاری)

آٹھویں شرط

یہ ہے کہ حج بدل کرنے پر کوئی اجرت و معاوضہ نہ لیا جائے، اگر کسی نے با قاعدہ اجرت طے کر کے کسی سے حج بدل کرایا، تو لینے اور دینے والے دونوں گناہ گار ہوں گے، مگر حج آمر کا ادا ہو جائے گا، اور جو معاوضہ حج پر لیا ہے، وہ واپس کرنا واجب ہو گا، البتہ بقدر اخراجات حج مأمور کو آمر کی طرف سے مال دلایا جائے گا۔

نویں، دسویں شرط

یہ ہے کہ جس شخص کی طرف سے حج بدل کیا جا رہا ہو، اس کے مال سے حج کرے، اور سواری پر کرے، پیادہ نہ ہو، اگر حج بدل کرنے والے نے اپنا مال خرچ کر

کے اس کی طرف سے حج بدل کر دیا، تو اس کا فرض ادا نہیں ہوگا۔ اور شرط یہ ہے اکثر حصہ مصارف حج کا اس کی طرف سے ہو، اگر کچھ تھوڑا مال خود حج بدل کرنے والے نے اپنا بھی خرچ کر لیا، تو مضائقہ نہیں، اسی طرح اگر پیادہ حج کیا، تو آمر یعنی حج کرانے والے کا حج فرض ادا نہیں ہوگا، اس میں بھی اکثر سفر کا سواری پر کرنا کافی ہے، کچھ حصہ سفر کا پیادہ بھی طے کر لیا تو حرج نہیں۔

گیارہویں شرط

یہ ہے کہ آمر یعنی حج کرانے والے کے وطن سے سفر حج شروع کیا جائے، اگر حج کرانے والے کے کئی وطن ہوں، تو اس وطن کا اعتبار ہوگا، جو بہ نسبت دوسرے کے مکہ مکرمہ کی طرف قریب ہو۔

مسئلہ: جو شخص ہندوستان میں فوت ہوا، اور حج بدل کی وصیت کر گیا، مگر بعد میں اس کے اہل و عیال یا جس کو وصیت کی تھی، وہ ہجرت کر کے پاکستان آ گیا، تو وصی پر لازم ہے کہ اس کا حج ہندوستان کے وطن سے کرائے، ہندوستان ہی سے کسی آدمی کو حج بدل کے لئے مامور کر دے، لیکن اگر وہاں سے کسی کو حج بدل کے لئے بھیجنے پر قدرت نہ ہو، خواہ اس وجہ سے کہ رقم وہاں بھیجنا مشکل ہو جائے یا وہاں سے کسی آدمی کا بھیجنا قدرت میں نہ ہو، تو پاکستان ہی میں اس جگہ سے جہاں وصی ہجرت کر کے آیا ہے، کسی کو حج بدل کے لئے بھیج دے، تو امید ہے کہ انشاء اللہ اس کا حج فرض ادا ہو جائے گا۔ یہ مسئلہ صراحۃً کتب فقہ میں موجود نہیں ہے، مگر اس کی ایک نظیر یہ موجود ہے، کہ میت کا مال اگر اس کے وطن سے حج کرانے کے لئے کافی نہ ہو، تو جس جگہ سے کافی ہو، وہاں سے حج کرا دینے کی اجازت ہے، اس صورت میں بھی آمر کے وطن سے حج کرنے پر قدرت نہ رہی، تو جہاں سے قدرت ہے، وہیں سے حج کرا دینا انشاء اللہ کافی ہوگا۔

بارہویں شرط

یہ ہے کہ مامور یعنی حج بدل کرنے والا احرام باندھنے کے وقت حج کی نیت آمر یعنی حج کرانے والے کی طرف سے کرے، اگر احرام کے وقت نیت نہیں کی، تو امام اعظم کے نزدیک افعال حج شروع کرنے سے پہلے پہلے نیت کرلے لہٰذا حج بدل کرنے والے کے لئے بہتر یہ ہے کہ احرام کے وقت زبان سے کہے کہ میں فلاں شخص کی طرف سے حج کی نیت کرتا ہوں، اور پھر جب تلبیہ کہے، تو اس میں یہ الفاظ کہے، لبیک عن فلانٍ، لفظ فلاں کی جگہ اس کا نام لے، اگر نام یاد نہ رہے، تو صرف اتنا کہہ دے، کہ جس نے مجھے حج بدل کے لئے بھیجا ہے، اس کی طرف سے حج کی نیت کرتا ہوں، اور لبیک عن الآمر کہہ دے، اور اگر زبان سے کچھ بھی نہ کہے، صرف دل سے نیت آمر کے حج کی کرے، تو یہ بھی کافی ہے، اگر احرام باندھنے کے وقت مطلق حج کی نیت کرلی، اپنی یا دوسرے کی کوئی نیت نہیں کی، تو افعال حج شروع کرنے سے پہلے آمر کی طرف سے نیت کرلینا کافی ہوجائے گا۔

تیرہویں اور چودہویں شرط

یہ ہے کہ مامور یعنی جس کو حج بدل کے لئے کہا گیا ہے وہ خود ہی اس کی طرف سے حج بدل کرے، کسی دوسرے سے بغیر اجازت آمر کے کرانا جائز نہیں، اگر بغیر اجازت سے کسی کو بھیجا، تو وہ حج مامور کا ہوجائے گا، آمر کا نہیں ہوگا، اور اس کو آمر کی رقم واپس کرنا پڑے گی۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ مامور کو اجازت عام دے دی جائے کہ وہ کسی وجہ سے خود نہ کرسکے، تو دوسرے سے کرادے۔

اسی طرح اگر مرنے والے نے حج بدل کی وصیت میں کسی خاص شخص کو معین کر کے کہہ دیا کہ اس کے سوا میرا حج بدل کوئی اور نہ کرے، تو کسی دوسرے سے اس کا حج

بدل کرانا جائز نہیں، اور اگر معین تو کیا، مگر دوسرے کی نفی نہیں کی، یعنی صرف اتنا کہا کہ میرا حج بدل فلاں سے کرادیں، اس صورت میں بہتر تو یہی ہے کہ اسی معین شخص سے حج کرائیں، ہاں اگر وہ انکار کردے، یا کسی وجہ سے معذور ہو جائے، تو دوسرے سے کرا سکتے ہیں، اس کے انکار اور معذوری کے بغیر بھی اگر وصی نے کسی اور کو بھیج دیا، تو حج فرض آمر کا ادا ہو جائے گا۔

مسئلہ: اگر وصیت کرنے والے نے صرف اتنا کہا کہ میری طرف سے حج بدل کرادیا جائے، اور کسی کو وصی مقرر نہیں کیا، تو سب وارث جمع ہو کر باہم مشورے سے کسی کو بھی حج بدل کے لئے بھیج سکتے ہیں، حج فرض آمر کا ادا ہو جائے گا۔

(مناسک ملاعلی قاری)

پندرہویں اور سولھویں شرط

یہ ہے کہ مامور حج کو فاسد نہ کرے، اور فوت بھی نہ کرے، فاسد ہونے کی صورت یہ ہے کہ وقوف عرفات سے پہلے جماع کرلے، اور فوت کرنے کی صورت یہ ہے کہ احرام کے باوجود عرفات کا وقوف نہ کرے، اگر فاسد کردیا یا فوت کردیا، تو آمر کا حج ادا نہیں ہوا، اور فاسد کرنے والے پر واجب ہوگا، کہ آمر کی رقم جتنی اس نے حج بدل کے لئے دی تھی، واپس کرے، اور آئندہ سال اپنے مال سے حج کی قضا کرے، یہ قضا بھی اسی مامور کی طرف سے ہوگی، آمر کی طرف سے نہیں ہوگی، آمر کو اپنا حج بدل الگ کرانا ہوگا۔

اور فوت ہونے کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ اپنی غفلت وکوتاہی سے ارکان حج ادا نہیں کئے، اس صورت میں اس کو بھی آمر کی رقم کا ضمان دینا پڑیگا۔ اور اپنے فوت شدہ حج کی قضا اپنے مال سے الگ کرنا ہوگی، اس قضا سے بھی آمر کا حج فرض ساقط نہیں ہوگا، اور خود مامور کا بھی حج فرض اس سے ادا نہیں ہوگا، اگر بعد میں اس کو حج پر

قدرت ہوگئی، تو اپنا فرض الگ ادا کرنا پڑے گا، دوسری صورت یہ ہے کہ کسی آسمانی آفت بیماری یا قید ہو جانے، وغیرہ کے سبب ارکان حج کی ادائیگی سے معذور ہو گیا، اس صورت میں اس پر لازم ہے کہ اگلے سال اس کی قضا کر لے، اور آمر کو کوئی ضمان دینا نہیں پڑے گا، مگر اگلے سال جو قضا کرے گا، اس سے آمر کا حج ادا ہو سکتا ہے، اگر آمر اس کو حکم کرے، اور یہ قضا میں آمر کی نیت کرے۔

سترہویں اور اٹھارہویں شرط

یہ ہے کہ مامور صرف ایک حج کا احرام باندھے ایسا نہ کرے، کہ بیک وقت دو حج کی نیت کر کے احرام باندھے ایک اپنا ایک آمر کا، اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ ایک ہی شخص کی طرف سے احرام باندھے، ایسا نہ کرے کہ دو آدمیوں کے حج کی نیت کرے، اور دونوں کے لئے احرام باندھے۔

انیسویں شرط

یہ ہے کہ مامور یعنی حج بدل کرنے والا، آمر یعنی حج کرانے والے کے میقات سے احرام باندھے، یعنی اس کے وطن سے مکہ معظّمہ جاتے ہوئے جو میقات آتا ہے، اس سے احرام حج بدل کا باندھے۔ جیسے ہند و پاکستان والوں کے لئے بحری جہاز سے سفر کرنے میں یلملم ہے، اگر مامور نے یہاں سے احرام عمرہ کا باندھا، عمرہ ادا کر کے مکہ معظّمہ سے احرام حج کا باندھا جیسا کہ حج تمتع کا قاعدہ ہے تو چونکہ حج میقات آمر سے نہیں ہوا، اس لئے آمر کا حج ادا نہ ہوا، خود مامور کا ہو گیا، اس پر لازم ہے کہ آمر کی دی ہوئی رقم اس کو واپس کرے، اسکی مزید تفصیل آگے آئے گی۔

بیسویں شرط

یہ ہے کہ مامور آمر کی مخالفت نہ کرے، مثلاً آمر نے اس کو حج افراد کرنے کے

لئے کہا تھا، اگر اس نے حج کے ساتھ عمرہ بھی ملا کر قران کرلیا، تو آمر کا حج ادا نہ ہوگا، مامور پر ضمان آئے گا کہ آمر کی رقم واپس کرے، یہ حکم اس صورت میں تو متفق علیہ ہے، جب کہ اس نے عمرہ کی نیت اپنی طرف سے اور حج کی نیت آمر کی طرف سے کی ہو، اور اگر عمرہ بھی آمر کی طرف سے کیا حج بھی، تو اس میں امام اعظمؒ کا قول تو یہی ہے کہ مخالفت آمر کی وجہ سے یہ حج آمر کا نہیں مامور کا ہوگیا، اس پر ضمان لازم ہوگا، مگر صاحبین کے نزدیک آمر کا حج اس سے ادا ہوجائے گا۔ (مناسک ملا علی قاری)

امام اعظم کے نزدیک چونکہ اس حکم کا مدار مخالفت آمر پر ہے، اس لئے اگر آمر نے خود ہی اجازت قران کی دے دی ہے، تو مقتضائے کلام یہ ہے کہ باتفاق حج آمر کا ادا ہوجائے گا، یہ حکم قران کا ہے، اگر مامور نے عمرہ کا اضافہ بصورت تمتع کرلیا، کہ میقات آمر سے صرف عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ کرلیا، پھر مکہ مکرمہ سے احرام حج کا باندھا، تو امام صاحب اور صاحبین دونوں کے نزدیک آمر کا حج ادا نہیں ہوا، مامور پر ضمان واجب ہے۔ (کما یظہر من البحر والفتح) اس مسئلے کی تفصیل آگے آئے گی۔

خلاصۂ شرائط

شرائط مذکور میں چار شرائط تو آمر یعنی حج کرانے والے کی ذات سے متعلق ہیں۔

(۱) اس کا مسلمان ہونا، اور اس پر حج فرض ہونا، اور خود قادر نہ ہونا

(۲) اس کے عجز کا دائمی ہونا۔

(۳) حج بدل کرانے سے پہلے عاجز ہونا۔

(۴) حج بدل کے لئے کسی کو خود مامور کرنا یا اس کے لئے وصیت کرنا، اور چار شرائط مامور کی ذات سے متعلق ہیں،

(۵) مسلمان ہونا،

(۶) عاقل ہونا۔

(۷) اگر نابالغ ہو، تو ممیز قریب البلوغ ہونا،

(۸) حج بدل کی کوئی اجرت و معاوضہ نہ لینا، باقی شرائط افعال حج سے متعلق ہیں کہ

(۹) حج بدل کرنے میں اکثر مال حج کرانے والے آمر کا خرچ کرے، کچھ تھوڑا اپنی طرف سے بھی خرچ کردے، تو مضائقہ نہیں۔

(۱۰) اکثر حصہ سفر کا سواری سے طے کرے، پیادہ حج کرے، تو آمر کا حج نہیں ہوگا۔

(۱۱) آمر کے وطن سے سفر شروع کرے،

(۱۲) حج کو فاسد نہ کرے،

(۱۳) آمر ہی کی طرف سے نیت حج کی بوقت احرام کرے۔

(۱۴) فوت بھی نہ کرے۔

(۱۵) آمر کی مخالفت نہ کرے، باقی پانچ شرطوں کا تعلق اسی شرط مخالفت سے ہے، وہ درحقیقت الگ شرط نہیں۔

یہ سب شرائط فرض حج بدل کے لئے ہیں

حج نفل اور عمرہ نفلی کے لئے اگر مامور اپنے مال سے تبرعاً و احساناً کرتا ہے، تو کوئی شرط نہیں اور مال آمر کا خرچ کرتا ہے، تو پہلی تین شرطیں جو آمر کی ذات سے متعلق ہیں وہ نہیں رہیں گی، باقی شرائط بدستور رہیں گی۔ (غنیۃ الناسک)

مسئلہ: شرائط مذکورہ کے مطابق حج فرض جس کی طرف سے کیا گیا، صحیح اور راجح فقہاء کے نزدیک یہی ہے کہ یہ حج و عمرہ آمر یعنی حج کرانے والے کا ہوگا، اور حج و عمرہ کرنے والے کو اس کی امداد کرنے کا ثواب ملے گا، اور حج کے بعد زائد عمرے یا طواف وغیرہ کرے گا، تو وہ خود اس کے ہوں گے، عمرہ یا حج نفل میں بھی جب کہ آمر کے خرچ سے کیا گیا ہو یہی حکم ہے کہ آمر کا ہوگا، مامور کو اس کے عمل کا ثواب ملے گا۔

(کذا فی کافی الحاکم، ارشاد الساری وغنیۃ)

البتہ اگر نفلی حج یا عمرہ کسی نے اپنے خرچ سے کیا، اور کرنے کے بعد کسی کو ثواب پہنچا دیا تو یہ حج و عمرہ خود کرنے والے کا ہوگا، اور جس شخص کو ثواب پہنچایا ہے، اس کو ثواب ملے گا۔ (غنیۃ)

مسئلہ: جس شخص نے اپنا حج فرض ادا کرلیا ہے، اس کے لئے نفلی حج کرنے سے بہتر اور افضل یہ ہے کہ کسی دوسرے کی طرف سے فرض کا حج بدل کرے، حدیث میں ہے جو شخص کسی دوسرے کی طرف سے حج بدل کرتا ہے، اس کو سات حجوں کا ثواب ملتا ہے۔ (غنیۃ)

جس نے اپنا حج نہیں کیا اس سے حج کرانا

افضل اور بہتر تو سب کے نزدیک یہی ہے کہ حج فرض کا بدل اس شخص سے کرایا جائے، جو اپنا حج فرض ادا کر چکا ہو، اور جس نے اپنا حج ادا نہیں کیا اگر وہ ایسا ہے، کہ اس پر حج فرض ہی نہیں، تو اس کا حج بدل کے لئے امر کرنا جائز ہے، مگر مکروہ تنزیہی یعنی خلاف اولیٰ ہے، اور اگر اس شخص کے ذمہ خود حج فرض ہے، اور وہ ابھی ادا نہیں کیا، اس حالت میں دوسرا کوئی اس کو اپنے حج بدل کے لئے بھیجے، تو بھیجنے والے کے لئے مکروہ تحریمی اور ناجائز ہے، کیونکہ اس کے ذمہ لازم ہے، کہ جب اس کو حج کی سہولت میسر آجائے، تو اپنا حج فرض ادا کرے۔ (غنیۃ)

مسئلہ: جس شخص پر پہلے سے حج فرض نہیں تھا اگر یہ کسی دوسرے کی طرف سے حج بدل پر چلا گیا، اور اسی کی طرف سے احرام باندھ کر مکہ معظّمہ میں داخل ہوا، تو بیت اللہ کے پاس پہنچنے سے اس کے ذمہ اپنا حج فرض نہیں ہوگا، کیونکہ وہ اس حالت میں مکہ مکرمہ پہنچا ہے، کہ دوسرے کی طرف سے احرام باندھنے کی بناء پر اپنا حج کرنے پر اس کو قدرت نہیں اور واپسی کے بعد غریب ہونے کی بناء پر دوبارہ جانے کی قدرت نہیں۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اگرچہ اس کے ذمہ پہلے سے حج فرض نہیں

تھا، مگر بیت اللہ کو دیکھنے سے اس پر حج فرض ہو گیا، اس لئے اس پر لازم ہے کہ سال بھر وہیں ٹھہرے اور اگلے سال اپنا حج کر کے واپس آئے۔ (غنیۃ)

آج کل چونکہ نہ قیام طویل اختیار میں ہے، نہ اس کے وسائل اختیار میں، اس لئے پہلے قول پر عمل کیا جا سکتا ہے، بحیثیت دلیل بھی وہ ہی راجح معلوم ہوتا ہے۔

آمر کے وطن سے حج بدل کرنے کا مسئلہ

جو اوپر شرائط میں مذکور ہے یہ اس وقت ہے، جب کہ وصیت کرنے والے کے کل مال کا ایک تہائی اتنا ہو کہ اس کے وطن سے حج کرایا جا سکے، اور اگر تہائی مال میں یہ گنجائش نہ ہو، اور وارث تہائی سے زائد خرچ کرنے کے لئے راضی نہیں، تو ایک تہائی مال میں جس جگہ سے حج کرایا جا سکتا ہے، کرا دیا جائے۔ (غنیۃ، ملا علی)

مسئلہ: اسی طرح اگر مرنے والے نے خود اپنے وطن کے علاوہ کسی دوسری جگہ سے حج بدل کرنے کی وصیت کر دی، تو وصی اسی جگہ سے حج کرائے۔

حج بدل میں قران اور تمتع

حج بدل کرنے والا اگر آمر کی اجازت کے بغیر قران کرے، اس طرح کہ عمرہ اپنی طرف سے اور حج آمر کی طرف سے کرے، تو باتفاق فقہاء یہ حج آمر کا ادا نہیں ہو گا، خود مامور کا ہو جائے گا، اور مامور پر نفقہ حج کا ضمان عائد ہو گا، اور اگر عمرہ کی نیت بھی آمر کے لئے کی، اور حج کی بھی تو امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ بھی جائز نہیں، اور اس صورت میں حج آمر کا نہیں ہو گا، مامور پر ضمان واجب ہو گا۔ مگر صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک استحساناً حج آمر کا ادا ہو جائے گا۔ یہ مسئلہ اور وجہ اختلاف کی مبسوط شمس الائمہ سرخسی میں بعبارت ذیل مذکور ہیں:

۱ :......"ولو قرن مع الحج عمرة كان مخالفاً ضامناً للنفقة عند ابى حنيفةؒ و عندهما لايصير مخالفا استحسانا لانه اتى بالمامور به و زاد علبه ما يجانسه فلا يصير مخالفا كالوكيل بالبيع اذا باع باكثر مما سمّیٰ له من جنسه و أبو حنيفه يقول هو مامور بانفاق المال فى سفر مجرد للحج و سفره هذا ما تفرد بل للحج و العمرة جميعاً فكان مخالفا كما لو تمتع ولا ولاية عليه للحاج فى اداء نسک عنه الا بقدر ما امره الاترى انه لو لم يامره بشئ لم يجز ادائه عنه فكذالک اذالم يامره بالعمرة فاذا لم تكن عمرته عن الميت صار كانه نوى العمرة عن نفسه و هناک يصير مخالفا (ثم قال بعد ذالک) ثم دم القران عندهما على الحاج من مال نفسه و كذالک عند ابى حنيفة اذا كان مأمورا بالقران من جهة الميت حتى لم يصر مخالفاً لان دم القران للنسک و سائر المناسک عليه ثم قال بعد ذالک."

۲ :...... "واذا كان امر بالحج فبدأ و اعتمر فى اشهر الحج ثم حج من مكة كان مخالفاً فى قولهم جميعاً لانه مامور بان يحج عن الميت من الميقات و المتمتع يحج من جوف مكة فكان هذا غير ما أمر به و لانه مامور بالانفاق فى سفر يعمل فيه للميت و انما انفق فى سفر كان عاملاً فيه لنفسه لان سفره انما كان للعمرة و هو فى العمرة عامل لنفسه."

مبسوط کی عبارت مذکورہ سے چند امور ثابت ہوئے، اول یہ کہ حج بدل میں قران وتمتع دونوں کے ناجائز ہونے اور آمر کا حج ادا نہ ہونے کی علت باتفاق ائمہ مخالفت حکم آمر کی ہے، اور تمتع میں حج کا میقاتی نہ رہنا بھی فی نفسہ علت عدم جواز نہیں، بلکہ وہ بھی مخالفت آمر ہی کی بنیاد پر ممنوع ہے، جیسا کہ عبارت نمبر۱،۲ سے واضح ہے۔

دوسرے یہ کہ صاحبین نے اس مخالفت کو قران کی حد تک تو استحسانا جائز قرار دے دیا، مگر تمتع میں مخالفت دوہری ہوگئی، ایک حج کے ساتھ بلا اجازت عمرہ کا شامل کرنا، دوسرے امر حج کے میقاتی کرنے کا تھا، اس صورت میں وہ حج مکی ہوگیا، اس لئے اس مخالفت کو انہوں نے بھی جائز نہیں سمجھا، اور حکم یہ دیا کہ آمر کا حج اس سے ادا نہیں ہوا، مامور پر ضمان آئے گا۔

تیسری بات اس سے یہ نکل آئی کہ جب عدم جواز کی علت مخالفت آمر ہوئی، تو اجازت آمر کے ساتھ قران اور تمتع دونوں جائز ہوجانے چاہییں۔ چنانچہ باجازت آمر قران جائز ہونے کی تصریح عبارت نمبر۲ میں آئی ہے، اسی طرح ہدایہ میں بھی باجازت آمر قران جائز ہونے کی تصریح ان الفاظ میں آئی ہے:

”فان امره غيره ان يقرن عنه فالدم على من احرم فانه وجب شكرا لما وفقه الله تعالىٰ من الجمع بين النسكين و المامور هو المختص بهذه النعمة لان حقيقة الفعل منه.“

مبسوط اور ہدایہ کی دونوں تصریحات میں ذکر صرف قران کا کیا گیا ہے، حالانکہ مدار اجازت جب آمر کی اجازت پر ٹھہرا، تو مقتضا اس کا یہ ہے کہ قران ہو یا تمتع، جب باذن آمر ہو، تو دونوں جائز ہونے چاہییں، اسی لئے مبسوط کی مذکورالصدر بحث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

"و أراد بالقِران الجمع بين النسكين قرانا كان او تمتعاً كما صرح به في غاية البيان لكن بالاذن المتقدم ."

جس کا حاصل یہ ہے کہ جب آمر کی طرف سے اجازت ہو، تو قران وتمتع دونوں جائز ہیں، اور حج وعمرہ آمر ہی کی طرف سے ہوگا۔

فتاویٰ قاضی خان میں امام ابوبکر محمد بن الفضل سے بھی جو کلام نقل کیا ہے، اس کا ظاہر یہی ہے کہ آمر کی اجازت سے حج کی تینوں قسمیں افراد، قران، تمتع سب جائز ہیں، بلکہ ان کی ہدایت یہ ہے کہ آمر کو چاہیے کہ مامور کو عام اجازت دے دے، تاکہ اس کو عمل میں تنگی اور دشواری پیش نہ آئے، ان کے الفاظ یہ ہیں:

"قال الشيخ الامام ابو بكر محمد بن الفضل رحمه الله تعالىٰ اذا أمر غيره بان يحج عنه فينبغي ان يفوض الامر الى المامور فيقول حج عني بهذا المال كيف شئت ان شئت حجة و ان شئت حجة و عمرة و ان شئت قرانا والباقي من المال لك وصية كيلا يضيق الامر على الحاج و لا يجب رد ما فضل على الورثة ."

(قاضی خان بر حاشیہ عالمگیری طبع مصر ص: ۳۰۷، ج: ۱)

منسک علامہ سندی مسمی لباب میں قاضی خان کی مذکورہ عبارت کا یہی مفہوم قرار دے کر لکھا ہے:

"و ينبغي للأمر ان يفوض الامرَ الى المامور فيقول حج عني كيف شئت مفردا او متمتعاً."

(ارشاد الساری، مناسک ملا علی قاری ص: ۳۰۴)

لیکن ملا علیؒ نے منسک سندی کی شرح میں لباب کے اس قول کو سہو قرار دیا اور

اس کے قول متمتعاً پر فرمایا:

"فیہ ان ھذا القید سھو ظاھر اذا التفویض المذکور فی کلام المشائخ مقید بالافراد و القران لا غیر (ثم قال) و اما فی قاضی خان من التخییر بحجۃ او عمرۃ و حجۃ او بالقران فلا دلالۃ لہ علی جواز التمتع اذا لوافی و حجۃ لا تفید الترتیب فتحمل علی حج و عمرۃ بان یحج اولاً ثم یاتی بعمرۃ لہ ایضاً فتدبر فانہ موضع خطر."

مگر علامہ حسین بن محمد سعید عبدالغنی نے عبارت مذکورہ کے حاشیہ میں اس کو سہو قرار دینے کی تردید ان الفاظ میں فرمائی ہے:

"قولہ فیہ ان ھذا القید سھو ظاھر قال القاضی عبد فی شرحہ لھذا لکتاب (یعنی اللباب) و لا یخفی ان ھذا سھو منہ (یعنی علی القاری) لان المیت لوامرہ بالتمتع فتمتع المامور صح و لا یکون مخالفا بلا خلاف بین الائمۃ الاسلاف کذا فی الحباب."

(ارشاد الساری ص:۳۰۴)

امام ابوبکر بن الفضل کے قول بروایت قاضی خان میں تخییر کے لئے تین لفظ استعمال ہوئے، اول بحجۃ جس کے معنی افراد ہیں اور آخر میں قراناً ہے، اس سے پہلے بحجۃ و عمرۃ ہے، اس میں غور کرنے سے یہ تو ظاہر ہے کہ اگر تخییر صرف افراد اور قران کی مقصود ہوتی تو یہ تیسرا لفظ بحجۃ و عمرۃ فضول و بے معنی ہو جاتا ہے، مگر اس کو جواز تمتع کی تصریح بھی اس لئے نہیں کہا جا سکتا، کہ حجۃ کو مقدم، عمرۃ کو موخر کر کے لکھا ہے، جو تمتع کی ترتیب کے خلاف ہے۔

لیکن غنیۃ الناسک جو درحقیقت علامہ سندھی کے متن لباب ہی کی تشریح و تلخیص ہے، اس میں حجۃ وعمرۃ کے لفظ کی ایک دوسری تشریح کر کے باذن آمر اجازت کو صرف قران کے لئے مخصوص فرمایا، اور تمتع کی اجازت کو تسلیم نہیں کیا، ان کی عبارات حسب ذیل ہیں:

"فاذا وقع الاذن بخلافه كما لو امره بالقران جاز لانه قد أتىٰ بما أمر به و لا يصير مخالفا باحرامه من مكة للاذن به دلالة و كذا لو أمره بالتمتع على القول بجواز النيابة فيه كما سيأتى." (ص: ۱۷۹)

اس کے بعد فصل نفقہ میں فتاویٰ خانیہ سے امام ابوبکر بن الفضل کا مذکور الصدر نقل کر کے فرمایا:

"وقوله ان شئت حجة و عمرة بتقديم الحجة كما فى النسخ الصحيحة بان يحج عنه اولاً ثم يأتى بعمرة له ايضاً فيكون افراداً بهما، و هكذا فى الكبير لكنه قال فيقول حج عنى بهذا كيف شئت ان شئت حجة و ان شئت فاقرن والباقى الخ فالتقييد بهما مع ان التمتع اسهل و انسب بالتفويض يدل على ان المتمتع لا يجوز عن الأمر و ان كان بامره ، ثم سكوتهم عن دم المتمتع حيث قالوا و دم القران على المامور يؤيد ذالک (الى قوله) ولكن مازاد فى اللباب يوافقه ما فى البحر و غيره من جواز المتمتع حق الأمر اذا كان بامره كما سياتى عنقريب (و قال لقد ذالک) و دم الرفض على الحاج و

ان كان الحج يقع عن الآمر في القران و اما في المتمتع التمتع فلو امره بالتمتع فتمتع عنه فالحج يقع عن المامور لا عن الآمر على ما مر من المشائخ فاولىٰ ان يكون الدم عليه ." (غنية ۱۸۴ تا ۱۸۵)

خلاصۂ تحقیق

حضراتِ فقہاء کی مذکورہ بالا بحث وتحقیق میں غور کرنے سے حاصل یہ معلوم ہوتا ہے، کہ آئمہ مذہب کی تصریحات مندرجہ مبسوط وغیرہ سے حج بدل میں قران وتمتع دونوں کے عدم جواز کی علت مخالفت آمر کو قرار دیا ہے، اور درصورت تمتع حج کا آفاق امر کے بجائے مکہ مکرمہ سے ہوجانے کو بھی اسی علت پر مبنی کیا ہے، کہ اس میں آمر کی مخالفت ہے۔

اس کا مفہوم ظاہر یہی نکلتا ہے، کہ جب یہ علت ممانعت یعنی مخالفت آمر نہ رہے، آمر اجازت دے دے، تو قران وتمتع دونوں جائز ہونے چاہئیں۔

اور فی نفسہ نیابت کے معاملہ پر غور کیا جائے، تو مقتضائے اصل یہی معلوم ہوتا ہے کہ اصیل یعنی آمر اگر خود اپنا حج ادا کرتا تو اس کو حج کی تینوں قسموں میں جس کو چاہے، اختیار کرنے کا حق تھا کہ افراد کرے یا قران یا تمتع، جب حالت عذر میں شریعت نے اس کو اپنے نائب کے ذریعہ حج فرض ادا کرنے کی اجازت دے دی، تو اس کو یہ حق مل گیا، کہ جن تین قسموں کا اس کو اختیار حاصل تھا، وہ اختیار اپنے نائب کو سپرد کردے، اور باذن آمر نائب یعنی مامور کے لئے بھی تینوں قسمیں جائز قرار دی جائیں، اجازت آمر سے صرف قران جائز ہوسکے، تمتع جائز نہ ہو اس کی کوئی فقہی وجہ باقی نہیں رہتی، قران وتمتع میں فرق کی ایک ہی وجہ ہوسکتی تھی، کہ قران میں حج وعمرہ

دونوں میقات آمر سے ہو رہے ہیں، تمتع میں حج میقات آمر سے نہیں رہتا، مگر اوپر مبسوط کی تصریح سے ثابت ہو چکا ہے، کہ حج کا آفاقی ہونا کوئی اصلی شرط نہیں۔

اس کو شرط اس لئے کہا گیا ہے، کہ عادتاً آمر مامور کو اپنے میقات سے احرام باندھنے کے لئے کہتا ہے، اس کے خلاف کرنے میں آمر کی مخالفت ہوتی ہے، جب یہ مخالفت آمر کی علت رفع ہو گئی، تو تمتع میں حج کے میقاتی نہ ہونے کو علت عدم جواز نہیں کہا جا سکتا۔

خصوصاً جب کہ میقاتی ہونے کی شرط خود اصیل یعنی آمر میں بھی عائد نہیں ہے، وہ اگر کسی ضرورت سے سفر کر کے مکہ مکرمہ پہنچ جائے، اور وہیں سے اپنا حج فرض ادا کرے، تو باتفاق جائز ہے، تو اس کے نائب پر حج کے میقاتی ہونے کی پابندی صرف امر آمر کی اتباع ہی کی بناء پر عائد ہو سکتی ہے، جب وہ خود حج کے مکی کرنے کی اجازت دے دے، تو عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں رہتی۔

اشتباہ کی ایک وجہ یہ رہ جاتی ہے کہ فقہاء مذہب نے ایک طرف تو یہ واضح طور پر فرمایا کہ حج بدل میں قران و تمتع کی ممانعت کی وجہ مخالفت آمر ہے، مگر دوسری طرف اس کے مفہوم مخالف کو اولاً تو قصداً اور نصاً ذکر نہیں فرمایا، ضمنی طور پر وجوب دم شکر کے مسئلہ میں فرما دیا کہ جب قران باذن آمر ہو، تو بھی دم بذمہ مامور ہوگا، اس بیان میں صرف قران کا ذکر کیا ہے، تمتع کا ذکر نہیں کیا، اسی عدم ذکر کو صاحب غنیۃ نے اس کا قرینہ قرار دیا ہے کہ تمتع جائز نہیں کیونکہ وہ بھی جائز ہوتا تو قران کے ساتھ اس کا ذکر بھی ہونا چاہئے تھا، مگر عدم ذکر کو ذکر عدم کا قائم مقام بغیر کسی واضح دلیل کے نہیں کیا جا سکتا، اسی لئے صاحب بحر نے اس جگہ قران کو بمعنی جمع بین النسکین قرار دے کر تمتع کو بھی اس میں شامل کر دیا، اس توجیہہ پر تمتع کا عدم ذکر بھی باقی نہیں رہتا، اور عدم ذکر کو تسلیم بھی کر لیا جائے، تو بظاہر کوئی دلیل قران و تمتع میں فرق کرنے والی موجود نہیں،

لیکن علماء متاخرین میں حضرت ملا علی قاری اور صاحب غنیۃ اور ہمارے زمانے کے اکابر علماء خصوصاً فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ نے زبدۃ المناسک میں اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے ابوداؤد کی شرح بذل المجہود میں حج بدل میں قران وتمتع کے فرق اور قران کے جواز اور تمتع کے عدم جواز کو اختیار فرمایا ہے، اگرچہ باجازت آمر ہو، اس کے ساتھ ائمہ فقہاء کے کلام میں بھی جواز تمتع باذن الآمر کی تصریح باوجود تلاش کے نہیں ملی، اس لئے مسئلہ پھر محل غور وتامل ہوگیا۔

عبارات فقہاء میں غور کرنے سے قران وتمتع میں ایک وجہ فرق کی کہی جاسکتی ہے، وہ یہ ہے کہ فریضۂ حج بدنی اور مالی دونوں قسم کی عبادت کا مجموعہ ہے، عذر کی حالت میں اس کی بدنی اور جسمانی حیثیت تو ساقط ہوگئی، اب صرف انفاق مال ہی ادائے فرض کا طریق رہ گیا، اور تمتع کی صورت میں یہ مال حج پر خرچ نہیں ہوا، بلکہ عمرہ پر خرچ ہوگیا، جو فرض نہیں، بخلاف قران کے کہ اس میں مال کا خرچ دونوں پر یکساں ہوا، اس کا تقاضا یہ ہے، کہ آمر کو قران کی اجازت دینے کا تو حق دیا جائے، تمتع کی اجازت دینے کا اس کو بھی حق نہ ہو، کیونکہ ادائے فریضۂ حج کے لئے اس صورت میں نہ اس کا کوئی عمل ہوتا ہے اور نہ حج پر اس کا مال خرچ ہوتا ہے اس لئے تمتع کی صورت میں اس کا حج ادا نہیں ہونا چاہئے، ملا علی قاری وغیرہ جن حضرات فقہاء نے باذن آمر بھی تمتع کے عدم جواز کا فتویٰ دیا ہے، مذکورہ تحریر سے ان کے کلام کی ایک وجہ ظاہر ہوگئی، مگر اس کو بھی کوئی قطعیت حاصل نہیں۔ دوسرے فقہاء صاحب لباب وغیرہ جو جواز تمتع کے قائل ہیں، وہ اس وجہ کے متعلق یہ کہہ سکتے ہیں، کہ یہ بات ناقابل تسلیم نہیں کہ تمتع کی صورت میں انفاق مال حج پر نہیں ہوا کیونکہ اس نے یہ خرچ کسی عمرہ مفردہ پر نہیں کیا، بلکہ حج کی تین قسموں میں سے ایک قسم پر کیا ہے، جس میں عمرہ مقدم

ہوتا ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انفاق مال صرف عمرہ پر ہو گیا، حج انفاق مال سے خالی رہ گیا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

خلاصہ فتویٰ

اگر چہ من حیث الدلیل رجحان اس کا معلوم ہوتا ہے کہ حج بدل میں آمر کی اجازت سے قران اور تمتع دونوں جائز ہوں، اور فقہاء متاخرین میں صاحب لباب اور اس کے حاشیہ حباب وغیرہ میں اسی کو اختیار بھی کیا گیا ہے، مگر ملا علی قاری اور حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہٗ کا فتویٰ اس سے مختلف ہے، وہ تمتع کو باذن آمر بھی جائز قرار نہیں دیتے، معاملہ ادائے فرض کا نازک ہے، اس لئے احتیاط لازم ہے، جہاں تک ممکن ہو، حج بدل میں افراد یا قران کیا جائے، تمتع نہ کریں، لیکن اس زمانے میں حج وعمرہ کرنے میں عام آدمی آزاد نہیں کہ جب اور جس وقت چاہیں جا سکیں اور طول احرام سے بچنے کے لئے ایام حج کے بالکل قریب سفر کریں، ہر طرف حکومتوں کی پابندیاں شدید ہیں، اس لئے اگر کسی حج بدل کرنے والے کو وقت سے زیادہ پہلے جانے کی مجبوری ہو، اور احرام طویل میں واجبات احرام کی پابندی مشکل نظر آئے، تو اس کے لئے تمتع کر لینے کی بھی گنجائش ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حج بدل کے مصارف اور نفقہ

حج بدل کے لئے تمام ضروری مصارف، سفر کی آمد و رفت اور بقدر ضرورت قیام اور ایام حج میں جن چیزوں کی عادتاً ضرورت ہوتی ہے، کھانے پینے کی ضروریات، کپڑوں کی دھلائی، رہنے کے لئے مکان یا خیمہ کا کرایا وغیرہ، وہ سب آمر

یعنی حج بدل کرانے والے کے ذمہ ہیں، فقہاء رحمہم اللہ نے ان تمام ضروری مصارف کی تفصیل لکھی ہے، مگر ہر زمانے کی ضروریات اس کے مناسب ہوتی ہیں، مامور کو چاہئے کہ احتیاط کے ساتھ ان ضروریات کا تعین کرے، اور ان میں خرچ کرنے میں نہ اسراف وفضول خرچی سے کام لے، نہ بہت تنگی سے، بلکہ متوسط انداز سے خرچ کرے۔ (خلاصہ از مناسک ملاعلی قاری) اور بعض مصارف ایسے بھی ہیں جن میں آمر کے مال سے خرچ کرنا جائز نہیں، مامور کو خود اپنے مال سے کرنا لازم ہے، مثلاً وضو اور غسل کے پانی کی قیمت، بیمار ہو جائے، تو دوا دارو کا خرچ مامور کو اپنے مال سے کرنا لازم ہے، اپنے کھانے پینے کی چیزوں میں کسی دوسرے کی تواضع کرنا، اس کو کھلانا، آمر کے مال سے جائز نہیں، مگر یہ سب اس وقت ہے، جب کہ آمر نے اس کی اجازت اور وسعت نہ دی ہو، اس لئے بہتر یہ ہے کہ آمر خرچ میں وسعت سے کام لے، مامور کو اجازت دے دے، تاکہ ہر قدم پر اس کو یہ سوچنا نہ پڑے، کہ یہ خرچ آمر کے مال سے کروں، یا اپنے مال سے، کھانے کے وقت کوئی آ جائے، اور اس کو شریک کرنا پڑے، تو اس میں حساب لگانا نہ پڑے، کہ کتنا آمر کے مال پر ڈالے کتنا خود ادا کرے، اسی طرح کے معمولی مصارف میں آمر کو چاہئے، کہ مامور کو اجازت عام دے دے، اس صورت میں باتفاق مامور کو ان سب چیزوں میں آمر کا مال خرچ کرنا جائز ہو گا۔ (مناسک ملاعلی قاری)

مسئلہ: احرام کے کپڑے اور سفر میں برتنے کی اشیاء آمر کے مال سے خریدنا جائز ہے، مگر حج سے فراغت کے بعد یہ سب سامان اور جو کچھ نقد بچے، وہ سب آمر کو یا اس کے وارثوں کو واپس کرنا لازم ہے، اگر مامور نے یہ شرط کر لی ہو کہ یہ سامان اور جو کچھ نقد بچے وہ میرا ہے، تو یہ شرط بھی باطل ہے، کیونکہ یہ حج کرنے کا معاوضہ ہو گا، جس کا لینا دینا حرام ہے، یہ چیزیں بہر حال اس کو واپس کرنا ضروری ہے۔

مسئلہ: البتہ اگر آمر خود اس کو کہہ دے، کہ یہ سامان اور جو کچھ نقد بچے وہ میری طرف سے آپ کے لئے ہدیہ ہے، یا مرنے والا وصیت کر رہا ہے، تو وہ کہہ دے کہ باقی میری طرف سے بطور وصیت مامور کا حق ہے، اس صورت میں مامور پر باقی ماندہ نقد اور اشیاء کا واپس کرنا ضروری نہیں۔ فتاویٰ قاضی خان میں امام ابو بکر بن الفضل سے نقل کیا ہے کہ آمر کو ایسا کرنا بہتر ہے۔

مسئلہ: حج بدل کرنے والے کو راستہ میں کسی جگہ قیام کرنا پڑے، یا حج سے پہلے اور بعد مکہ مکرمہ یا مدینہ طیبہ میں جہازوں کی روانگی اور ان میں جگہ ملنے کے انتظار میں جتنا قیام کرنا پڑے، اس زمانۂ قیام کے نفقات آمر کے مال سے لئے جائیں گے، خواہ یہ قیام پندرہ دن سے کم ہو یا زیادہ، البتہ اگر اپنی ضرورت سے زائد قیام کرے گا، تو اس زائد قیام کے زمانے کا نفقہ خورد ونوش وغیرہ آمر کے مال سے لینا جائز نہیں، اس میں اپنا مال خرچ کرنا لازم ہے۔

(یہ سب مسائل ارشاد الساری شرح مناسک ملا علی قاری سے ماخوذ ہیں)

مسئلہ: اگر آمر نے تیسرے درجے ڈیک میں سفر کرنے کا خرچ دیا، اور مامور اس سے اوپر والے درجے سیکنڈ یا فسٹ میں سفر کرے، یا ہوائی جہاز سے سفر کیا، تو زائد خرچ مامور کو اپنے مال سے دینا ہوگا۔



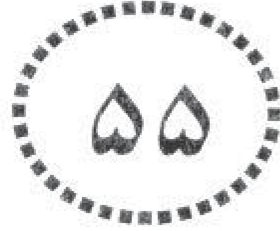
تنبیہ

مگر اس صورت میں اگر مجموعہ خرچ مامور کا آدھے مصارف حج کی برابر یا زیادہ ہو جائے، تو قاعدہ کا تقاضا یہ ہے کہ آمر کا حج ادا نہ ہو، کیونکہ شرائط حج بدل میں اوپر آچکا ہے، کہ حج بدل ادا ہونے کیلئے یہ شرط ہے کہ اکثر مال آمر کا خرچ ہو، اس صورت میں اکثر مال مامور کا خرچ ہو گیا، لیکن یہ کہا جا سکتا ہے، کہ یہ زیادتی سفر حج کے لوازم میں نہیں، بلکہ اپنی راحت کے لئے ہے، اس لئے اس زیادتی کا اثر مامور پر نہیں پڑنا چاہئے۔ مگر فقہاء کے کلام میں باوجود تلاش کے یہ مسئلہ نہیں ملا اس لئے عمل کرنے والوں کو چاہئے کہ ایسی صورت پیش آئے، تو دوسرے علماء سے بھی استصواب کرلیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

بندہ

محمد شفیع عفا اللہ عنہ

رجب ۱۳۹۲ھ



عائلی قوانین

پر مختصر تبصرہ

تاریخ تالیف ـــــــــ ۱۳۸۱ھ (مطابق ۱۹۶۱ء)

مقامِ تالیف ـــــــــ کراچی

فیلڈ مارشل محمد ایوب خان سابق صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دورِ حکومت میں جب خلاف شریعت عائلی قوانین نافذ کئے جانے والے تھے ۱۹۶۱ء میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ناصحانہ خط صدر پاکستان کو لکھا اور ساتھ ہی ان قوانین پر دلائل شرعیہ کی روشنی میں تبصرہ اور متبادل تجاویز تحریر فرمائیں، خط کا جواب آیا مگر تبصرہ وتجاویز پر کوئی عمل نہ ہوا۔

۱۳۸۲ھ میں یہ خط اور تبصرہ وتجاویز، بصورت رسالہ ادارۃ المعارف سے شائع کر دیا گیا جس کے شروع میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بصیرت افروز مقدمہ بھی تحریر فرمایا تھا۔

اس رسالہ کو بھی بہت اہم فقہی مباحث پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اس مجموعہ کا جزو بنایا جا رہا ہے۔

عائلی قوانین کی اہمیت

اور

ہند و پاک میں اس کی مختصر تاریخ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ و کفٰی و سلام علی عبادہ الذین اصطفٰی

اما بعد!

کسی لکھے پڑھے انسان پر یہ بات مخفی نہیں کہ ہر قوم وملت میں جواز دواجی اور عائلی قانون رائج ہوتے ہیں، ان کو ہر قوم وملت اپنا مذہبی شعار سمجھتی ہے، اس کے خلاف کرنے کو حرام کاری قرار دیتی اور انتہائی عار سمجھتی ہے۔ جن قوموں میں مذہب کی کوئی صحیح بنیاد بھی موجود نہیں، وہ بھی اپنے آبا و اجداد کی رسوم کو یہی حیثیت دیتی ہیں۔ اسلام کا قانون جو انسان کی زندگی کے ہر پہلو پر حاوی ہے، وہ اس کو کیسے نظر انداز کر سکتا تھا۔ قرآن حکیم نے عموماً اصول قانون بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے، مگر عائلی قانون میں صرف اصول نہیں، بلکہ اکثر جزئیات کو بھی اتنے اہتمام سے بیان کیا ہے، جس کی نظیر

کسی دوسرے شعبے کے قانون میں نہیں ملتی۔ اور یہ بھی مشاہدہ ہے، کہ جس جگہ جب تک اسلامی قانون صحیح طور پر رائج رہا، عورتوں پر شوہروں کے مظالم کا راستہ نہ تھا۔ ہندوستان کے گئے گذرے زمانہ میں بھی جب تک قاضیوں کی عدالتیں قائم تھیں، اس وقت تک بھی عورتوں پر یہ مصیبت نہ تھی، جو خالص انگریزی دور اور انگریزی عدالتوں کے زمانہ میں پیش آئی۔

عائلی مظالم کی روک تھام کے لئے علماء کا اقدام

آج جب موجودہ عائلی قانون کے خلاف شرع اور منافی قرآن وسنت ہونے کی بناء پر علماء کی طرف سے احتجاج ہوتا ہے، تو بہت سی خواتین یہ سمجھنے لگتی ہیں کہ علماء کو ان کے مصائب کی طرف التفات نہیں، اس لئے اس قانون کی مخالفت کی جارہی ہے، اور اس کو بنیاد ٹھہرا کر علماء کو مخالفت کا ہدف بنا لیا جاتا ہے۔ ان کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ یہ خیال بالکل بے بنیاد اور سراسر غلط ہے، ان کے مصائب کا اصلی سبب انگریزی دور کا غیر اسلامی قانون اور پھر اس کا طول طویل ضابطہ کارروائی ہے، جس میں کسی مظلوم عورت کو دادرسی تک پہونچنے سے پہلے اتنے مصائب برداشت کرنے پڑتے ہیں کہ وہ شوہر کی پیدا کی ہوئی مصیبت پر صبر کرنے کو ان کے مقابلہ میں آسان سمجھتی ہے۔

مگر علماء ہی کا طبقہ ہے جنہوں نے ہر زمانہ اور حکومت کے ہر دور میں عورتوں سے عائلی مظالم کے انسداد کے لئے مقدور بھر کوشش جاری رکھی ہے، انگریز گورنمنٹ نے جب کبھی ہندوستانیوں کو کچھ اصلاحات دینے کی پیش کش کی، اور اس کیلئے کوئی کمیشن یا کمیٹی بنائی، ہر ایک کے سامنے علماء ہی کی طرف سے ان مظالم کے انسداد کی تجویزیں پیش ہوئیں اور ہوتی رہیں۔ مگر افسوس ہے کہ سرکاری حلقوں کی حمایت حاصل نہ ہونے کے سبب وہ ہمیشہ نظر انداز ہوتی رہیں، اور یہ مظلوم صنف نازک اپنی مصائب میں

کراہتی رہیں۔

علماء میں خصوصیت کے ساتھ ارباب فتویٰ کے سامنے چونکہ عورتوں کے مظالم اور مصائب بصورت سوالات آتے رہتے تھے، اس لئے وہ سب سے زیادہ متاثر تھے، اور قانونی اختیارات نہ ہونے کے سبب مشکل کا حل ان کے ہاتھ میں نہ تھا، تاہم جس قدر سہولتیں دائرہ شریعت میں رہ کر دی جا سکتی تھیں، وہ فتووں کے ذریعے دیتے رہتے تھے، مگر انسداد مظالم اور حل مشکلات کے لئے کافی نہ تھیں۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کی جدوجہد

۱۳۵۵ھ مطابق ۱۹۳۶ء میں حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے ان مشکلات سے متاثر ہو کر اس پر غور کرنا شروع کیا کہ اگرچہ اس ملک کی اکثریت حنفی اور اہل فتویٰ بھی حنفی ہیں، مگر ضرورت کے مواقع میں شرائط کے موافق دوسرے ائمہ کے مذاہب پر بھی عمل کیا جا سکتا ہے، شرعی عدالتیں قائم ہونے کی صورت میں امام مالکؒ کے نزدیک شرعی پنچائیت بھی عائلی مسائل میں فیصلہ دے سکتی ہے، اور وہ شرعاً نافذ ہو سکتا ہے، اس کے لئے موصوف نے مالکی مذہب کی کتابوں کے مطالعہ کے علاوہ علماء مالکیہ سے حرمین شریفین میں خط و کتابت کر کے پوری تفصیلات ان مسائل کی معلوم فرمائیں۔ اور پھر مظلوم عورتوں کی رہائی کے لئے احکام و مسائل ترتیب دیئے اور مزید احتیاط کے لئے مشترکہ ہندوستان کے تمام مشاہیر علماء کے پاس ملاحظہ اور تصدیق کے لئے بھیجا، جس میں علماء کے باہمی بحث و تمحیص میں کافی عرصہ لگا اور بالآخر تمام علماء ہندوستان کے اتفاق سے ان کو بنام ''حیلۂ ناجزہ'' شائع کیا۔

مگر یہ ظاہر ہے کہ نزاعی معاملات کا فیصلہ جب تک حکومت تسلیم نہ کرے، وہ عموماً نزاعی ہی رہتا ہے، پنچائیت کے فیصلہ سے بغیر حکومت کی تسلیم کے اکثر اوقات

نزاع ختم نہیں ہوتا، اس لئے حضرت ممدوح نے ایک دوسری کوشش اس کی شروع کی کہ اسمبلی میں پیش کرانے کے لئے بصورت بل ایک مسودہ تیار کیا، اور جناب کاظمی صاحب ممبر اسمبلی کی طرف سے نوٹس دلوا کر یہ مسودہ اسمبلی میں پیش کرایا، جو بعد میں کاظمی ایکٹ یا ایکٹ انفساخ نکاح کے نام سے ملک میں جاری ہوا اور آج تک جاری ہے۔

لیکن ''قطرہ کے گہر ہونے تک'' کے سارے مراحل طے کرتے کرتے جب یہ بل پاس ہوا تو معلوم ہوا کہ اس میں ہندوؤں کی مخالفت اور علم دین سے ناواقف مسلمانوں کی حمایت سے ایسی تبدیلیاں ہوگئیں، جن کی وجہ سے اس میں بہت سی چیزیں خلاف شرع داخل ہوگئیں، اور ضروری شرعی شرائط چھوٹ گئیں، اس لئے پھر حضرت ممدوح نے احقر راقم الحروف کو ایک ترمیمی مسودہ تیار کرنے کا حکم دیا کیونکہ ''حیلہ ناجزہ'' کی تصنیف اور مسودہ بل کی ترتیب میں بھی حضرت موصوف نے از راہ کرم احقر کو شریک رکھا تھا، اور اس مسودہ کے ذریعہ ممبران اسمبلی سے مل کر ترمیم کی کوششیں کی گئیں، مگر ناکام رہیں، اسی اثناء میں تحریک پاکستان قوت کے ساتھ اٹھی، اور اس نے تمام مشاغل کو مؤخر کر دیا۔

پاکستان میں عائلی مسائل کی تاریخ

پاکستان بننے کے بعد ہماری حکومت نے جب پہلا لاء کمیشن بنایا، جس کا احقر بھی ممبر رہا ہے۔ تو اس میں بھی جب عائلی مسائل کی نوبت آئی، راقم الحروف نے ایسی تجاویز پیش کیں، جن سے عورتوں کی مشکلات کا صحیح حل اور ظلم سے نجات کی صورتیں قرآن وسنت کے تحت عمل میں آسکیں، لیکن مقدرات سے یہ لاء کمیشن بھی اپنا کام نہ کر سکا، اور یہ مسائل اسی طرح رہ گئے۔

اس کے بعد ہماری حکومت نے ان مقاصد کے لئے ایک عائلی کمیشن مرتب کیا،

مگر افسوس کہ اس میں اس بات کو بالکل نظر انداز کر دیا کہ عائلی مسائل کا بیشتر حصہ خالص مذہبی اور شرعی ہے، اس میں ایسے ہی لوگوں کی تجویز عام مسلمانوں کے لئے قابل قبول ہو سکتی ہے، جن کی علوم دینیہ کی مہارت پر پورے ملک کو اعتماد ہو، اس کمیشن میں صرف ایک عالم مولانا احتشام الحق تھانوی صاحب کو لیا گیا، کمیشن نے ایک سوال نامہ پورے ملک میں شائع کرایا۔

سوال نامہ سے کمیشن کے عزائم اور ان کے مضمرات کی غمازی ہوتی تھی، ملک بھر میں علماء کے ہر طبقہ اور ہر فرقہ کی طرف سے سوالات کے جوابات میں بھی ان چیزوں پر اقدام کرنے کی شدید مخالفت ظاہر کی گئی، جن میں خلاف شرع قانون سازی کا احتمال پایا گیا، بالآخر کمیشن نے اپنی رپورٹ پیش کر دی، جس میں علماء دین کے جوابات کو یکسر نظر انداز کر کے قرآن وسنت کے بالکل خلاف قوانین کی سفارش کی گئی۔

اس کمیشن میں جو ایک عالم مولانا احتشام الحق صاحب تھے، انہوں نے اس رپورٹ پر اپنا اختلافی نوٹ پوری تفصیل کے ساتھ لکھا، جو اس رپورٹ کے ساتھ شائع ہوا۔

رپورٹ کے شائع ہونے پر اطراف ملک سے ہر طبقہ کے مسلمانوں کی طرف سے شدید احتجاج ہوا، اس کے نتیجہ میں حکومت نے اس کو سکوت والتواء میں ڈال دیا۔ معلوم نہیں کن اسباب ودواعی کے ماتحت مارشل لاء حکومت کے دوران میں اس دفن شدہ قانون کو پھر نکالا گیا، اور پچھلی حکومتوں کے بنائے ہوئے تمام سابقہ قوانین اور منصوبوں میں سے صرف اسی کو اس قابل سمجھا گیا کہ تمام مذہب پرست مسلمانوں کے شدید احتجاج کے باوجود اس کو ان پر مسلط کر دیا جائے۔ اس کے لئے اتنا انتظار بھی گوارا نہ کیا گیا، کہ آگے آنے والی اسمبلی اس پر غور کر لے، جہاں تک مجھے معلوم ہے، اس کی اصل محرک بعض خواتین ہوئیں، جنہوں نے یہ سمجھ کر اس پر اقدام کیا کہ اس کے ذریعہ

مظلوم عورتوں کی دادرسی اوران کی مشکلات کا حل نکلے گا، اور جن علماء نے اس قانون کی مخالفت کی، ان کے بارہ میں اس طرح کے کلمات سننے میں آئے کہ یہ لوگ عورتوں پر ہونے والے مظالم سے یا بے خبر ہیں، اور یا جان بوجھ کر ان کو نظر انداز کررہے ہیں، جس کا بے بنیاد اور غلط ہونا اوپر معلوم ہو چکا ہے۔

اخبارات میں یہ خبریں گرم ہوئیں کہ یہ قانون نافذ ہونے والا ہے، اس وقت لاہور میں مختلف مکاتب فکر کے چودہ مشاہیر علماء نے جمع ہوکر اس نافذ ہونے والے قانون پر تنقید کی، اور گورنمنٹ سے احتجاج کیا کہ اس کو نافذ نہ کیا جائے، جس پر کوئی اثر لینے کے بجائے اس کو ممنوع الاشاعۃ قرار دیدیا گیا، اسی طرح چالیس سے زائد علماء سرحد کی طرف سے پھر مشرقی پاکستان کے چوراسی مشاہیر علماء کی طرف سے اس کے خلاف احتجاج کیا گیا۔

مقصد کی اہمیت اور معاملہ کی نزاکت کے پیش نظر احقر نے یہ صورت اختیار کی کہ مطالبہ واحتجاج کی راہ چھوڑ کر جناب صدر مملکت کی خدمت میں ایک ہمدردانہ مشورہ کی صورت سے ایک معروضہ پیش کیا، جس کے ساتھ اس قانون کے خلاف قرآن وسنت ہونے کو اختصار کے ساتھ ظاہر کر کے عرض کیا کہ یہ بطور نمونہ کے چند دلائل قرآن وسنت کے لکھے گئے ہیں، اگر مزید تحقیق کی ضرورت ہوگی، تو وہ بھی پیش کی جائے گی، یہ بات بالقصد اس لئے لکھی تھی کہ مجھے معلوم ہوا تھا کہ جب سے اس قانون کے ملک میں نافذ کرنے کی تجویز سامنے رکھی گئی ہے، دو طرح کے لوگوں سے اس کی تائید حاصل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، ایک تو وہ آزاد لوگ جو اپنے معاملات میں قرآن وسنت اور احکام شرع کو کوئی جگہ ہی نہیں دیتے ان سب سے آزاد ہوکر اپنی پسند پر اپنے قانون کی بنیاد رکھنا چاہتے ہیں، انہوں نے اسلامی قانون میں مضرتیں اور تکلیفیں اور اس نئے قانون میں ان کا ازالہ اپنے اپنے طرز سے پیش کر کے ناواقف مسلمانوں کے ذہنوں کو

الجھایا ہے، دوسرے کچھ وہ لوگ جو کچھ عربی جاننے کی بناء پر علماء کہلاتے ہیں، اور ان کی کوشش خواہ اپنے ذاتی خیال سے یا کسی طمع اور لالچ سے یہ رہتی ہے کہ اسلام کا ایک ایسا نیا ایڈیشن تیار کیا جائے، جس سے مغربی تہذیب خفا نہ ہو یا جس سے ان کے افسروں کی خوشنودی حاصل ہو، خواہ اس کے لئے قرآن وسنت کی نصوص میں کتنی ہی کھینچ تان بلکہ چیر پھاڑ کرنا پڑے۔

ان حضرات نے قرآن وسنت اور ان کے متعلقات کے حوالے سے ایسا مواد فراہم کر دیا، جو علم دین سے ناواقف مسلمانوں کے لئے اچھا خاصہ الجھاؤ پیدا کر دے، جس سے کم از کم عوام یہ سمجھ لیں، کہ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے کچھ علماء حمایت کر رہے ہیں، کچھ مخالفت۔ اس بات کے لکھتے وقت میرا ارادہ یہ تھا کہ اگر اس طرح کے کچھ مغالطے ہمارے ذمہ داروں کے ذہن میں ڈالے گئے، تو تفصیل کے وقت ان کو صاف کر دیا جائے گا۔

مگر ہوا یہ کہ ہماری حکومت نے میرا خط اور صدر محترم کا جواب پریس کو دے کر شائع کرا دیا، اور جو تحریر اس قانون کے خلاف قرآن وسنت ہونے کے متعلق تھی، اس کو شائع کرنے کے بجائے اس پر اکتفا کیا کہ صدر محترم نے میرے جواب میں یہ لکھ دیا تھا کہ اس کا جواب وزارت متعلقہ دے گی۔ .... میرے خط مورخہ یکم اپریل ۱۹۶۱ء کا جواب مجھے ۲ جون ۱۹۶۱ء کو ملا، میں نے کئی مہینے تک وزارت متعلقہ کے جواب کا انتظار کرنے کے بعد ۳ جولائی ۱۹۶۱ء کو بذریعہ رجسٹری خط یاد دہانی کی، تو کوئی جواب نہ ملا، پھر وزیر قانون سے کراچی آنے کے وقت ملاقات کر کے اس کے جواب کے لئے عرض کیا، مگر مجھے پھر بھی اس کا کوئی جواب نہ ملا، اور یہ قانون ملک میں نافذ کر دیا گیا۔

صدر محترم کے جواب میں بھی کئی باتیں ایسی تھیں جن کے متعلق ان سے دوبارہ کچھ عرض کرنا تھا، لیکن اس مختصر تبصرہ کا متوقع جواب جو وزارت قانون کی طرف سے ملنا

چاہئے تھا، اس کے انتظار میں یہ کام بھی مؤخر ہوتا رہا۔

اسی دوران میں مارشل لاء ختم ہو کر قومی اسمبلی وجود میں آ گئی، اور اس میں اس مسئلہ پر بحث ہو کر یہ طے ہو گیا کہ اس کو اسلامی مشاورتی کونسل میں بھیج دیا جائے، جو اسی قسم کے مسائل کے حل کے لئے نامزد کی گئی ہے، تاکہ وہ اپنا فیصلہ اسمبلی میں پیش کرے۔

عائلی قانون پر بطور نمونہ مختصر تبصرہ جو جناب صدر مملکت کی خدمت میں بھیجا گیا تھا، اور مراسلت شائع ہونے کے ساتھ وہ شائع نہ ہوا تھا، اس کی اشاعت کیلئے بہت سے احباب اور عام مسلمانوں کا تقاضا پہلے سے تھا، اس وقت مناسب معلوم ہوا کہ میں اپنی اس تحریر کو شائع کر کے ممبران اسمبلی کے پاس بھیج دوں تاکہ وہ اس مسئلہ پر غور کرنے کے وقت میری معروضات کو بھی سامنے رکھیں۔

اس ارادہ کے ساتھ یہ بھی مناسب معلوم ہوا کہ پچھلی تحریر میں اختصار کی وجہ سے جن مواقع میں کچھ اجمال رہ گیا تھا، اس کی کچھ وضاحت کر دی جاوے، نیز جن قابل اعتراض دفعات کا اس میں ذکر نہیں کیا گیا تھا، اس میں ان کا بھی اضافہ کر دیا جائے، تاکہ نیک نیتی اور انصاف کے ساتھ مسئلہ پر غور کرنے والے حضرات تصویر کے ہر رخ کو پوری طرح دیکھ کر کوئی فیصلہ صادر فرمائیں۔

واللہ الموفق والمعین



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکتوب بنام عالی جناب صدر مملکتِ پاکستان

بگرامی خدمت عالی جناب فیلڈ مارشل جنرل محمد ایوب خان صاحب

صدر مملکت پاکستان!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ پاکستان کو ظاہری اور باطنی ترقیات عطاء فرمائے اور ہر طرح کے فتنوں اور آفتوں سے محفوظ رکھے۔

عالی جناب ! میں پاکستان کا ایک شہری اور دینِ اسلام کا ایک ادنیٰ خادم ہوں جو پاکستان کو مسلمانوں کی دینی اور دنیوی اہم ضرورت سمجھ کر بناء پاکستان کے وقت مقدور بھر خدمت کرتا رہا اور بننے کے بعد اس کو اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت سمجھتا ہوں اور دنیا میں میری سب سے بڑی خوشی اس مملکت کا استحکام وترقی اور سب سے بڑا رنج اس کا ادنیٰ سا ضعف وانتشار ہے۔

میں نے بغیر کسی سابقہ تعارف اور وسیلے کے آپ تک اپنے کلمات پہونچانے کی جرأت اس لئے کی کہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ آپ حق بات کو سننے اور قبول کرنے میں بڑے فراخ حوصلہ ہیں۔

میں نہ سیاست سے کچھ شغف رکھتا ہوں اور نہ امراء وحکام سے مکاتبت ومراسلت یا اُن تک پہونچنے کا عادی ہوں۔ صرف اسلام اور پاکستان کی محبت اور آپ کے متعلق نیک گمان اور اچھی توقعات نے مجھے یہ کلمات لکھنے پر آمادہ کیا۔ خدا کرے کہ خالصِ ہمدردی اور دلسوزی سے نکلے ہوئے یہ چند کلمات جناب تک پہونچ جائیں اور آپ اطمینان کے ساتھ

ان پر غور فرمائیں۔

جناب والا! مجھے آپ کے متعدد بیانات سے یہ بالکل واضح ہو چکا ہے کہ یہ حقیقت اچھی طرح آپ کے پیش نظر ہے کہ اسلام پاکستان کی روح ہے۔ نہ اس کے بغیر اس کا وجود میں آنا ممکن تھا اور نہ اس کا باقی رہنا امکان میں ہے۔

ملک کے دونوں بازوؤں مشرقی اور مغربی کے طویل فاصلے اور زبان اور معاشرت کے اختلافات کے علاوہ ان دونوں علاقوں کے اندر وطنی، خاندانی زبانوں اور معاشرتوں کا ایسا اختلاف ہے کہ اس ملک کے باشندے اگر عام دنیا کی طرح وطنی، لسانی، اور لونی وحدتوں کی بنیاد پر پورے پاکستان میں کوئی وحدت پیدا کرنا چاہیں تو اس کا قطعاً کوئی امکان نہیں۔ یہاں انگلینڈ، امریکہ، روس اور جرمنی کے سیاسی تصورات سے کوئی وحدت قائم نہیں کی جاسکتی۔

ہاں اسلام ہمارا وہ نقطۂ وحدت ہے جس کے درمیان کوئی پہاڑ اور دریا حائل نہیں ہوسکتا۔ نسلی اور وطنی قومیتیں تو کیا حائل ہوتیں، بناءِ پاکستان کے وقت اس کا مشاہدہ ہو چکا ہے کہ پنجابی، بنگالی، پٹھان، بلوچی، سندھی وغیرہ وغیرہ سب اپنے اپنے نسل اور لسانی امتیازات کو یکسر چھوڑ کر صرف اسلام کے نام پر ایسے متحد ہوئے کہ دنیا حیران رہ گئی اس لئے پاکستان کے پورے نظم ونسق میں ہمیں کسی وقت یہ نہ بھولنا چاہئے کہ ہمارے کسی قدم پر اسلامی شعائر اور مذہبی اقدار مجروح نہ ہوں بلکہ جتنا ہم ان کو سربلند کریں گے اتنا ہی پاکستان مضبوط اور سربلند ہوگا۔

اس وقت سوء اتفاق سے متعدد ایسے امور پیدا ہو رہے ہیں جن کے باعث عامۃ المسلمین میں شدید ہیجان واضطراب رونما ہو رہا ہے۔ اور یہ احساس کیا جارہا ہے کہ اسلامی شعائر واقدار کو مجروح کیا جارہا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ عائلی قانون کا آرڈیننس ہے، سرِ دست دیگر مسائل سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اسی کے متعلق بربنائے خلوص ودلسوزی

چند معروضات پیش کرنا چاہتا ہوں۔ جیسا کہ میں نے اوپر عرض کیا نہ میں کوئی سیاسی آدمی ہوں اور نہ ان شعبوں سے کوئی خاص شغف رکھتا ہوں ساری زندگی درس وتدریس علوم شرعیہ اور فتوے کے کاموں میں گزری۔ قیام پاکستان کی تحریک کے سلسلہ میں بھی کسی سیاسی جماعت میں باقاعدہ شرکت کے بغیر دینی نقطۂ نگاہ سے پوری سرگرمی کے ساتھ حمایت کی اور اسی بنا پر دارالعلوم دیوبند سے جہاں ستائیس سال معلم اور مفتی کی حیثیت سے کام کیا تھا کنارہ کشی اختیار کی، پاکستان میں بھی کچھ زمانہ تو دستور ساز اسمبلی کے مقرر کردہ بورڈ تعلیمات اسلامی کے رکن کی حیثیت سے دستوری مسائل کی دینی تحقیق میں یا حکومت کے مقرر کردہ ''لاء کمیشن'' کے رکن کی حیثیت سے اسلامی نقطۂ نظر سے موجودہ قوانین کی اصلاح کی تجاویز میں صرف ہوا۔ ورنہ یہاں بھی میری ساری سرگرمیوں کا مرکز اصلی یا ایک دینی مدرسہ ہے یا فتویٰ کا کام۔

خصوصاً مؤخر الذکر کام میں اس نوعیت کا ہے کہ اب جبکہ تقریباً تیس سال کی مدت فتووں کی خدمت انجام دیتے ہوئے ہوچکی ہندو پاکستان ہی نہیں بیرونی ممالک سے بھی مذہبی مسائل سے متعلق بکثرت سوالات آتے رہتے ہیں اور میں اپنے علم وبصیرت کی حد تک اللہ ورسول کا حکم بتا دیتا ہوں۔ رویت ہلال اور عائلی قوانین کے آرڈیننس کے متعلق بھی سوالات کی بھرمار ہورہی ہے۔ ایسے عمومی سوالات کا جواب انفرادی طور پر دینے کی بجائے یہ زیادہ سہل اور موزوں ہوتا ہے کہ بغرض افادۂ عام اخبار یا رسالے کے ذریعہ مسئلے کی وضاحت کردی جائے، مگر بعض اوقات اس سے ملک میں بے چینی اور اضطراب بڑھنے کا اندیشہ بھی ہوتا ہے جسے حتیٰ الوسع روکنا ہمیشہ پیش نظر رکھتا ہوں۔ ایسی ہی صورت حال اس وقت بھی درپیش ہے مختلف گوشوں سے سوالات چلے آرہے ہیں۔ مکمل سکوت اختیار کرنا ممکن نہیں ہے۔ اخبارات کے ذریعہ مسئلے کی وضاحت خلفشار کا موجب ہوسکتی ہے جو کسی طرح پسندیدہ نہیں ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس وقت جو سب سے زیادہ اہم قضیہ سامنے ہے یعنی عائلی قوانین کا مسئلہ۔ اس کے متعلق سب سے پہلے کچھ ضروری

معلومات اور دینی نقطۂ نظر آپ کے سامنے اس توقع اور تمنا کے ساتھ پیش کر دوں کہ آپ حق پسندی سے کام لیکر اس کا ایسا حل نکال لیں گے جو مسلمانوں کے اس اضطراب و خلفشار اور احساس مظلومیت کو دور کر دے کہ ان کے قوانین کا جو حصہ کفار کے تسلط کے دوران میں محفوظ رہ گیا تھا آج وہ بھی مسخ و مجروح کیا جا رہا ہے۔

سر دست محض نمونہ کے طور پر اسی ایک مسئلہ کے چند پہلوؤں کے متعلق اجمالاً اظہار خیال کرتا ہوں۔ اس کے متعلق یا دوسرے مسئلہ (رویت ہلال) کے متعلق اگر آپ تفصیلی معلومات کی ضرورت محسوس فرمائیں تو انہیں بھی پیش کیا جا سکتا ہے۔ تا کہ آپ مسئلہ کے تمام گوشوں پر نظر ڈال لیں اور غور فرمالیں اور ایسی راہ اختیار کریں جو شریعت اسلامی کے تحفظ کی ضامن ہو اور عامۃ المسلمین کے قلوب کے لئے باعث اطمینان ہو۔

مجھے معلوم نہیں کہ بیرون پاکستان بھی مسلمان عوام اور اہل علم اسے جس نظر سے دیکھتے ہیں وہ آپ کے علم میں ہے یا نہیں، بہر حال اس کا تھوڑا سا اندازہ مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی کے (جن سے غالباً آپ علی گڑھ کے زمانہ سے واقف ہوں گے اور جن کا انگریزی یا اُردو ترجمہ و تفسیر قرآن بھی شاید آپ کے مطالعہ میں آیا ہو) ان کے تبصرہ سے ہوسکتا ہے جو انہوں نے اپنے قدیم و مشہور اخبار صدق لکھنؤ مورخہ ۱۷ مارچ ۱۹۶۱ء میں کیا ہے۔ آپ کی سہولت کے لئے اُس کے چند جملے نقل کرتا ہوں جو اس عائلی قانون کے دفعات پر دینی حیثیت سے نکتہ چینی کے بعد لکھے ہیں۔

> ”کہنا چاہئے کہ اس فرمان سے حکومت سے تجدد کی پہلی قسط اپنے ملک پر نازل کر دی! اور شریعت میں وہ مداخلت و ترمیم یہ مسلم حکومت کر گزری جس کی ہمت نہ کبھی انگریز حکومت نے کی تھی اور نہ وہاں تک ہندوستان کی سیکولر حکومت کے قدم ابھی تک پہنچے ہیں۔“

پاکستان میں سیاسی پارٹیوں کے دس سالہ دَور حکومت کا نصف آخر غالباً زیادہ خلفشار اور بہت سے غلط کاریوں کا دَور رہا ہے۔ آپ نے برسر اقتدار آنے کے بعد بہت سی

غلط کاریوں کے ازالہ اور مختلف شعبوں کا از سرِ نو جائزہ لینے اور ان کی اصلاح کا اعلان کیا۔ چنانچہ زرعی، تعلیمی اور دیگر متعدد شعبوں کی اصلاحات کے لئے نئے کمیشن مقرر ہوئے۔ اُسی دور کی ایک یادگار ازدواجی کمیشن کی سفارشات بھی ہیں جنہیں عوام کی شدید ناپسندیدگی کے پیش نظر اُن حکومتوں نے نافذ کرنے سے احتراز کیا۔ کاش آپ اس دَور کے بدترین ترکے کو اپنانے کے بجائے اس شعبے میں بھی کوئی نیا کمیشن مقرر کردیتے تو بہت بہتر ہوتا۔

بہرحال اب بھی اگر آپ اطمینان کے ساتھ غور فرمایا جس کی مجھے قوی اُمید ہے تو آپ سے مخفی نہ رہے گا کہ ان سفارشات کا بیشتر حصہ روح اسلامی اور احکام اسلامی دونوں کے منافی ہے اور ان کے نفاذ کی کوشش خواہ وہ کتنے ہی مخلصانہ عزائم کے ساتھ ہو۔ عامۃ المسلمین کے لئے شدید خلفشار، بددلی، بے چینی کا موجب ہوگی جو ظاہر ہے کہ کسی طرح ملک وملت کے لئے کوئی پسندیدہ بات نہیں ہے۔

اگر بہ جبر اس کے نفاذ میں کامیابی بھی ہوگئی تو یہ خوش آئند صورت نہ ہوگی کہ عوام کے دلوں میں اس قسم کی بے اطمینانی کی آگ اندر اندر سلگتی رہے۔ اور وہ بے چین رہیں۔

میں اس مکتوب کے ساتھ آرڈیننس سے متعلق چند اجمالی معروضات منسلک کررہا ہوں اور اس دعاء پر اسے ختم کررہا ہوں کہ:۔

اَللّٰھُمَّ اَرِنا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اِتِّبَاعَهٗ. اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَارْزُقْنَا اِجْتِنَابَهٗ.

(ترجمہ) یا اللہ ہمیں حق کو حق دکھلا اور اس کا اتباع نصیب فرما اور باطل کو باطل دکھلا اور اس سے پرہیز کی توفیق دے۔ والسّلام۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

(صدر مجلس منتظمہ دارالعلوم کراچی پاکستان)

۱۵؍شوال ۱۳۸۰ھ یکم اپریل ۱۹۶۱ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ازدواجی و عائلی قوانین

آرڈیننس نمبر ۸ ۱۹۶۱ء

پر مختصر تبصرہ

جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں، اس قانون کا حقیقی منشاء مسلم خاندانوں کے اندر پیدا شدہ خرابیوں کو دور کرنا ہے، جہاں تک اس مقصد کا تعلق ہے یہ بہت مبارک مقصد ہے، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس میں دین اسلام کا ہر خادم بدل و جان آپ کی تائید کرے گا، لیکن جن حضرات نے علوم دینیہ کو صحیح اصول کے ساتھ پڑھا اور سمجھا ہے، وہ جانتے ہیں کہ ازدواجی زندگی اور تقسیم وراثت میں جس طرح کی خرابیاں پیدا ہوا کرتی ہیں یا ہو سکتی ہیں، قرآن وسنت نے ان کی اصلاح کا بہترین نظام بنایا ہے، جس کا مختصر خاکہ اس تحریر کے آخر میں دیا گیا ہے، اس لئے جو حضرات اس مبارک مقصد کے لئے کوئی اقدام کرنا چاہیں، ان کے لئے مندرجہ ذیل امور کا لحاظ رکھنا ازبس ضروری ہے۔

ا:......ازدواجی و عائلی قوانین ہر قوم وملت کے خالص مذہبی قوانین ہوتے ہیں، جن کی تقدیس کو وہ اپنی جانوں سے بھی زیادہ عزیز سمجھتے ہیں، اسی لئے جو حکومتیں کسی قوم کے مذہب میں مداخلت کو پسند نہیں کرتیں، وہ ہر جگہ ہر قوم کے پرسنل لاء کی حفاظت کی ضمانت دیتی ہیں، انگریزوں کے پورے دور حکومت میں مسلمانوں، ہندوؤں اور

دوسری قوموں کے ازدواجی و عائلی مسائل کو ہمیشہ محفوظ اور آزاد رکھا گیا، اور آج بھی ہندوستان کی سیکولر گورنمنٹ نے مسلمانوں کے یہ قوانین خالص ان کے مذہبی اصول کے تابع محفوظ رکھے ہیں، خصوصاً شریعت نے تو اول دن سے اس معاملہ میں ہر قوم و ملت کو پوری آزادی دی ہے کہ ازدواجی اور عائلی مسائل میں اپنے اپنے مذہب کے مطابق عمل کریں، اور ان کے اس عمل کا یہاں تک تحفظ کیا ہے کہ اگر نکاح کے بعد زوجین مسلمان ہو جائیں، تو ان کا بحالت کفر کیا ہوا نکاح برقرار اور اسلام میں بھی جائز سمجھا جائے گا۔

ان حالات میں اگر مسلمانوں کے ازدواجی مسائل میں قرآن وسنت اور فقہاء امت کے طے کردہ قوانین سے مختلف کوئی بھی قانون نافذ کیا گیا خواہ وہ کتنی ہی نیک نیتی اور اصلاحی جذبہ سے کیا گیا ہو، پوری مسلمان قوم بدیہی طور پر اس کا یہ اثر لے گی کہ اپنے اسلامی ملک میں ہمارا شخصی قانون بھی محفوظ نہ رہا جو انگریز اور ہندو کے ہر دور میں محفوظ چلا آتا رہا تھا، اور خود پاکستان میں دوسری قوموں کے لئے آج بھی محفوظ ہے، مسلمان اس صورت میں اپنے آپ کو سخت مظلوم پائیں گے، ان حالات میں اگر کسی قانونی دباؤ سے بالفعل ان کو خاموش بھی کر دیا گیا تو ان کے دینی جذبات بری طرح مجروح ہوں گے، اور وہ ہمیشہ اپنے آپ کو بجا طور پر مظلوم سمجھتے ہوئے اضطراب و بے چینی کی زندگی گذاریں گے، جو کسی وقت بھی ملک کے لئے خطرہ بن سکتی ہے۔

۲:...... جناب پر یہ بات مخفی نہیں کہ بحمد اللہ پاکستان کے عوام کا مزاج خالص مذہبی ہے، اور وہ اپنے مذہبی مسائل میں بجا طور پر صرف انہیں حضرات کے فیصلوں کو معتبر اور قابل اتباع سمجھتے ہیں، جنہوں نے قرآن وسنت اور اصول دین کے پڑھنے پڑھانے اور سمجھنے میں اپنی عمریں وقف کی ہیں، اور اسی خدمت میں مشغول ہیں۔ عامۃ المسلمین اپنے عمل میں کتنی ہی غفلت اور کوتاہی کے شکار ہو جائیں، مگر مذہبی شعار اور مسائل میں حق اسی کو مانتے ہیں جو علماء دین کے فتووں اور فیصلوں سے معلوم ہو۔

موجودہ رسمی قوانین کے جاننے والے اگر پوری نیک نیتی کے ساتھ بھی ان مسائل میں کوئی قانونی تبدیلی کرنا چاہیں، تو وہ کسی طرح عامۃ المسلمین کے لئے قابل قبول نہیں ہوگی، جب تک مذہبی اعتبار سے اس پر اعتماد نہ ہو۔

۳:...... یہ بات بھی قابل نظر ہے کہ مذہبی مسائل بھی دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جن کا تعلق عرف اور رسم و رواج یا شخصی اور مقامی حالات سے ہوتا ہے، وہ عرف اور حالات کے بدلنے سے متاثر ہو سکتے ہیں، حالات و مقامات کے تابع ضروری حد تک ان میں تغیر و تبدل ہو سکتا ہے، اور ہر زمانہ کے علماء ایسے مسائل میں اپنے اپنے ماحول کے اعتبار سے اسلامی قانون کے مزاج اور اس کی بنیادی ساخت کو محفوظ رکھتے ہوئے ان میں مناسب حال احکام جاری کرتے رہتے ہیں۔

دوسرے وہ مسائل ہیں جو زمان و مکان اور اقوام و اشخاص کے بدلنے سے قطعاً متاثر نہیں ہوتے، یہ اسلام کے غیر متبدل قوانین ہیں، ان میں کوئی تغیر تبدل خواہ کتنی ہی نیک نیتی اور اصلاح کے پیش نظر کیا جائے، وہ دین کی تحریف اور الحاد کہلاتا ہے، اور اسلامی حیثیت سے بالکل ناقابل قبول ہے، تمام عبادات اور ازدواجی و عائلی مسائل اسی قسم دوم میں داخل ہیں، نکاح و طلاق کے ذریعہ جو چیزیں حلال یا حرام ہوتی ہیں، اور جن قیود و شرائط کے ساتھ ہوتی ہیں، ان میں قطعاً کسی زمانی یا مکانی اختلاف کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اور وہ نزول قرآن کے زمانہ سے قیامت تک کے لئے ایک ہی ہیں، قرآن کریم کا مطالعہ کرنے والے عوام پر بھی یہ بات مخفی نہیں کہ قرآن نے جس تفصیل کے ساتھ ازدواجی قانون کی جزئیات تک بیان فرمائی ہیں، اور کسی قانون کی اتنی تفصیل نہیں دی، جس میں راز بھی یہ ہے کہ غیر متبدل قانون کو علماء فقہاء کے اجتہاد پر نہیں چھوڑا۔

۴:......ان حالات میں ازدواجی اور عائلی مسائل کے متعلق جو قوانین بنائے گئے، اول تو یہ ضروری تھا کہ علوم اسلامیہ کے ماہرین کی تحقیق و رائے کو ان میں خاص

وزن دیا جاتا، اور جن ائمہ امت کے علم وفضل وتقوی وتدین پر امت مسلمہ کو پورا اعتماد ہے، ان کے بیان کردہ اصول وفروع کے دائرہ سے ایک سرمو انحراف کئے بغیر مسائل کا حل تلاش کیا جاتا، مگر سوئے اتفاق سے ایسا نہ ہوا۔ عائلی کمیشن میں صرف ایک عالم دین مولانا احتشام الحق تھانوی کو لیا گیا تھا، انہوں نے اپنی صوابدید کے مطابق عائلی کمیشن کی رپورٹ پر مبسوط اختلافی نوٹ لکھا، اور جب یہ قوانین عام مسلمانوں کے سامنے آئے، تو بلا استثناء ملک کے ہر مکتب خیال کے علماء اور عوام نے ہر طرف سے اس بناء پر اس کی مخالفت کی کہ اس میں بہت سی چیزیں خلاف شریعت اور صریح احکام قرآن وسنت سے متصادم ہیں، اور بہت سے حضرات نے تفصیلی طور پر اس کی نشاندہی بھی کی، اسی لئے پچھلے سیاست دانوں کے دور میں اس کو ملتوی کر دیا گیا تھا۔

لیکن معلوم نہیں کیا اسباب پیش آئے کہ اس وقت جب کہ ہمارے ملک کے لئے بہت سے ایسے اصلاحی معاملات سامنے ہیں، جن میں پورے ملک کے کسی فرد یا جماعت کو اختلاف نہیں، اور ان کے نہ ہونے سے پورا ملک تباہی کی طرف جا رہا ہے، اس لئے ان کی اصلاح ہر حال میں سب کاموں سے مقدم اور ان کے اثرات پورے ملک کی صلاح وفلاح کے ضامن ہیں۔ مثلاً رشوت ستانی، دفتری نظام کی ابتری، ملک میں بڑھتی ہوئی جرائم کی رفتار، قتل وغارت گری، شراب نوشی، عریانی بے حیائی کا طوفان وغیرہ ان سب کو پیچھے ڈال کر سب سے پہلے اسی عائلی قانون کو نافذ کرنے کی تیاری کی گئی، جو پچھلی حکومت کے بدترین دور کا بدترین ترکہ ہے۔

میں خالص ہمدردی اور دلسوزی سے جناب کی توجہ اس طرف منعطف کرتا ہوں کہ حالات مذکورہ میں ان قوانین کے نافذ کرنے کا مشورہ کوئی ایسا شخص نہیں دے سکتا، جو ملک کا اور آپ کا خیر خواہ ہو۔

اس قانون کی شرعی اور عملی خامیوں کی تفصیلی نشاندہی میں تو طول ہوگا، (اور عند الضرورة وہ تفصیل بھی پیش کی جا سکتی ہے) اس وقت محض بطور نمونہ چند چیزیں آپ کی

نظر سے گذارنا چاہتا ہوں۔

آرڈیننس کی دفعہ نمبر ۴

اگر وراثت کے شروع ہونے سے پہلے مورث کے کسی لڑکے یا لڑکی کی موت واقع ہوجائے تو ایسے لڑکے یا لڑکی کے بچوں کو (اگر کوئی ہوں) بحصہ رسدی وہی حصہ ملے گا، جو اس لڑکے یا لڑکی کو (جیسی صورت ہو) زندہ ہونے کی صورت میں ملتا۔

فیصلہ قرآن وسنت

اس میں بیٹوں کے موجود ہوتے ہوئے یتیم پوتے کو برابر کا حصہ دار قرار دینا اسلامی قانون وراثت اور اصول وراثت کے قطعی خلاف اور ایک جذباتی فیصلہ ہے کہ یتیم پوتا زیادہ حاجتمند ہے، اور اگر یتیم پوتا قابل رحم ہے، تو یتیم پوتے کی ماں یعنی متوفی بیٹے کی بیوہ کیوں قابل رحم نہیں، جس کو اس موجودہ قانون میں بھی کوئی حصہ نہیں دیا گیا۔

مسئلہ کی حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں بلکہ کسی مذہب وملت میں تقسیم وراثت حاجت مندی کے معیار پر نہیں ہوتی، بلکہ مرنے والے سے قرابت داری کے معیار پر ہے، اگر فقر وافلاس اور حاجت مندی کے معیار پر وراثت تقسیم ہوا کرتی، تو بہت سے لوگوں کی اولاد اور بیوی، ماں باپ اور بہن بھائی جو حاجت مند نہیں وہ محروم قرار پاتے، اور شہر یا محلّہ کے غریب غرباء اور حاجت مند لوگ سب میراث لے جاتے یا کم از کم خاندان ہی میں یہ دیکھا جاتا کہ کس عزیز کا کیا حال ہے، اور پھر بقدر حاجت مندی اعزاء میں ترکہ تقسیم ہوا کرتا، کہیں بیٹا غیر حاجت مند ہونے کی بناء پر محروم اور بھتیجا حاجت مندی کی بناء پر وارث ٹھہرتا اور کہیں ماں باپ غیر حاجت مند ہونے کے سبب محروم اور نواسے اور دور کے رشتہ دار حاجت مندی کے سبب حصے دار قرار پاتے، غرض کوئی معین اصول باقی نہیں رہتا۔

اس لئے قرآن وسنت کے بتائے ہوئے اصول کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ قریب کے ہوتے ہوئے بعید کو محروم کیا جائے، اور یہی اصول فطری بھی ہے، اور قرین عدل وانصاف بھی۔

اب جب کہ یہ اصول ٹھہرا، تو ظاہر ہے کہ بیٹوں کے مقابلہ میں پوتا بعید ہے، وہ محروم ہوگا، حدیث کی سب سے بڑی مستند کتاب صحیح بخاری میں بالکل صراحت و وضاحت کے ساتھ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ اس بارہ میں لکھا ہے:

"ولا یرث ولد الابن مع الابن"

یعنی کسی بیٹے کی موجودگی میں پوتا وارث نہیں۔

(صحیح بخاری ص:۲۳۸، ج:۲)

اور علامہ عینی نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ اس فیصلہ پر تمام صحابہ کرام کا اجماع واتفاق ہے، رہا یہ جذباتی معاملہ کہ تقسیم وراثت کے وقت جب یتیم پوتے کے سامنے اس کے چچا تایا ترکہ پر قبضہ کریں گے، تو اس وقت اس کو اپنے باپ کی موت اور دادا کی وراثت سے محرومی ایک پریشانی کا موجب ہوگی، سو اس کا علاج قرآنی اصول کے مطابق مرنے والے دادا یا نانا کے ہاتھ میں تھا کہ اپنے یتیم پوتے پوتیوں بلکہ نواسے نواسیوں اور لڑکے کی بیوہ کے لئے ایک تہائی مال تک وصیت کرسکتا تھا۔ نیز موجودہ چچا تایا اگر چاہیں تو اپنی رضامندی سے اس یتیم بھتیجے کا جتنا چاہیں حصہ لگا سکتے ہیں۔ اور قرآن کریم نے ان کو ایسا کرنے کی ترغیب بھی دی ہے: "وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُو الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِنْهُ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوْفًا۔" یعنی اگر تقسیم وراثت کے وقت وہ رشتہ دار جو شرعی قاعدہ سے وارث نہیں، اور یتیم ومسکین حاضر ہوجائیں، تو ان کو بھی کچھ دیدو، اور ان سے دلجویانہ بات کہہ دو۔ (تاکہ وہ لوگ رنجیدہ نہ ہوں)

اب اگر مشفق ومہربان نانا دادا نے بھی اپنے پوتے پوتیوں یا نواسے نواسیوں پر رحم نہ کھایا، اور چچا تایا اور ماموں کو بھی ان پر کوئی ترس نہ آیا، تو اس کو ایک آسمانی آفت کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔ ان غریبوں کا وہی درجہ ہوگا، جن کے باپ دادا نے کچھ چھوڑا ہی نہیں، جس کا علاج یہ نہیں کہ حقداروں کے حصے میں سے زبردستی چھین کر ان کی حاجت پوری کی جائے، بلکہ اس کا نہایت معقول اور صحیح انتظام وہ ہے، جو قرآن کریم نے کر دیا ہے اس کو قانون بنا کر نافذ کر دینے سے صحیح طور پر ان کی مشکلات کا حل ہو سکتا ہے۔

قرآن کا وہ قانون یہ ہے کہ یتیم پوتا اگر حاجتمند ہے، تو دادا کی زندگی میں اس کی تمام ضروریات نفقہ دادا کے ذمہ ہیں، اور اس کے انتقال کے بعد اس کی تمام ضروریات نفقہ کی ذمہ داری انہیں چچا تایوں پر ڈال دی ہے، جو اس وقت دادا کی میراث لے رہے ہیں۔ قرآن کریم کا ارشاد اس بارہ میں یہ ہے۔ وعلی الوارث مثل ذالک۔ جمہور ائمہ فقہاء نے اس کے یہ معنی بیان فرمائے ہیں کہ بچہ کے نان نفقہ کی ذمہ داری جو باپ کے ذمہ تھی، باپ کے مرنے کے بعد بچہ کے وارثوں کی طرف منتقل ہو جاتی ہے، جن میں بچہ کے چچا تایا بھی داخل ہیں، اور ماموں بھی۔

اس قرآنی قانون نے یتیم بچوں کی حاجت روائی اور ضروریات کا انتظام کسی موہوم چیز کے حوالے نہیں کیا، بلکہ اس کے لئے ایک یقینی صورت پیدا کر دی، اور وہ اس وقت تک جاری رہے گی، جب تک بچہ بالغ اور کمانے کے قابل نہ ہو جائے، اس کے خلاف دادا نانا کی وراثت میں ان کو حصہ دار بنانا کسی طرح بھی ان کی ضروریات کا کوئی یقینی انتظام نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس میں یہی معلوم نہیں کہ دادا، نانا کچھ وراثت میں چھوڑیں گے یا نہیں، اور چھوڑیں گے تو کتنی اور اس میں ان کا حصہ کتنا ہوگا۔ پھر یہ حصہ وراثت کتنے دن تک ان کا ساتھ دے سکے گا۔ ان کو تو ضرورت اس کی ہے کہ بالغ ہونے تک ان کی ضروریات کا کوئی تکفل کرے، وہ صرف قرآن کے بنائے ہوئے

قانون میں ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے واضعان قانون سب کچھ دیکھتے اور غور کرتے ہیں، مگر قرآن وسنت کے بتائے بہترین اصول وفروع کو نظر انداز کردیتے ہیں۔

عائلی قانون دفعہ نمبر ۶ تعدد ازواج

۱:......کوئی شادی شدہ شخص اس آرڈی ننس کے تحت ثالثی کونسل سے پیشگی تحریری اجازت لئے بغیر دوسری شادی نہیں کرے گا، اور نہ ہی مذکورہ منظوری حاصل کئے بغیر کی ہوئی کسی شادی کو اس آرڈی ننس کے تحت درج رجسٹر کیا جائے گا۔

۲:......ذیلی دفعہ (۱) کے تحت اجازت حاصل کرنے کے لئے درخواست مجوزہ طریق کار کے مطابق اور فیس مقررہ کے ہمراہ چیئرمین کو دی جائے گی، اور اس میں مجوزہ شادی کی وجوہات بیان ہوں گی، اور یہ کہ آیا اس کے لئے موجودہ بیوی یا بیویوں سے رضامندی حاصل کرلی گئی ہے۔

۳:......ذیلی دفعہ (۲) کے تحت درخواست موصول ہونے پر چیئرمین درخواست دہندہ اور اس کی بیوی یا بیویوں سے کہے گا کہ ہر ایک اپنا نمائندہ نامزد کرے، اور اس طرح تشکیل شدہ ثالثی کونسل اگر مطمئن ہو کہ مجوزہ شادی ضروری اور منصفانہ ہے، تو وہ ایسی شرائط کے تحت جنہیں وہ مناسب خیال کرے مطلوبہ منظوری دے سکتی ہے۔

۴:......درخواست کے فیصلے میں ثالثی کونسل اپنے فیصلے کی وجوہات قلمبند کرے گی، اور کوئی بھی فریق مجوزہ طریق کار کے مطابق اور مقررہ مدت کے اندر مقررہ فیس کی ادائیگی پر نگرانی کی درخواست پیش کرسکتا ہے، جو مغربی پاکستان میں کلکٹر اور مشرقی پاکستان میں سب ڈویژنل آفیسر متعلقہ کو پیش کی جائے گی اور اس کا فیصلہ قطعی ہوگا۔ اور اس کے خلاف کسی عدالت میں چارہ جوئی نہیں کی جاسکے گی۔

۵:...... جو شخص ثالثی کونسل کی اجازت کے بغیر دوسری شادی کرے گا وہ

الف: مہر کی تمام واجب الاداء رقم موجودہ بیوی یا بیویوں کو ادا کرے گا، خواہ وہ معجّل ہو یا مؤجل، جو عدم ادائیگی کی صورت میں بطور بقایا جات مالیہ وصول کی جا سکے گی۔ اور

ب: شکایت اثبات جرم کی صورت میں قید محض جس کی میعاد ایک سال تک ہو سکتی ہے یا جرمانہ جو پانچ ہزار روپے تک ہوسکتا ہے، یا ہر دو سزاؤں کا مستوجب ہوگا۔

فیصلہ قرآن وحدیث

اس دفعہ کا منشاء بظاہر ان مظالم کو دور کرنا ہے، جو ایک سے زائد نکاح کرنے والوں کی طرف سے ان کی بیویوں پر ظہور میں آسکتے ہیں، اس لئے اس دفعہ کی رو سے دوسرا نکاح کرنے پر کڑی پابندیاں لگائی گئی ہیں۔

لیکن یہاں یہ سوال بدیہی طور پر پیدا ہوتا ہے کہ صرف ایک بیوی رکھنے والے کیا اس ظلم و جور کے مرتکب نہیں ہوتے، یا ان کی مظلوم بیوی کو ظلم سے نجات دلانا ضروری نہیں، اگر ہے اور یقیناً ہے تو پھر جو اصول اس دفعہ میں اختیار کیا گیا ہے، کیا اس کا مقتضی یہ نہیں ہوگا کہ پہلا نکاح کرنے والے ہر شخص پر بھی یہی پابندی لگائی جائے کہ یونین کے چیئرمین کے سامنے اپنے نکاح کی ضرورت اور اس کی ذمہ داریوں کو انصاف کے ساتھ پورا کرنے کی ضمانت پیش کر کے اجازت حاصل کئے بغیر کوئی اقدام نکاح کا نہ کرے، اور پورے ملک میں کوئی شادی تمام دفتری مراحل کو طے کئے بغیر عمل میں آئے تو وہ قابل سزا جرم قرار دیا جائے۔

مگر ظاہر ہے کہ نہ اصول مذہب و معاشرت اس کے متحمل ہیں اور نہ کوئی سمجھدار انسان مطلقاً نکاح شادی پر ایسی پابندیاں عائد کرنے کا حامی ہوسکتا ہے، اور نہ خود عائلی

کمیشن ہی نے اس کو صحیح سمجھا ہے، وجہ یہ ہے کہ اصل شادی کرنا تو کوئی جرم نہیں، جرم وہ غلط کاریاں ہیں جو بعد میں ادائے حقوق کے بارے میں پیدا ہو جاتی ہیں۔

اور جس طرح پہلی کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی پر عدالت میں چارہ جوئی کی جا سکتی ہے، اسی طرح متعدد بیویوں میں عدم عدل کی چارہ جوئی بھی کی جا سکتی ہے۔ بہرحال دونوں صورتوں میں قانون اور حکومت کی مداخلت کا وہ وقت ہوتا ہے، جب کوئی فرد عدم عمل یا عدم ادائیگی حقوق کا ارتکاب کرے، پیشگی خوف یا بے اعتمادی کی بناء پر یہ مداخلت صحیح نہیں، اور اگر پیشگی خوف کی بناء پر کوئی قانونی پابندی عائد کرنا ضروری ہی سمجھا جائے تو ازدواج مکرر سے زائد اس کی ضرورت پہلے نکاح میں ہے، کیونکہ ازدواج مکرر تو ہزاروں میں ایک کی نسبت رکھتا ہے، اور پہلا نکاح تقریباً سو فیصدی ہے، اسی تناسب سے اس میں عورتوں کی مظلومیت زیادہ ہے۔

لیکن بیاہ شادی پر ایسی پابندیاں لگانے کا تصور بھی کسی کو نہیں آیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دفعہ کا اصل منشاء کسی ظلم کا انسداد نہیں بلکہ غیر مسلم اغیار کے نظریات سے متاثر ہو کر خود تعدد ازدواج کو ایک مکروہ شے اور جرم قرار دینا ہے، جس کو خاص طور پر ممنوع کرنے کی بجائے ایسی پابندیاں عائد کر دی گئیں جو عملی طور پر ممنوع کر دینے کے مترادف ہوں۔

جو شخص اسلام اور انبیاء علیہم السلام کی تاریخ سے کچھ بھی واقفیت رکھتا ہو، وہ اس اقدام کو کھلے طور پر اسلام پر گستاخانہ حملہ کے سوا کچھ نہیں سمجھ سکتا۔ یہ بات بھی کسی باخبر آدمی سے مخفی نہیں کہ جو لوگ تعدد ازدواج کو جرم سمجھتے ہیں، ان کے یہاں زنا جرم نہیں۔ غیر محدود عورتوں کو ''داشتہ'' کے طور پر رکھنا جرم نہیں، اسلئے تعدد ازدواج کو ترک کر دینا، ان کی کسی ضرورت میں حائل نہیں ہوتا اور یہی وجہ ہے کہ اسلامی ممالک کے سوا پوری دنیا میں ''ناجائز بچوں'' کی تعداد روز بروز طوفانی رفتار سے بڑھتی جارہی ہے۔

اقوام متحدہ کی جانب سے ڈیموگرافک سالنامہ بابت ۱۹۵۹ء حال ہی میں شائع ہوا ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ: السلوڈور، ڈمینکن ری پبلک، ہندوراس، گوئٹے مالا اور پناما میں حرامی بچوں کی تعداد کا تناسب ساٹھ فیصدی ہے، پناما میں تو ''ہر چار میں تین بچے'' پادریوں کی مداخلت یا سول میرج رجسٹری کے بغیر ہی پیدا ہو رہے ہیں، یعنی پچھتر فیصدی حرامی بچے ہیں۔ لاطینی امریکہ میں حرامی بچوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے، یہی حال ویسٹ انڈیز کا ہے، مسلم ممالک کا ذکر کرتے ہوئے متحدہ عرب جمہوریہ کے اعداد بتلائے ہیں جو کہ پورے اسلامی ممالک میں سب سے زیادہ تجدد پسند ہے، اور کہا ہے وہاں حرامی بچوں کی پیدائش کا تناسب ایک فیصدی سے کم ہے۔

آخر میں اس سالنامہ میں اس کا سبب بھی یہ بتلایا ہے کہ:

''چونکہ مسلم ممالک میں چند زوجیت (تعدد ازدواج) کا رواج ہے، اس لئے وہاں ناجائز ولادتوں کا بازار گرم نہیں ہے۔''

افسوس ہے کہ ہمارے قانون ساز حضرات جن اغیار کے افکار سے متاثر ہو کر اس طرح کے قوانین وضع کرتے ہیں خود ان کے تجربات کو بھی سامنے نہیں رکھتے، اور ان نتائج بد سے عبرت حاصل نہیں کرتے۔

اور جن حضرات کے ذہن اغیار کے طرز فکر سے اتنے مرعوب بلکہ مسموم ہو چکے ہوں ان سے موجودہ قوانین کی قرآن کے مطابق اصلاح کی کیا توقع کی جاسکتی ہے۔

قرآن کا کھلا ہوا فیصلہ اس معاملے میں ہر مسلمان جانتا ہے کہ آیت: ''فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنی و ثلث و رباع'' نے مسلمان کے لئے چار عورتوں تک بیک وقت نکاح میں جمع رکھنے کی اجازت دی ہے، رہا ان کا یہ کہنا کہ قرآن نے خود واضح کر دیا ہے کہ یہ اجازت ان لوگوں کے لئے ہے، جو ایک سے زائد بیویوں کے حقوق عدل وانصاف کے ساتھ پورے کر سکیں، اور جو اس پر قادر نہیں اس کے لئے قرآن کا فیصلہ

یہ ہے: ''فان خفتم ان لا تعدلوا فواحدة''یعنی اگر تم چند بیویوں میں برابری نہ کر سکو تو پھر ایک ہی نکاح پر اکتفا کرنا چاہئے۔

سو یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے قرآن کریم نے پہلے نکاح کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا ہے: ''و لیستعفف الذین لا یجدون نکاحاً حتی یغنیھم اللّٰہ من فضلہ'' (سورہ نور ۳۳) جو شخص ایک بیوی کے نان نفقہ کی بھی قدرت نہیں رکھتا اس کو چاہئے کہ اس وقت تک نکاح نہ کرے، جب تک اس کو اللہ تعالیٰ اتنی وسعت نہ عطا فرمادیں جس سے بیوی کا نفقہ ادا ہو سکے، اس لئے بالفعل اس کو صبر و عفت کے ساتھ زندگی گزارنا چاہئے۔ جن حضرات کو حق تعالیٰ نے فہم قرآن کی توفیق بخشی ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ یہ دونوں حکم ایک اخلاقی ہدایت نامہ کی حیثیت رکھتے ہیں کہ اس کی خلاف ورزی کرنے پر انسان گناہ گار اور محشر میں جوابدہ ہوگا، ان دونوں آیتوں میں نکاح پر کوئی قانونی پابندی نہیں کہ نکاح کو قابل سزا جرم قرار دے دیا جائے، اور یہ اخلاقی ہدایت جیسے ازدواج ثانی پر ہے اسی طرح پہلے نکاح پر بھی ہے۔

دفعہ نمبر ۷۔ طلاق ضمن ۳ و ۴

۳:......سوائے اس صورت کے جس کا حکم ذیلی دفعہ (۵) میں ہے کوئی طلاق تاوقتیکہ قبل ازیں واضح طور پر یا کسی اور طریقہ سے منسوخ نہ کی گئی ہو، اس وقت تک مؤثر نہ ہوگی، جب تک ذیلی دفعہ (۱) کے تحت چیئرمین کو دیئے ہوئے نوٹس کی تاریخ سے نوے دن نہ گزر گئے ہوں۔

۴......ذیلی دفعہ (۱) کے تحت نوٹس وصول ہونے کی تاریخ سے تیس دن کے اندر چیئرمین فریقین میں صلح صفائی کی غرض سے ایک ثالثی کونسل کی تشکیل کرے گا، اور ثالثی کونسل تمام ایسے اقدامات کرے گی، جو ایسی صلح صفائی کرانے کے لئے ضروری ہوں۔

فیصلہ قرآن وحدیث

اس قانون کی رو سے بغیر مجوزہ قانونی صورت کے شوہر کی کوئی طلاق مؤثر نہ ہو گی، خواہ وہ ایک طلاق ہو یا دو، تین، اور خواہ صریح الفاظ سے ہو یا کنایہ، اور خواہ رخصتی سے پہلے ہو یا بعد میں، یہاں دو باتیں قابل غور ہیں، اول یہ کہ طلاق کے مؤثر ہونے کے معنی کیا ہیں، دوسرے یہ کہ طلاق کے مؤثر ہونے کے متعلق قرآن وسنت کے احکام کیا ہیں، اسی سے یہ اندازہ ہو جائے گا کہ یہ قانون قرآن وسنت سے کس حد تک ہم آہنگ ہے۔

شرعاً اور عقلاً طلاق کے دو اثر ہوتے ہیں، ایک طلاق دینے والے شوہر پر عورت کا حرام ہو جانا......... دوسرے عورت کا دوسروں کے نکاح کے لئے حلال ہو جانا۔

مذکورہ دفعات قانون سے واضح ہے کہ کسی طلاق کا کوئی اثر نوے دن سے پہلے مرتب نہ ہوگا۔ اس کے بالمقابل قرآن وسنت کے احکام دیکھئے۔

سورۃ احزاب (۴۹): ''یایها الذین امنوا اذا نکحتم المؤمنٰت ثم طلقتموهن من قبل ان تمسوهن فمالکم علیهن من عدة تعتدونها فمتعوهن و سرحوهن سراحا جمیلاً۔'' اس آیت کی رو سے وہ عورت جس کے ساتھ خلوت نہیں ہوئی، اگر اس کو طلاق دیدی گئی، اس کے حق میں طلاق کے دونوں قسم کے اثر یعنی شوہر اول کے لئے حرمت اور دوسروں کے لئے حلت فوری ہے، ایک گھنٹہ کا بھی کوئی انتظار نہیں اور عائلی قانون اس کے لئے بھی نوے دن تک کسی قسم کا اثر تسلیم نہیں کرتا۔

سورۃ طلاق کی پہلی آیت یایها النبی اذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن و أحصوا العدة۔ اس آیت میں یہ حکم ہے کہ طلاق عدت کے وقت دی جائے،

صحیح بخاری میں بروایت ابن عمرؓ اس کی یہ تشریح مذکور ہے کہ ایسے زمانہ طہارت میں طلاق دی جائے، جس میں اس کے ساتھ مباشرت نہ ہوئی ہو۔

اگر طلاق کا لفظ زبان سے نکلنے کے ساتھ اثر انداز نہیں ہوتا، تو اس حکم کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی، اور اس معاملہ میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ پر جو اپنی زوجہ کو بحالت حیض طلاق دینے کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عتاب فرمایا اس کی کوئی وجہ نہیں رہتی۔

سورہ بقرہ آیت ۲۲۸ و المطلقٰت یتربصن بانفسهن ثلثة قروء (الی) و بعولتهن احق بردهن فی ذلک ان ارادوا اصلاحاً۔ اس آیت میں قرآن حکیم نے مرد کی زبان سے طلاق کا لفظ نکلتے ہی اس کی بیوی کو مطلقہ کا نام دے کر یہ بتلا دیا کہ طلاق کا اثر اول یعنی شوہر کے لئے حرام ہونا فوراً قائم ہو گیا، البتہ دوسرا اثر کہ دوسرے شخص سے نکاح کر سکیں اس کو عدت پورے ہونے پر موقوف کیا ہے۔

نیز شوہر کو یہ حق دیا ہے کہ عدت کے دوران میں اپنی طلاق سے شرائط رجعت کے موافق رجوع کر لے۔ اگر طلاق اثر انداز ہی نہ تھی، تو بیویوں کو مطلقات کا نام دینے اور شوہروں کو ردّ ورجعت کا حق دینے کے کوئی معنی نہیں ہوتے۔ اسی طرح تمام آیات قرآن متعلقہ طلاق کا مفہوم یہی ہے کہ طلاق کا اثر اول یعنی شوہر کے لئے قبل از رجعت حرام ہو جانا، لفظ طلاق کے زبان سے نکلتے ہی شروع ہو جاتا ہے، البتہ اثر دوم یعنی دوسروں کے لئے نکاح حلال ہونا، یہ عدت گزرنے پر موقوف ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین وصحابہ کرامؓ کے تمام فیصلے اس پر واضح ثبوت ہیں:

ا:......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ثلاث جدهن جد و هزلهن جد، النکاح و الطلاق و الرجعة۔" اور بروایت حسنؓ اس حدیث میں یہ الفاظ بھی

منقول ہیں: "من طلق او حرم او نکح او أنکح جاداً أو لاعباً فقد جاز علیه." (ابن ماجہ)

جس میں اس کی وضاحت ہے کہ ہنسی مذاق میں بغیر ارادہ کے الفاظ طلاق کہہ دینے کو بھی فوری طور پر مؤثر قرار دیا گیا ہے۔

۲:......حضرت عائشہؓ کے ایک غلام نے اپنی بیوی کو دو طلاقیں دے دیں، تو حضرت عائشہؓ، عثمان غنیؓ، زید بن ثابتؓ وغیرہ صحابہؓ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ اب وہ اس کے پاس نہ جائے۔ (کنز ص:۱۶۰، ج:۵۴، برمز بن ماجہ)

۳:......ایک شخص نے اپنی بیوی کو کنایہ کے الفاظ سے طلاق دی، تو فاروق اعظمؓ نے اس کو بیت اللہ کے دروازہ اور حجر اسود کے درمیان کھڑا کر کے قسم دی کہ صحیح بتلاؤ، ان الفاظ سے تمہاری نیت کیا تھی، اس نے اقرار کیا کہ طلاق مراد تھی، فاروق اعظمؓ نے اسی وقت دونوں میں تفریق کر دی۔ (بخاری و مسلم)

۴:......حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاق بیک وقت دیدے، اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی، اور اس کی عورت اس سے جدا ہو گئی۔ (کنز برمز مصنف ابن ابی شیبہ)

۵:......ایک شخص نے اپنی بیوی کو بلفظ حرام طلاق دی، تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ دیا کہ اس کے لئے اس عورت کے ساتھ مباشرت اسی وقت حرام ہو گئی۔

(کنز برمز جامع عبدالرزاق)

۶:......اسی طرح کا ایک فیصلہ حضرت فاروق اعظمؓ کا بھی منقول ہے۔

(بخاری و مسلم)

اس کے مقابل عائلی قانون نوے دن پورے ہونے سے پہلے طلاق کا کوئی اثر تسلیم نہیں کرتا، اسی وجہ سے ضمن (۴) میں ثالثی کونسل کو مصالحت کرانے کے لئے مامور

کرتا ہے، جو حرمت ثابت ہو چکنے کے بعد ان دونوں کو حرام کی ترغیب دینے کے مرادف ہے، اور اگر مصالحت سے مراد واضعان قانون کی نظر میں رجعت یا منسوخی طلاق ہے، تو وہ بھی ہر طلاق میں نہیں ہو سکتی، صرف طلاق رجعی میں ہو سکتی ہے، جو صریح الفاظ طلاق کے ساتھ ایک یا دو مرتبہ تک دی گئی ہو۔ اور جس طلاق میں بالکل رشتۂ زوجیت قطع کرنے کے الفاظ بہ نیت طلاق کہے گئے ہوں، جیسے حرام، بائن وغیرہ اس میں رجعت یا مصالحت کا از روئے قرآن وسنت کوئی امکان نہیں۔ جیسا کہ فاروق اعظمؓ اور علی مرتضیٰؓ کے مذکور الصدر فیصلوں سے ثابت ہے، دراں حالیکہ عائلی قانون علی الاطلاق ان میں مصالحت کرانے کی سعی کرتا ہے، یہ کھلا ہوا تصادم ہے، اس کی مزید تفصیل دفعہ ۷ ضمن ۶ کے تحت میں آئے گی۔ اور قرآن کریم میں جس مصالحتی تحکیم کا ذکر ہے، وہ تو طلاق سے پہلے رفع نزاع کے لئے ہے، تاکہ طلاق تک نوبت ہی نہ پہنچے، اور اس میں اس کی رعایت ہے کہ معاملہ صرف دونوں کے خاندان ہی تک محدود رہے، غیروں کی مداخلت نہ ہو۔ "فابعثوا حکماً من اهله و حکماً من اهلها۔" میں اس کی تصریح ہے عائلی قانون نے اس کے بالکل برعکس طلاق ہو جانے کے بعد مصالحتی کونسل کا کام شروع کیا، اور اس میں یونین کے چیئرمین کا اپنی طرف سے اضافہ کر کے وہ مصلحت بھی ختم کر دی کہ زوجین کے نزاع میں کسی غیر کی مداخلت نہ ہو، کیونکہ اس سے فریقین کی رسوائی اور نزاع بڑھ جانے کا امکان زیادہ ہے۔

دفعہ ۷ ضمن ۵

اگر طلاق کے اعلان کے وقت بیوی حمل سے ہو، تو طلاق اس وقت تک مؤثر نہیں ہوگی، جب تک ذیلی دفعہ ۳ میں مذکورہ مدت یا مدت حمل جو بھی زیادہ ہو، ختم نہ ہو جائے۔

قرآن وحدیث

ضمن ۳ و ۴ کے بیان میں واضح کیا جاچکا ہے، کہ طلاق کے دو اثر ہوتے ہیں، پہلے شوہر کے لئے حرمت اور دوسرے کے لئے حلت، اثر اول تمام نصوص قرآن وسنت کی رو سے اسی وقت ثابت ہو جاتا ہے، جس وقت الفاظ طلاق زبان یا قلم سے نکلے، اور اثر دوم عدت گزرنے پر موقوف رہتا ہے، پھر اثر دوم کے لئے قرآن کریم نے حاملہ عورت کی عدت وضع حمل قرار دی ہے، خواہ وہ کتنی ہی قلیل یا کثیر مدت میں واقع ہو، قرآن کی تصریح اس میں بالکل واضح ہے۔

''وأولات الأحمال أجلهن أن يضعن حملهن۔'' (سورۃ طلاق) اس کا مقتضی یہ ہے کہ اگر طلاق کے ایک ہی دن بعد وضع حمل ہو جائے، تو عدت ختم ہوگئی، اور نکاح ثانی اس کے لئے حلال ہوگیا، اس کی اولاد ثابت النسب وارث ہے۔

مگر ہمارا عائلی قانون کہتا ہے کہ ابھی تو اسی دن تک طلاق مؤثر نہیں، نہ یہ عورت اپنے طلاق دینے والے کے لئے حرام ہے، نہ دوسرے شخص سے اس کا نکاح حلال ہے، اور جب نکاح جائز نہیں، تو جو اولاد اس سے ہوگی، وہ قانونی اولاد نہ ہونے کے سبب وراثت سے محروم ہوگی، یہ کھلا ہوا تصادم ہے قرآن سے۔

دفعہ ۷ ضمن ۶

ایسی بیوی کیلئے جس کا نکاح دفعہ ہذا کے تحت مؤثر شدہ طلاق کی وجہ سے فسخ ہو چکا ہو، کسی اور شخص سے شادی کئے بغیر اسی خاوند سے دوبارہ شادی کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہوگا، تاوقتیکہ ایسا فسخ نکاح تیسری مرتبہ اسی طرح مؤثر نہ ہو چکا ہو۔

قرآن وحدیث

''الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان'' (الاٰیۃ)

"فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره۔" (سورۃ بقرۃ)

ان دونوں آیتوں کا مقتضٰی یہ ہے کہ دو مرتبہ کی طلاق تک تو رجعت یا آپس میں نکاح ثانی ہوسکتا ہے مگر تیسری طلاق ہو جائے تو وہ رجعت اور آپس میں دوبارہ نکاح سے مانع ہے، جب تک دوسرے مرد سے شادی اور پھر اس کی موت یا طلاق واقع نہ ہو جائے، آیت مذکورہ کی تشریح ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ابوداؤد میں اس طرح منقول ہے کہ زمانہ جاہلیت کا رواج یہ تھا کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو کتنی طلاقیں دے ڈالے، بہر صورت اس کو رجعت کا حق رہتا تھا، اور مظلوم بیوی کو اس سے چھٹکارا حاصل ہونے کی کوئی صورت بجز اس کے نہ تھی، کہ وہ خود ہی چھوڑ دے۔ قرآن کریم کی آیت مذکورہ الطلاق مرتان نے جاہلیت کی اس رسم کو باطل کر کے یہ حکم دے دیا کہ تین طلاق کے بعد رجعت کا کوئی حق نہیں، بلکہ اب اس کا دوبارہ نکاح جدید بھی اس عورت کے ساتھ بغیر دوسری شادی اور پھر اس سے جدائی کے نہیں ہوسکتا۔ (ابو داؤد) ہمارا عائلی قانون پھر قرآن کے خلاف عہد جاہلیت کی رسم کو زندہ کرنا چاہتا ہے، کیونکہ عائلی قانون نکاح جدید میں کوئی مانع نہیں قرار دیتا، جب تک پہلی تین طلاقیں اس قانون کے مفروضہ طریقہ کے مطابق مؤثر ہو کر ثابت نہ ہو چکی ہوں، اور یہ بات ضمن ۳، ۴ کے تحت واضح کی جا چکی ہے، کہ قرآن وسنت کی رو سے ہر طلاق زبان یا قلم سے نکلتے ہی مؤثر ہو جاتی ہے، اس کے مؤثر ہونے میں نوے دن کی مفروضہ شرط جو اس قانون نے لگائی ہے وہ بالکل قرآن وسنت کی تحریف اور ان سے کھلا تصادم ہے، اس لئے جب کسی شخص نے تین طلاقیں دیدیں، تو وہ خود بخود فوراً مؤثر بھی ہو گئیں، ان کے بعد بغیر دوسری شادی کے آپس میں نکاح نہیں ہوسکتا۔ امام نووی نے شرح مسلم میں اس پر صحابہ کرامؓ کا اجماع نقل کیا ہے، اور امت کے چاروں امام ابوحنیفہ، شافعی، مالک، احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ اس پر متفق ہیں، بلکہ بہت سے اہل ظاہر اہل حدیث بھی اس میں

متفق ہیں جیسے ابن حزم اندلسی اور یہ بات ہر کسی لکھے پڑھے آدمی سے مخفی نہیں کہ پوری دنیائے اسلام بجز عدد قلیل کے انہیں ائمہ مجتہدین کو قرآنی قانون کی تعبیر میں حجت (اتھارٹی) تسلیم کرتی ہے۔ قرآن وسنت کے قانون کی کوئی تعبیر ان کے خلاف قابل اعتماد نہیں سمجھتی، اور پاکستانی عوام کی اٹھانوے فی صد اکثریت حنفی المذہب ہے، اگر دوسرے اماموں کی فقہ میں گنجائش بھی ہوتی، جب بھی ملک کی اتنی بڑی اکثریت کے مذہبی مسلک کے خلاف کوئی قانون بنانا صحیح نہ ہوتا، اور حقیقت تو یہ ہے کہ یہ قانون کسی بھی اسلامی فرقہ کی فقہ کے موافق نہیں کیونکہ جو حضرات تین طلاق کو ایک قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک بھی ایک طلاق تو فوراً ہو جاتی ہے، اور اگر تین طلاقوں کو تین طہروں میں متفرق کر کے دیا جائے، تو تینوں طلاقیں ہو جاتی ہیں، اور وہی حکم ہوتا ہے، کہ دوسری شادی اور پھر اس سے جدائی کے بغیر پہلے شوہر سے نکاح نہیں ہو سکتا، موجودہ قانون دو وجہ سے ان کے فقہ کے بھی خلاف ہے، کیونکہ ان کے نزدیک تین طلاق سے کم از کم ایک طلاق تو ہو جاتی ہے، مگر یہ قانون اس کو ایک طلاق بھی تسلیم نہیں کرتا، اور اسی طرح تین طہروں میں تین طلاق دینے کی صورت میں بھی بغیر دوسری شادی کے اس کو شوہر اول سے نکاح کی اجازت دیتا ہے، اس وقت نمونے کے طور پر اس قانون کے خلاف شرع اور عوام کے لئے موجب فتنہ ہونا ظاہر کرنے کے لئے اتنی ہی عرضداشت پر اکتفا کرتا ہوں، پورے قانون کی تفصیلی خامیاں مطلوب ہوں تو پوری تفصیل کے ساتھ بھی پیش کی جا سکتی ہیں۔

چند تجاویز

ملک وملت کی فلاح اور حکومت وعوام کے باہمی تعلقات کی خوشگواری کے پیش نظر میری اپنی محدود بصیرت کے مطابق موجودہ صورت حال کو کسی فتنہ اور خلفشار کا موجب بننے سے روکنے کے لئے بترتیب ترجیح تین صورتیں ہیں۔

۱:......موجودہ آرڈی نینس نیز ازدواجی کمیشن کی سفارشات کو منسوخ کر کے ایک نئے کمیشن کا تقرر کیا جائے، جس میں ایسے افراد ہوں، جن کی شریعت فہمی پر ملک کے عوام کو پورا اعتماد ہو، نیز ایسے افراد بھی شامل کئے جائیں، جو ملک کے موجودہ قانون سے بھی واقف ہیں، اور شریعت اسلام کے حکم و منشاء کو اس فریم میں چسپاں کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

۲:......موجودہ آرڈی نینس کو صرف منسوخ کر دیا جائے، اور اس مسئلہ کو سردست پارلیمنٹ کے آنے تک مؤخر کر دیا جائے۔

۳:......اگر موجودہ آرڈی نینس کے منسوخ کرنے میں حکومت اپنے وقار کے لئے کوئی گزند محسوس کرے، تو کم از کم یہ ہو کہ نہ اسے نافذ کیا جائے نہ منسوخ، بلکہ جیسے سابقہ حکومتوں نے اسے تعطل والتواء میں ڈال رکھا تھا، اسی طرح سردست اس مسئلہ کی طرف سے سکوت برتا جائے، اور پھر کسی موقع پر اس کو صحیح اصول پر جاری کرنے کا اہتمام کیا جائے، اس وقت ملک کے سامنے اس سے بہت زیادہ اہم مسائل کی موجودگی کا مقتضی بھی یہی ہے۔

واللہ الموفق والمعین ....بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

اضافہ بعض دفعات

جو مختصر تبصرہ میں اختصار کی وجہ سے رہ گئی تھیں!

عائلی قانون دفعہ ۱۲

کمسن بچوں کی شادی پر پابندی

اس دفعہ کی رو سے کسی لڑکی کا نکاح سولہ سال اور لڑکے کا اٹھارہ سال کی عمر سے پہلے کرنا جرم قرار دیا گیا ہے۔

قرآن کریم کا فیصلہ اس بارہ میں ملاحظہ ہو

۱:...... ''واللائی یئسن من المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدتھن ثلثة اشھر و اللائی لم یحضن'' (سورۃ الطلاق) اس آیت میں ان لڑکیوں کی عدت طلاق تین ماہ بیان کی گئی ہے، جنھیں ابھی تک حیض نہیں آیا، ظاہر ہے کہ عدت کا سوال طلاق کے بعد ہی ہوسکتا ہے، اور جب تک نکاح صحیح نہ ہو طلاق کا کوئی احتمال ہی نہیں، اس لئے اس آیت نے نابالغ لڑکیوں کے نکاح کو واضح طور پر جائز قرار دیا ہے، مگر عائلی قانون سولہ یا اٹھارہ سال کی عمر سے پہلے نکاح کی اجازت نہیں دیتا، یہ قرآن کریم سے کھلا ہوا تصادم ہے۔

۲:...... صحیح بخاری و صحیح مسلم میں اور تمام کتب احادیث میں صحیح اسناد کے ساتھ مذکور ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عائشہؓ کے ساتھ جب نکاح ہوا تو اس

وقت حضرت عائشہؓ کی عمر چھ سال تھی، اور جب رخصتی ہوئی، تو ۹ سال، مگر عائلی قانون اس عمر کے نکاح کو ناجائز قرار دیتا ہے۔ انا للّٰہ و انّا الیہِ رَاجِعون.

۳:......علامہ ابوبکر جصاص رازیؒ نے احکام القرآن میں محمد بن اسحاقؒ کے حوالہ سے ایک روایت نقل کی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلمہؓ کے صاحبزادے سلمہ کا نکاح حضرت حمزہؓ کی لڑکی سے اس وقت کر دیا تھا، جب کہ یہ دونوں چھوٹے بچے تھے، پھر عجیب اتفاق یہ ہوا کہ دونوں کا بچپن ہی میں انتقال ہو گیا۔

۴:......علامہ جصاصؒ نے احکام القرآن میں اور حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں تمام صحابہؓ اور تابعین اور فقہائے امت کا اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ کمسنی اور نابالغی کی حالت میں نکاح جائز ہے۔

نوٹ: صغرسنی کے نکاحوں میں عام طور پر جو خرابیاں دیکھی جاتی ہیں، ان کے پیش نظر اس کی حوصلہ افزائی تو بیشک نہ ہونی چاہئے، ترغیبی صورتیں اس کے انسداد کی اختیار کی جائیں تو بہتر ہے، مگر قانونی پابندی لگا کر قرآن کے حلال کو حرام و جرم قرار دینا قرآن کی مخالفت ہے جو کسی طرح گوارا نہیں کی جا سکتی، پھر عائلی قانون نے جو سولہ سال نکاح کی عمر مقرر کی ہے، تجربہ اور مشاہدہ یہ ہے کہ لڑکی عموماً تیرہ چودہ سال کی عمر میں اور لڑکا چودہ پندرہ سال میں بالغ ہو جاتے ہیں، بلوغ کے بعد بھی دو تین سال تک ان کو نکاح سے قانوناً روکنا بسا اوقات ان کے لئے حرام کا سبب بن سکتا ہے، جس کے روکنے کے لئے ہمارے قانون میں کوئی دفعہ نہیں، یہ کس قدر شرمناک معاملہ ہوگا کہ ایک مسلمان لڑکا یا لڑکی زنا کرے تو قانون اس کو کچھ نہ کہے، اور نکاح کرے تو اس پر سزا جاری ہو، بعض اوقات لڑکی یا لڑکے کے اولیاء کوئی خرابی محسوس کر کے اس کا نکاح فوری کر دینا ہی ضروری سمجھتے ہیں، اس قانون کی رو سے وہ پابند ہوں گے کہ ان کو حرام کاری میں مبتلا ہوتے ہوئے دیکھتے رہیں نکاح نہ کر سکیں۔

مفاسد کا شرعی علاج

چوں کہ صغرسنی کا نکاح بچوں کے اولیاء کرتے ہیں اس میں احتمال ہے کہ بچوں کے مصالح کی پوری رعایت نہ ہو، اس لئے شریعت اسلام نے اس کا تدارک یہ کر دیا ہے، کہ بالغ ہونے کے بعد ان کو اپنا نکاح فسخ کرانے کا اختیار دے دیا ہے، البتہ باپ دادا کی شفقت بھی اولاد پر غیر معمولی ہوتی ہے اور اولاد کے مصالح کو اولاد سے بھی زیادہ یہ جانتے سمجھتے ہیں، اس لئے باپ دادا کے کئے ہوئے نکاح کو فسخ کرانے کا اختیار عام طور پر نہیں دیا گیا، مگر اس میں بھی اگر کسی موقع میں یہ ثابت ہو جائے کہ باپ یا دادا نے کسی اپنی نفسانی غرض یا لالچ کے سبب اولاد کا نکاح نابالغی میں کر دیا ہے تو قاضی یا مسلم حاکم اس کو بھی فسخ کرسکتا ہے۔

اس خیار فسخ کی وجہ سے وہ تمام خرابیاں دور ہوسکتی ہیں، جو نکاح صغرسنی میں متصور ہیں۔

عائلی قانون دفعہ نمبر ۵

شادی بیاہ کی رجسٹریشن

ذیلی (۴) ہر وہ شخص جو ذیلی دفعہ (۳) مذکورہ بالا کی خلاف ورزی کرے گا، وہ قید محض جس کی میعاد تین ماہ ہوسکتی ہے، یا جرمانہ جو ایک ہزار روپے تک ہوسکتا ہے، یا ہر دو سزاؤں کا مستوجب ہوگا۔

فیصلہ قرآن وحدیث ملاحظہ ہو

اگر اس قانون کا منشا یہ ہے کہ جو نکاح رجسٹریشن کے بغیر عمل میں آئے، وہ قانوناً

نکاح ہی نہ قرار دیا جائے، تب تو یہ دفعہ قرآن و سنت اور اجماع امت کے واضح ارشادات کے بالکل منافی ہے، نہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے شرائط میں رجسٹری کرانے کو کہیں دخل دیا ہے، اور نہ پوری امت نے اس کو شرط سمجھا ہے۔

اور اگر منشا یہ ہے کہ نکاح تو تسلیم کیا جائے، مگر خلاف ورزی قانون کی بناء پر اس کو سزا دی جائے، تو یہ ایک خالص انتظامی معاملہ ہے، بدنظمی اور جعلسازی کو روکنے کے لئے حکومت کی طرف سے کوئی ایسا اقدام تو مناسب ہے، مگر اس پر اتنی شدید سزاؤں کا کوئی جواز نہیں ہے، ہر برائی کو سزاؤں ہی کے ذریعہ روکنے کا تصور کچھ اچھا نہیں، غور کیا جائے کہ جائیدادوں کے بیعناموں کا رجسٹریشن بھی تو ایک حیثیت سے ضروری ہی سمجھا جاتا ہے، مگر اس کی خلاف ورزی پر کوئی سزا تجویز نہیں کی گئی، اہل معاملہ کے لئے اتنی ہی سزا اس بارہ میں کافی ہوتی ہے، کہ غیر رجسٹری شدہ بیعنامے، ہبہ نامے وغیرہ کا کوئی نزاع جب عدالت میں پہنچتا ہے، تو عدالت اس کو جائز دستاویز قرار نہیں دیتی بلکہ ایک زبانی معاملہ یا معاہدہ کی حیثیت دے کر ثبوت طلب کرتی ہے، جس میں اہل معاملہ کو دشواریوں سے بچنے کے لئے پورے ملک میں رجسٹریشن کا ضابطہ خود بخود لازمی ہو گیا، کوئی بھی سمجھدار آدمی کسی بیعنامے، ہبہ نامے، رہن نامہ کو بلا رجسٹری نہیں رہنے دیتا، قرآن کریم نے قرض ادھار کے معاملات کو کتابت میں لانے کی ہدایت دی ہے، تاکہ بعد میں کسی نزاع کی صورت نہ بنے، لیکن یہ ہدایت ہی کے درجہ میں رکھی ہے، کوئی قانون نہیں بنایا، جس کی خلاف ورزی قابل سزا جرم ہو۔ ارشاد قرآنی یہ ہے: ''اذا تداینتم بدین الیٰ اجل مسمی فاکتبوہ. الایۃ۔ یعنی جب تم کوئی معاملہ کسی مدت تک ادھار کا کرو، تو اس کو لکھ لو۔ اگر یہی طریق کار نکاح کے رجسٹریشن میں ہو جائے، تو بلاشبہ انتظامی مقصد پورا جائے گا، اور لوگوں کو سزاؤں کے چکر سے بھی نجات مل جائے گی، کیونکہ بہت سے پہاڑی اور جنگلی علاقے ایسے بھی ہیں،

جو رجسٹریشن کے لئے دور دراز سفر کئے بغیر رجسٹریشن نہیں کرا سکیں گے۔

دفعہ نمبر ۱۳

حقوق تنسیخ نکاح

اس دفعہ کے پیرا دوم الف میں کہا گیا ہے، کہ اگر خاوند نے موجودہ عائلی قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ایک اور شادی کر لی ہے، اس کی بیوی کو حق تنسیخ نکاح حاصل ہوگا، نیز پیرا ہفتم میں کہا گیا ہے کہ اگر کسی لڑکی کے والد یا سرپرست نے اس کی شادی سولہ سال کی عمر سے پہلے کر دی ہے، تو اس لڑکی کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا۔

فیصلہ قرآن وحدیث ملاحظہ ہو

اس دفعہ سے صاف ظاہر ہے کہ ہمارے واضعین قانون تعدد ازدواج یا کمسنی کی شادی سے پیدا ہونے والے مظالم و مفاسد کی وجہ سے عورت کو تنسیخ نکاح کا حق نہیں دے رہے، بلکہ تعدد ازدواج اور کمسنی کی شادی ان کے نزدیک بذات خود ایک برائی ہے، اسی لئے وہ دوسری شادی کر لینے کے بعد فوراً عورت کو فسخ نکاح کا حق دیتے ہیں، قطع نظر اس سے کہ اس مرد نے اپنی پہلی بیوی پر ظلم کیا ہے یا نہیں؟ اور اس تصور کا قرآن وسنت سے متصادم ہونا، ہم دفعہ ۶ اور دفعہ ۱۲ کے تحت بیان کر چکے ہیں، پھر اس دفعہ کی رو سے اگر ایک شخص دوسری شادی کرنے کے بعد اپنی دونوں بیویوں میں عدل کرتا ہے، کسی پر کوئی ظلم نہیں کرتا، تو اس صورت میں بھی اس کی پہلی بیوی کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ عدالت میں فسخ نکاح کا دعویٰ دائر کر کے شوہر سے اپنا رشتۂ زوجیت منقطع کر لے، اور ظاہر ہے کہ یہ چیز اسلامی شریعت کے بالکل خلاف ہے، کیونکہ اگر شوہر عدل سے کام لے، تو قرآن کریم دو شادیاں کرنے پر کوئی اخلاقی پابندی بھی عائد نہیں کرتا۔ اور پہلی

بیوی کو اس صورت میں حق فسخ بالکل حاصل نہیں، اس لئے عورت کو حق فسخ تو صرف اس صورت میں حاصل ہوتا ہے، جب کہ شوہر اس پر کوئی نا قابل برداشت ظلم کر رہا ہو، مذکورہ صورت میں اس پر کوئی ظلم نہیں ہو رہا، لہٰذا اس صورت میں قرآن کریم کا واضح فیصلہ یہ ہے کہ: ''بیدہ عقدۃ النکاح'' یعنی نکاح کی گرہ مرد ہی کے ہاتھ میں ہے، اسی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اس گرہ کو کھول دے یا باندھے رکھے، قرآن کریم نے یہاں حصر کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ عورت کو یہ اختیار حاصل نہیں۔

اسی طرح اگر کوئی لڑکی سولہ سال کی عمر سے پہلے بیاہ دی جاتی ہے، تو بلوغ سے قبل بھی اسے فسخ نکاح کا حق اس دفعہ کی رو سے دیا گیا ہے، حالانکہ نابالغ بچوں کو نہ صرف عقل و شرع کی نظر میں بلکہ ہر حکومت و ملت کے قانون میں بھی اس کا اہل نہیں سمجھا گیا کہ وہ اپنا نکاح خود کرلیں یا کئے ہوئے نکاح کو فسخ کردیں۔ اس میں نہ علماء امت میں دو رائیں ہوسکتی ہیں، نہ عقلائے دنیا ہی اس کو صحیح قرار دے سکتے ہیں۔

اختصار کے ساتھ جو کچھ اس وقت پیش کیا گیا ہے، یہ بھی اتنی بات سمجھنے کے لئے بالکل کافی ہے کہ موجودہ عائلی قانون کی بیشتر دفعات قرآن و سنت کے بالکل مخالف ہیں، مزید تشریح یا شبہات کے جوابات کی ضرورت محسوس کی جائے، تو وہ بھی پیش کی جاسکتی ہے۔

اللھم وفقنا لما تحب و ترضی من القول و الفعل و العمل و النیۃ و الھدی انک علی کل شیٔ قدیر۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

۱۲ شعبان ۱۳۸۲ھ ۹/ جنوری ۱۹۶۳ء

---

(۱) اس مسئلہ پر حضرت مفتی صاحب مدظلہم کا ایک مستقل رسالہ بھی بنام ''یتیم پوتے کی میراث'' عرصہ ہوا شائع ہوا تھا جس میں اس مسئلہ کو شرعی و عقلی دلائل سے واضح کیا گیا ہے، اب یہ رسالہ بھی جواہر الفقہ کے آخر میں لگا دیا گیا ہے۔ محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ۔ ۱۲۸/۱۲/۹۴ھ

عائلی معاملات میں اصلاح مفاسد کا صحیح طریقہ

کہا جاتا ہے کہ عائلی قوانین پر بحث کے وقت علماء دین نے یہ تو بار بار کہا کہ جاری کردہ قوانین خلاف شرع ہیں، لیکن جن مفاسد اور خرابیوں کی روک تھام کے لئے اجراء قوانین کی ضرورت پیش آئی ہے، ان کی اصلاح کی جائز اور شرعی صورتیں مثبت انداز میں بیان نہیں کی گئیں۔

اگرچہ یہ شکوہ اس لئے بے جا ہے کہ جب ایک غلط چیز سامنے لائی گئی، تو اس پر کلام کرنے والے کے پیش نظر اس غلط کی غلطی ہی کا اظہار ہوتا ہے، اصلاح مفاسد کی صحیح صورت قرآن وسنت کی رو سے کتب فقہ میں مدون موجود ہے، اس کے متعلق اس وقت اتنا ہی کہا جاسکتا ہے، کہ ان کو صحیح کرنے کے لئے قرآن وسنت کے ماہر علماء دین کی طرف رجوع کیا جائے، عائلی قوانین کے بارہ میں بھی یہی ہوتا رہا کہ ان کے خلاف قرآن وسنت ہونے کا بیان اور ان کی اصلاح کے لئے ایسے علماء دین کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت کا اظہار کیا جاتا، جن کی شریعت فہمی پر ملک کے اکثر مسلمانوں کو اعتماد ہو، لیکن ذمہ داروں کی طرف سے اس طرح کا کوئی اقدام نہ ہوا، ورنہ بہت آسانی کے ساتھ مفاسد کی اصلاح کے لئے شرعی حدود میں مناسب تجاویز سامنے آسکتی تھیں۔

بہر حال اس وقت خانگی اور عائلی نزاعات اور مفاسد کی اصلاح کے لئے اجمالی طور پر کچھ ایسی صورتیں ذکر کی جاتی ہیں، جو ازروئے قرآن وسنت جائز ودرست ہیں۔

جاری کردہ عائلی قوانین کی پانچ دفعات خلاف شرع ہونے کی حیثیت سے زیر بحث ہیں۔

دفعہ نمبر۴ یتیم پوتا نواسہ کی وراثت

دفعہ نمبر۵ نکاح کا رجسٹریشن

دفعہ نمبر۶ تعدد ازدواج

دفعہ نمبر۷ طلاق وعدت کے مسائل

دفعہ نمبر۱۲ نکاح میں عمر کی پابندی

ان میں سے ہر دفعہ میں پیش آنے والے مفاسد اور نزاعات اور ان کے انسداد و اصلاح کی شرعی صورت کیا ہے، اس پر تفصیلی تجاویز سے پہلے ایک اہم تجویز قابل نظر ہے، جس کے بغیر کوئی اصلاحی اسکیم ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتی، اگر جائز و ناجائز اور خلاف یا موافق شرع اسلام ہونے سے بھی قطع نظر کر کے موجودہ قوانین ہی کو تسلیم کر لیا جائے، تو وہ بھی بغیر اس تجویز کے ہرگز کسی مفسدہ اور جھگڑے کا کامیاب علاج ثابت نہیں ہو سکتے، اور وہ ہے عدالتی نظام کی اصلاح جس کی ناقابل تحمل گرانی اور سالہا سال کی دفتر گردی اور قدم قدم پر رشوت ستانی کی آفتوں نے مظلوم کے لئے دادرسی کے راستے بند کر رکھے ہیں۔

تجویز اول: عدالتی نظام کی اصلاح

کسی باخبر انسان پر مخفی نہیں رہ سکتا کہ آج کے بڑھتے ہوئے جرائم اور مظالم خواہ وہ عائلی معاملات سے متعلق ہوں، یا دوسرے شعبہائے زندگی سے ان کا بڑا سبب محض قانون کا ناقص ہونا نہیں، بلکہ سب سے بڑا سبب عدالتی نظام کی ابتری ہے، جہاں سے مظلوم کو انصاف حاصل کرنے کے لئے اتنے مظالم سہنے پڑتے ہیں کہ ان کے مقابلے

میں وہ اصل ظلم پر صبر کرنے کو ترجیح دیتا ہے، انصاف کی اتنی قیمت ادا کرنا پڑتی ہے، جو ظالم کے ظلم، چور کی چوری سے بعض اوقات بڑھ جاتی ہے، سالہا سال تک دفتر گردی اور چپراسی سے لے کر اوپر تک ایک ایک خوشامد اور اس کے اوپر رشوت کی بھرمار کے بعد بھی انصاف ملنے کا اطمینان نہیں ہوتا۔

اس طویل بھول بھلیاں میں صرف ایسے ہی لوگ آسانی سے داخل ہو سکتے ہیں، جو یا تو پیشہ ور مقدمہ باز ہیں، اور یا پھر اتنا فالتو سرمایہ رکھتے ہیں، کہ ہر قانون کو پیسہ کے ذریعہ خرید سکیں۔

ایسے حالات میں وہ غریب عورت جس کا کوئی والی وارث نہیں، اور شوہر نے اس پر ظلم کیا ہوا ہے، ان عدالتوں تک اس کی پہنچ کا کیا امکان ہے۔

شاید نئے قانون میں انہیں آفتوں کا حل یونین بورڈ کے ذریعہ نکالا گیا ہے، مگر اس بورڈ کی ہیئت ترکیبی جیسے افراد سے متشکل ہوتی ہے، وہ سب پر عیاں ہے، کہ ان کے لئے قانوناً یہ بھی غیر ضروری نہیں کہ وہ کوئی خواندہ اور شریف آدمی ہوں کسی قانون شرعی یا شرعی کی واقفیت کا تو سوال ہی کیا ہے، ایسے بورڈ سے کسی انصاف یا صحیح فیصلہ کی توقع رکھنا اپنے آپ کو فریب دینے کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے، چنانچہ ایک ہی سال کی قلیل مدت میں واقعات نے اس نظام کے ناکارہ ہونے کے نا قابل فراموش ثبوت مہیا کر دیئے ہیں، اور دیکھنے والوں نے دیکھ لیا کہ یہ جاری کردہ عائلی قانون غلط و صحیح کی بحث سے الگ ہو کر بھی اس نظام کی ابتری کے سبب کسی مرض کی دوا ثابت نہیں ہوا، اس لئے عام جرائم کے انسداد یا مظلوم عورتوں کی مشکلات کے حل کے لئے کوئی بھی قانون بنانے سے پہلے عدالتی نظام کی کوئی ایسی صورت تجویز کرنا ناگزیر ہے، جس کے ذریعہ عام مظلوم اور بے کس غریب عورتیں انصاف حاصل کر سکیں۔

پورے نظام کی اصلاح تو ایک بہت بڑا کام ہے، جس پر آسانی سے قابو پانا بھی

ممکن نہیں ہے، لیکن کم از کم عائلی اور ازدواجی مسائل کی حد تک فوری طور پر یہ صورت اختیار کی جائے۔

۱:...... ہر ضلع میں خاص ان معاملات کے لئے ایک گشتی عدالت مقرر کی جائے، جو تمام ملحقہ بستیوں میں دورہ کر کے ہر بستی کے معاملات اسی قصبہ میں طے اور مختتم کر سکے، تاکہ گواہوں کی حاضری وغیرہ میں وقت کم سے کم صرف ہو۔

۲:......اس عدالت کا ضابطہ کارروائی خالص اسلامی طرز پر سادہ ہو، جس کی نظائر ان اسلامی ریاستوں میں اب بھی موجود ہیں، جن میں اسلامی قانون جاری ہے، پاکستان میں بھی ریاست بھاولپور، سوات، قلات وغیرہ میں ریاستوں کے قیام تک جاری تھا۔

۳:......اس عدالت میں کسی مظلوم سے کورٹ فیس نہ لیا جائے، انصاف بالکل مفت ہونا چاہئے۔

۴:......اس عدالت کے جملہ معاملات چونکہ خالص مذہبی طرز کے ہوں گے، اس لئے اس کا حاکم مختار کوئی ایسا شخص ہونا چاہئے، جو صحیح معنی میں مسلمان ہو، اور مسائل شریعت کو ان کے اصل ماخذوں سے سمجھنے کی مہارت رکھتا ہو، اور اس کی شریعت فہمی پر عام مسلمانوں کو اعتماد ہو، اس کا نام جج رکھا جائے، یا قاضی یہ اختیار ہے۔

۵:......اس عدالت کے تمام ملازمین میں صلاحیت کار کے علاوہ امانت و دیانت اور خدا ترسی کے اصول پر شدت سے نظر رکھی جائے، جہاں رشوت کا خطرہ بھی ہو تو اس کو بدلا جائے، اور رشوت کا ثبوت مل جائے، تو دوسرے محکموں سے زیادہ شدید سزا اس محکمہ کے رشوت خور کو دی جائے، اگر اس تجویز کو مفید سمجھا جائے تو اس کے نظام کا مکمل خاکہ چند ماہر علماء اور چند ماہرین قانون مل کر بآسانی مرتب کر سکتے ہیں، یہ تو وہ تجویز ہے جو ہر قانون کے لئے ہر حال میں ضروری ہے اس کے بغیر کوئی بہتر سے بہتر

قانون بنانا بھی مرض کا علاج نہیں ہوسکتا، اس کے بعد ہر دفعہ کے متعلق تفصیلی نظر کے ساتھ اصلاح مفاسد کی تجویزیں ملاحظہ فرمایئے۔

دفعہ نمبر ۴

یتیم پوتے نواسے کی وراثت (۱)

اس دفعہ کا منشا یہ ہے کہ جس شخص کے چند لڑکوں اور لڑکیوں میں سے ایک لڑکے یا لڑکی کی وفات اس کی حیات میں ہوگئی اور مرنے والے لڑکے، لڑکی نے اولاد چھوڑی، تو اس دادا یا نانا کی وفات کے وقت شرعی قاعدہ سے صلبی بیٹوں اور بیٹیوں کی موجودگی میں پوتے اور نواسے کو وراثت میں حصہ نہیں ملتا۔

موجودہ قانون نے ان کو حصہ دلانے کے لئے مرنے والے بیٹے یا بیٹی کو زندہ فرض کر کے ان کا حصہ ان کی اولاد کو دلوایا ہے۔.........اس قانون کا منشاء اگر فی الواقع یتیموں پر رحمت وشفقت اور ان کی مشکلات کا حل ہے، تو ظاہر ہے کہ یہ مقصد مبارک اور عین مطابق قرآن وسنت ہے، پورا قرآن یتیموں کے حقوق سے بھرا ہوا ہے۔

مگر قرآن وسنت نے یتیموں کی کفالت کا مستقل قانون کے ذریعہ انتظام کیا ہے کسی مرنے والے کی میراث کے موہوم حصہ پر ان کو نہیں چھوڑا، وہ قانون یہ ہے:

الف: یتیم پوتے پوتیوں کی تمام ضروریات کی کفالت جب تک دادا زندہ ہے، اس کے ذمہ ہے اگر وہ اس میں کوتاہی کرے، تو حکومت جبراً اس سے وصول کر کے یتیموں کا حق ادا کردے گی۔

ب: دادا کے انتقال کے بعد ان کی تمام ضروریات کی ذمہ داری ان کے ان رشتہ داروں پر درجہ بدرجہ عائد ہوتی ہے، جو ان بچوں کے شرعی وارث ہو سکتے ہیں۔ مثلاً چچا، تایا، ماموں وغیرہ اور ان میں سے ہر ایک پر ذمہ داری اپنے اپنے حصہ وراثت کے تناسب سے ہوگی، قرآن کریم کا اس بارہ میں واضح ارشاد ہے: "و علی الوارث مثل ذلک." اور یہ چچا تایوں یا ماموؤں کا کوئی احسان وتبرع نہیں، بلکہ ان پر شرعاً لازم وواجب ہے، جو ان سے جبراً بھی وصول کیا جا سکتا ہے، دادا کے مرنے کے بعد اس کی وراثت کا حقدار شریعت اسلام میں جن چچا، تایوں کو قرار دیا ہے، انہیں پر یتیم بھتیجوں، بھتیجیوں کے نفقہ اور ضروریات کی پوری ذمہ داری ڈالی گئی ہے۔ حصہ وراثت تو امر موہوم ہے، کیونکہ دادا کا ترکہ چھوڑنا ہی خود غیر یقینی ہے، پھر حصہ وراثت کی مقدار معلوم نہیں، شریعت اسلام نے اس موہوم چیز پر یتیموں کے حقوق کو موقوف نہیں رکھا، بلکہ ان کے دادا کی وراثت سے ان کو کچھ ملے یا نہ ملے، ہر حال میں دادا کے بعد کی ذمہ داری ان پر ڈالی ہے۔

ج: اگر دادا خود مفلس ہے، یتیموں کی ذمہ داری اٹھانے کے قابل نہیں ہے، تو ان کی زندگی میں بھی یہ ذمہ داری دوسرے قریبی رشتہ داروں پر بقاعدہ الاقرب فالاقرب عائد کی جائے گی۔

د: اگر یتیموں کے رشتہ داروں میں کوئی بھی ان کی ذمہ داری اٹھانے کے قابل نہیں، تو ان کی پوری ذمہ داری حکومت پر ہوگی، وہ اصول شریعت کے مطابق بیت المال کا قیام عمل میں لائے، اور اس کے ان مدات جو یتیموں اور مساکین کے لئے مقرر ہیں، ان کی ضروریات کا تکفل کرے۔

ہ: اور اگر دادا نانا کی میراث ہی میں سے یتیم پوتوں نواسوں کو حصہ دلانے پر کسی کو اصرار ہے، تو اس کی بھی جائز صورت یہ ہے کہ جب ان کے کسی لڑکے یا لڑکی کا انتقال ہوا تو اولاً یہ دادا نانا خود ہی ان یتیموں کا خیال کر کے ایک تہائی مال کے اندر بقدر

مناسب ان کو فوری طور پر ہبہ کر دیں، یا مرنے کے بعد کے لئے وصیت کر دیں اور اگر وہ خود نہیں کرتے تو یتیموں کے دوسرے اعزہ واقارب دادا نانا کو اس طرف توجہ دلائیں کہ وہ ان کے لئے وصیت کے ذریعہ مناسب حصہ مقرر کر دیں۔

احادیث صحیحہ میں اس کی ترغیب بھی دی گئی ہے، اور بہت سے حضرات مفسرین کے نزدیک سورۂ بقرہ کی آیت وصیت کی رو سے بھی ان کو ایسی وصیت کر دینا کم از کم اولیٰ وافضل ہے۔

دفعہ نمبر ۵

نکاح کا رجسٹریشن

اس قانون کا منشاء نکاح کے بارہ میں جعل سازی اور غلط کارروائیوں کا انسداد ہے، اس کے لئے کوئی انتظامی قانون بنانا اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اس قانون کی خلاف ورزی کی صورت میں اصل نکاح کو تسلیم کر کے اس کے تمام قانونی حقوق نسب وراثت وغیرہ کو قائم رکھا جائے۔

موجودہ قانون بھی اگرچہ اسی نوعیت کا ساتھ ہے لیکن اس کی خلاف ورزی پر جو شدید سزا اس قانون میں رکھی گئی ہے، وہ مناسب نہیں، اس کو وہی درجہ دیا جانا مناسب ہے، جو تمام اہم معاملات جائدادوں وغیرہ کے رجسٹریشن کا ہے کہ اس کی خلاف ورزی پر کوئی تعزیری سزا نہیں، مگر رجسٹریشن کی صورت میں جو قانونی سہولتیں حاصل ہوتی ہیں، بغیر رجسٹریشن کے ان سے محروم رہتا ہے، اس لئے بغیر کسی سزا کے یہ رجسٹریشن کا قانون خود بخود چل رہا ہے، شاذ ونادر کوئی واقعہ ایسا پیش آتا ہوگا کہ کسی جائداد کا معاملہ بغیر رجسٹری کر لیا جائے، اس لئے اس طریق سے یہ منشا قانون پورا ہو سکتا ہے۔

دفعہ نمبر ۵............تعدد ازدواج

اس دفعہ میں تعدد ازدواج پر کڑی پابندیاں عائد کرنے کا منشا یہ بتلایا جاتا ہے کہ بہت سے لوگ حرص وطمع کی بناء پر ایک سے زائد شادیاں کر لیتے ہیں، پھر ان سب بیویوں کے حقوق ادا نہیں کر سکتے، یا نہیں کرتے، خصوصاً بیویوں کے درمیان برابری نہیں کی جاتی، جس سے گھروں میں طرح طرح کے جھگڑے فساد پیدا ہوتے ہیں، ان کے انسداد کے لئے یہ قانون بنایا گیا ہے۔

یہاں سب سے غور طلب یہ بات ہے کہ جو شخص اسلام کی تاریخ اور اس کے احکام سے کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے، وہ تعدد ازدواج کو خود تو کوئی جرم نہیں کہہ سکتا، جرم ہوگا تو وہ مظالم ہوں گے جو نکاح کے بعد شوہر کی طرف سے عمل میں آئیں گے، اور یہ مظالم جو شوہر کے جبر وتشدد یا جہالت کی وجہ سے عمل میں آتے ہیں یہ ظاہر ہے کہ وہ صرف دوسری تیسری بیوی ہی پر نہیں ہوتے، جس شخص کی ایک بیوی ہے، اس سے بھی ایسے مظالم کے ارتکاب کے واقعات کچھ کم نہیں، بلکہ تجربہ شاہد ہے کہ اس کے واقعات بہت زیادہ ہیں، جتنے مقدمات عدالتوں میں عورتوں کی طرف سے دائر ہوتے ہیں، ان کا سرسری جائزہ لے لیا جائے، تو اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے گی، اور جب یہ معلوم ہے کہ ایک بیوی والے شوہروں کے مظالم دو یا زیادہ بیویاں رکھنے والوں کی بہ نسبت تعداد میں زیادہ ہیں، تو سب سے زیادہ فکر ان کے انسداد کی ناگزیر ہے، قانون کی نظر میں اس کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ ایک بیوی پر جو مظالم ہوتے ہیں، ان کی کوئی پروانہ کی جائے، صرف ایک سے زائد ہونے والی بیوی کے مظالم ہی قابل اصلاح وانسداد سمجھے جائیں، اور اگر دونوں قسم کے مظالم کا انسداد مقصود ہے، تو موجودہ قانون کی رو سے ہر نکاح پر ایسی ہی پابندیاں عائد کرنا، اور خلاف ورزی کی صورت میں سزائیں جاری کرنا لازم آئے گا، جس کو کوئی ہوشمند انسان درست نہیں سمجھ سکتا، اور نہ ہمارے قانون ساز حضرات ہی نے اس کو صحیح سمجھا ہے، بلکہ اس کا صحیح علاج یہ ہے کہ پیشگی خوف کی بناء پر کوئی نیا قانون بنانے کے بجائے حقوق زوجین سے متعلق اسلام کا مشہور ومعروف قانون

جاری کرنے کا انتظام پورا کر دیا جائے، جس کے ذریعہ مظلوم کو دادرسی مشکل نہ رہے، تو اس قسم کے سارے ظلم و جور اور جبر و تشدد کا خود بخود انسداد ہو جائے گا۔

اپنے حقوق سے محروم اور مظلوم بیوی کو خواہ وہ ایک ہو، یا متعدد اگر عدالت سے دادرسی کی سہولتیں مہیا کر دی جائیں، تو بعض صورتوں میں شوہروں پر تعزیری سزائیں جاری ہوں گی، بعض میں حاکم کو نکاح فسخ کر دینے کا اختیار ہو گا، جس سے خود بخود حالات کی اصلاح ہو جائے گی، جو شخص ایک سے زائد بیوی کے حقوق ادا کرنے کی قدرت نہیں رکھتا، وہ خود ایسا وبال اپنے گلے میں نہ ڈالے گا، جس کے نتیجہ میں اس کو سزا بھگتنی پڑے، یا بیوی اس کے ہاتھ سے جائے، اور اگر عدالتی سہولتیں مہیا نہیں کی جاتیں تو یقین کیجئے کہ موجودہ قانون بھی کسی مرض کی دوا ثابت نہ ہو گا، خلاصہ یہ ہے کہ انسداد مظالم کے لئے کسی مزید قانون سازی کی ضرورت نہیں، صرف عدالتی سہولتیں مہیا کر دینا سب کا علاج ہے، جس کی صورت اور شرعی قانون ابتداء میں لکھی جا چکی ہے۔

اس کے علاوہ ہر برائی کو قانون کے ذریعہ روکنے کا اصول خود بھی قابل قبول نہیں، بلکہ تجربہ اور مشاہدہ گواہ ہے، کہ ذہنی اصلاح اور اخلاقی تربیت کے بغیر کوئی بھی قانون انسداد جرائم کا ضامن نہیں ہو سکتا، خصوصاً زوجین کے معاملات ایسی نزاکت رکھتے ہیں، کہ ان میں قانون کی مداخلت بسا اوقات اور زیادہ مفاسد پیدا کر دیتی ہے، اس تعلق میں ظلم و جور کی اصلاح بجز خوف خدا و آخرت یا شرافت نفس اور ذہنی تربیت کے بہت ہی مشکل ہے، شاید یہی وجہ ہے کہ نکاح کے شروع میں جو خطبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے، اس میں تین آیتیں قرآن کی پڑھی جاتی ہیں، اور ان تینوں کے اول میں بھی آخر میں بھی تقویٰ اور خوف خدا تعالیٰ کی تاکید کی گئی ہے، کیونکہ زوجین کے تعلقات کو ہموار رکھنے کے لئے قانونی مداخلت سے زیادہ خوف خدا و آخرت ہی کامیاب ذریعہ ہے۔

اس لئے بھی تعدد ازدواج سے پیدا ہونے والے خطرات کی روک تھام کے

لئے مؤثر اور مفید صورت یہی ہے کہ عوام کی ذہنی اور اخلاقی تربیت کا حکومت اور عوام اپنے پورے وسائل کے ساتھ انتظام کریں، اور پھر بھی جو جرم کسی سے صادر ہو جائے، اس کا انتظام ان قوانین شرعیہ کے ذریعہ کیا جائے، جن کی رو سے مظلوم عورت شوہر سے اپنا انتقام لے سکتی ہے۔

دفعہ نمبر ۷

طلاق وعدت کے مسائل

اس دفعہ کا منشاء ان گھریلو جھگڑوں کا انسداد بتلایا جاتا ہے، جو زوجین کے باہمی اختلاف سے پیدا ہوتے ہیں، لیکن اس دفعہ کی چھ ضمنی دفعات میں سے اکثر ایسی ہیں جن کا خانگی نزاعات سے کوئی تعلق نہیں، ان میں بلاوجہ قرآن وسنت کے مخالف صورتیں تجویز کر کے پورے ملک کے مسلمانوں میں اضطراب اور بے چینی پیدا کی گئی ہے، مثلاً ضمن (۳) میں طلاق کے مؤثر ہونے کی آخری میعاد نوے دن مقرر کرنا، جب کہ قرآن کریم نے قبل از خلوت طلاق پر ایک دن کی بھی عدت لازم نہیں کی، اور خلوت کے بعد عدت طلاق واضح طور پر تین ایام ماہواری مقرر فرمائی:

"والمطلقٰت یتربصن بانفسهن ثلثة قروء." یعنی مطلقہ عورتیں روکے رکھیں اپنے آپ کو تین مرتبہ ایام ماہواری پورے ہونے تک۔ ہر شخص جانتا ہے کہ تین ماہواری کبھی نوے دن سے کم میں بھی پورے ہوسکتی ہیں، اور کبھی اس سے زیادہ دن بھی لگ سکتے ہیں۔

معلوم نہیں ہمارے قانون ساز حضرات نے خانگی نزاعات ختم کرنے کے لئے اس میں کون سی مصلحت سمجھی ہے، کہ قرآن کی نص صریح کے مخالف نوے دن مقرر کر دیئے اسی طرح ضمن (۵) میں حاملہ کی عدت جو مدت حمل یا نوے دن میں سے جو زائد ہو، اس کو قانونی عدت قرار دیا ہے، جب کہ قرآن کریم کا واضح فیصلہ یہ ہے کہ حمل سے

فراغت ہوتے ہی عدت ختم ہو جاتی ہے، چاہے وہ ایک گھنٹہ کے بعد ہی ہو جائے:

”واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن۔“ اور حمل والیوں کی عدت یہ ہے کہ وہ اپنے حمل سے فارغ ہو جائیں۔

بہر حال ان ضمنی دفعات کا منشاء قانون ”خانگی نزاعات“ سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں رکھتا، بلاوجہ مخالفت قرآن وسنت کا وبال سر لیا گیا ہے، شرعی اور عقلی اعتبار سے نزاعات خانگی کے انسداد کے متعلق اس دفعہ میں صرف ضمن (۴) یعنی مصالحتی کونسل ہے، اور ضمن (۱) و (۲) یعنی چیئر مین بورڈ کو طلاق کا نوٹس دینے کی قانونی پابندی بھی اسی مصالحتی کونسل سے وابستہ ہے، مگر اس قانون میں اس کی بھی صورت یوں بگاڑ دی گئی کہ قرآن کریم نے مصالحتی کونسل کی تجویز اس وقت رکھی ہے، جب کہ نوبت طلاق تک نہ پہنچی ہو، اور اس مصالحتی کونسل کا مقصد یہ قرار دیا ہے، کہ طرفین کے خاندانی افراد ان کی باہمی شکایات کو سن کر مصالحت کی کوشش کریں، تا کہ نوبت طلاق تک نہ پہنچے، اس کے خلاف اس قانون نے مصالحتی کونسل کی تشکیل ہی طلاق کے بعد رکھی ہے، جس کے بعد بعض صورتوں میں تو مصالحت بھی حرام ہو چکی ہوگی، اور اس دفعہ کی رو سے جو تشکیل مصالحتی کونسل کی کی گئی ہے، وہ بھی قرآن کریم کی تصریحات کے خلاف ہے، قرآن کریم نے اس کونسل میں صرف زوجین کے خاندانی افراد کو رکھا ہے، کسی غیر کی مداخلت پسند نہیں فرمائی، اور موجودہ قانون نے یونین بورڈ کے چیئر مین کو اس کونسل کا سب سے بڑا ذمہ دار قرار دیا ہے، جو سراسر خلاف شرع اور خلاف مصلحت ہے۔ اس لئے اس دفعہ میں خانگی نزاعات کی اصلاح کے لئے کرنے کا کام صرف یہ ہے کہ زوجین کو اس کا پابند کیا جائے کہ جب کوئی نزاع آپس میں ایسا پیش آ جائے، جس کی نوبت طلاق تک پہنچ سکتی ہے تو طلاق سے پہلے اس نزاع کو فریقین کے خاندانی افراد کی پنچائیت میں رکھا جائے تا کہ وہ مصالحت کی کوشش کر لیں۔

(۲) اگر ان کی کوشش ناکام ہو جائے اور نوبت طلاق تک پہنچ جائے، تو صرف

ایک یا دو طلاق تک یہ خاندانی پنچائیت پھر بھی مصالحت کی کوشش اس طرح کرے کہ طلاق کی نوعیت کو دیکھ کر اگر وہ طلاق رجعی ہے، تو شوہر کو رجعت پر آمادہ کرے، اور بائن ہے تو فریقین کو دوبارہ آپس میں نکاح جدید کر لینے کی ترغیب دے، تین طلاق کی صورت میں نہ مصالحت کرانے کی کوئی گنجائش ہے اور نہ فریقین کے اختیار میں ہے کہ باہمی رضامندی سے تجدید نکاح کر سکیں۔

(۳) تین طلاق بیک وقت دینا قرآن وسنت کی رو سے گناہ اور ایک مکروہ عمل ہے، جس تک پہنچنا منشاء قرآن کے خلاف ہے، کیونکہ قرآن کریم نے واضح طور پر یہ بتلا دیا ہے، کہ طلاق دینے کا صحیح اور جائز طریقہ یہ ہے کہ دو مرتبہ تک طلاق دی جا سکتی ہے۔ (الطلاق مرتان)

اس کے بعد تیسری طلاق کو اس طرح بیان فرمایا ہے کہ اگر کسی شخص نے جائز طریقہ سے تجاوز کر کے تیسری طلاق دے ہی دی، تو اب اس کی سزا یہ ہے کہ دوسری شادی اور پھر اس سے جدائی کے بغیر ان کے آپس میں تجدید نکاح بھی نہ ہو۔ (فان طلقها فلاتحل له من بعد حتی تنكح زوجاً غيره)

آج کل عام جہالت کی وجہ سے ہر طلاق دینے والا تین ہی طلاق دیتا ہے، اور عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ تین سے کم میں طلاق مکمل ہی نہیں ہوتی۔

عدالتوں کے عرائض نویس بھی جب ان کو طلاق نامہ لکھنے کو کہا جائے تو تین ہی طلاق لکھتے ہیں............اور یہ بات بھی عام طور پر مشاہدہ میں آتی ہے کہ تین طلاق کے بعد جب ہوش آتا ہے، تو فریقین آپس میں مصالحت کے لئے تیار ہوتے ہیں، مگر بات ہاتھ سے نکل چکی ہوتی ہے۔

اس لئے یہ قانون بنایا جا سکتا ہے کہ جو شخص بیک وقت تین طلاق دے گا، اس پر عدالت کو حسب صوابدید تعزیری سزا جاری کرنے کا اختیار ہوگا، لیکن اس سزا کے باوجود تین طلاق کے شرعی اثر کو برقرار رکھا جائے گا کہ حسب شرائط دوسری شادی اور اس سے

جدائی کے بغیر ان کے آپس میں نکاح نہیں ہوگا، جس پر تمام صحابہ کرام کا اجماع اور امت کے چاروں امام: ابوحنیفہؒ، شافعیؒ، مالکؒ، احمد بن حنبلؒ کا اتفاق ہے، اس سے اس جماعت یا افراد کو مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے، جن کا مسلک یہ ہو کہ ایک ہی مرتبہ کی تین طلاق سے حرمت مغلظہ ثابت نہیں ہوتی۔

دفعہ۱۲

نکاح میں عمر کی پابندی

اس دفعہ کا منشاء ان خرابیوں کا انسداد ہے، جو نکاح صغرسنی پر عام طور سے مرتب ہوتی ہیں، اور اس میں شبہ نہیں کہ بہت سی برادریوں میں جو صغرسنی کی حالت میں نکاح کا رواج ہے، اس سے بہت سے مفاسد پیدا ہوتے ہیں، بہت سی لڑکیوں کی پوری زندگی تباہ ہو جاتی ہے، لیکن جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے کہ ہر برائی کو صرف قانون اور سزا ہی کے ذریعہ روکنے کا اصول صحیح نہیں، اور تجربے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ برائی کو روکنے کے لئے کافی بھی نہیں۔

ا:...... بہت سی برائیاں جو انسانی معاشرہ میں پیدا ہوتی ہیں، ان کا صحیح علاج بجز ذہنی اصلاح اور اخلاقی تربیت کے اور کچھ نہیں ہوتا اس معاملہ میں بھی اگر نشر و اشاعت کے تمام وسائل سے عوام کو ان مفاسد سے آگاہ کیا جائے، اور جن برادریوں میں اس کا زیادہ رواج ہے، ان کو اجتماعی طور سے سمجھایا جائے، تو کوئی بعید نہیں کہ وہ اس غلطی سے باز آ جائیں، لیکن قانونی طور پر اس کو قابل سزا جرم قرار دینے میں قانون شریعت سے تصادم ہوتا ہے، اس سے اجتناب کیا جائے۔

۲:...... شریعت اسلام نے انہیں مفاسد کی اصلاح کے لئے یہ قانون پہلے سے بنایا ہوا ہے کہ اگر نابالغ لڑکے یا لڑکی کے اولیاء صغرسنی میں ان کا نکاح کر دیں تو یہ لڑکا لڑکی بالغ ہوتے ہیں تو فوراً اس نکاح کے فسخ کا اعلان کر کے اسلامی عدالت کے ذریعہ

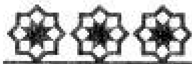
نکاح فسخ کرا سکتے ہیں۔ شرط یہ ہے کہ یہ نکاح نابالغ کے باپ یا دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے کیا ہو اور باپ دادا کے کئے ہوئے نکاح میں بھی اگر ان کی بدنیتی یا خودغرضی کا ثبوت ہو جائے، تو ان کے کئے ہوئے نکاح کو بھی فسخ کیا جا سکتا ہے۔ (شامی)

یہ چند تجاویز کا ایک سرسری خاکہ ہے جن کے تحت ماہر علماء اور قانون دان حضرات کے اشتراک سے ان مسائل کی تفصیلات سامنے رکھ کر قانون بنایا جا سکتا ہے۔ واللہ الموفق والمعین۔

بندہ

محمد شفیع عفا اللہ عنہ

شعبان ۱۳۸۲ھ





حکم الازدواج مع اختلاف دین الازواج

مختلف المذہب زوجین کے احکام

تاریخ تالیف ـــــــــ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ (مطابق ۱۹۳۳ء)

مقامِ تالیف ـــــــــ دیوبند

یہ مقالہ درحقیقت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ کی تالیف ''الحیلۃ الناجزہ'' کا ایک ضمیمہ ہے جس میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ زوجین اگر مختلف المذہب ہوں یا ان سے کوئی مرتد ہوجائے تو اس سے احکام شرعیہ پر کیا اثر مرتب ہوتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ و کفیٰ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ و لا سیما علیٰ سیدنا المجتبیٰ و من بھدیہ اھتدیٰ۔

و بعد الحمد و الصلوٰۃ عرض ہے کہ مذہب زوجین کے اختلاف کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ اختلاف نکاح سے پہلے ہی موجود ہو، دوسرے یہ کہ بعد نکاح پیدا ہو جائے۔

پہلی صورت

میں مسلمان عورت کا نکاح کسی کافر مرد سے کسی حال جائز نہیں، خواہ کفر کی کوئی قسم ہو، اسی طرح مسلمان مرد کا نکاح بھی کسی کافر عورت سے جائز نہیں، البتہ اگر عورت کتابیہ یعنی یہودیہ یا نصرانیہ وغیرہ ہو، تو اس سے مسلمان مرد کا نکاح دو شرطوں کے ساتھ ہو سکتا ہے۔

اول:...... یہ کہ وہ عام اقوام یورپ کی طرح صرف نام کی عیسائی اور در حقیقت لا مذہب دہریہ نہ ہو، بلکہ اپنے مذہبی اصول کو کم از کم مانتی ہو، اگرچہ عمل میں خلاف بھی کرتی ہو۔

دوسرے:...... یہ کہ وہ اصل سے ہی یہودیہ نصرانیہ ہو، اسلام سے مرتد ہو کر یہودیت یا نصرانیت اختیار نہ کی ہو، جب یہ دونوں شرطیں کسی کتابیہ عورت میں پائی جائیں، تو اس سے نکاح صحیح و منعقد ہو جاتا ہے، لیکن بلا ضرورت شدیدہ اس سے بھی نکاح کرنا مکروہ اور بہت سے مفاسد پر مشتمل ہے، اسی لئے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں مسلمانوں کو کتابیہ عورتوں کے نکاح سے منع فرما دیا تھا۔

(اخرجه الحافظ ابن كثير فى تفسير قوله تعالىٰ و لاتنكحوا المشركات حتى يؤمن. والامام محمد فى كتاب الأثار و صرح بالكراهة و اختار أنّها تحريمية فى الحربية العلامة الشامى فى محرمات ردالمختار ص: ۳۱۳، ج: ۲)

اور جب عہد فاروقی میں کہ زمانہ خیر تھا، ایسے مفاسد موجود تھے تو آج کل جس قدر مفاسد ہوں کم ہیں۔ بالخصوص موجودہ اقوام یورپ کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقاتِ ازدواج تو بالکل ہی ان کے دین اور دنیا کو تباہ کر دینے والے ہیں، جن کا روزمرہ مشاہدہ ہوتا ہے۔

دوسری صورت: یعنی نکاح کے بعد زوجین کا یا ان میں سے کسی ایک کا مذہب بدل جائے، اس کے چار احتمال ہیں۔

پہلا احتمال یہ ہے کہ دونوں کافر تھے، پھر ایک ساتھ دونوں مسلمان ہو گئے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ دونوں مسلمان تھے، پھر معاذ اللہ دونوں ایک ساتھ مرتد ہو گئے۔

ان دونوں (۱) احتمالوں میں نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا، بلکہ بعینہٖ قائم رہتا ہے،

(كما صرح به فى نكاح الكافر التنوير و سائر المتون)

تیسرا احتمال یہ ہے کہ دونوں میں سے کوئی ایک مسلمان ہو جاوے، اور دوسرا بدستور کفر پر باقی رہے اس کے دو جزو ہیں۔

پہلا جزو یہ ہے کہ مرد مسلمان ہو جائے، اور عورت کفر پر رہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر عورت (۲) کتابیہ ہے تو نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، بحالہٖ قائم رہے گا، گو وہ اہل

---

(۱) گو ان دو احتمالوں میں اختلاف مذہب صادق نہیں آتا، مگر استیعاب احکام کے لئے ان کو بھی بیان کر دیا گیا۔ ۱۲ منہ

(۲) بشرطیکہ وہ اصل سے کتابیہ ہو پس اگر اسلام سے پھر کر کتابیہ ہوئی تھی تو اس کے نکاح سابق کو باطل کہا جاوے گا۔ ۱۲ منہ

کتاب کا ایک مذہب چھوڑ کر دوسرا اختیار کرے مثلا یہودیہ سے نصرانیہ ہو جائے، یا بالعکس، اسی طرح اگر ایسا ہوا کہ جس وقت مرد مسلمان ہوا ہے، اسی وقت مجوسیہ بیوی نے اہل کتاب کا مذہب قبول کرلیا، اس صورت میں بھی نکاح پر کوئی اثر نہ پڑے گا، البتہ اگر اس کا عکس ہوا یعنی اسلام زوج کے بعد کتابیہ بیوی نے مجوسیت وغیرہ اختیار کرلی، تو نکاح ٹوٹ جاوے گا، کما صرح بہ فی نکاح الکافر من الدرالمختار والشامی اور اگر عورت غیر کتابیہ مثلاً ہندو یا مجوسیہ وغیرہ ہے، تو اس میں یہ تفصیل ہے، کہ یہ واقعہ دارالاسلام (۱) میں ہوا ہے، تو قاضی اس کی عورت پر اسلام پیش کرے، وہ بھی اسلام قبول کرلے، تو نکاح بحالہ قائم رہے گا، اور اگر وہ اسلام لانے سے انکار کرے، یا سکوت کرے، تو نکاح فوراً فسخ کردیا جائے، اور اگر یہ واقعہ دارالحرب میں ہوا ہے، تو وہاں عورت پر تین حیض گزر جانا اسلام سے انکار کردینے کے قائم مقام ہو جاتا ہے، یعنی اگر عورت مسلمان نہ ہو، اور تین حیض اسی حالت پر گذر جائیں، تو نکاح خود بخود فسخ ہو جائے گا۔

دوسرا جزو یہ ہے کہ عورت مسلمان ہو جائے، اور خاوند کفر پر باقی رہے، تو خواہ یہ کافر کتابی ہو، یا غیر کتابی ہر حال میں اس کا حکم یہ ہے کہ اگر واقعہ دارالاسلام کا ہے، تو قاضی اس کے خاوند پر اسلام پیش کرے، اگر وہ مسلمان ہو جائے، تو نکاح بحالہ قائم رہے گا، اور اگر اسلام قبول نہ کرے، یا سکوت کرے، تو قاضی ان دونوں میں تفریق کردے، اور اگر یہ واقعہ دارالحرب کا ہے، تو عورت کے تین حیض گزر جانا ہے انکار اسلام کے قائم مقام ہو جاوے گا، اور بعد تین حیض گزرنے کے عورت بائنہ ہو جاوے گی۔

(۱) یعنی میاں بیوی دونوں دارالاسلام میں ہوں اور اگر ایک دارالاسلام میں ہو اور دوسرا دارالحرب میں تو تفریق قاضی نہیں ہوسکتی، بلکہ تین حیض گزرنے پر بینونت ہو جاوے گی، یعنی خود بخود نکاح جاتا رہے گا۔ کما صرح بہ الشامی تحت قول الدر: ولو اسلم احدھما الخ ۱۲ منہ

عدت کا حکم

(بصورت اسلام احد الزوجین)

اگر زوجہ اور شوہر دونوں دار الاسلام میں ہوں، اور عرض اسلام کے بعد تفریق کی گئی ہے، تب تو بالاتفاق عدت واجب ہے، اور اگر ان میں سے ایک یا دونوں دار الحرب میں ہیں، اور اس لئے عرض اسلام نہ ہوسکا، بلکہ تین حیض گزر جانے کی وجہ سے بائنہ ہوئی ہے، تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر شوہر مسلمان ہوا ہے، تو بالاتفاق عدت واجب نہیں (۱)

اور اگر عورت مسلمان ہوئی ہے، تو صاحبین کے نزدیک اس پر تین حیض کے علاوہ دوسرے تین حیض تک عدت گزارنا واجب ہے، اور امام صاحب کے نزدیک عدت واجب (۲) نہیں، اور احتیاط اسی میں ہے، کہ صاحبین کے قول پر عمل کیا جاوے، امام طحاوی نے اسی کو اختیار کیا ہے، (شامی باب نکاح الکافر ص: ۶۴۱، ج: ۲)

چوتھا احتمال یہ ہے کہ زوجین میں سے کوئی ایک معاذ اللہ مرتد ہو جاوے اس کے دو جزو ہیں، ایک خاوند کا مرتد ہو جانا، دوسرے زوجہ کا مرتد ہونا، دونوں کے احکام جدا جدا درج ذیل ہیں، اور اس چوتھے احتمال کے احکام پر اکابر علماء کے تصدیقی دستخط بھی ثبت ہیں۔

ف: ...... زوجین کے اختلافِ مذہب کی پہلی صورت کے احکام میں اور دوسری صورت کے چار احتمالوں میں سے اول کے تین احتمالوں کے احکام میں تو کوئی خفا و اختلاف نہ تھا، اس لئے ان کا مسودہ سب حضرات کے سامنے پیش نہیں کیا گیا، بلکہ صرف حضرت حکیم الامت دام مجدہم اور چند حضرات کے ملاحظہ پر اکتفاء کیا گیا، اور چوتھے

(۱) یعنی اس کو اسلام کے بعد اس زوجہ کی ہمشیرہ وغیرہ سے فوراً نکاح کر لینا جائز ہے، اگر عدت واجب ہوتی تو انقضاء عدت سے قبل اس کی ہمشیرہ وغیرہ کے ساتھ نکاح جائز نہ ہوتا، اور عدت واجب نہ ہونے کا ایک ثمرہ یہ بھی ہے کہ اگر یہ عورت مسلمان ہو جاوے تو اس کو فوراً کسی دوسرے شخص سے نکاح جائز ہے، بشرطیکہ حاملہ نہ ہو ورنہ بعد وضع حمل۔ ۱۲ منہ

(۲) البتہ اگر یہ عورت حاملہ ہو تو امام صاحب کے نزدیک بھی وضع حمل سے قبل اس سے نکاح جائز نہیں ۱۲ منہ

احتمال کی بعض صورتوں کے حکم میں کچھ خفا و اختلاف تھا، اس لئے صرف اس احتمال کے احکام کو پیش کر کے سب حضرات کے دستخط حاصل کئے گئے ہیں۔

حکم ارتداد شوہر

اگر کسی عورت کا خاوند معاذ اللہ اسلام سے پھر جائے، اور مرتد ہو جائے، تو باجماع ائمہ اربعہ و باتفاق جمہور فقہاء اس کا نکاح خود بخود فسخ ہو جاتا ہے، قضائے قاضی اور حکم حاکم کی بھی کوئی ضرورت نہیں، اور یہ ارتداد شوہر اگر خلوت صحیحہ سے قبل ہوا ہے، تو نصف مہر خاوند کے ذمہ ہے، اور عورت پر عدت واجب نہیں، اور اگر خلوتِ صحیحہ کے بعد ارتداد ہوا ہے، تو پورا مہر لازم ہے، اور عورت پر عدت بھی واجب ہے، نیز اس مرتد پر عدت کا نفقہ بھی لازم ہے۔

لما فی الدر المختار (و ارتداد احدهما) ای الزوجین (فسخ) فلاینقض عدداً (عاجل) بلاقضاء فللموطوءة و لو حكما كل مهرها لتاكده به و لغيرها نصفه لو سمى او المتعة لو ارتد و عليه نفقة العدة.

و فی رد المحتار (قوله بلا قضاء) ای بلاتوقف علی قضاء القاضی و كذا بلا توقف على مضى عدة فی المدخول بها كما فی البحر (شامی باب نكاح الكافر ص: ۴۲۵، ج: ۳)

اور عالمگیری کتاب النکاح باب عاشر صفحہ ۳۱۷ جلد: ۱، (مصری) میں ہے: اذا ارتد احد الزوجين عن الاسلام وقعت الفرقة بغير طلاق فی الحال قبل الدخول و بعده۔

تنبیہ ضروری

بعض لوگوں نے صرف ان عبارات کو دیکھ کر یہ سمجھ لیا کہ اگر عورت مرتد ہو جائے، تب بھی نکاح فسخ ہو جائے گا، اور اسی بناء پر محض ناواقفیت سے تمام روایاتِ فقہیہ کے

خلاف یہ تفریع کر بیٹھے کہ اس نالائق کو تجدید اسلام کے بعد دوسرے خاوند سے نکاح کرنے کی اجازت ہے، یہاں تک کہ بعض کم بخت عورتوں نے اس کو خاوند سے رہائی حاصل کرنے کا سہل علاج سمجھ لیا، اور ارتداد کی بلائے عظیم میں مبتلا ہو کر اپنے عمر بھر کے اعمال صالحہ برباد کر دیے۔ حالانکہ شرعی طور پر اب بھی ان کا مقصد حاصل نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس صورت میں دوسرے شخص سے نکاح کی ہرگز اجازت نہیں، بلکہ یہ لازم ہے کہ تجدید اسلام اور تجدید نکاح کر کے پہلے ہی خاوند کے ساتھ رہے، جس کی تفصیل ارتداد زوجہ کے بیان میں عنقریب آ رہی ہے۔

حکم ارتدادِ زوجہ

زوجہ کے ارتداد میں روایات مختلف ہیں، اور کسی قدر تفصیل ہے، جو ذیل میں بحوالہ کتب درج ہے۔

۱:......فی الهداية من باب نكاح الكافر، اذا ارتد احد الزوجين وقعت الفرقة بغير طلاق، انتهى. قال المحقق ابن الهمام هذا جواب ظاهر المذهب، و بعض مشائخ بلخ و سمرقند افتوا فی ردتها بعدم الفرقة حسما لاحتيالها على الخلاص باكبر الكبائر، و عامة مشائخ بخارا افتوا بالفرقة و جبرها على الاسلام و على النكاح مع زوجها الاول لان الحسم بذالك يحصل. و لكل قاض ان يجدد النكاح بينهما بمهر يسير و لو بدينار رضيت ام لا و تعزر خمسة و سبعين سوطا. و لاتسترق المرتدة مادامت فی دار الاسلام فی ظاهر الرواية و فی رواية النوادر عن ابی حنيفة رحمه الله تسترق (فتح القدير نكاح اهل الشرك ،ص:۲۹۷ ، ج:۳)

۲:......و فی فتاوىٰ قاضی خان فصل الفرقة بين الزوجين

ص:۲۶۷، ج:۲، منکوحة ارتدت و العیاذ باللّٰه تعالیٰ حکی عن ابی النصر و ابی القاسم الصفار انهما قالا لایقع الفرقة بینهماحتی لاتصل الیٰ مقصودها ان کان مقصودها الفرقة و فی الروایات الظاهرة یقع الفرقة و تحبس المرأة حتی تسلم و یجدد النکاح سدا لهذا الباب علیها.

۳:......و فی العالمگیریة الباب العاشر من النکاح مثله و بعض الفاظها تحرم علی زوجها فتجبر علی الاسلام و لکل قاض ان یجدد النکاح بأدنی شئ و لو بدینار سخطت او رضیت و لیس لها ان تتزوج الا بزوجها قال الهندوانی اخذ بهذا قال ابو اللیث و به نأخذ و کذا فی التمرتاشی.

۴:......و فی الدر المختار و تجبر علی الاسلام و علی تجدید النکاح (الی قوله) و أفتی مشائخ بلخ بعدم الفرقة بردتها (الی قوله) قال فی النهر و الافتاء بهٰذا (یعنی بقول مشائخ بلخ) أولیٰ من الافتاء بما فی النوادر (الی قوله) وحاصلها انها بالردة تسترق و تکون فیئاً للمسلمین عند أبی حنیفة.

۵:......قال فی رد المحتار و عبارة النهر و لایخفی ان الافتاء بما اختاره ائمة بلخ أولیٰ من الافتاء بما فی النوادر و لقد شاهدنا من المشاق فی تجدیدها فضلاً عن جبرها بالضرب و نحوه مالا یعد و لا یحد (الی قوله) ومن القواعد المشقة تجلب التیسیر (قال الشامی بعد نقله)قلت المشقة فی التجدید لایقتضی أن یکون قول ائمة بلخ أولیٰ مما فی النوادر بل أولیٰ مما مر ان علیه الفتویٰ و هو قول النجاریین (الی قوله) تأمل (شامی ص:۴۲۶، ج:۲)

۶:......و فی تعزیر الدرالمختار ارتدت لتفارق زوجها تجبر علی الاسلام وتعزر خمسة و سبعین سوطاً و لاتتزوج بغيره به يفتى ملتقط. قال الشامی قوله لاتتزوج بغيره بل تقدم انها تجبر على تجديد النكاح بمهر يسير و هذه احدى روايات ثلاث تقدمت فی الطلاق الثانية انها لاتبين رداً لقصدها السئ. الثالثة ما فی النوادر من انه يتملكها رقيقة ان كان مصرفاً. ط (شامی ص:۲۰۷، ج:۳)

۷:......و فی قنية الفتاویٰ تحرم اللعينة وتجبر على الاسلام (برمز النوازل و الواقعات للناطفی) و فيها بعض مشائخ بلخ و أبوالقاسم الصفار و اسمٰعيل الزاهد من ائمة بخاری و بعض ائمة سمرقند كانوا يفتون بعدم الفرقة بردتها حسما لباب المعصية و فی الجامع الاصغر كان شاذان و أبوالنصر الدبوسی يفتيان بانها لاتبين (شرح الصباغی)و فيها المرتدة مادامت فی دارالاسلام فانها لاتسترق فی ظاهر الرواية و فی النوادر عن ابی حنيفة أنها تسترق (مجد الائمة الترجمانی)ثم قال و لو كان الزوج (۱)عالماً استولیٰ عليها بعد الردة فتكون فيئاً للمسلمين عند أبی حنيفة ثم يشتريها من الامام أو يصرفها اليه ان كان مصرفاً فلو أفتی مفت بهٰذه الرواية حسما لهٰذا الامر لابأس به قلت و فی زماننا بعد فتنة التتر العامة صارت هٰذه الولايات التی غلبوا عليها و أجروا أحكامهم فيهم كخوارزم و ماوراء النهر و خراسان و نحوها صارت دارالحرب فی الظاهر فلو استولیٰ عليها الزوج بعد الردة يملكها(۲) و لايحتاج الیٰ شرائها من

(۱) هكذا فی الاصل و لم يظهر فائدته فليتامل. ۱۲ منه

(۲) فيه ان الاحراز بدار الاسلام شرط الاستيلاء كما صرح به الشامی فی باب الاستيمان حيث قال و لا ملك قبل الاحراز بدارنا فكيف يصح القول بالملك هٰهنا فليتامل و يمكن ان يجاب بان الاحراز بالدار يكون شرطا لتملك المستأمن لا لمن يسكن فی دار الحرب ۱۲ منه

الامام فتبقى في يده بحكم الرق حسما لكيد الجهلة و مكر المكرة على ما أشار اليه في السير الكبير (قنية الفتاوىٰ ص: ۸۰،باب نكاح الكافر)
قال الشامي بعد نقل هذه العبارة من القنية قوله يملكها مبنى على ظاهر الرواية من انها لاتسترق مادامت في دارالاسلام و لاحاجة الىٰ الافتاء برواية النوادر لما ذكر من صيرورة دارهم دار الحرب في زمانهم فيملكها بمجرد الاستيلاء عليها لانها ليست في دارالاسلام فافهم. (شامي ص:۳۰۳،ج:۲)

۸:......و في شرح الفقه الاكبر لملا على قاريؒ ، و في المضمرات لو أفتى لامرأة بالكفر لتبين من زوجها فقد كفر قبلها. و تجبر المرأة على الاسلام و تضرب خمسة و سبعين سوطاً و ليس لها ان تتزوج الا بزوجها الاول هٰكذا قال أبوبكر وكان أبوجعفرؒ يفتى بها و يأخذ بهٰذا انتهى . و قال بعضهم ان ردتها لاتؤثر في افساد النكاح و لايؤمر بتجديد النكاح حسماً لهٰذا الباب عليهن. و عامة علماء بخارى يقولون كفرها يعمل في افساد النكاح لكنها تجبر على النكاح مع زوجها قطعاً و هٰذا فرقة بغير طلاق بالاجماع و عليها الفتوىٰ كذا في منهاج المصلين.
(شرح فقه أكبر مجتبائى ،ص: ۲۲۱)

۹ :......و في باب المرتد من الدرالمختار و ليس للمرتدة التزوج بغير زوجها به يفتى (قال الشامي تحته) و قد أفتى الدبوسي و الصفار و بعض أهل سمرقند بعدم وقوع الفرقة بالردة رداً عليها و غيرهم مشوا على الظاهر و لكن حكموا بجبرها على تجديد النكاح مع الزوج و تضرب خمسة و سبعين سوطا و اختاره قاضي خان للفتوىٰ.

(شامي ص: ۳۳۱،ج: ۱)

رفع الاشتباه

و لايختلج فى صدرک ان قول البلخيين بظاهره يصادم نص الكتاب من قوله تعالىٰ و لاتمسكوا بعصم الكوافر. لأنا نقول ان النص انما ورد فى اسلام الزوج و بقاء الزوجة على الكفر فمسئلتنا هذه اعنى ارتداد الزوجة غير داخل فيه نصاً بل للاجتهاد فيه مساغ.

قال فى التفسير الأحمدى ثم منع اللّٰه المؤمنين عن نكاح المشركات حيث قال و لاتمسكوا بعصم الكوافر يعنى و لاتمسكوا بما يعتصم به الكافرات من عقد و سبب أى لاتدخلوا الكافرات تحت نكاحكم على ما قدمه الامام الزاهد و الاولىٰ ان يحمل الامساک على حالة البقاء دون الابتداء و المراد النهى عن ابقاء نكاح التى بقيت فى دارالحرب أو لحقت بدارالحرب مرتدة على ما قاله صاحب الكشاف و المدارک فالمعنى لاتحفظوها تحت تصرفكم.

و فى البحر المحيط ص: ۲۵۸، ج: ۱ قال ابن عطية هذه الأية كلها (أى قوله تعالىٰ يا أيها الذين اٰمنوا اذا جاء كم المؤمنات الخ) قد ارتفع حكمها و فيه ايضاً قال ابن العربى كان هذا حكم اللّٰه تعالىٰ مخصوصاً بذالک الزمان فى تلک النازلة خاصة باجماع الامة.

لايقال ان بقاء نكاح المرتدة و ان لم يصادمه النص و لكن دلالة هذا النص تعارضه لانا نقول ان مسئلتنا هذه لاتدخل تحت دلالة النص ايضاً فان دلالة النص لايطلق الا على ما يستفاد من النص لغةً بحيث يفهمه عامة أهل اللغة و فسخ النكاح بالارتداد لم يزل عرضة للاجتهاد، فانكره

القاضی ابن ابی لیلیٰ مطلقاً کما فی مبسوط السرخسی ص: ۴۹، ج:۵ . وبه قال داؤد الظاهری کما عزاه الیه ابن قدامة فی المغنی ص: ۵۶۴، ج:۷ . و قال الشافعیؒ و أحمد فی احدی الروایتین ان الارتداد اذا وقع بعد الدخول یتوقف فسخ النکاح علی انقضاء العدة کما صرح به فی فتح القدیر . فلو کان فسخ النکاح بالارتداد مدلول النص فلایخفی علم مثل هٰؤلآء الائمه الأجلة و لهٰذا لم نجد فی شئ من الکتُب ان الذین اختاروا ظاهر الروایة ینکرون علیٰ ائمة بلخ و سمرقند بمصادمة النص. فانه لو کانت فتوٰهم مخالفة للنص لنبهوا علیها وردوها علی أکمل وجه و أتمّه.

و ان قیل ان نص الایة و دلالته و ان لم یشمل مانحن فیه و لکنه ملحق بالمنصوص قیاسا، قلنا ذالک ما کنا نبغ فقد ثبت به ان للاجتهاد فیه مساغا فلا لوْم علی من لم یلحقه بالمنصوص لفارق بینهما و هو ان الموجب للفسخ فی المنصوص هو الاباء عن الاسلام او البقاء علی الکفر جزاء لفعله، ولا خفاء فی ان الارتداد بعد الاسلام أشد و أقبح من البقاء علی الکفر الاصلی و الاباء عن الاسلام فیقتضی جزاء أشد و أنکل فکیف یقاس الاشد علی الاخف. ولاشک ان الحکم بفسخ النکاح فی المرتدة مع اختیارها فی ابتغاء الازواج و ترکها سدی بحیث تذهب الیٰ حیث شائت و تتزوج بمن شاء ت کما فی الکافرة الاصلیة لیس من العقوبة و النکال فی شئ بل هو عین مغزاها و مرماها. نعم الحکم بعدم الفسخ علی وجه المعاقبة جزاء بما اکتسبت من ارتدادها اغلظ و اقرب للانزجار و هی أولیٰ به انتهیٰ هٰذا محصل تحقیق علماء السهارنفور مد فیوضهم العالیة.

قلت فان خالج فی قلبک ان العبرة لعموم اللفظ لالخصوص السبب و اللفظ عام فیشمل ما نحن فیه و یخالفه فتوی علماء بلخ فازحه ان المراد فی هذا الاصل العموم الذی لایجاوز مراد المتکلم المفهوم من القرائن لا العموم المطلق و الا لزم القول بالنهی عن الصوم فی السفر مطلقاً لحدیث لیس من البر الصیام فی السفر. و اللازم منتف و هٰهنا لیس مراد المتکلم العموم لما نحن فیه. و دلیله نفس أجزاء الایة من قوله تعالیٰ: واسألوا ما أنفقتم و لیسئلوا ما أنفقوا و قوله تعالیٰ و ان فاتکم شیٔ من أزواجکم الیٰ الکفار فعاقبتم فاٰتوا الذین ذهبت أزواجهم مثل ما أنفقوا فان هذه الاحکام لیست عامة لما نحن فیه و یدل علی عدم العموم الاجماع کما مر عن ابن العربی.

روایات مذکورہ بالا سے یہ ثابت ہوگیا:

کہ عورت کے مرتد ہونے کی صورت میں مذہب حنفیہ میں تین قول ہیں:

ایک ظاہر الروایۃ: جس کا خلاصہ یہ ہے، کہ عورت کے مرتد ہونے سے نکاح تو فوراً فسخ ہوجائے گا، لیکن پھر اس کو حبس وقید کر کے تجدید اسلام پر بھی اور اس پر بھی مجبور کیا جائے گا، کہ وہ اپنے پہلے ہی خاوند سے تجدید نکاح کرے، جیسا کہ عبارت قاضی خان نمبر ۱ اور عالمگیری کی عبارت نمبر ۳ اور عبارت درمختار وشامی نمبر ۹ میں اس کی تصریح ہے کہ ظاہر الروایہ جس میں فسخ نکاح کا حکم دیا گیا ہے، اس کے ساتھ یہ بھی مذکور ہے کہ عورت کو تجدید اسلام اور شوہر اول سے تجدید نکاح پر بزور حکومت مجبور کیا جائے گا، خواہ اس کے مرتد ہونے کی غرض خاوند اول سے علیحدہ ہونا ہی ہو، یا حقیقتاً اس کے عقائد بدل گئے ہوں، دونوں صورتوں میں اس کو تجدید نکاح پر مجبور کیا جائے گا،

کما صرح به الشامی حیث قال و لایلزم من هذا ان یکون الجبر

علی تجدید النکاح مقصوراً علی ما اذا ارتدت لاجل الخلاص منه بل قالوا ذالک سداً لهٰذا الباب من أصله سواء تعمدت الخلاص أم لا کیلا تجعل ذالک حیلة .(شامی باب نکاح الکافر ص:۴۲۵، ج:۲)

دوسرا قول: مشائخ بلخ وسمرقند اور بعض مشائخ بخارا اسمٰعیل زاہد اور ابوالنصر الدبوسی اور ابوقاسم صفار کا فتویٰ ہے کہ عورت کے مرتد ہونے کی صورت میں نکاح فسخ ہی نہیں ہوتا، بلکہ بدستور یہ عورت شوہر سابق کے نکاح میں رہتی ہے جیسا کہ عبارت فتح القدیر نمبر ا وعبارت قاضی خان نمبر۲ وعبارت درمختار نمبر۴ وعبارت شامی نمبر۵ نمبر۶ وعبارت قنیہ نمبر۷ اور شرح فقہ اکبر نمبر۸ میں اس کی تصریح ہے۔

تیسرا قول: وہ نوادر کی روایت ہے امام اعظم ابوحنیفہؒ سے کہ یہ عورت دارالاسلام (۱) میں بھی کنیز بنا کر رکھی جائے گی، اور اس کے خاوند کا قبضہ اس پر بدستور سابق باقی رہے گا۔

لیکن اس روایت میں یہ تفصیل ہے کہ اگر یہ مرتد دارالاسلام میں ہو، تو اس کا خاوند اس کو امام المسلمین سے قیمت دے کر خرید ے گا، یا اگر امام المسلمین اس کو مصرف سمجھیں گے، تو اس کو مفت بھی دے دیں گے۔ بہر حال بغیر اجازت امام اس کو اپنے قبضہ میں لانا جائز نہ ہوگا۔

اور اگر دارالحرب میں ہے، تو اذن امام کی حاجت نہیں، بلکہ جب خاوند اس پر قبضہ (۲) پائے، تو اس کی ملک ہو جاوے گی، اجازت امام وغیرہ کی کچھ حاجت نہیں جیسا

(۱) تفصیل اس مسئلہ کی یہ ہے کہ اگر عورت مرتد ہو کر دارالحرب میں چلی جاوے، یا دارالحرب میں ہی مرتد ہو تو اس کو کنیز بنانے پر ظاہر الروایہ بھی متفق ہے نوادر اور ظاہر الروایۃ کا اختلاف صرف اس میں ہے کہ دارالاسلام میں رہتے ہوئے بھی کنیز بن سکتی ہے یا نہیں جیسا کہ فتح القدیر اور قنیہ کی عبارت مذکورہ سے واضح ہے ۱۲ منہ

(۲) و اذکر ما مر منافی الحاشیة علی عبارة القنیة من ان القواعد تقتضی اشتراط الاحراز بدار الاسلام فی الاستیلاء ۔۱۲منہ

کہ عبارت قنیہ نمبر ے میں اس کی تصریح ہے۔

حاصل یہ ہے کہ عورت اگر مرتد ہو جائے تو اس کے نکاح کے بارہ میں حنفیہ کے تین قول ہوئے۔

ایک یہ کہ نکاح فسخ ہو جاتا ہے، لیکن بعد تجدید اسلام اس کو تجدید نکاح پر مجبور کیا جائے گا، کسی دوسری جگہ نکاح کرنے کا اختیار نہ دیا جائے گا۔ (وھوظاھر الروایۃ)

دوسرا یہ کہ نکاح فسخ ہی نہ ہوگا، بلکہ وہ دونوں بدستور زن وشوہر (۱) رہیں گے۔

تیسرا یہ کہ عورت کو کنیز بنا کر رکھا جائے گا۔

ان تینوں اقوال میں اگر چہ کچھ اختلاف ہے، لیکن اتنی بات پر تینوں متفق ہیں کہ عورت کو کسی طرح یہ حق نہ دیا جائے گا، کہ وہ اپنے پہلے خاوند کے نکاح سے علیحدہ ہو کر دوسری جگہ نکاح کرے، اس لئے یہ بات متفق علیہ ہوگئی کہ عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنے کا ہرگز اختیار نہ ہوگا۔

اب ہندوستان میں بحالت موجودہ اس متفق علیہ حکم پر عمل کرنا پہلی روایت کو اختیار کرتے ہوئے غیر ممکن ہے، کیونکہ فسخ نکاح کا حکم دے دینے کے بعد پھر تجدید نکاح پر مجبور کرنے والی کوئی قوت مسلمانوں کے پاس موجود نہیں، اور جہاں موجود ہوتی ہے، وہاں بھی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے، جیسا کہ شامی کی عبارت مندرجہ نمبر ۵ میں بیان کیا گیا ہے، اس لئے پہلے قول یعنی ظاہر الروایۃ پر عمل کرنا ہندوستان میں بحالت موجودہ غیر ممکن ہو گیا کیونکہ اس کے ایک جزو پر عمل کرنا اگر چہ اختیار میں ہے لیکن دوسرا جزو یعنی تجدید اسلام اور تجدید نکاح پر مجبور کرنا قطعاً اختیار میں نہیں۔

(۱) لیکن اس روایت پر فتویٰ دینے کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ تجدید اسلام اور تجدید نکاح سے قبل شوہر کو استمتاع یعنی صحبت وغیرہ کی اجازت نہ دی جائے جیسا کہ متن میں بھی بعض مسائل ضروریہ کے زیر عنوان عنقریب آتا ہے ۱۲ منہ

اور نوادر کی روایت پر عمل کرنا تو ظاہر الروایت سے بھی زیادہ مشکل بلکہ بحالت موجودہ غیر ممکن ہے۔

اس لئے اب بجز اس کے کہ مشائخ بلخ وسمرقند کے قول کو اختیار کر کے اسی پر فتویٰ دیا جائے کوئی چارہ نہ رہا۔

اور صاحب نہر کو اگرچہ ان مشکلات کا سامنا نہ تھا، جو آج ہم پر گزر رہے ہیں، مگر وہ اپنے وقت میں اسی روایت پر فتویٰ دینے کو تجویز فرماتے ہیں، اور اس کے خلاف کرنے کو سخت مشکل میں ڈالنا قرار دیتے ہیں، جیسا کہ عبارت شامی مندرجہ نمبر ۵ میں ان کی عبارت نقل کی گئی ہے۔

اور علامہ شامی بھی اس فتویٰ کی مخالفت نہیں کرتے، اور جو کچھ فرمایا ہے وہ روایت نوادر پر قدرت ہونے کے وقت فرمایا ہے، اور جب اس پر قدرت نہ ہو، تو ان کے نزدیک بھی مشائخ بلخ وسمرقند کے قول پر فتویٰ دینا متعین ہے، اسی طرح دوسرے فقہاء بھی اس قول کو نقل کر کے تردید نہیں کرتے۔

پس ہندوستان میں بحالت موجودہ کہ حکومت مسلمانوں کی نہیں اس کے سوا مذہب حنفی پر عمل کرنا غیر ممکن ہے کہ مشائخ بلخ وسمرقند کے قول کے موافق یوں فتویٰ دیا جائے کہ عورت کے ارتداد سے نکاح فسخ ہی نہیں ہوتا بلکہ بدستور باقی رہتا ہے۔

بعض مسائل ضروریہ

مسئلہ: ......مشائخ بلخ (۱) کے قول کے موافق جب کہ بقاء نکاح کا فتویٰ دیا جائے، تو ساتھ ہی اس امر کو لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ تجدید اسلام کے قبل شوہر کے لئے

---

(۱) اسی طرح روایت نوادر یعنی استرقاق کی صورت میں بھی گو قبضہ خاوند کا اس پر ہو جاوے گا، لیکن استمتاع جائز نہ ہوگا، جیسا کہ امۃ مشترکہ سے باوجود قبضہ مالکانہ کے استمتاع جائز نہیں۔ ۱۲۔ منہ

اس مرتدہ سے استمتاع یعنی جماع اور اس کے دواعی مثل تقبیل ولمس بالشہوۃ وغیرہ کو جائز نہ کہا جائے، کیونکہ آیت کریمہ **لاتنکحوا المشرکات حتی یؤمن** سے کافر عورتوں کے ساتھ نکاح اور استمتاع کا حرام ہونا ظاہر ہے، اور اس پر اجماع بھی ہے، اور کتابیہ کا استثناء جو آیت **والمحصنٰت من الذین اوتوا الکتٰب** میں وارد ہوا ہے، اس سے کتابیہ اصلیہ مراد ہے، وہ مرتدہ اس میں داخل نہیں، جس نے اہل کتاب کا مذہب اختیار کرلیا ہو۔

اور قول مذکور پر بقاء نکاح سے یہ لازم نہیں آتا کہ حالتِ کفر میں صحبت و جماع و دواعی جماع بھی جائز رہیں، فقہ احناف میں ایسے نظائر موجود ہیں کہ باوجود صحتِ نکاح و بقاء نکاح کے جماع و دواعی جماع حرام ہوتے ہیں۔ جیسے موطوٴۃ بالشبہہ کہ اس کا نکاح بدستور سابق قائم ہے، مگر انقضائے عدت تک اس سے ہمبستری وغیرہ بالکل حرام ہے، اسی طرح حاملہ من الزنا اگر غیر زانی سے نکاح کرے، تو گو نکاح صحیح ہو جاتا ہے، مگر شوہر کو صحبت جائز نہیں ہوتی۔

مسئلہ:......حلت استمتاع کے لئے تجدید اسلام کا شرط ہونا تو آیت مذکورہ اور اجماع وغیرہ سے مسئلہ اولیٰ میں ثابت ہو چکا ہے، پھر تجدید اسلام کے بعد ظاہر الروایۃ کے موافق تجدید نکاح بھی ضروری ہے، بغیر اس کے استمتاع جائز نہیں، مگر مشائخ بلخ کے قول پر تجدید نکاح شرط نہیں، جیسا کہ عبارت شرح فقہ اکبر نمبر ۸ میں اس کی تصریح گزری ہے۔
لیکن اس خاص جزو میں ظاہر الروایت کو ترک کرنے کی کوئی ضرورت داعی نہیں لہٰذا تجدید نکاح کو بھی ضروری کہا جاوے گا کہ اس میں احتیاط ہے۔

مسئلہ:......صورت مذکورہ میں تجدید نکاح کے لئے انقضائے عدت ضروری نہیں (کما ہو ظاہر) لیکن تھوڑا سا مہر جدید ضروری ہے، جو دس درہم سے کم نہ ہو، جیسا کہ فتح القدیر نمبر ا وغیرہ کی عبارات گذشتہ سے معلوم ہو چکا ہے، اور مہر سابق کا بدستور واجب فی الذمہ رہنا ظاہر ہی ہے۔

خلاصہ فتویٰ

اس مجموعہ سے خلاصہ اس فتویٰ کا یہ حاصل ہوا کہ عورت بدستور سابق اسی خاوند کے قبضہ میں رہے گی، دوسرے شخص سے ہرگز نکاح جائز نہیں۔

لیکن جب تک تجدید اسلام کر کے تجدید نکاح نہ کرے، اس وقت تک اس کے ساتھ جماع اور دواعی جماع کو جائز نہ کہا جاوے گا۔

واللّٰہ سبحانہ و تعالیٰ أعلم و هو المستعان و علیه التکلان و الحمد للّٰه الذی بعزته و جلاله تتم الصالحات.

تصدیقات (۱)

حضرات علماء امداد العلوم تھانہ بھون و دار العلوم دیوبند و مظاہر علوم سہارنپور جوارتداد احد الزوجین کے احکام کی ترتیب و تہذیب و تصحیح و تنقیح میں شریک رہے۔

مدرسۂ امداد العلوم تھانہ بھون ضلع مظفر نگر ۱۳۱۵ھ

از امداد العلوم تھانہ بھون

عورت کے مرتد ہونے سے فسخ نکاح نہ ہونے پر جناب مفتی صاحب مد فیوضہم نے جو تحریر فرمایا ہے، وہ بالکل درست ہے، اس تحقیق انیق کی خاص جامعیت اور ضرورت کو دیکھ کر بیساختہ دل سے نکلتا ہے۔ للّٰہ درّ المجیب حیث أجاد و أصاب فیما أفاد و أجاب۔

الاحکام کلها صحیحة
اشرف علی
۶ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ

الجواب صواب
سراج احمد امروہی
مدرس خانقاہ امدادیہ

کمترین خلائق احقر عبد الکریم گمتھلی عفی عنہ
مقیم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۱۴ رمضان مبارک ۱۳۵۲ھ

(۱) اس ضمیمہ کے شروع تین ورق کے بعد جہاں یہ عنوان ہے: چوتھا احتمال اس عنوان کے اخیر میں ف کے تحت میں ان تصدیقات کے متعلق ایک مضمون ہے، اس کو ملاحظہ فرمالیا جاوے۔

طالعت هٰذه الضميمة الفخيمة و تشرقت بتوسم هٰذه الدرة اليتيمة فللّٰه در من اخرجها من الصدف الانيق و استخرجها من البحر العميق و انا موافق لجميع ما فی الباب و مسرور بضم هذه الضميمة باصل الكتاب و اللّٰه اعلم بالصواب .

حرره بقلمه العبد المذنب

ظفر احمد عفا عنہ

۲۶ رمضان ۱۳۵۲ھ

از مدرسہ عالیہ دار العلوم دیوبند

بالکل صحیح و درست ہے۔

فقیر سید اصغر حسین عفا اللہ عنہ

(مورخہ ۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۲ھ)

الجواب صحیح

بندہ محمد ابراہیم عفی عنہ

الجواب صحیح

عبد السمیع عفی عنہ

المجیب مصیب

ریاض الدین عفی عنہ

الجواب صحیح

حسین احمد غفرلہٗ

بندہ سید محمد مبارک علی غفرلہٗ

الجواب صحیح

محمد رسول خان عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

مسعود احمد عفا اللہ عنہ

احقر العباد

محمد طیب غفرلہٗ

از مدرسہ عالیہ مظاہر علوم سہارنپور

الجواب صحیح
عبداللطیف عفا اللہ عنہ
ناظم مدرسہ مظاہر علوم
۱۲ رمضان المبارک ۱۳۵۲ھ

الجواب صحیح
محمد زکریا کاندھلوی مدرس مدرسہ مظاہر علوم

الجواب صواب
بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ
مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

بندہ محمد اسعد اللہ عفا اللہ عنہ

خاتمہ

حضرت امام العارفین سراج السالکین خضر الطریق مظہر التوفیق فقیہ العصر حکیم الامت مجدد الملت سیدی وسندی حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی دامت برکاتہم نے اپنے رسالہ الحیلۃ الناجزہ للحلیلۃ العاجزۃ کی تمہید میں حاشیہ پر تحریر فرمایا ہے، کہ چند مسائل متعلقہ از دواج بصورت اختلاف مذہب کا اضافہ بطور ضمیمہ کیا جاوے گا، جس میں خصوصیت سے یہ بات بھی واضح کی جاوے گی کہ عورت کے مرتد ہونے سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے، یا نہیں اور بعد تجدید اسلام دوسرے شخص سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

حضرت اقدس نے قلت فرصت کی وجہ سے اس ناکارہ غلام کو ارشاد فرمایا اس لئے تعمیل ارشاد کے لئے یہ رسالہ لکھ کر حضرت کی خدمت میں پیش کیا، اور نام اس کا حکم الازدواج مع اختلاف دین الازواج تجویز ہوا، حق تعالیٰ اس کو بھی اصل رسالہ کی طرح مفید و مقبول فرمادے، اور حضرت کے فیوض سے متمتع فرمائے آمین!

بندہ محمد شفیع دیوبندی غفرلہٗ
خادم دار الافتاء دیوبند



نابالغہ کے نکاح میں سوء اختیار

تاریخ تالیف ـــــــــ ۱۷ ؍رجب ۱۳۸۹ھ (مطابق ۱۹۶۹ء)

مقامِ تالیف ـــــــــ دارالعلوم کراچی

نابالغ لڑکی کا نکاح باپ کردے تو کس صورت میں اس کو اختیار فسخ ملے گا؟ اور باپ کو کب سیئی الاختیار قرار دیا جائے گا؟...........نیز اس نکاح کو فسخ کرنے کی شرعی صورت کیا ہوگی؟ ایک استفتاء اور اس کا جواب۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوال ...... کیا فرماتے ہیں علماء دین اندریں مسئلہ کہ مسمی زید ناحق طور پر قتل کے کیس میں ماخوذ ہو گیا، جس میں چار واقعی قاتل تھے، مسمی زید ناحق تھا۔ کیس کے دوران ملزموں کے ورثاء مقتول کے وارثوں کے ساتھ صلح تجویزیں کرتے رہے، کیونکہ شہادتیں مضبوط تھیں، اور سزا کا خطرہ غالب تھا۔ بالآخر طے یہ ہوا کہ قاتلین کے ورثاء تین لڑکیوں کے رشتے اور چار ہزار روپیہ دیں، اور مقتول کے ورثہ سیشن کی عدالت میں اپنے گواہان بٹھا دیں گے۔ چنانچہ روپیہ امانت رکھ دیا گیا، اور تین شیر خوار لڑکیوں کے عقد کر دیئے گئے۔ مسمی زید کی لڑکی کا عقد اس پینتیس سالہ آدمی سے جو کہ مقتول کا بھائی اور لوفر مزاج آدمی تھا زید کی اجازت سے کر دیا گیا۔

بعد میں مقتول کے ورثاء نے سیشن میں پوری ڈٹ کر گواہی دی، جس سے پانچوں ملزموں کو حکم سزائے موت سنایا گیا ہے۔ چار ہزار روپے تو ثالث نے مقتول کے ورثاء کو دینے سے انکار کر دیا کہ تم نے دھوکہ کیا ہے، لہٰذا تم اس کے حق دار نہیں۔ مگر عقد تو پہلے ہو چکے تھے، اب اس پندرہ سال کے بعد زید کی لڑکی جوان ہوئی، تو اس نے اپنے عقد کی تنسیخ کا اعلان کر دیا، اور شہادتیں فراہم کیں۔ اب

شرعی طور پر التماس ہے کہ کیا باپ جب کہ موت وحیات کی کش مکش میں پھنسا ہوا تھا، اور اس نے مقتول کے گھرانے میں اپنی اس شیر خوردہ کا عقد کر دیا تھا، پھر ایک لوفر طبع اور عمر میں اتنے تضاد کے باوجود محض اپنے آپ کو بری کرانے کی خاطر جب کہ اس ہندہ مظلومہ کو وہاں ذلت وخواری نصیب ہوگی، شرعاً عقد درست ہے، یا نہیں ہے؟ بصورت ثانی ہندہ کسی دوسری جگہ عقد کر کے شریفانہ زندگی گذارنے کی مجاز ہے یا نہیں؟ کیا ابتداء ہی سے باپ سیئی الاختیار نہیں ہے؟ جس میں مسماۃ کو حق مل سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

صورت مسئولہ میں بہ تقدیر صحت واقعہ یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا تھا لڑکی مذکورہ آزاد ہے، جہاں چاہے اپنی مرضی کے مطابق دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ بوادر النوادر ج:۲، ص:۹۶ میں ہے کہ اگر نابالغہ کا نکاح باپ دادا نے کیا ہے، اور واقعات سے معلوم ہوا کہ طمع زر سے کیا ہے، اور لڑکی کی مصلحت پر نہیں نظر کی، تب بھی نکاح صحیح نہ ہوگا۔ واللہ اعلم

محمد اسحاق غفرلہٗ
نائب مفتی مدرسہ خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح

خیر محمد عفی اللہ عنہ

اس جواب کے بعد لڑکی نے اپنی مرضی و برضاء ورثاء دوسری جگہ بلا تنسیخ عدالت نکاح کر لیا، اور تقریباً ۹ دس ماہ سے وہاں راضی وخوشی آباد ہے، اب فریق

اول نے اس کے خلاف واویلا کیا کہ پہلا نکاح صحیح تھا، اب نکاح پر نکاح ہو گیا، نکاح خواں ثانی اور شہود سے ترک موالات لازم ہے، اور اس امام کے پیچھے نماز نہیں ہوتی جس نے نکاح ثانی پڑھایا ہے۔ انھوں نے کچھ فتوے بھی منگوائے کہ باپ کا کیا ہوا عقد ہے، جو صحیح ہے، کیونکہ اس نے جیل میں سے اجازت دی تھی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں مفتی جمیل احمد صاحب کا جواب ارسال ہے۔

ا:......درست ہے نابالغہ کا نکاح باپ کا کیا ہوا فسخ بھی نہیں ہوسکتا، سوائے ایک صورت کے کہ باپ معروف بسوء الاختیار ہو، یعنی باپ ولی ہونے کے اختیار کو زیر ولایت کی مصالح کے خلاف لگانے میں مشہور ومعروف ہو، اور مشہور ومعروف ہونے کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ جیسے فتاویٰ شامی میں ہے کہ اپنا اختیار ولایت ایک لڑکی کے بارے میں پہلے خلاف مصالح لڑکی کے کر چکا ہو، صرف اسی وقت غلط طریقہ کرنے سے معروف بسوء الاختیار نہیں ہوسکتا، اس لئے باپ کا کیا ہوا نکاح فسخ نہیں کیا جا سکتا۔ اب جس طرح ہو سکے زور سے، لالچ سے، جبر سے طلاق مل جائے، تو علیحدگی ہوسکتی ہے۔

۲:......سیئی الاختیار ہونے سے خیار بلوغ حاصل نہیں ہوتا، معروف بسوء الاختیار ہونے سے حاصل ہوتا ہے، جس کا مطلب (نمبرا) میں عرض کر دیا گیا ہے۔

کتبہ جمیل احمد تھانوی
مفتی جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن
لاہور ۲۸/۳/۸۹ھ

حضرت والا! آپ اسکے متعلق واضح اور صحیح جواب مدلل بیان فرمائیں،

کیونکہ موجودہ دور میں اس قسم کے کئی عقد ہوتے ہیں، اور نتیجہ سوائے غیر آبادی کے کچھ نہیں، اور حصول طلاق بھی مخالفین سے مشکل ہے، اور اب اس لڑکی کی واپسی بھی دشوار ہے، کیا معروف بسوء الاختیار کی جو تشریح علامہ شامیؒ نے فرمائی ہے، یہ ان کی رائے نہیں ہے؟ جب کہ صاحب فتح القدیر، بحر الرائق، فتاویٰ خیریہ در مختار میں سوء اختیار کے لئے واقعہ اول شرط ذکر نہیں کیا، امید ہے کہ جواب سے نوازیں گے۔

خدا بخش جہاوریاں، سرگودھا

الجواب

حامداً ومصلیاً

صورت مسئولہ کا صحیح جواب میرے نزدیک یہ ہے کہ اس صورت میں لڑکی کو بوقت بلوغ خیار فسخ حاصل ہوگا، وہ شرعی قاضی یا مسلمان حاکم مجاز کی عدالت میں دعویٰ کرے، شرائط شرعیہ کے مطابق ثبوت پیش کر کے وہ اپنا نکاح مسلمان حاکم سے فسخ کرا سکتی ہے، خود بخود نکاح باطل نہیں ہوگا، اگر ایسا کرنے اور فیصلہ فسخ نکاح حاصل کرنے کے بعد نکاح ثانی کرلیا ہے، تو وہ شرعاً صحیح درست ہے۔ لاہور کے فتوے میں جو یہ کہا گیا ہے کہ یہ نکاح چونکہ باپ نے کیا ہے، اسلئے خیار بلوغ حاصل نہ ہوگا۔ یہ اس معاملہ میں صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ باپ کا سوء اختیار اس معاملہ میں ایسا واضح ہے کہ مشہور بسوء الاختیار ہونے میں بھی ایسا یقین نہیں ہوسکتا۔ اور علامہ شامی نے جو فتح القدیر کی ایک بحث کے ذیل میں معروف بسوء الاختیار کی تشریح یہ کی ہے کہ باپ کو معروف بسوء الاختیار اس صورت میں قرار دیا جائے گا، جب کہ ایک مرتبہ اس سے پہلے اس نے ایسی حرکت کی ہو کہ ایک لڑکی کا نکاح جانتے اور بوجھتے

ہوئے اس کی مصالح کے خلاف کر چکا ہو، تو اس پہلی لڑکی کا نکاح صحیح اور نافذ ہو گیا، کیونکہ اس وقت وہ سوء اختیار میں مشہور نہیں تھا، دوسری لڑکی کا اسی طرح نکاح کر دے گا، تو اب وہ مشہور بسوء الاختیار ہو گا، یہ تشریح جمہور فقہاء کی تصریحات سے مختلف ہونے کی وجہ سے محل نظر ہے۔ خصوصاً جب کہ اس بحث کے خاتمہ پر خود علامہ شامی نے فتح القدیر کے حوالہ سے اس تشریح کی جو وجہ لکھی ہے، وہ کوئی یقینی وجہ نہیں، لکھتے ہیں:

ولو کان المانع مجرد تحقق سوء الاختیار بدون الاشتھار لزم احالة المسئلة اعنی قولھم و لزم النکاح و لو بغبن فاحش او بغیر کفؤ ان کان الولی اباً او جداً (شامی ص: ۳۳۰، ج: ۲ مصری)

اس کا حاصل یہ ہے کہ غبن فاحش کے ساتھ یا غیر کفو میں نکاح کر دینا خود ہی سوء اختیار کو ثابت کر رہا ہے، تو تحقق سوء اختیار کا متعین ہے۔ اگر صرف تحقق سوء اختیار کافی ہوتا، تو آگے یہ شرط لم یعرف بسوء الاختیار بے فائدہ ہو جاتی ہے۔ اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ واقعہ ایسا نہیں، بعض اوقات ایک شفیق اور عقل مند باپ مہر کی کمی یا غیر کفو ہونے پر اس لئے راضی ہو جاتا ہے کہ دوسرے مصالح اس میں محسوس کرتا ہے، مثلاً ایک عالم صالح غیر کفو ہے، اور مہر بھی مہر مثل سے کم دے رہا ہے، مگر وہ ایسا مشہور و معروف بالصلاح عالم ہے کہ اس کے ساتھ لڑکی کی زندگی دنیوی اور دینی دونوں اعتبار سے خوش گوار رہنے کی قوی امید ہے، تو یہ کہنا صحیح نہیں کہ جب مہر مثل سے کم پر عقد کیا یا کسی غیر کفو میں کیا، تو سوء اختیار متحقق ہو گیا، وہ سوء اختیار نہیں دانشمندانہ مصلحانہ اختیار ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ فقہاء کی اصل عبارت لم یعرف بسوء الاختیار ہے، اس کا مقصد کھلا ہوا یہ ہے کہ حالت مشتبہ نہ رہے کہ باپ نے یہ نکاح اپنی کسی غرض یا حماقت سے کیا ہے، لڑکی کے مصالح کو ملحوظ نہ رکھا،

جب یہ بات مشتبہ نہ رہے، تو حکم یہی ہو گا کہ یہ نکاح نافذ و لازم نہیں ہے، اس جملہ **لم یعرف** کی شرح جو درمختار اور تمام کتب فقہ میں متفقہ طور پر لکھی گئی، وہ یہ ہے کہ مجانۃ وفسقاً یعنی باپ کا بیہودہ، بے پرواہ، یا فاسق ہونا کھلا ہوا نہ ہو، اس کا حاصل یہ ہے کہ جب واضح طور پر یہ ثابت ہو جائے کہ باپ نے اس نکاح میں لڑکی کے مصالح پر نظر کئے بغیر کسی لالچ یا اپنے نفع کے لئے کر دیا ہے، تو باپ کا سوء اختیار معروف اور غیر مشتبہ ہو گیا۔ اب اس کے کئے ہوئے نکاح کو لازم قرار دینے کی وہ علت باقی نہیں رہی جس کی بناء پر باپ دادا کے کئے ہوئے نکاح کو دوسرے اولیاء سے امتیاز دیا گیا ہے، یعنی باپ دادا کا وافر شفقت اور اولاد کی منفعت پر گہری نظر ہونا۔ اور جب واقعہ سوال کی طرح بلا اشتباہ ثابت ہو جائے کہ باپ نے خالص اپنے نفع کے لئے یہ کام کیا ہے، لڑکی پر شفقت کا کوئی داعیہ اس میں نہیں تو باپ دادا اور دوسرے اولیاء سب برابر ہو گئے، خود علامہ شامی نے اس جملہ مجانۃ وفسقاً کی شرح میں بحوالہ شرح مجمع یہ نقل کیا ہے: **حتی لو عرف من الاب سوء الاختیار لسفهه او لطمعه لا یجوز عقده اجماعاً اه** (شامی ج:۲ ص:۴۱۸) اس میں محض باپ کی سفاہت (بے وقوفی) اور طمع ثابت ہو جانے پر عدم انعقاد نکاح کا فیصلہ فرمایا ہے۔ اور اس پر شامی نے بھی کچھ اختلاف نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ معروف بسوء الاختیار کے ذیل میں شامی نے بحوالہ فتح القدیر جو کچھ لکھا، وہ محض ایک بحث ہے نہ فتح القدیر کا فتویٰ اور فیصلہ ہے نہ خود علامہ شامیؒ کا۔ اس کی بنیاد پر تمام فقہاء کی تصریحات سے اور خود مسئلہ کی صریح علت سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا، علامہ خیر الدین رملی نے فتویٰ خیریہ میں اس مسئلہ کی تشریح حسب ذیل الفاظ کی ہے، اس میں دوسرے ائمہ فقہاء کے اقوال واضحہ بھی موجود ہیں:

سئل فی الاب اذا علم منه سوء الاختیار و عدم النظر فی

العواقب اذا زوج ابنته القابلة للتخلق بالخير و الشر بغير كفؤ هل يصح ام لا؟ (اجاب) قال ابن فرشته فی شرح المجمع: لو عرف من الاب سوء الاختيار لسفهه او لطمعه لايجوز عقده اتفاقاً و مثله فی الدر و الغرر و قال فی البحر فی شرح قول الكنز: و لو زوج طفله غير كفؤ او بغبن فاحش صح و لم يجز ذالک لغير الاب و الجد، اطلق فی الاب و الجد و قيده الشارحون و غيرهم: بان لا يكون الاب معروفا بسوء الاختيار حتى لو كان معروفا بذالک مجانة او فسقا فالعقد باطل علی الصحيح. قال فی فتح القدير: و من زوج ابنته الصغيرة القابلة للتخلق بالخير و الشر فمن يعلم انه شريرا و فاسق فهو ظاهر سوء اختيارهٔ و لان ترک النظر ههنا مقطوع به، فلا يعارضه ظهور ارادة مصلحة تفوق ذالک نظرا الیٰ شفقة الابوة اه.

ثم قال: و قد وقع فی اكثر الفتاوی فی هذه المسئلة ان النكاح باطل فظاهره انه لم ينعقد، و فی الظهيرية يفرق بينهما، ولم يقل انه باطل و هو الحق، و لذا قال فی الذخيرة فی قولهم، فالنكاح باطل ای يبطل انتهیٰ كلام البحر، و المسئلة شهيرة (فتاویٰ خيرية ص: ۲۳)

عبارات مذکورہ میں یہ بات واضح کردی گئی ہے، کہ جب کسی باپ دادا کے متعلق نابالغہ کے نکاح میں ترک شفقت اور مسامحت یقینی ہو جائے، تو اس کا کیا ہوا، نکاح بھی لازم نہ ہوگا، خصوصاً فتح القدیر کے حوالہ سے یہ جو لکھا گیا ہے: لان ترک النظر ھٰھنا مقطوع به اس میں یہ کوئی قید نہیں کہ پہلی مرتبہ ایسا کیا ہو، یا دوسری مرتبہ، فقط ترک شفقت کا قطعی بلا اشتباہ ہونا کافی قرار دیا ہے۔ اس سے بھی یہی

واضح ہوتا ہے کہ فتح القدیر کی جو بحث علامہ شامی نے نقل کی ہے، وہ محض ایک بحث ہی ہے، ابن ہمام کا فتویٰ اور فیصلہ نہیں ہے۔ اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ لاہور کا فتویٰ مرجوح ہے، اس طرح ملتان کے فتویٰ میں جو یہ لکھا گیا ہے، کہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا، لڑکی آزاد ہے، جہاں چاہے نکاح کرے، یہ بھی صحیح نہیں۔ جیسا کہ فتاویٰ خیریہ کی تصریح سے معلوم ہوا کہ جس کسی نے اس نکاح کو باطل کہا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ عدالت کے ذریعہ فسخ کرا کر باطل ہو سکتا ہے۔

ملتان کے فتویٰ میں جو حوالہ بوادر النوادر کا دیا گیا، صاحب خیریہ کی توجیہہ کے مطابق اس کا بھی یہی مفہوم متعین ہے کہ بخیار بلوغ یہ نکاح مرتفع ہو سکتا ہے۔

ثم اعلم ان ما مر من النوازل من ان النكاح باطل، معناه انه سيبطل، كما في الذخيرة، لان المسئلة مفروضة فيما اذا لم ترض البنت بعد ما كبرت كما صرح به في الخانية و الذخيرة و غيرهما، و عليه يحمل ما في القنية: زوج ابنته الصغيرة من رجل ظنه حر الاصل و كان معتقا فهو باطل بالاتفاق اهـ (شامی ص: ۴۱۸، ج: ۲)

اس لئے مسئلہ مذکورہ کا صحیح جواب وہی ہے، جو شروع میں لکھا گیا ہے، کہ صورت مندرجہ سوال میں باپ کے کئے ہوئے نکاح پر بھی نابالغہ کو خیار فسخ ملے گا، شرائط کے مطابق عدالت مسلمہ سے نکاح فسخ کرا لے، تو فسخ ہو جائے گا، اور نکاح ثانی کی اجازت ہو جائے گی۔ واللہ اعلم

بندہ محمد شفیع

دار العلوم کراچی نمبر ۱۴

۱۷/۷/۱۳۸۹ھ

۵۸

نہایات الارب فی غایات النسب

اِسلام اور نسبی امتیازات

تاریخ تالیف ـــــــــ رجب ۱۳۵۱ھ (مطابق ۱۹۳۲ء)

مقامِ تالیف ـــــــــ دیوبند

اسلام نے نسبی امتیازات کے بارے میں کیا معتدل راہ اختیار کی ہے؟ یہ اس مقالہ کا موضوع ہے! یہی وہ رسالہ ہے جس کے بعض حصوں کو صحیح نہ سمجھنے کی بناء پر بعض لوگوں نے پورے ہندوستان میں حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف ایک فتنہ برپا کردیا تھا اور اسی رسالے کی تائید میں حکیم الامۃ حضرت تھانویؒ اور دیگر متعدد اکابر علماء دیوبند نے مستقل رسائل تصنیف فرمائے۔

مقدمۂ طبع ثانی

حامداً و مصلیاً رسالہ ''نہایات الارب فی غایات النسب'' مؤلفہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ غور کرنے والوں کے واسطے ایک نہایت عظیم النفع رسالہ ہے، جس کے مطالعہ سے فخر وغرور، نخوت وتکبر کے جذبات قلب سے دور ہو کر خشیت اور تواضع اور فروتنی حاصل ہو جاتی ہے۔ نسبت الی الاکابر والا عاظم کا مضر اعتماد دل سے نکل جاتا ہے، اور غربت و مفلسی یا کسی قوم اور پیشہ کی وجہ سے کسی کو حقیر سمجھنے کی انتہائی مذمت معلوم ہو جاتی ہے، اور انسان اپنے آپ کو مثل دیگراں ایک بندۂ عاجز و بیچارہ سمجھ کر محض رحمتِ الٰہی کا منتظر و امیدوار ہو جاتا ہے۔ اس رسالہ میں بعض ایسی روایات حدیث بھی نقل کی گئی تھیں جن سے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد پیشہ وروں کی تنبیہ اور تحذیر ہے، جیسے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد میں (**یا معشر النساء تصدقن و لو من حلیکن فانی رأیت اکثرکن اھل النار**) یعنی اے عورتو! صدقہ کیا کرو، کیونکہ میں نے دوزخ میں عورتیں زیادہ دیکھی ہیں۔) عورتوں کی توہین و مذمت نہیں، بلکہ ان کو متنبہ کرنا، اور ڈرانا، اور اسباب دخول نار سے بچانا منظور ہے۔ چونکہ وضوح مقصود کی وجہ سے احتمال غلطی کا نہ تھا، اس قسم کی روایات کی بہت زیادہ تشریح و توضیح نہیں کی گئی تھی، اس لئے ترجمہ اور الفاظ کو دیکھ کر بہت سے پیشہ وروں اور مختلف اقوام کو نہایت رنج و ملال پیش آیا، اور ان

روایات سے تمام پیشہ وروں اور اقوام کی توہین و مذمت خیال کر کے نہایت ناراض و خفا ہوئے۔ اور جناب مؤلف دام فضلہم کی بعض طالب علمانہ رنگ کی عبارات اور اقوال منقولہ من المستطرف وغیرہ کو اپنے لئے نہایت دل خراش ونمک پاش سمجھا، اور کتاب کو بالکل معدوم کرادینے یا دل خراش عبارتیں نکال دینے کا مطالبہ کرنے لگے۔ جب یہ اطلاع دیوبند میں پہنچی تو دارالعلوم کی مجلس علمیہ نے باتفاق رائے جناب مفتی صاحب بکمال خلوص وصلح پسندی مطبوعہ رسالہ کی اشاعت روک دینے اور آئندہ طبع میں ان عبارتوں کو بدل دینے کا قصد اور وعدہ کر کے اخبارات میں اعلان کر دیا۔ اس بحث کو بے موقع سمجھا گیا کہ فی الحقیقت وہ عبارتیں اور روایتیں دلخراش ہیں بھی یا نہیں، کیونکہ دارالعلوم اور اس کے علماء درس و تدریس وعظ و تبلیغ وغیرہ اسلامی خدمات کے لئے ہر وقت تیار ہیں، اور فرق باطلہ کے مقابلے اور مناظرے کے لئے ہمیشہ کمر بستہ ہیں، لیکن اپنے ہم مذہب اور ہم خیال مسلمانوں سے جنگ کرنا، یا ان میں تشتت وافتراق پیدا کرنا نہایت مذموم سمجھتے ہیں۔

پھر وعدہ کو کما حقہ اس طرح پورا کیا کہ جس قدر کتابیں پہلی مطبوعہ موجود تھیں، ان کی اشاعت بالکل روک دی گئی، اور باوجود فرمائش واصرار کے کسی کو وہ رسالہ نہ دیا گیا۔ اور طبع جدید کے وقت بھی اس وعدے کو پیش نظر رکھا گیا، یعنی اس احقر نے جناب مفتی صاحب سے اجازت لے کر مستطرف وغیرہ کتب سے منقول شدہ علماء کے مقولات اور مفتی صاحب دام فضلہم کی چند عبارات جن پر دل خراش ہونے کا کسی درجہ میں شبہ اور وہم ہوسکتا تھا، کتاب سے حذف کر دی، اور روایات واحادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علی الراس والعینین رکھ کر ان کے معانی کی مزید توضیح وشرح کر دی گئی۔ تا کہ اختصار واجمال سے جو تشویش پیدا ہوئی تھی، اس کا احتمال نہ رہے۔ جناب مفتی صاحب نے جس خلوص وللّٰہیت سے رسالہ تالیف فرمایا تھا، اسی اخلاص

اور قصد اصلاح مسلمین سے یہ تغیر منظور فرما لیا۔ اور ایک مختصر رسالہ میں علیحدہ بھی تشریح روایات احادیث کی عام فہم زبان میں مرتب کر کے شائع کر دی گئی ہے۔ دعا اور امید ہے کہ حق تعالیٰ قلوب مؤمنین و مسلمین میں ان اوراق کے مطالعہ سے سکون اور طمانیت عطا فرمائیں، اور رنج و ملال دفع ہو جائیں۔

راقم الاحقر

فقیر سید اصغر حسین حسنی حنفی عفا اللہ عنہ

مدرس دار العلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ الذی خلق الناس من ذکر و انثیٰ و جعلھم شعوباً و قبائل و خص کل احد منھم بما شاء من الاخلاق و الشمائل ثم امرھم ان لا یتمنوا ما فضل اللّٰہ بہ بعضھم علی بعض من المناقب و الفضائل و نھاھم ان یتفاخروا بالانساب مع الانھماک فی الرذائل. و الصلوٰۃ و السلام علیٰ من ینفع نسبہ حین تنقطع الانساب، و یقوی سببہ حین یتقطع بھم الاسباب و علی اٰلہ و أصحابہٖ و سلّم تسلیماً کثیراً کثیراً۔

أمّا بعد!

دنیا کے مسلمات اور علوم متعارفہ میں سے ہے کہ کوئی چیز خواہ کتنی ہی محبوب اور بہتر ہو، جب وہ اپنی حدود سے تجاوز کرتی ہے تو مضر اور ایک آفت ہو جاتی ہے۔ پانی اور ہوا انسان کے لئے مدار حیات ہیں، لیکن ذرا اعتدال سے زائد ہو جاتی ہیں تو یہی چیزیں مہلک ہو جاتی ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو دین اور دنیا کی تمام خرابیاں، جرائم اور معاصی، بداعمالی و بدخلقی سب ایک لفظ بے اعتدالی کی شرح اور اس کے مختلف شعبے ہیں، اور ہر زمانہ میں اصلاح کرنے والوں کا کام اسی بے اعتدالی کا علاج کرنا رہا ہے۔ جس طرح طب جسمانی میں بے اعتدالی کا نام مرض اور مزاج کا اعتدال کی طرف لانا اصلاح و علاج ہے۔ ٹھیک اسی طرح طب روحانی (دین وشریعت) میں بھی یہی اصول رائج ہے، اس وقت ذیل کے چند اوراق ایک خاص معاملہ میں عوام کی بے اعتدالیوں اور ان کی اصلاح کے متعلق لکھے جاتے ہیں۔ خدا کرے کہ مفید ثابت ہوں، اور قطع نزاعات کا سبب بنیں، اور یہ سب اسی قلوب کے مالک کے قبضہ میں ہے، اور اس کے لئے سہل ہے، ورنہ میں کیا اور میرے اوراق کیا۔

نہ بحرف ساختہ سر خوشم، نہ بنقش بستہ مشوشم
نفسے بیاد تو می زنم چہ عبارت و چہ معانیم

اَنساب کے معاملہ میں عوام کی بے اعتدالیاں

انساب وقبائل میں انساب کی تقسیم وتفریق خداوند عالم کی عظیم الشان نعمت ہے، اور بہت سی گراں قدر حکمتوں پر مبنی ہے۔ اسی کے ذریعہ آدمی اپنا نشان اور پتہ پوری طرح دے سکتا ہے، اسی کے ذریعہ اپنے اقارب اور ارحام کی صلہ رحمی کے حقوق ادا کرسکتا ہے، اس کے ذریعہ تقسیم میراث میں حق دار کو حق پہنچ سکتا ہے۔ اگر یہ صورت نہ ہوتی تو انسان کو اپنا صحیح پتہ جس میں دوسروں سے پورا امتیاز ہو جائے دینا مشکل ہو جاتا۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ نظام عالم بالکل درہم برہم ہو جائے۔ ایک شخص کا گھر اور تمام مملوکات دوسرا کوئی اسی کا ہم نام قبضا لے، مجرم کا پتہ نہ لگے، مجرم کے بجائے بے گناہ مارا جائے وغیرہ وغیرہ۔ اسی لئے حق سبحانہ تعالیٰ نے انساب کو ایک نعمت عظیمہ قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: فجعلہٗ نسباً و صھراً اور دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے: و جعلنا کم شعوباً و قبائل لتعارفوا۔

اس نعمت کا حق تو یہ تھا کہ اس کا شکر ادا کرتے، اور اس کے حدود کو قائم رکھتے، لیکن غفلت کیش انسان نے اس نعمت کو بے محل استعمال کیا، اس میں طرح طرح کی بے اعتدالیاں شروع کیں۔

لوگوں کے معاملہ نسب میں تین طبقے ہو گئے

ایک جماعت نے (جن کو خداوند تعالیٰ نے شرافت عطا فرمائی تھی) اپنے انساب پر بیجا تفاخر وتکبر اور دوسروں کی تحقیر شروع کر دی، اور کمالات حقیقیہ سے قطع نظر کر کے صرف اس پر مطمئن ہو کر بیٹھ گئے کہ ہم فلاں بزرگ یا فلاں بادشاہ کی اولاد میں ہیں۔ اس کے مقابلہ میں دوسری ایک جماعت اس کے درپے ہوئی کہ اپنے اصلی نسب پر پردہ ڈال کر کسی بڑے درجہ کے نسب کی طرف اپنے آپ کو منسوب کریں،

اور یہ مرض ایک عرصہ سے روز بروز بڑھ رہا ہے۔ عجمی مسلمانوں کی ہر قوم اور ہر جماعت کو اس کی فکر ہے کہ اپنا نسب کسی بڑے درجہ کے صحابی سے یا عرب کے مشہور خاندان سے جاملائیں۔ اس کے لئے جلسے اور انجمنیں منعقد کی جاتی ہیں، کانفرنسیں ہوتی ہیں، مستقل رسائل واخبارات اسی مقصد کے لئے شائع کئے جاتے ہیں۔ پہلا مرض (تفاخر بالانساب) عرب اور عربی النسل لوگوں میں زیادہ ہوا، اور دوسرا مرض (انتساب الی غیر الانساب) عجم اور عجمی النسل لوگوں میں کثرت سے پھیلا۔ لیکن ان دونوں کا مرض درحقیقت ایک ہی مرض تھا کہ اصل کمالات اور حقیقی فضائل کو چھوڑ کر نسب کے پیچھے پڑ گئے، اور سب سے زیادہ اہم اور اعلیٰ فضیلت کمالِ نسب کو سمجھے۔ پھر جن کو حاصل تھا وہ فخر کرنے لگے، اور جن کو حاصل نہ تھا، اس کے درپے ہو گئے کہ اس کو جبراً حاصل کیا جائے۔ اور ان دونوں کے مقابلہ میں ایک تیسرا طبقہ وہ ہے، جو سرے سے تفاضل انساب ہی کو مٹا کر اخروی امور سے گزر کر معاملات دنیویہ میں بھی یہی چاہتا ہے کہ کوئی امتیاز باقی نہ رہے، اور اس کا نام مساوات اسلام رکھا ہے۔ یہ بات بھی چونکہ نصوص شرعیہ اور احادیث صریحہ کے خلاف اور حدود شرعیہ سے تجاوز ہے۔ اس لئے یہ بھی ایک مستقل مرض قابل اصلاح بن گیا۔ آج کل ان معاملات کے متعلق اطراف ملک سے سوالات و استفتاء کی کثرت ہوئی، نکاح شادی کے معاملات میں کفاءت کے باب کو بعض لوگوں نے بالکل چھوڑ دینا چاہا، اور مساوات اسلام کے سچے اور صحیح عنوان کا معنون یہ غلط صورت بنادی۔ اس لئے خیال ہوا کہ اس بحث کو ایک مستقل رسالہ میں لکھ دیا جائے۔ اور پھر حضرت سیدی وسندی کہفی ومعتمدی حضرت مجدد الاسلام والدین محی السنۃ والیقین حکیم الامۃ حضرت مولٰینا تھانوی دامت برکاتہم کے ایک ارشاد نے اس کو اور بھی زیادہ مؤکد کر دیا۔ اس لئے بنام خدائے عز وجل اس رسالہ کی تین حصوں پر تقسیم کر کے ہر جزو کو علیٰحدہ علیٰحدہ لکھتا ہوں۔

جزو اول: مساوات اسلام کی حقیقت اور انساب اور پیشوں میں تفاضل۔

جزو دوم: التفاخر بالانساب۔

جزو سوم: انتساب الی غیر الانساب۔

مساوات اسلام کی حقیقت پیشوں اور انساب کا تفاضل

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا، اور نہ کوئی بندہ نواز

دنیا کے تمام مذاہب وملل میں یہ امتیاز فقط اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اس نے ہر کام میں نہایت اعتدال کو قائم رکھا ہے۔ اس کا ہر قانون اور قانون کی کل دفعات اسی کلیہ کے ماتحت ہیں۔ اور اسی لئے قرآن نے خاص طور سے اس امت مرحومہ کو امت وسط کا لقب دیا ہے:

وکذالک جعلنا کم اُمۃً وسطاً لتکونوا شھدآء علی الناس

اسی طرح ہم نے تمھیں ایک معتدل جماعت بنایا تاکہ لوگوں کے مقابلہ میں تم گواہ بنو۔

اسلام سے پہلا دنیا کی کل جماعتوں کا دستور العمل ''لاٹھی اور بھینس'' کے جابرانہ اصول پر مبنی تھا، قوی ضعیف کو کھا جاتا تھا، ذات پات کی اونچ نیچ نے انسانوں کے طبقات میں اس قدر بون بعید قائم کر دیا تھا کہ جس کو دیکھتے ہوئے ان کو نوع واحد کہنا، اور ایک ہی ماں اور باپ آدمؑ وحواؑ کی اولاد سمجھنا مشکل تھا۔ رنگ وروپ، کالے، گورے کے امتیاز نے جدا سکہ جمایا تھا، اونچے نسب کے آدمی اپنے سے نیچے

لوگوں کے ساتھ انسانیت کا برتاؤ بھی روانہ رکھتے تھے۔ جرائم کی سزا بھی شخصیتوں کو دیکھ دیکھ کر جاری کی جاتی تھی، بڑے درجہ کے لوگ ساری سزاؤں سے مستثنیٰ، اور تعزیرات کی مشق کے لئے غربا۔ وضعفاء قوم کے بدن وقف تھے۔

جب خداوند تعالیٰ کی رحمت کاملہ اسلام کی صورت میں اہل عالم کی طرف متوجہ ہوئی تو یہ ظلم وستم کے بادل کائی کی طرح پھٹ گئے، اور اسلام کے معلم اول نے (روحی فداہ وابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم) حجۃ الوداع کے عظیم الشان مجمع میں نہایت مؤکد الفاظ کے ساتھ اعلان فرمادیا:

"ایها الناس ربکم واحد لا فضل لعربی علی عجمی و لا لعجمی علی عربی و لا لاحمر علی اسود و لا لاسود علی احمر الا بالتقوی، ان اکرمکم عند اللّٰه اتقاکم."

ترجمہ: اے لوگو! تمھارا مالک ایک ہے، کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر، یا گورے کو کالے پر یا کالے کو گورے پر کوئی فضیلت سوائے فضیلتِ تقویٰ کے نہیں ہے۔

اور پھر اپنے ہر قول وفعل، علم وعمل سے اس کو اس طرح ثابت کر دکھایا کہ ہر ضعیف سے ضعیف اور ادنیٰ سے ادنیٰ انسان اپنی حد کے اندر بادشاہی کرنے لگا۔ قانون کی دفعات اور ان کے نفاذ میں ذات پات کی اونچ نیچ یا اعلیٰ ادنیٰ کا کوئی امتیاز نہ رہا۔

شاہ وگدا بہمت دریا دلاں یکے ست
پوشیدہ است پست وبلند زمین در آب

مساوات اسلامی کے معنی اور اس میں لوگوں کی غلط فہمی

لیکن بعض مغرب کے دلدادہ نئی روشنی میں (جس کو نئی اندھیری کہنا زیادہ موزوں ہے) پرورش پانے والوں نے اس خاص امتیاز اسلامی اور مساوات محمودہ کو بھی ایک غلط معنی پہنائے، اور مغربی دہریت آزادی و بے قیدی کا اسلامی مساوات نام رکھ لیا۔ اور اسی قانون کے ماتحت کہیں عورتوں کو مردوں کے دوش بدوش لا کھڑا کیا، اور پردہ دری کو فرض سمجھا، اور کہیں امارت شرعیہ کو جس کا مدار مشورہ اور تحقیق کے بعد صرف امیر کے عزم اور شرح صدر پر ہوتا تھا، یوروپین جمہوریت کا لباس پہنایا، اور کہیں معاملات دنیویہ نکاح وغیرہ میں بھی انساب اور اکفاء کی رعایت کو جو ٹھیک شرعی قانون ہے، (معاذ اللہ) لغو بیکار بلکہ مضر بتلایا۔

الغرض اسلامی مساوات کو اندھیر نگری کی کہانی بنا دیا، اور موجودہ بالشویزم اصول سے جا ملایا، اسلئے ضرورت ہوئی کہ مساوات کی حقیقت کو واضح کیا جائے تا کہ حق و باطل کا التباس رفع ہو۔ اور معلوم ہو جائے کہ اسلام کے معتدل اور متوسط قانون نے جو مساوات قائم فرمائی ہے، صرف وہ ہی ایک ایسی معقول چیز ہے، جو اہل عقل کے نزدیک معمول بہا ہوسکتی ہے۔ اس سے آگے جس کسی نے قدم رکھا، سخت ٹھوکر کھائی، اور طرح طرح کی آفتوں کا دروازہ کھول دیا۔

سنئے یہ بات کچھ زیادہ غور طلب نہیں کہ مساوات کی یہ اندھیر نگری کہ حاکم، محکوم، خاوند، بیوی، باپ، بیٹا، مرد، عورت، مجرم، غیر مجرم، مہذب، غیر مہذب، شریف و رذیل سب ایک پلہ میں تلنے لگیں، اور ایک لاٹھی ہانکے جائیں۔ اور سب کے سب تمام حقوق اور معاملات میں برابر کئے جائیں۔ اس سے نہ صرف دین و مذہب کی بنیادیں اکھڑتی ہیں، بلکہ دنیاداری کے بھی لالے پڑ جاتے ہیں، اور زندگی

وبال ہو جاتی ہے۔ اس لئے وہ مساوات جو مطلوب ومحمود ہے کسی ذی ہوش کے نزدیک اس اندھیر کا نام نہیں ہوسکتا۔ شریعت اسلام میں مرد کا حق عورت سے دوگنا ہونا بہت سے احکام میں بنصِ قرآنی ثابت ہے، بنی ہاشم کے لئے ممانعتِ زکوٰۃ کا حکم مخصوص ہونا، قریش کے لئے حق خلافت مخصوص ہونا، کفار عرب سے جزیہ قبول نہ کرنا وغیرہ وغیرہ ایسے احکام ہیں جن سے دفعاتِ قانون میں فطری درجات کا لحاظ احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے۔

بلکہ مساوات کی حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ سے جو قانونِ عدل قرآن وحدیث کے اندر نازل فرما دیا ہے، اور جو حدود قائم کر دی ہیں، اس قانون کی تنفیذ میں کسی سے رعایت نہ کی جائے، اس میں ایک بڑے سے بڑا بادشاہ اور ادنیٰ سے ادنیٰ فقیر برابر ہوں۔ نفاذ قانون میں ذات پات کی اونچ نیچ اور رنگ و روپ کا امتیاز درمیان میں نہ آئے، نہ یہ کہ قانون ہی ایسا مہمل بنایا جائے کہ گدھا اور گھوڑا برابر ہوں، مرد وعورت اور حاکم ومحکوم کے حق میں کوئی امتیاز نہ ہو۔

الغرض جو مساوات عقلاً محمود ہے، وہ یہ ہے کہ اجراء قانون میں مساوات برتی جائے، جو شخص قانون کی رو سے کسی خاص معاملہ کا حق دار ہو، اس میں کسی کی رعایت ومروت یا خوف وطمع سے کمی زیادتی نہ کی جائے، نہ یہ کہ خود قانون کی دفعات ہی ہر شخص کے لئے ہر معاملہ میں برابر ہوں۔

اسلام نے اپنے ہر حکم اور ہر عمل میں اس مساوات محمودہ کی اس درجہ پابندی کی ہے کہ دنیا کی کوئی قوم اس کی نظیر پیش نہیں کرسکتی، جس کے چند نمونے یہ ہیں:

ارشاد نبوی ﷺ کہ اگر فاطمہؓ بھی (معاذ اللہ) چوری کرتیں، تو میں ان کے بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔

بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں قبیلہ بنی مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی، اور شرعی شہادت سے ثابت ہوکر حسبِ قانون اسلامی اس کے لئے ہاتھ قطع کرنے کی سزا تجویز ہوئی۔ یہ عورت چونکہ اونچے خاندان کی تھی، لوگوں کو خیال ہوا کہ کسی طرح سعی وسفارش کر کے اس کو سزا سے بچالیا جائے۔ اور باہمی مشوروں سے یہ طے پایا کہ ایسے کام کے لئے صرف حضرت اسامہؓ ہی جرأت کر سکتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت لاڈلے اور بے تکلف ہیں، سب نے ان کو اس کام کے لئے آگے کیا، انھوں نے بارگاہ رسالت میں عورت مخزومیہ کے لئے سفارش پیش فرمائی۔

رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ناراضی کے لہجہ میں) ارشاد فرمایا کہ اے اسامہ! کیا اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے ایک حد کے بارہ میں سفارش کرتے ہو، اور پھر اس واقعہ کو اتنی اہمیت دی کہ اس کام کے لئے مجمع کر کے ایک خطبہ ارشاد فرمایا، جس کے الفاظ یہ ہیں:

"انما هلک الذين من قبلکم انهم كانوا اذا سرق فيهم الشريف تركوه و اذا سرق فيهم الضعيف اقاموا عليه الحد و أيم الله لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت يدها."

رواہ البخاری ومسلم وابوداؤد والترمذی والنسائی

(از ترغیب ص:۱۸۰، ج:۳)

ترجمہ: بیشک تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے ہلاک وتباہ ہوئے کہ ان کو عادت تھی کہ جب کوئی بڑا آدمی ان میں چوری کرتا، تو اس کو چھوڑ دیتے، اور کوئی ضعیف وبے کس چوری کرتا تو اس پر حد (سزا) جاری کرتے تھے،

اور مجھے خدا کی قسم ہے کہ اگر (خدانخواستہ) محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی، تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عم بزرگوار مسلمانوں کی قید میں

غزوۂ بدر میں جو قیدی مسلمانوں کے ہاتھ آئے، ان میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عم بزرگوار حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے، جو اس وقت تک مشرف باسلام نہ ہوئے تھے، حضرت عباسؓ رات کو قید کی تکلیف سے کراہتے تھے، ان کی آواز آپؐ کے گوش مبارک میں پہنچی تو نیند اڑ گئی، لوگوں نے نیند نہ آنے کا سبب پوچھا، تو فرمایا میں کیسے سو سکتا ہوں، جب کہ میرے عم بزرگوار کے کراہنے کی آواز میرے کانوں میں پڑ رہی ہے۔ (کنز العمال ص:۲۷۲، ج:۵)

پھر جب یہ رائے طے ہوگئی کہ ان قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے تو اس میں بھی عم بزرگوار فدیہ سے مستثنیٰ نہ ہوئے، بلکہ بہ نسبت عام قیدیوں کے ان سے کچھ زیادہ فدیہ وصول کیا گیا، کیونکہ عام اسیروں سے چار ہزار لئے گئے تھے، اور امراء سے کچھ زیادہ لیا گیا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی چونکہ اغنیاء میں سے تھے، اس لئے ان سے بھی زیادہ وصول کیا گیا۔

سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد مسلمانوں کی قید میں

اسی غزوۂ بدر کے قیدیوں میں خود سرور کائنات صلی اللہ علی وسلم کے داماد ابوالعاص بھی اسیر تھے۔

مساوات اسلامی اس کو کہاں جائز رکھتی کہ ان کو گرفتار نہ کیا جاتا، فدیہ کے معاملہ میں بھی ان کو اسی قانون کی پابندی کرنی پڑی جو عام قیدیوں کے لئے مقرر کیا گیا تھا، ان کے پاس فدیہ کے لئے مال نہ تھا، اس لئے ان کی زوجہ یعنی آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینبؓ سے کہلا بھیجا کہ فدیہ کی رقم کہیں سے مہیا کر کے بھیج دیں تو ابوالعاص کو رہا کر دیا جائے۔

ان کے گلے میں ایک ہار تھا جوان کی والدہ محترمہ حضرت خدیجہؓ سے ان کو جہیز میں ملا تھا، وہی گلے سے اتار کر بھیج دیا، جب یہ ہار آپؐ کے سامنے آیا تو آنکھوں میں آنسو بھر آئے، اور صحابہ سے اجازت مانگی کہ اگر تم راضی ہو تو ہار زینب کو واپس دے دو، کیونکہ یہ ان کے پاس اپنی والدہ کی یادگار ہے، صحابہؓ نے بخوشی منظور کر کے اجازت دے دی (۱)۔ (مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد و مسند احمد)

حضرت فاروق اعظمؓ کی سیاست اپنے گھر والوں پر

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمر فاروقؓ اپنی قلمرو میں کوئی قانون جاری کرنے کا ارادہ فرماتے، اور اس کی خلاف ورزی پر کوئی سزا مقرر کرتے تھے تو سب سے پہلے اپنے گھر میں جاتے اور فرماتے کہ خبردار! کوئی اس حرکت کے پاس نہ جائے، ورنہ اگر تم میں سے کسی نے خلاف قانون کیا تو اور لوگوں سے دوگنی سزا اس کو دی جائے گی۔ (تاریخ الخلفاء، ص:۵۴، ج:۱)

بلکہ اپنے گھر کے لوگوں پر تو یہاں تک دارو گیر تھی کہ ایک روز آپ کے صاحبزادے کنگھا کر کے اور عمدہ کپڑے پہن کر مجلس میں آئے، تو حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے اتنے درے لگائے کہ رونے لگے، لوگوں نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ

---

(۱) اور یہ درخواست مساوات شکن نہیں اگر مساوات کا شکستہ کرنا ہوتا تو درخواست ہی کی حاجت نہ تھی اس درخواست نے تو مساوات کو اور موکد بنا دیا اگر یہ شبہ ہو کہ درخواست کے نامنظور ہونے کا تو احتمال ہی نہ تھا تو یہ مثل حکم کے ہوئی جواب یہ ہے کہ بہت سے واقعات سے ثابت ہے کہ خود حضور کی سفارشیں بعض اوقات منظور نہیں کی گئیں، اس لئے یہ احتمال بالکل ہی باطل ہے۔ ۱۲ حضرت حکیم الامۃ مدظلہ

وہ کچھ خود بینی میں مبتلا ہو گئے تھے، اس لئے میں نے چاہا کہ ان کو ان کی نظر میں خفیف کردوں۔ (تاریخ الخلفاء:ص:۳۵، ج:۱)

بیت المال میں امیر المؤمنین اور عام مسلمانوں کی مساوات

علامہ سیوطیؒ نے بحوالہ ابن سعد نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے، لوگوں نے دوا میں شہد تجویز کیا، اور بیت المال میں ایک چھوٹا سا مشکیزہ شہد کا موجود تھا، امیر المؤمنین نے جائز نہ رکھا کہ اس کو بغیر عام مسلمانوں کی اجازت کے اپنی دوا میں خرچ کر لیں، بلکہ منبر پر تشریف لائے، اور بالفاظ ذیل اعلان کیا:

ان اذنتم لی فیھا اخذتھا والا فھی علی حرام فاذنوا لہ

(تاریخ الخلفاء ص:۵۴، ج:۱)

اور اگر تم مجھے اجازت دو تو یہ شہد لے لوں، ورنہ وہ مجھ پر حرام ہے، لوگوں نے اجازت دے دی۔

بیت المال سے خلیفہ اسلام کی تنخواہ

صرف پیٹ بھرائی کھانا اور جاڑے گرمی میں دو جوڑے کپڑے

ابن سعد روایت کرتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے ابتدائی زمانہ میں ایک طویل مدت تو اس طرح گزاری کہ بیت المال سے ایک پائی نہیں لی، یہاں تک کہ فقر و فاقہ کی نوبت آ گئی، اس وقت صحابہ کرامؓ کی جماعت میں سے اہل رائے و مشورہ کو طلب فرمایا، اور ان سے مشورہ لیا کہ میں نے اپنا تمام وقت خلافت کی خدمت میں مشغول کر دیا ہے، اور کسب معاش کے لئے کوئی

وقت نہیں ملتا تو کیا مجھے بیت المال سے لینے کا حق ہے؟

اس پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ ہاں صبح و شام کا کھانا آپ لے سکتے ہیں، اسی کو فاروق اعظمؓ نے اپنا دستور العمل بنایا۔ (تاریخ الخلفاء)

اور ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی تنخواہ کی تفصیل خود اس طرح بیان فرمائی:

"اخبركم بما يستحل لى منه حلتان حلّة فى الشتاء و حلّة فى القيظ و ما احج عليه و اعتمر من الظهر و قوتى و قوت اهلى كقوت رجل من قريش ليس باغناهم و لا بافقرهم ثم انا بعد رجل من المسلمين يصيبنى ما يصيبهم. "(طبقات ابن سعد ص:۱۹۸، ج:۳)

میں تمھیں بتلاتا ہوں کہ بیت المال میں سے میرے لئے کس قدر لینا جائز ہے، دو جوڑے کپڑے ایک جاڑے میں ایک گرمی میں اور ایک سواری جس پر میں حج وعمرہ کر سکوں، اور میری اور میرے اہل وعیال کی خوراک ایک متوسط الحال قریشی کے برابر جو نہ زیادہ غنی ہو، اور نہ بہت زیادہ فقیر۔ پھر اس کے بعد میں بھی ایک مسلمان ہوں، جو ان کا حال ہے وہی میرا ہے۔ (یعنی مال غنیمت کی تقسیم میں)

ایک مرتبہ مدینہ طیبہ میں گھی بہت گراں ہو گیا کہ عام غریب مسلمانوں کو حاصل ہونا مشکل ہو گیا، تو حضرت فاروق اعظمؓ نے باوجود استطاعت کے گھی کھانے کو اس وقت تک کے لئے حرام کر لیا جب تک کہ گھی اتنا ارزاں ہو جائے کہ عام مسلمان کھا سکیں۔ (مؤطا امام مالک مع شرح زرقانی وغیرہ)

یہ چند نمونے ہیں، جو بلا کسی تفتیش وتلاش کے اتفاقاً سامنے آ گئے، اور اگر اس

قسم کے واقعات خلفائے اسلام کے حالات سے جمع کئے جائیں تو ایک مستقل دفتر ہو جائے، صحابہ کرام کی بڑی شان ہے، قرون متاخرہ کے اسلامی بادشاہوں کے عدل و مساوات کے واقعات سن کر عقلیں حیران رہ جاتی ہیں۔

یہ ہے وہ اصلی اور حقیقی مساوات جو خالص اسلام کا طغرائے امتیاز ہے، دوسری قومیں اس کی نقل بھی نہیں اتار سکیں، اور اس پر حیرت یہ ہے کہ آج یورپین اقوام فخر کے ساتھ اس کی مدعی ہیں کہ ہم ہی مساوات کے حامی اور موجد ہیں، حالانکہ اگر حقیقت کو بے نقاب کیا جائے تو اس بارہ میں ان کا قدم ساری اقوام عالم سے پیچھے ہے، ہاں مکر و فریب اور پالیسی سے ظلم کو عدل کی صورت میں اور سراسر خود پرستی کو مساوات کے لباس میں دکھلانا بے شک ان کی ایجاد ہے جس پر اگر وہ فخر کریں تو بجا ہے۔

اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اسلامی مساوات کے چند نمونوں کے ساتھ یورپین بادشاہوں اور ان کے احوال و اعمال سے بھی اس کے چند نمونے پیش کر دیئے جائیں، تاکہ دیکھنے والے دیکھ لیں کہ ان کے عنوان مساوات کا معنون کیا ہے، اور اس خوبصورت لباس میں کس بدزیب جسم کو پیش کیا گیا ہے۔ اخبار انقلاب لاہور مورخہ ۱۹ محرم ۱۳۴۶ھ میں یورپین تاجداروں کے مصارف کی ایک فہرست اجمالی شائع ہوئی تھی، جس کا نقشہ درج ذیل ہے:

شاہ سیام	پینتیس لاکھ روپیہ سالانہ	شاہ اٹلی	تیس لاکھ روپیہ سالانہ
شاہ برطانیہ	انتیس لاکھ روپیہ سالانہ	شاہ بولڈن	پانچ لاکھ روپیہ سالانہ
شاہ رومانیہ	پچیس لاکھ روپیہ سالانہ	شاہ ڈنمارک	تین لاکھ روپیہ سالانہ
شاہ جاپان	۱/۲،۲۲لاکھ روپیہ سالانہ	شاہ ماروی	ڈھائی لاکھ روپیہ سالانہ
شاہ ہسپانیہ	اٹھارہ لاکھ روپیہ سالانہ		

اور بعض رپورٹوں سے معلوم ہوا کہ شاہ انگلستان کے ماہواری مصارف ستر لاکھ پچاس ہزار روپیہ حسب تفصیل ذیل ہیں:

جیب خرچ	۱۱۰۰۰۰ پونڈ ماہوار	گھر کا خرچ	۱۹۳۰۰۰ پونڈ ماہوار
ملازموں کی تنخواہ	۱۲۵۸۰۰ پونڈ ماہوار	محلات شاہی کی آرائش	۲۰۰۰۰ پونڈ ماہوار
انعامات وخیرات	۱۳۲۰۰ پونڈ ماہوار	متفرق اخراجات	۸۰۰ پونڈ ماہوار

اس تمام گزارش کا حاصل یہ تھا کہ وہ مساوات جو اسلام کی شان امتیاز اور محمود و مطلوب ہے وہ صرف نفاذ قانون میں ہے، وضع قانون میں مساوات برتنا اور ادنیٰ، اعلیٰ، حاکم، محکوم، مرد، عورت سب کے فرائض وحقوق کو ان کی خلقت وفطرت کے خلاف ایک کر دینا عقل ونقل کے خلاف ہے۔ بلکہ بقولِ ذوق ؂

گلہائے رنگ رنگ سے ہے رونق چمن

اختلافِ مراتب ومنازل دنیا کی زینت ہی نہیں، بلکہ انتظامی امور کی اساس اور بنیاد ہے، ایک شخص سارا دن مزدوری اور محنت شاقہ کرتا ہے، اور اس کو چار پانچ آنہ سے زائد کا مستحق نہیں سمجھا جاتا، اور دوسرا ایک گھنٹہ کی معمولی محنت کا معاوضہ سو روپیہ لینا بھی بمشکل پسند کرتا ہے۔ اور یہ اختلاف حقوق سب عقلائے دنیا تسلیم کرتے ہیں، اس کو کوئی بھی جمہوریت و مساوات کے خلاف نہیں بتاتا، پھر اگر عورت، مرد کے حقوق میں شریعتِ اسلام کوئی فرق کر دے، یا انساب اور پیشوں میں کوئی تفاضل دینوی معاملات کے اندر قائم فرمادے تو کس طرح اس کو مساوات کے خلاف کہا جا سکتا ہے۔

اور چونکہ اس جگہ اصلی مقصود انساب اور پیشوں کے باہمی تفاضل ہی پر بحث کرنا ہے، اس لئے اس کو کسی قدر تفصیل سے سنئے۔

انساب اور پیشوں کا باہمی تفاضل!

عزت اور ذلت ایک عرفی ہے اور ایک شرعی۔

شرعی عزت کا مدار اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف تقویٰ اور اتباع شریعت پر ہے، ذات پات کی اونچ نیچ، اصناف و اقوام کا تفاوت اس جگہ کچھ اثر نہیں رکھتا، ارشاد خداوندی ہے:

إن أكرمكم عند الله أتقاكم.

بے شک تم سب میں زیادہ عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو زیادہ متقی ہو۔

اور اسی مضمون کے لئے عارف جامیؒ کا یہ شعر نہایت دلچسپی کے ساتھ پڑھا جاتا ہے:

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی   کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

اور اسی مضمون کو احادیث صحیحہ میں مختلف عنوانوں کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے، جن میں سے بعض احادیث اسی رسالہ میں تفاخر بالانساب کے عنوان کے ماتحت آئیں گی، جن کا خلاصہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فضیلت کا مدار صرف تقویٰ پر ہے، اس کے بغیر کوئی کسی سے افضل نہیں۔ مرد اگر عورت سے افضل ہے، تو جبھی کہ دولتِ تقویٰ میں اس سے کم نہ ہو۔

عرب کو عجم پر اگر فضیلت ہے تو اسی شرط کے ساتھ ہے، سادات (بنی ہاشم) کو دوسرے عرب پر اور تمام عجم پر فضیلت ہے تو وہ بھی اسی وقت کہ سیادت کی روح یعنی تقویٰ ہاتھ سے نہ جائے، لیکن عرفی عزت میں ان تمام چیزوں کا تفاضل معتبر ہے۔

اور حکیمانہ اصول کے موافق انسانوں کے مختلف طبقات کے دنیوی معیشت و

معاشرت میں مختلف درجات قائم کر دیے گئے ہیں، اور بعض کو بعض پر شرف وفضیلت عطا فرمائی گئی ہے۔ اور یہ تفاضل کہیں صنف کے اعتبار سے مرد وعورت میں تقسیم ہو کر ظاہر ہوا، تو کہیں اقالیم مختلفہ کے اعتبار سے عرب وعجم اور مشرق ومغرب وغیرہ میں تقسیم ہو کر نمایاں ہوا، کہیں انساب وقبائل کے امتیاز پر اس کا ظہور ہو تو کہیں پیشوں اور صنعتوں کے تفاوت پر درجات میں تفاضل مانا گیا۔

مثلاً صنفِ رجال کو صنفِ نساء پر فوقیت وفضیلت عطا فرمائی، اور قرآن کریم نے اس کا اعلان بالفاظ ذیل فرمایا:

الرجال قوّامون على النساء بما فضل اللّٰه به بعضهم على بعض. الآية

مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس فضیلت کی وجہ سے جو اللہ نے بعض کو بعض پر عطا فرمائی ہے۔

اسی طرح عرب کو عجم پر اور قریش کو عامہ عرب پر فضیلت عطا فرمائی، اور قریش میں بھی بنی ہاشم کو سب سے زیادہ اونچا رتبہ عطا فرمایا، صحیح مسلم میں حضرت ابن اسقع رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے:

ان اللّٰه تعالىٰ اصطفىٰ كنانة من ولد اسمٰعيل و اصطفىٰ قريشاً من كنانة و اصطفىٰ من قريش بني هاشم و اصطفاني من بني هاشم.

(از روح المعانی، ص:۱۴۹، ج:۶)

قریش کی فضیلت تمام قبائل دنیا پر

حضرت علی کرم اللہ وجہہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قريش ائمة العرب، رواه ابن ابي عاصم في السنة كذا في الكنز

من الفضائل: ص:۱۳۹ ج:۷ یعنی قریش تمام عرب کے پیشوا ہیں۔

نیز حضرت انس راوی ہیں کہ فرمایا: قدموا قریشا و لا تقدموها و تعلموا منها و لاتعلموها الحدیث ۔ اخرجہ ابن النجار (از کنز ص:۱۴۰، ج:۷)

سادات بنی فاطمہ اور اہل بیت کے فضائلِ مخصوصہ

مسند احمد اور مستدرک حاکم میں بروایت حضرت مسور بن مخرمۃ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

فاطمۃ بضعۃ منی یقبضنی ما یقبضها و یبسطنی ما یبسطها و ان الانساب کلها تنقطع یوم القیامۃ غیر نسبی و سببی و صهری.

(اخرجہ الحاکم واحمد فی المستدرک کذافی الروح)

فاطمہ میرا جز و بدن ہے، جو چیز اس کو خوش کرتی ہے، وہ مجھے بھی خوش کرتی ہے، اور جس چیز سے ان کو انقباض و ملال ہو اس سے مجھے بھی انقباض و رنج ہوتا ہے۔ اور قیامت کے روز سارے انساب منقطع ہو جائیں گے، (یعنی نفسی نفسی کا وقت ہوگا کسی کو کسی کا نسبی تعلق کام نہ آئے گا) مگر میرا نسب اور میرا تعلق اور رشتہ دامادی اس وقت بھی کام آئے گا، اور نافع ہوگا۔

حضرت شریف سمہودیؒ حدیث مذکور کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد ان کی جز و بدن ہے، اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جز و بدن، تو تمام بنی فاطمہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اجزاء بدن ہو گئے، اور یہ ان کے لئے انتہائی درجہ کی شرافت وفضیلت ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سادات بنی فاطمہؓ کی فضیلت وشرافت محض دنیوی اعتبار سے

نہیں بلکہ اخروی منازل ومنافع کے اعتبار سے بھی ان کو دوسروں پر فضیلت حاصل ہے، اور قیامت میں ان کے لئے اس نسب شریف کا نفع عظیم متوقع ہے۔

ایک شبہ کا جواب

بعض روایات حدیث میں جو یہ مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام قریش اور خصوصاً بنی ہاشم کو اور پھر اخص خصوص کے طور پر حضرت فاطمہؓ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ (میں اللہ تعالیٰ سے) تمھیں نہیں بچا سکتا۔ (کذا فی الکنز برمزخ فی تاریخہ وکرص:۱۳۹، ج:۷) یا اسی قسم کے دوسرے الفاظ جو احادیث میں وارد ہیں، ان کا[1] مطلب یہ ہے کہ بغیر اذن الٰہی اور حکم خداوندی میں تمھیں کوئی نفع نہیں پہنچا سکتا، جس میں اس کا انکار نہیں کہ حق سبحانہ وتعالیٰ آپ کے نسب کا اعزاز فرمائے، اور ان کے ساتھ مغفرت ورحمت کا خصوصی معاملہ فرمائے۔

نیز اس ارشاد کی غرض زیادہ تر یہ بھی ہے کہ قریش اور بنی ہاشم شرافت نسب پر مطمئن و بے فکر ہو کر بیٹھ نہ جائیں، اور اعمال میں کوشش کرنا چھوڑ دیں۔

اس لئے حکیمانہ اصول پر اس قسم کے تنبیہات سے ان کو اس پر مستعد کر دینا مقصود ہے کہ وہ دونوں فضیلتوں کے جامع بنیں فضیلتِ نسب اور فضیلتِ تقویٰ۔ ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شرکت نسب ہرگز نفع دنیا ودین سے خالی نہیں ہو سکتی۔ (ذکرہ فی روح المعانی تحت قولہ تعالیٰ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم)

اسی مضمون کو خود حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برسر منبر اس طرح بیان فرمایا:

(۱) اور زیادہ اقرب یہ ہے کہ جو شخص میری اولاد میں سے ایمان نہ لائے میں اس کی کوئی سفارش نہیں کر سکونگا۔ ۱۲ منہ

"ما بال رجال يقولون ان رحم رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه و سلم لا تنفع يوم القيامة بلىٰ واللّٰه ان رحمى موصولة فى الدنيا و الأخرة و انى ايها الناس فرط لكم على الحوض اخرجه الامام احمد و الحاكم فى صحيحه و البيهقى عن ابى سعيد و اخرج البزار و الطبرانى فى حديث طويل "

(از رسالہ العلم الظاہر فی نفع النسب الطاہر للعلامۃ ابن عابد بن الشامی ص:۵)

اور ارشاد نبویؐ ہے، جس کو دیلمی نے بروایت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نقل کیا:

اوصيكم بعترتى خيرا و ان موعدهم الحوض ۔(از رسالہ مذکورہ)

میں تمھیں اپنی اولاد کے بارہ میں حسن سلوک کی وصیت کرتا ہوں اور یہ کہ وہ حوض پر مجھ سے ملیں گے۔

اور علامہ شامی کے رسالہ مذکورہ میں بروایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بحوالہ طبرانی و دارقطنی و کتاب الفردوس حدیث ذیل مذکور ہے:

"اول من اشفع له يوم القيامة اهل بيتى ثم الاقرب فالاقرب ثم الانصار ثم من اٰمن بى و اتبعنى من اهل اليمن ثم سائر العرب ثم الاعاجم و من اشفع له اولا افضل و اخرج الامام احمد فى المناقب عن علىؓ قال قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه و سلم يا معشر بنى هاشم و الذى بعثنى بالحق نبيا لو اتخذت بحلقة الجنة ما بدأت الا بكم" (العلم الظاهر فى نفع النسب الطاهر ص:۵)

''قیامت کے دن میں سب سے پہلے جن کی شفاعت کروں گا، وہ میرے اہل بیت ہیں، اور پھر جو ان کے قریب، اور پھر جو ان کے قریب ہیں، اس کے بعد انصار کی، پھر ان لوگوں کی جو اہل یمن میں سے مجھ پر ایمان لائے، اور میرے متبع ہوئے، پھر باقی عرب کی، پھر اہل عجم کی۔ اور میں جس کی شفاعت پہلے کروں، وہ افضل ہے۔ اور امام احمدؒ نے مناقب میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اے جماعت بنی ہاشم! قسم ہے اس ذات کی، جس نے مجھے نبی برحق بنا کر بھیجا ہے، اگر میں دروازہ جنت کے حلقہ کو پکڑ لوں، (یعنی جنت کا دروازہ میرے قبضہ میں ہو) تو سب سے پہلے تمھیں جنت میں داخل کروں۔''

روایات حدیث فضائل ومناقب بنی ہاشم وبنی فاطمہ وتمام اہل بیت اطہار کے متعلق بے شمار ہیں، سب کے استیعاب کا نہ موقع ہے نہ ضرورت اور مقصود کے لئے اس قدر بھی کافی سے زیادہ ہیں، کیونکہ اس مجموعہ سے یہ بات اچھی طرح روشن ہوگئی کہ انساب کے اعتبار سے بھی تفاضل وتفاوت اقوام میں موجود ہے، اور شریعت غراء نے اس کا اعتبار کیا ہے، اس کے بعد پیشوں اور صنعتوں کا باہمی تفاضل ملاحظہ ہو۔

پیشوں اور صنعتوں کا باہمی تفاضل وتفاوت

احادیث نبویہؐ میں بہت سے پیشوں اور صنعتوں کی مذمت وارد ہوئی ہے، جن میں بعض کی مذمت تو اس وجہ سے ہے کہ وہ پیشے شرعاً ممنوع وناجائز ہیں، اور بعض ایسے پیشوں کی بھی برائی مذکور ہے، جو شرعاً ناجائز نہیں، بلکہ مباح ہیں، لیکن الفاظ حدیث کے تتبع اور ان کے مضامین میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پیشوں کی مذمت فی نفسہ منظور نہیں، ورنہ جو کام اپنی اصل ہی سے مذموم وقبیح ہو، وہ شرعاً جائز

ہی نہیں ہوسکتا۔ تو ان پیشوں اور صنعتوں کے اصلی جواز سے یہ تو ثابت ہوا کہ ان کی مذمت فی نفسہ مقصود نہیں، بلکہ ایک خاص سبب پر مبنی ہے۔

اور وہ یہ ہے کہ جس طرح عالم کائنات کے تمام عرض و جوہر کے کچھ کچھ خواص ہیں، جو مشاہدہ اور تجربہ کی بناء پر ہر اہل عقل اور صاحب نظر کے نزدیک مسلم ہیں۔

عناصر اربعہ: آگ، پانی، مٹی، ہوا کے خصوصی آثار سے کون انسان غافل ہے، پھر ان سے مرکب ہوکر پیدا ہونے والی غذاؤں اور دواؤں وغیرہ کی خاصیات و تاثیرات کہ بعض مفید ہیں، بعض مضر، اور بعض ایک شخص کے لئے مفید، اور دوسرے کے لئے مضر واقع ہوئی ہیں، نا قابل انکار ہیں۔

اسی طرح اعمال انسانیہ کی بھی کچھ خاصیات و تاثیرات ہیں، جو ارباب بصیرت و اہل تجربہ پر پوشیدہ نہیں، بعض اعمال کا لازمی اثر اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ کا پیدا ہونا مشاہدہ کیا جاتا ہے، تو اس کے خلاف بعض اعمال کا اثر اخلاق سیئہ اور اعمال شر کا ظہور بھی پیہم تجربوں سے ثابت ہے۔ مثلاً جو شخص مردوں کے نہلانے اور دفن کرنے وغیرہ کا پیشہ اختیار کرے، عموماً تجربہ سے ثابت ہے کہ اس کا قلب سخت ہوجاتا ہے کسی کی موت سے اس پر آثار عبرت ظاہر نہیں ہوتے۔

اسی طرح جو شخص جانوروں کو ذبح کرنے کا پیشہ اختیار کرے، رفتہ رفتہ بوجہ عادت دل میں ایک قسم کی سختی پیدا ہوجاتی ہے، اسی طرح ایسے پیشے جن میں نجاسات کا تلوث یا غلاظت و بدبو کی چیزوں کا زیادہ استعمال رہتا ہے، وہ فرشتوں کے بُعد (دوری۔منہ) کا سبب بن کر بہت سے اخلاق حسنہ سے انسان کو محروم کردیتے ہیں۔

الغرض بعض جائز پیشوں کی مذمت جو احادیث میں وارد ہے، منشا اس کا بھی وہی تقویٰ وطہارت کی کمی ہے، اس لئے اگر کوئی شخص ان پیشوں کو اختیار کرے، لیکن

تقویٰ وطہارت اور اخلاق حسنہ میں کوئی کوتاہی نہ کرے، تو وہ اس مذمت کا مورد نہیں ہو سکتا۔ حضرات صحابہؓ نے تمام جائز پیشے اختیار فرمائے ہیں، اور ہر زمانے میں ہر پیشہ کے لوگوں میں بڑے بڑے علماء وصلحاء اور اولیاء اللہ پیدا ہوتے رہے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ کوئی جائز پیشہ اپنی اصل سے مذموم نہیں، ہاں جن پیشوں میں نجاست یا بدبو کی چیزوں کا زیادہ کام پڑتا ہے، یا وعدہ خلافی اور خیانت کا زیادہ خطرہ رہتا ہے، ان میں زیادہ احتیاط لازم ہے کہ ذرا سی بے احتیاطی اور بے پروائی سے آدمی برے اخلاق اور گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے، صاحب عین العلم جو اکابر اولیاء اللہ اور علماء متقدمین میں سے ہیں، اپنی کتاب میں اسی مضمون کو بالفاظ ذیل تحریر فرماتے ہیں:

و یجتنب ما یضر الناس کالاحتکار و یلوث الباطن کالجزر فھو یقسی القلب و الصباغة فھو یزین الدنیا و الظاھر کالحجامة و الدباغة.

و ما یعسر فیه رعایة الاحتیاط کالصرف و الدلالة و ما یکره فیه (عین العلم الباب سادس فی الکسب و الورع.)

اور اسی مضمون کو احادیث ذیل میں بیان فرمایا گیا ہے:

ارشاد: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس کو حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت سے دیلمی نے بالفاظ ذیل نقل کیا ہے:

اکذب الناس الصباغ (کنز العمال کتاب البیوع ص:۱۰۷، ج:۲)

یعنی بعض بعض رنگ ریز بہت جھوٹے ہوتے ہیں۔

یہ روایت یا اسی قسم کی دوسری روایت کسی قدر اختلاف الفاظ کے ساتھ حدیث

کی کتب معتبرہ مندرجہ ذیل میں موجود ہے، کنز العمال بروایت ابوسعید رضی اللہ عنہ ص:۲۰۱، ج:۲، مقاصد حسنہ للعلامۃ السخاوی ص:۳۷، ابن ماجہ ص:۱۵۶، مسند احمد ص:۳۴۴، ج:۲، جمع الفوائد ص:۲۴۲، جامع صغیر للسیوطی ص:۵۴، ج:۱، ان تمام ائمہ حدیث نے روایت مذکورہ کو اپنی کتب معتبرہ میں درج فرمایا ہے، اور بعض حضرات نے اس میں بجائے الصباغ کے الصناع بالنون روایت کیا ہے، اس صورت میں یہ حدیث ہر وعدہ خلافی کرنے والے دستکار کے لئے عام ہو جائے گی۔

ارشاد: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"اذا کان یوم القیامۃ نادیٰ مناد اینما خونۃ اللّٰہ فی الارض فیوتیٰ بالنخاسین و الصیارفۃ و الحاکۃ ۔(کنز بروایت دیلمی عن ابن عمر ص:۲۰۱، ج:۲) هکذا فی الکنز و یستفاد من بعض الروایات ان اللفظ النخاسین بالخاء ۔"

"یعنی قیامت میں جب ہر قسم کے مجرم یکے بعد دیگرے پکارے جائیں گے، تو ہر قسم کی خیانت کے مجرم اپنی سزا و جزا اور حساب یا تنبیہ کے لئے بلائے جائیں گے، ان میں وہ ٹھٹیرے (اور دوسری روایات کے مطابق) تاجر حیوانات اور صراف اور کپڑا بننے والے بھی جو خیانت اور دھوکہ فریب کرتے تھے، بلائے جائیں گے۔"

ارشاد: محدث فریالی حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ: شرار امتی الصانعون الصائغون ۔ کنز العمال ص:۲۰۱، ج:۲ یہ روایت متن کنز العمال میں بالفاظ مذکورہ اور حاشیہ میں بالفاظ الصانعون الصائغون ، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، اور جامع صغیر میں یہی الفاظ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں، جامع صغیر ص:۳۸، ج:۱، اور ابن ماجہ ص:۱۵۶، و مسند احمد ص:۳۲۴، ج:۲۔ جمع

الفوائد ص:۲۴۲، ج:۱، میں بلفظ اکذب الناس الصباغون و الصواغون، حضرت ابوہریرۃؓ سے مروی ہے، مطلب یہ ہے کہ میری امت کے بدترین لوگوں میں وہ بھی داخل ہیں، جو جھوٹی باتیں گھڑنے والے فریب دہی اور زبان درازی سے ملمع سازی کرنے والے ہیں، یا یہ کہ وہ کاریگر سنار جو آمیزش کرنے والے دھوکہ فریب دینے والے اور خلاف شریعت معاملہ کرنے والے ہیں، بدترین لوگوں میں داخل ہیں۔

ارشاد: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم وھبت لخالتی فاختۃ بنت عمرو غلاماً فامرتھا ان لا تجعلہ جازراً و لا صائغاً و لا حجاماً۔ (کنز العمال ص:۲۰۱، ج:۲) یہ حدیث حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ و جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، حضرت جابرؓ سے طبرانی کی معجم کبیر میں موجود ہے، اور جامع صغیر میں اس کو نقل کر کے اس پر حسن کی علامت لکھی ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ابوداؤد باب الصائغ میں اور مسند احمد ج:۲ میں منقول ہے، ابوداؤد نے اس کو نقل کر کے اس پر سکوت کیا ہے، اور خود ان کی تصریح ہے کہ جس روایت پر وہ سکوت فرمائیں، وہ صالح یعنی حجت اور مقبول ومعتبر ہے۔

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خالہ صاحبہ کو ایک مملوک لڑکا عطا فرمایا، اور نصیحت فرمائی کہ: اس کو سنار اور قصاب کا اور پچھنے لگانے والے کا پیشہ نہ سکھلانا۔ (بلکہ کسی دینی کام میں مصروف کر دینا)

ارشاد: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: من کانت تجارتہ الطعام بات و فی صدرہ غل للمسلمین. رواہ ابو نعیم عن ابن عمرؓ۔ (کنز العمال) یعنی جو شخص بہ نیت گرانی غلہ کو روک رکھے، تو اس کے دل میں مسلمانوں کی بدخواہی بھری رہتی ہے، کیونکہ وہ آرزو رکھتا ہے، کہ اور بھی گراں ہو، اور بھی گراں ہو، اور یہ واقعی مخلوقِ خداوندی کی بدخواہی ہے۔ یہی معنی ہیں احتکار کے،

اوراسی کی ممانعت صحیح احادیث میں وارد ہے، اور بہت وعید فرمائی گئی ہے، کہیں ملعون اور کہیں خاطی فرمایا گیا ہے۔

الغرض باری سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے طبقات انسانی میں باوجود اتحاد جنس ونوع اوراتحاد صورت وشکل کے درجات تفاضل قائم فرمادیے ہیں، جن کا تعلق کہیں انساب سے ہے کہیں پیشوں سے اور کہیں صنفی تغیرات سے، لیکن حدیث کے الفاظ اوراغراض ومقاصد پر نظر غائر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے نزدیک ان تمام درجات کے تفاضل وتفاوت کامداراسی ایک اصل پر ہے جس کو ابتداءرسالہ میں ذکر کیا گیا ہے، یعنی تقویٰ اوراطاعت الٰہیہ۔

مردکواگرعورت پراللہ کے نزدیک فضیلت ہے تواسی بناء پر کہ بہت سے کارِخیر اوراحکام الٰہیہ ایسے ہیں کہ مردہی ان کاانجام دے سکتا ہے، عورتیں ان سے قاصر ہیں اسی قصور کی بناء پران کے درجہ کوکم رکھا گیااوراحادیث نبویؐ فذالک نقصان دینکن الحدیث میں اسی طرف اشارہ ہے۔

اسی طرح عرب کوعجم پراورقریش کوغیرقریش پر، بنی ہاشم کوغیر بنی ہاشم پراوربنی فاطمہ کوان کے ماسواپر جوفضیلت احادیث مذکورہ میں ثابت کی گئی ہے، ان سب فضائل کا مرجع وہی تقویٰ اور اطاعت احکام الٰہیہ ہے، کیونکہ انساب شریفہ اپنی طبیعت اورجبلت سے اخلاق حسنہ کے باعث بنتے ہیں، اوران پراعمال صالحہ بطور ثمرات مرتب ہوتے ہیں، اسی لئے اس شریف النسب کوقابل مدح نہیں کہا جاسکتا، جواخلاق حسنہ کوتباہ کرکے اخلاق ردیہ کا گہوارہ بن گیا ہو۔

اسی طرح پیشوں میں باہمی تفاضل کامنشاءبھی یہی ہے، جیسا کہ اوپرگزرگیا۔

خلاصہ یہ کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے نزدیک عزت وذلت اورفضیلت وعدم

فضیلت کا مدار صرف تقویٰ ہے، البتہ جو چیزیں عادی طور پر اسباب تقویٰ ہیں، ان پر بھی فضائل مخصوصہ کا وعدہ کیا گیا ہے، اور وہ بھی فی الجملہ فضیلت سے خالی نہیں، جیسا کہ احادیث مذکورہ سے ثابت ہو چکا ہے، اور علامہ شامی نے اپنے رسالہ العلم الظاہر میں اس کی تصریح کی ہے، اس کی ٹھیک مثال ایسی ہے، جیسے بعض دواعی گناہ اور اسباب معاصی اگر چہ خود یعنی بالذات وفی نفسہا معاصی نہیں، لیکن چونکہ وہ معاصی کے ذرائع ہیں، اسلئے شریعت میں وہ بھی مکروہ اور برے سمجھے جاتے ہیں، چوری کی نیت سے کسی کے مکان پر چڑھ جانا اور پھر خالی واپس چلے جانا، اگر چہ چوری کے جرم کا ارتکاب نہیں، لیکن سیاستِ اسلامیہ اور تمام سیاسیات حاضرہ میں اس کو جرم سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح نماز کی نیت سے مسجد کی طرف جانا اگر چہ بحقیقت نماز نہیں، لیکن حدیث نبوی میں اس کو نماز ہی کہا گیا، اور اس پر ثواب نماز کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ مسئلہ زیر بحث بھی بالکل اسی کی نظیر ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے نزدیک کرامت و اعزاز کا اصلی مدار تقویٰ و دیانت اور اطاعت احکام الٰہیہ ہے، لیکن بعض اعمال و احوال ایسے ہیں، جو طبعی اور عادی طور پر تقویٰ وطہارت کے اسباب و ذرائع ہوتے ہیں، اس لئے ان کو فضیلت سے خالی نہیں کہا جا سکتا۔

اس تقریر سے وہ تمام شبہات رفع ہو گئے، جو آیۂ کریمۃ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم اور کان ابوھما صالحاً کے ظاہری تعارض سے پیدا ہوتے ہیں، اسی طرح وہ روایاتِ حدیث جن میں ارشاد ہوا ہے کہ قیامت کے روز کوئی کسی کے کام نہ آوے گا، اور وہ احادیث جن میں انسابِ مخصوصہ کے فضائل و درجات، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بعض کے لئے مخصوص عنایت فرمانا مذکور ہے، ان دونوں قسم کی روایات میں جو بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے، وہ بھی اس طرح رفع ہو گیا کہ اصل مدار تقویٰ پر ہے، اور یہ چیزیں بوجہ اسباب تقویٰ ہونے کے محمود ہیں، اور

افضلیت رکھتی ہیں۔

لیکن یہ سب بحث عزتِ شرعی اور کرامت و اعزاز عند اللہ کے متعلق ہے، دنیوی اور عرفی اعزاز میں قطع نظر تقویٰ سے بھی انساب اور پیشوں کا تفاضل اعتبار کیا گیا ہے، اور جن معاملات کا مدار عرف و رواج و باہمی معاشرت پر ہے، ان میں شریعتِ اسلامیہ نے بھی اس تفاضل و تفاوت کا اعتبار فرما کر اس پر احکام فقہیہ کے ایک بڑے حصہ کی بنیاد رکھی ہے۔

معاملاتِ نکاح میں انساب اور پیشوں کے تفاوت کا اعتبار

نکاح کی غرض چونکہ امورِ خانہ داری اور ازدواجی زندگی کو درست کرنا، اور حسنِ معاشرت کے ساتھ سکون واطمینان سے وقت گزارنا ہے، اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ باہم طبائع میں اتحاد و اتفاق ہو، اختلاف طبائع کی صورت میں کتنی ہی کوشش کی جائے، حسنِ معاشرت کا قائم رہنا سخت مشکل ہی نہیں بلکہ محال ہے، جس پر روزمرہ کے تجارب (۱) شاہد ہیں۔

اس لئے شریعتِ اسلامیہ نے نکاح کے بارہ میں زوجین کے اندر کفاءت کے اعتبار کو ایک حد تک ضروری قرار دیا ہے، جن جن اعمال و احوال سے طبائع فریقین میں اختلاف پیدا ہوسکتا ہے، ان سب میں یہ شرط کی گئی ہے کہ زوجین میں مساوات ہو، اور چونکہ انساب اور پیشوں کے اختلاف سے طبائع میں اختلاف عظیم

(۱) بعض اوقات میاں بیوی دونوں نیک صالح ہوتے ہیں، لیکن توافق مزاج نہ ہونے سے ہمیشہ باہمی نفرت اور خانہ جنگی رہتی ہے، بقول حضرت سیدی حکیم الامۃ دام مجد ہم کہ دونوں کی مثال ایسی ہوتی ہے، جیسے سوڈا اور ٹاٹری، کہ علیحدہ علیحدہ دونوں باوقار اور متین ہیں، لیکن جب دونوں ملتے ہیں جوش وخروش اور شور وشر شروع ہوجاتا ہے۔

مشاہد ومحسوس ہے، اس لئے ان دونوں چیزوں میں بھی کفاءت ومساوات کی رعایت کو ضروری قرار دیا ہے۔

نسب میں کفاءت کا اعتبار

اسی لئے حضرات فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ عرب میں غیر قریشی قریشی عورت کا کفو نہیں ہوسکتا، اور عجم میں کوئی عجمی النسل عربی النسل عورت کا کفو نہیں ہوسکتا۔

مثلاً سادات کرام اور شیوخ خواہ صدیقی فاروقی ہوں، یا عثمانی وعلوی، یا دوسرے قبائل میں سے ان کا کفو وہ شخص نہیں ہوسکتا، جو ان تمام انساب میں سے نہ ہو، بلکہ عجمی النسل ہو، خواہ کوئی پیشہ رکھتا ہو، اور عجمیوں کے کسی خاندان کا ہو۔

ہاں[1] یہ سب قبائل سادات وشیوخ باہم ایک دوسرے کے اکفاء ہیں، کیونکہ یہ سب قریشی ہیں۔ ان میں باہمی ازدواج ومناکحت بلاشرط جائز وصحیح ہے، جیسا کہ درمختار میں ہے:

"و الکفاءۃ نسبًا فقریش بعضھم اکفاء بعض و بقیۃ العرب بعضھم اکفاء بعض."

"اور کفاءت نسب میں معتبر ہے، پس قریش آپس میں ایک دوسرے کے کفوء ہیں، اور بقیہ عرب آپس میں ایک دوسرے کے کفوء ہیں۔"

یہ حکم تو قبائلِ عرب کے باہمی تعلقات نکاح کے بارہ میں تھا، اس کے بعد عجم یعنی ماسوائے دوسرے لوگوں کا حکم یہ ہے:

"و العجمی لایکون کفوا للعربیۃ و لو کان العجمی عالما او سلطانا ھو الاصح۔" (درمختار ص:۲۰۳، ج:۱)

(۱) جو قبائل عرب قریش نہیں وہ قریش کے برابر نہیں۔ منہ

اور عجمی آدمی عربی عورت کا کفوء نہیں ہوسکتا، اگر چہ یہ عجمی شخص عالم یا بادشاہ ہی کیوں نہ ہو، یہی صحیح ہے۔

پیشہ میں کفاءت کا اعتبار

عرب میں پیشوں کی کفاءت کا کوئی اعتبار نہیں کیا گیا، کیونکہ عرب میں عرفی عزت کا مدار بھی پیشوں پر نہیں، بلکہ پیشے سب تقریباً مساوی سمجھے جاتے ہیں، کوئی پیشہ والا دوسرے پیشہ والے کو عرفاً بھی ادنیٰ نہیں سمجھتا، بخلاف عجم کے کہ وہاں کا عرف پیشوں کے اعتبار سے بہت زیادہ تفاوت و تفاضل رکھتا ہے، اور باہم ادنیٰ اعلیٰ سمجھے جاتے ہیں، اور اسی بناء پر اعلیٰ پیشہ والے کی معاشرت ادنیٰ پیشہ والے کے ساتھ دشوار اور نہایت مشکل سمجھی جاتی ہے، اس لئے شرع شریف نے جذبات کی رعایت فرما کر معاملات دنیویہ میں اس کا اعتبار کیا۔ (اگر چہ عند اللہ محض ان چیزوں سے نہ کوئی اعلیٰ ہوتا ہے نہ ادنیٰ)

چنانچہ فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ کپڑا بُننے والا، درزی کا کفوء نہیں ہوسکتا، بلکہ اس سے ادنیٰ ہے، اور درزی بزاز کا کفو نہیں، اور بزاز و تاجر، عالم و قاضی کے کفوء نہیں۔ (صرح بہ فی الدر المختار ص:۲۰۲، ج:۱)

کفائت کے معتبر اور ضروری ہونے کا حکم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: **الا لا تزوج النساء الا الاولیاء و لا یزوجن الا من الاکفاء** (دار قطنی و بیهقی) یعنی مناسب یہ ہے کہ عورتوں کا نکاح ان کے ولی کریں، (تاکہ ناتجربہ کاری اور ناواقفیت سے دھوکہ فریب نہ کھائیں، اور تباہ و برباد کرنے والی آزادی سے محفوظ رہیں) اور ان کا نکاح جہاں تک ممکن ہو، کفوء میں کیا جائے۔ (تاکہ غیر کفوء میں وحشت اور عدم موانست نہ ہو)

ارشاد: یا علی ثلاث لا توخرھا الصلوٰۃ اذا اٰنت و الجنازۃ اذا حضرت و الایم اذا وجدت لھا کفواً۔ (ترمذی شریف باب تعجیل الجنازۃ)
یعنی تین چیزوں میں بلاضرورت شرعیہ تاخیر نہیں کرنی چاہیے، ایک جب نماز کا وقت مستحب آجائے، دوسرے جب جنازہ تیار ہو کر آجائے، تیسرے جب کہ بے شوہر والی عورت کے لئے کفومل جائے۔

ارشاد: تخیروا لنطفکم فانکحوا الاکفاء و انکحوا الیھم یعنی اپنے نکاح کے لئے مناسب عورتیں تلاش کیا کرو، کفو میں نکاح کیا کرو، اور کفو میں اپنی لڑکیوں کو دیا کرو۔ (ھک عن عائشہؓ)

کیا غیر کفو میں مطلقاً نکاح نہیں ہوتا

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکی کے اولیاء کو ہدایت فرمائی ہے کہ وہ لڑکی کی خیر خواہی ہر قسم سے ملحوظ رکھیں، کفاءت کا اعتبار بھی اسی خیر خواہی کا ایک جز و اور لڑکی کا حق ہے، مگر اس میں اولیاء کا حق بھی شامل ہے، کیونکہ غیر کفو میں نکاح ہونے سے جیسے لڑکی کو عار ہوتا ہے، اور انس واتحاد دشوار ہوتا ہے، ایسے ہی لڑکی کے اولیاء کو بھی عار لگتا ہے، اور پھر عدم موافقت کی صورت میں تکلیف و رنج میں بھی مبتلا ہوتے ہیں، اسی لئے اگر کوئی لڑکی عاقلہ بالغہ اپنا نکاح غیر کفو میں بغیر اجازتِ ولی کرے، تو یہ نکاح قولِ مفتی بہ کے مطابق باطل اور بالکل نا قابلِ اعتبار ہے۔ (کذا فی درمختار والشامی)

اسی طرح اگر کوئی ولی نابالغہ لڑکی کا نکاح غیر کفو میں کر دے، تو وہ بھی شرعاً باطل و نا قابلِ اعتبار ہے۔

البتہ اگر ولی باپ دادا ہو تو اگر غیر کفو میں اپنی نابالغہ لڑکی کا نکاح کر دیں، تو وہ

جائز وصحیح اور لازم ہو جائے گا، کیونکہ باپ دادا کی شفقت وعنایت کا مقتضی یہی ہے کہ انھوں نے اگر کفاءت کی رعایت نہیں کی، تو کسی اہم فائدہ کی غرض سے نہیں کی ہو گی، بے پروائی یا لڑکی کی بدخواہی اس کا سبب نہ ہوگا، بخلاف دوسرے اولیاء کے کہ وہاں بے پروائی وبدخواہی کا بھی احتمال ہے۔

اور اگر لڑکی عاقلہ بالغہ ہے، اور وہ غیر کفو میں نکاح کرنے پر خود بھی راضی ہو، اور اس کا ولی بھی راضی ہو جائے، تو یہ نکاح صحیح اور جائز ہے، گو آئندہ مصالح کے اعتبار سے نامناسب ہے۔ (کذا فی الہدایہ وعامۃ کتب المذہب)

ایک شبہ کا جواب

اس سے یہ شبہ بھی رفع ہو گیا کہ عجم کی کفاءت کے باب میں فقہاء نے قدیم الاسلام اور نومسلم کو بھی باہمی غیر کفو قرار دیا ہے، اس سے لازم آتا ہے کہ نومسلم لوگوں کا کہیں نکاح نہ ہو سکے کیونکہ وہ قدیم الاسلام مسلمانوں کے کفو نہیں۔

جواب ظاہر ہے کہ غیر کفو میں مطلقاً نکاح کی ممانعت نہیں، بلکہ یہ شرط ہے، کہ لڑکی اور اس کا ولی دونوں راضی ہوں، اور اجازت دیدیں تو نومسلموں کے نکاح میں مسلمانوں کو ضرور اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ ان سے عار نہ کریں، اور بخوشی ورضا ان سے نکاح کر دیں۔

تنبیہ

لیکن یہ خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ نومسلموں کے بارہ میں معاملہ نکاح میں پوری احتیاط برتنی چاہئے، جب تک اس کا حسن اسلام ظاہر نہ ہو جائے، اور معاملات سے یہ بات روشن نہ ہو جائے کہ یہ اپنے اسلام میں مخلص اور راسخ ہے، اس وقت تک نکاح میں اقدام کرنا مناسب نہیں، ورنہ دشواریاں پیش آتی ہیں۔

فائدہ

فضائل وکمالات خواہ دینی ہوں یا دنیوی، دو قسم پر ہیں، ایک اختیاری ہے، جو انسان اپنے کسب اور کوشش سے حاصل کرسکتا ہے، اور دوسرے غیر اختیاری جن کا حصول کسی سعی وکوشش کا نتیجہ نہیں ہوتا، اور نہ کوئی اپنے اختیار سے ان کو حاصل کرسکتا ہے، عقلمند انسان کا کام ہے کہ قسم اول کے کمالات یعنی اختیاری کے حاصل کرنے میں کوشش جاری رکھے کبھی ہمت نہ ہارے۔

لیکن قسم دوم کے فضائل یعنی غیر اختیاریہ کے حاصل کرنے کے پیچھے پڑنا سراسر عقل کے خلاف اور اضاعتِ وقت ہے۔

جس طرح اختیاری فضائل کی تحصیل میں کوشش نہ کرنا کم ہمتی اور کم حوصلگی ہے، اسی طرح غیر اختیاری کی تحصیل کے پیچھے پڑنا حماقت وبے وقوفی ہے۔

اسی لئے شریعت غراء نے مسلمان کو اختیاری فضائل میں اس کی تلقین کی ہے کہ ہر شخص دوسرے سے بڑھنے کی فکر کرے، اور صحابہ کرام کے حالات اور ان سوالات میں جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کئے ہیں، دیکھنے والوں کے لئے مسابقت فی الخیرات کی بہت سی نظائر ملیں گیں۔

لیکن اس کے ساتھ ہی قرآن عزیز کا یہ ارشاد بھی ہے، **لاتتمنوا ما فضل اللّٰہ به بعضکم علی بعض** ۔اس کی تطبیق وتوجیہہ کی بہترین صورت یہ ہے کہ اس آیت میں فضیلت سے غیر اختیاری فضیلت مراد لی جائے۔

ہمارا مقصود بالذکر شرافت نسب بھی انھیں فضائل غیر اختیاریہ میں سے ہے، اس میں بھی یہی قانون معمول بہ ہونا چاہئے کہ جس کو حاصل ہو، وہ نعمت سمجھے، خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرے، اور جس کو حاصل نہ ہو وہ اس کے پیچھے نہ پڑے، اور یہ خیال

کرے کہ میرے لئے یہی صورت بہتر تھی، کیا خبر ہے کہ اگر شرافتِ نسب حاصل ہوتی، تو میں اس کے حقوق ادا کر سکتا یا نہیں، اختیاری فضائل کی تحصیل میں جد و جہد کرے جو حقیقی فضائل اور لازوال دولت ہے، اور اس کے ذریعہ سے وہ عند اللہ نسبی شرفاء سے بہت زیادہ عزیز و شریف ہو سکتا ہے۔

التفاخر بالانساب

زخاک آفریدت خدا وند پاک   تو اے بندہ افتادگی کن چو خاک

تفاخر بالانساب کا سب سے زیادہ چرچا عرب جاہلیت میں رہا، جس کو اسلام نے آ کر مٹایا، پھر قرون مابعد میں مسلمانوں میں دوبارہ یہ بلا پیدا ہو گئی، لیکن یہ ایک ایسی چیز ہے کہ جس کو اعتقاداً سب ہی برا جانتے ہیں، خواہ غفلت کی وجہ سے مبتلا ہو جائیں، اس لئے اس بحث میں زیادہ تفصیل کی حاجت نہیں، چند احادیث اور اقوال سلف کو بطور تذکیر و نصیحت ذکر کر دینا کافی ہے۔

ارشادِ نبویؐ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے روز طواف سے فارغ ہونے کے بعد ایک خطبہ دیا، جس میں ارشاد فرمایا:

خدا تعالیٰ کا شکر ہے، جس نے تم سے عیوب جاہلیت اور غرور تکبر کو دور فرمایا۔

(اب) انسان کی (صرف) دو قسمیں ہیں، ایک نیک متقی اور وہ اللہ کے نزدیک عزت والا ہے، اور دوسرا فاسق و فاجر، اور وہ اللہ کے نزدیک ذلیل ہے۔

(الغرض مدار عزت و ذلت اللہ کے نزدیک تقویٰ و عمل صالح ہے، انساب و قبائل نہیں) سب آدمی حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں، اور

آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا فرمایا۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی، یایها الناس انا خلقنا کم من ذکر و انثی و جعلنا کم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند الله اتقاکم۔ یہ حدیث ترمذی اور بیہقی وغیرہ محدثین نے روایت کی ہے۔

(از تفسیر روح المعانی ص:۱۴۸، ج:۳)

ارشاد: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں ایام تشریق کے درمیان ایک خطبہ دیا، جس کے بعض کلمات یہ تھے:

اے لوگو! تمہارا مالک پروردگار ایک ہے، کسی عربی کو عجمی پر یا عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں، اور نہ کسی کالے کو گورے پر، نہ گورے کو کالے پر، مگر تقویٰ کے ساتھ۔ ان اکرمکم عند الله اتقاکم.

پھر حاضرین سے خطاب کر کے فرمایا کہ میں نے حکم خداوندی اچھی طرح پہنچا دیا یا نہیں؟ لوگوں نے عرض کیا، بیشک آپ نے فرمایا کہ تو حاضرین یہ نصائح غائبین تک پہنچا دیں۔

(بیہقی ابن مردویہ از روح ص:۱۴۸، ج:۹)

ارشاد: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو، اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کئے گئے، ہر قوم کو چاہئے کہ اپنے آباؤ اجداد پر فخر کرنے سے باز آ جائے، ورنہ اللہ کے نزدیک وہ نجاست کے کیڑوں سے بھی زیادہ ذلیل ہو جائیں گے۔''

(رواہ البزار فی مسندہ روح ص:۱۴۹)

فخر بالانساب پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تنبیہہ اور ابوذر غفاریؓ کا قابل تقلید عمل

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی ایک شخص کے ساتھ کسی معاملہ میں گفتگو تیز ہوگئی، اوران کی زبان سے نکل گیا، یا ابن (۱) السوداء، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سن لیا تو فرمایا:

"یا ابا ذر طف الصاع طف الصاع لیس لابن البیضاء علی ابن السوداء فضل."

"اے ابوذرؓ! تم سب ایک ہی پیانہ کے ناپے ہوئے (برابر سرابر) ہو، یعنی ایک ہی باپ کی اولاد ہو، کسی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں۔"

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اس کی کہاں تاب لاسکتے تھے کہ ان کی کوئی حرکت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مزاج واقع ہو، الفاظ مذکورہ کا زبان مبارک سے سننا تھا کہ فوراً زمین پر لیٹ گئے، اوراس شخص سے جس کے متعلق ناسزا الفاظ نکل گئے تھے، عرض کیا کہ کھڑے ہوکر میرے چہرہ پر پیر رکھو، یہ واقعہ احیاء العلوم میں مذکور ہے، اور تخریج عراقی میں بحوالہ مسند احمد اس کی تائید کی گئی۔

(احیاء العلوم ص:۳۰۳، ج:۳)

حسب ونسب پر فخر وغرور اور دوسروں کی تحقیر کے متعلق حدیث وتفسیر اور اخلاق وسیر مختلف فنون اسلامیہ کی کتابوں میں مذمتوں اور قبائل کے مفصل تذکرہ کیا گیا، اور بلا شبہ وہ شخص جو کوئی ذاتی کمال نہیں رکھتا، اور محض شرافت نسب پر فخر کرتا ہے، اس کی

(۱) کالی عورت کے بیٹے۔۱۲منہ

مثال ٹھیک ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی مردہ کے حلق میں خمیرہ مروارید ڈال دے، یا کسی سڑے ہوئے مردار کی گردن میں گراں قدر جواہرات کا ہار لٹکا دے، تو اس سے نہ مردہ میں کوئی قوت پیدا ہوگی، اور نہ سڑے ہوئے مردار میں کوئی زینت۔

یہ مثال اس جگہ اس لئے بھی زیادہ چسپاں اور صحیح ہوگی کہ جس طرح مردہ بیجان میں خمیرہ مروارید اور عقد جواہرات کے بے سود اور بیکار ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ چیزیں بالکل بیکار ہوں۔

اسی طرح اس جگہ بد اعمالی و بد اخلاقی کے ساتھ شرافت نسب کے بیکار و بے فائدہ ہونے سے بھی شرافت نسب کا مطلقاً غیر مفید و بے کار ہونا لازم نہیں آتا، بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ شرافتِ نسب ایک نعمت الٰہیہ ہے، مگر اس کے مفید ہونے کے لئے اپنے ذاتی اعمال و اخلاق کا فی الجملہ درست ہونا شرط ہے، (اور اس کی پوری تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ رسالہ ہذا کے جزو سوم میں آئے گی)

اس لئے جس شخص کو حق تعالیٰ شرافت نسب کی نعمت عطا فرمائے، اس کو تو بنسبت دوسروں کے اور بھی زیادہ اصلاح اعمال و اخلاق کی طرف توجہ کرنی چاہئے، کیونکہ اول تو اس نعمت کا اقتضاء اور شکر یہ یہی ہے، دوسرے بزرگوں کی طرف نسبت جتنی زیادہ ہے، اتنی ہی اس کی ذمہ داریاں زیادہ ہیں، کہ کم از کم اس نسبت کی لاج رکھنے کے لئے بدنامی کے مواقع سے بچیں۔ و للہ الامر و بیدہ ازمۃ التوفیق.

الانتساب الیٰ غیر الانساب

معاملہ انساب میں دوسری بے اعتدالی یہ ہے کہ بعض لوگ اپنا نسب آبائی چھوڑ کر اپنے آپ کو دوسرے انساب کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

ایک قوم اس میں سرگرم ہے کہ اپنے آپ کو انصاری ثابت کرے، اور اپنا

نسب انصار سے جاملائے، تو دوسری اس کے درپے ہے کہ اپنے آپ کو قریش میں داخل کرے، تیسری یہ چاہتی ہے کہ راعی بن کر عرب میں داخل ہو جائے کوئی اس فکر میں ہے، کہ اپنے آپ کو شیخ صدیقی یا فاروقی، عثمانی، علوی ظاہر کرے تو کوئی سید بننے کے درپے ہے۔

اور منشاء اس کا تکبر وغرور ہے جو فی نفسہ بھی گناہ کبیرہ ہے، اور اس کی وجہ سے یہ نسب بدلنا مستقل دوسرا کبیرہ گناہ ہے، احادیث صحیحہ صریحہ میں اس پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، جن میں سے بعض کے ترجمے ذیل میں درج ہیں۔

ارشاد نبویؐ: حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور ابو بکرۃ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''من ادعیٰ الیٰ غیر ابیه وهو یعلم انه غیر ابیه فالجنة علیه حرام.''

(رواہ البخاری ومسلم وابوداؤد وابن ماجہ ترغیب وترھیب ص:۵۷ ج:۳)

''جو شخص اپنے آپ کو اپنے باپ کے سوا کسی اور کی طرف منسوب کرے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ میرا باپ نہیں تو اس پر جنت حرام ہے۔''

اور اسی مضمون کی ایک حدیث بخاری ومسلم میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ بخدا ہمارے پاس سوائے اس کتاب اللہ کے اور کوئی نیا قرآن نہیں، جس کو ہم پڑھتے ہوں، البتہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک والا نامہ ہے، جس میں چند احکام مذکور ہیں، جس کو کھول کر سنایا، اس میں منجملہ دوسرے احکام کے ایک یہ بھی تھا:

''من ادعی الی غیر ابیه او انتمی الیٰ غیر موالیه

فعليه لعنة الله و الملائكة و الناس اجمعين لايقبل الله منه يوم القيامة عدلا و لا صرفاً۔"

(بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی۔ از ترغیب ص:۸۸، ج:۳)

"جو شخص اپنے باپ کے سوا کسی دوسرے کی طرف اپنی نسبت کرے، یا آزاد کردہ غلام اپنے آپ کو اپنے آقا کے قبیلہ کے سوا اور قبیلہ کی طرف نسبت کرے، تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے، اور فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ اس کا فرض قبول فرمائے گا نہ نفل۔"

اور اسی مضمون کی حدیث حضرت انسؓ سے ابوداؤد میں اور عبداللہ بن عباسؓ سے مسند احمد و ابن ماجہ وغیرہ میں بھی مروی ہے۔

ارشاد نبویؐ: اور حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ کی اپنے دادا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"انسان کے گناہ کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ کسی نسب سے تبری کرے، اگرچہ وہ نسب ادنیٰ ہی ہو، اور ایسے نسب کا دعویٰ کرے، جس میں اس کا ہونا معروف نہیں، اس حدیث کا امام احمد اور طبرانی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔" (از ترغیب ص:۸۸، ج:۳)

ارشاد نبویؐ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"جو شخص اپنے آپ کو اپنے باپ کے سوا دوسرے کی طرف منسوب کرے، وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا، حالانکہ اس کی خوشبو ستر سال کی مسافت سے محسوس ہوتی ہے۔"

(مسند احمد، ابن ماجہ از ترغیب ص:۸۸، ج:۳)

ارشاد نبوی: حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

"من ادعی نسباً لایعرف کفر باللّٰہ او انتفی من نسب و ان دق کفر باللّٰہ." (رواہ الطبرانی فی الاوسط از ترغیب ص: ۸۹، ج: ۳)

"جو شخص کسی ایسے نسب کا دعویٰ کرے، جو اس کے لئے معروف نہیں، تو اس نے اللہ تعالیٰ کا کفر کیا، (یعنی نافرمانی کی) یا کسی نسب سے تبری کی، اگر چہ وہ ادنیٰ نسب ہو، تو اس نے اللہ تعالیٰ کا کفر کیا۔"

احادیث مذکورہ کی اس قدر سخت وعیدوں کے سننے اور سمجھنے کے بعد بھی کیا کوئی مسلمان نسب بدلنے اور خلاف واقع ظاہر کرنے پر جرأت کرے گا۔

ہرگز باور نمی آید ز روئے اعتقاد — ایں ہمہ با کردن و دین پیمبر داشتن

بعض نسب بدلنے والوں کا عذر لنگ کہ ہم انصاری بہ حیثیت پیشہ ہیں

کہا جاتا ہے کہ کپڑا بُننے والوں کا نام جو ہمارے عرف میں جولاہا ہے یہ نام مستنکر ومکروہ ہے۔ کیونکہ یہ لفظ دراصل سنسکرت زبان کا ہے، جس کے معنی ظالم کے ہیں، اور برے ناموں کے رکھنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی ہے، اس لئے ہم اپنے کو بجائے جولاہا کے انصاری کہتے ہیں، اور وجہ مناسبت یہ ہے کہ پیشہ حضرت ابوایوب انصاریؓ کا بھی یہی تھا، الغرض ہم اپنے کو انصاری بہ حیثیت نسب نہیں کہتے، بلکہ بہ حیثیت پیشہ کہتے ہیں۔

لیکن انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اول تو یہ غلط ہے کہ جولاہا کے معنی اردو میں مستنکر ومکروہ ہیں، کیونکہ اصل لفظ چاہے سنسکرت کا ہو یا کسی اور زبان کا، اور معنی ظالم

کے ہوں یا کچھ اور، لیکن اردو میں اس کا مفہوم اس سے زائد نہیں کہ کپڑا بننے والے کو جولاہا کہتے ہیں، اور ناموں کے مکروہ و مستنکر ہونے کا اعتبار اسی زبان کے اعتبار سے ہونا چاہئے، جس زبان کا لفظ سمجھ کر استعمال کیا جاتا ہو، اس لئے اردو زبان میں یہ لفظ کوئی مکروہ لفظ نہیں، خواہ سنسکرت میں اس کے معنی کتنے ہی قبیح ہوں، علاوہ ازیں اگر یہی باعث تھا تو کوئی اور نام جیسے نورباف یا بافندہ وغیرہ رکھ لیتے، لفظ انصاری جو ایک خاص خاندان کے لئے بولا جاتا ہے، اور اسی معنی میں شہرت پاچکا ہے، اس کو اپنا لقب قرار دینا عرف عام کے لحاظ سے اسی نسب کا مدعی بننا ہے۔

اور احادیث صحیحہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ غیر نسب کی طرف اپنے کو منسوب کرنا سخت حرام اور وعید شدید کا موجب ہے، اور اگر بالفرض کسی کی نیت ادعائے نسب کی نہ ہو، بلکہ محض پیشہ کے لحاظ سے نسبت کرنا مقصود ہو تو کم از کم التباس اور مغالطہ سے خالی نہیں۔

جیسے کوئی نبی اور رسول اپنے آپ کو کہنے لگے، اور معنی یہ مراد لے کہ میں خبر دینے والا قاصد ہوں، تو شرعاً اس معنی سے بھی اپنا لقب نبی اور رسول رکھنا حرام ہے، کیونکہ التباس کا سبب ہے۔

ان سب باتوں کو چھوڑ کر یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ منشاء ان نسبتوں کے تقرر اور القاب کے ردو بدل کا وہی ایک مرض لاعلاج محض تکبر و تعلّی ہے، جو خود حرام اور ناجائز ہے۔

اور جو اس کے بعد بھی عزت فانیہ موہومہ پر عزت ابدیہ یقینیہ کو قربان کرے، وہ مسکین قابل رحم ہے، اس کی عقل و دانش پر تعزیت کرنی چاہئے کہ کس متاع گراں مایہ کو کس قدر سستا دے دیا۔

میں تو میخانہ میں گاہک نہ ہوا عزت کا دین کے بدلہ میں ملتی تھی تو سستی کیا تھی

اور تجربہ تو یہ ہے کہ اس طرز سے عزت فانیہ دنیویہ بھی حاصل نہیں ہوتی، بلکہ اس قسم کے لوگ اور بھی زیادہ نظروں سے گر جاتے ہیں۔

عزیزے کہ از درگہش سر بتافت بہر در کہ شد ہیچ عزت نیافت

اور اگر خداوند عالم ذرا چشم بصیرت عطا فرمائیں، تو انسان کی نظر ایک ایسی جگہ پہنچ جاتی ہے، جہاں یہ بات روزِ روشن کی طرح مشاہدہ میں آجاتی ہے کہ دنیا اور اس کی عزت و ذلت سب خواب و خیال ہیں، عاقل کا کام نہیں کہ اس کے حصول پر فخر یا عدم حصول پر افسوس کرے۔

زمین شدیم چہ شد، آسماں شدیم چہ شد بچشمِ خلق سبک یا گراں شدیم چہ شد
ہیچ رنگ دریں گلستان قرارے نیست تو گر بہار شدی ما خزاں شدیم چہ شد

اور یہ بات آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے کہ ''سہاگن وہی جسے پی چاہے'' عزت وہی عزت ہے، جو دربار الٰہی میں سرخرو کرے، اور اس کے سوا ہر عزت ذلت و رسوائی کی مرادف اور متاع غرور ہے۔ و لنعم ما قیل

ایا رب ذل ساق للنفس عزة و یا رب نفس بالتذلل عزة

اکبر مرحوم نے خوب کہا ہے

گو یہ عزت ہے کہ پائی تری محفل میں جگہ
لذت اس میں ہے کہ مل جائے ترے دل میں جگہ

''ایبتغون عند هم العزة فان العزة لله جميعاً''

''کیا وہ لوگوں کے پاس عزت ڈھونڈتے ہیں بیشک عزت تو تمام اللہ

تعالیٰ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے۔"

حقیقی عزت وذلت نسب کے تابع نہیں

اور اگر کسی شخص کو یہی مقصود ہو کہ دوسروں پر فضیلت وتفوق حاصل کرے تو اس کی بھی یہ صورت نہیں کہ اپنا اصل نسب چھوڑ کر دوسرے انساب کے سلسلہ میں اپنے آپ کو داخل کرتا پھرے، اور اس کی کوشش میں رہے کہ بعید قرائن کا سہارا لے کر کسی اونچے نسب نامہ میں اپنا نام درج کردے، جیسے آج کل بہت سے لوگوں کو یہ ابتلاء پیش آیا ہے۔

ایسے ہی لایعنی حیلے اور قرینے جمع کر کے کوئی انصاری بنتا ہے، کوئی قریشی اور کوئی راعی، بلکہ عزت وتفوق کی چیز علم اور حسن اخلاق اور اعمال فاضلہ ہیں، ہمیشہ عزت کا مدار یہی رہے ہیں۔

حضرت بلال حبشیؓ اگر آج دنیا میں تشریف لے آئیں، تو اس گئی گزری حالت اور بے پروائی کے زمانہ میں بھی یقین ہے کہ بڑے بڑے عزت کی لمبی ناک رکھنے والے اونچے اونچے نسب کے لوگ ان کے پیر دھونے کو اپنا فخر سمجھیں گے، یہی وہ عزت ہے کہ جس نے بڑے بڑے بادشاہوں کو ادنیٰ ادنیٰ نسب کے لوگوں کے آگے جھکا دیا اور یہی وہ دولت ہے، جس کے لئے ہارون الرشید اور ان کے دونوں صاحبزادے، امین اور مامون کاسۂ گدائی لے کر حضرت امام مالک بن انسؒ کے دروازے پر آتے تھے، اور یہی وہ تاج سلطنت ہے کہ جس کے نہ ہونے نے دنیا کے بہت سے نامور بادشاہوں کے ہاتھ میں کاسۂ گدائی دلوادیا۔

ایک خراسانی سیدزادہ اور حبشی بزرگ کا مکالمہ

خراسان میں ایک سیدزادہ شریف النسب تھے، لیکن جدی اخلاق اور اعمال کے متاع گرانمایہ کو لہو ولعب کی نذر کر چکے، اور طرح طرح کے فسق و فجور میں مبتلا تھے، اور اسی جگہ ایک حبشی عالم متقی تشریف فرما تھے، جو نسب کے اعتبار سے بھی آزاد کردہ غلام ہونے کی حیثیت رکھتے تھے، لوگ ان کی انتہائی تعظیم وتوقیر کرتے تھے، ایک روز اتفاقاً یہ بزرگ مسجد کی طرف جا رہے تھے، خلق اللہ کی ایک بہت بڑی جماعت پیچھے تھی، یہ سیدزادہ اچانک سامنے آ گئے، نشہ پیے ہوئے تھے، لوگوں نے ان کو بزرگ صاحب کے راستہ سے ہٹانا چاہا، مگر یہ نہ ہٹے، اور مجمع کو چیر پھاڑ کر شیخ کے پاس پہنچے، اور ان کا دامن پکڑ لیا، اور نہایت سخت متکبرانہ لہجہ میں خطاب کیا: ”اے سیاہ ہونٹ اور سیاہ سموں والے کافر بن کافر! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹا ہوں، مجھے ذلیل کیا جاتا ہے، اور تیری عزت کی جاتی ہے، مجھے دھکے دیے جاتے ہیں، اور تیری ہر قسم کی مدد کی جاتی ہے۔“

لوگوں نے یہ کلمات سنے، تو ان کو مارنے کے لئے دوڑے، شیخ نے بمشکل بچایا، اور کہا کہ: میں ان کی یہ سب باتیں ان کے جد امجد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خاطر برداشت کرتا، اور معاف کرتا ہوں، اور اس کے بعد ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ میں نے اپنے باطن کو سفید کر لیا اور تم نے اپنے باطن کو سیاہ کر ڈالا، اس لئے میرے دل کی سفیدی میرے سیاہ چہرہ پر دیکھی گئی اور لوگوں کو بھلی معلوم ہوئی، اور تمھارے دل کی سیاہی تمھارے سفید چہرہ پر دیکھی گئی، جو لوگوں کی نفرت کا سبب بنی، میں نے تمھارے والد کی صفت اختیار کر لی، اور تم نے میرے والد کی، تو لوگوں نے مجھے تمھارے والد کی صفت وحالت میں دیکھا، اور تمھیں میرے والد کی صفت میں۔

اس لئے انہوں نے مجھ کو تمھارے والد کا بیٹا سمجھا، اور تم کو میرے والد کا، اور تمھارے ساتھ وہ معاملہ کیا، جو میرے باپ کے ساتھ کرنا تھا، اور میرے ساتھ وہ معاملہ جو تمھارے والد کے ساتھ کرنا تھا۔ یہ واقعہ تفسیر روح المعانی میں سید محمود الوسی مفتی بغداد نے مفصل لکھا ہے۔ (ص: ۱۵۰، ج:) ولنعم ما قیل

و لا ينفع الاصل من هاشم اذا كانت النفس من باهلة

خلاصہ جملہ مضامینِ رسالہ

شرافتِ نسب خداوند عالم کی ایک نعمت ہے، مگر غیر اختیاری ہے، جیسے بہ نسبت عورت کے مرد ہونا، یا خوبصورت اور خوش الحان ہونا وغیرہ، جس شخص کو یہ نعمت حاصل ہو، اس کا فرض ہے کہ اس کے حقوق ادا کرے، خداوند سبحانہ وتعالیٰ کا شکر کرے، اور نسبی شرافت کے ساتھ اخلاق حسنہ اور تقویٰ حاصل کرے، معاملات درست کرے، جو اصلی فضائل ہیں، اور دوسرے لوگوں کو جن کو یہ فضیلت حاصل نہیں ذرا حقیر نہ سمجھے، کیونکہ معلوم نہیں کہ مالک کی نظر میں کون زیادہ عزیز ومحبوب ہے۔ مشہور ہے کہ "سہاگن وہی جسے پی چاہے۔"

تا یار کرا خواہد و میلش بکہ باشد

ایسا نہ ہو کہ اپنی بدعملی اور بداخلاقی سے اپنے بڑوں کو بھی جن کی طرف اپنی نسبت کرتا ہے، بدنام کرے کہ لوگ کہیں:

یہ اس کا بندہ ہے جن کو کریم کہتے ہیں۔

اور جس کو یہ فضیلت حاصل نہ ہو، وہ اس کے فکر میں نہ پڑے، اور اصلی اور حقیقی فضائل کی تحصیل میں پوری کوشش عمل میں لائے تا کہ اس فضیلت غیر اختیار یہ کا بھی تدارک ہو جائے، اور خوب سمجھ لے کہ جو چیز حق تعالیٰ نے مجھے عطا نہیں فرمائی،

وہ میرے لئے مناسب نہ تھی، میں اس کے حقوق ادا نہیں کر سکتا کیونکہ وہ مجھ پر خود مجھ سے بھی زیادہ شفیق ومہربان ہیں

آنکس توانگرت نمی گرداند او مصلحتِ تو از تو بہتر داند

اور حضرت حافظ نے خوب فرمایا ہے

کہ خواجہ خود روشِ بندہ پروری داند

اس لئے نہ اس کا غم کرے کہ مجھے شرافتِ نسب حاصل نہیں، اور نہ اس غلطی میں مبتلا ہو کہ خواہ مخواہ کسی نسب شریف کی طرف اپنی نسبت جوڑے یا ایسا لقب ڈھونڈے جو کسی شریف نسب کے ساتھ اشتراک پیدا کر دے، یا اس کا موہم ہو، اور سمجھ لے کہ یہ کوئی اصلی فضیلت وکمال حقیقی نہیں۔

معاملات نکاح وغیرہ میں نسب اور پیشہ کی کفاءت کو شرعی حکم اور مصالح اور حکمتوں کا مجموعہ سمجھے، اس کو مساوات اسلامی کے خلاف نہ جانے اور سمجھ لے کہ یہ اندھیر نگری کی مساوات کہ جس میں ادنیٰ اعلیٰ اور کھرے کھوٹے اور چھوٹے بڑے میں کوئی امتیاز نہ ہو، محض بے عقلی کی مساوات ہے، جو فطرت کے خلاف ہے، عقل کے موافق مساوات وہی ہے، جو اسلام نے اختیار فرمائی ہے کہ تجویز قانون میں درجات وحیثیات کو پورا لحاظ رکھا جائے، لیکن مقرر کردہ قانون کی تنفیذ میں مساوات کا برتاؤ کیا جائے، کہ ازروئے قانون جو شخص جس درجہ سزا یا جزاء کا مستحق ہو، اس کو وہی دیا جائے، اس میں شاہ وگدا اور ادنیٰ واعلیٰ سب برابر ہوں۔

نفاذ قانون میں نہ کسی کا رعب اور بڑائی سد راہ بن سکے، نہ مال ودولت کی طمع یا قرابت ومودت کے تعلقات حائل ہو سکیں، اور مسلمان کی شان اس بارہ میں لایبالون فی اللّٰہ لومۃ لائم کی مصداق ہو۔

موحد چہ برپائے ریزی زرش چہ فولاد ہندی نہی برسرش
امید و ہر اسش نبا شد زکس ہمیں ست بنیادِ توحید و بس

هـذا اخـر مـا تيسـر لـى فى هذا الباب بعون الملك الوهاب مع تشتت الهـموم و هجوم الغموم و له الحمد اوّله و اخره و ظاهره و باطنه. فـالـحـمـد لـلّه الذى بعزته و جلاله تتم الصالحات و صلى الله تعالىٰ على خير خلقه و صفوة رسله و على اله و صحبه اجمعين.

خدا تعالیٰ کا شکر و انعام ہے، آج ۸ رجب ۱۳۵۱ھ روز چہارشنبہ بعد العشاء یہ اوراق تمام ہوئے، خدا کرے کہ میرے اعمال کی شامت اس میں موثر نہ ہو، اور حق تعالیٰ اپنے فضل سے قبول فرما کر مفید بنا دیں۔ و ما ذالک على الله بعزيز۔

بندۂ ضعیف
محمد شفیع دیوبندی عفا اللہ عنہ
خادم دار الافتاء دار العلوم دیوبند



وصل السبب فی فصل النسب

(از افادات حضرت حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی صاحب دامت برکاتہم)

یعنی

تقریظ بر رسالہ نہایات الارب فی غایات النسب

مؤلفہ

مولانا محمد شفیع صاحب

مدرس ومفتی مدرسہ دارالعلوم دیوبند دام بالا فادات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد الحمد والصلوٰۃ! اشرف علی عرض رسا ہے کہ جس موضوع پر یہ رسالہ لکھا گیا ہے، اس پر احقر کا ارادہ لکھنے کا تھا، مگر مجھ کو جب معلوم ہوا کہ مولوی صاحب اس پر لکھنا شروع کر چکے ہیں، میں نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا، مگر مولوی صاحب نے اپنے حسن ظن سے اس التواء کے التواء کی درخواست کی تو اخیر جواب میں میں نے یہ عرض کیا کہ آپ رسالہ پورا کر لیں، پھر اس کا تتمہ میں لکھ دوں گا، چنانچہ مولوی صاحب نے یہ رسالہ لکھ کر میرے پاس بھیج دیا، مطالعہ سے اس کی نافعیت کا مشاہدہ کر کے بے حد مسرت ہوئی، اور دعا دی، ہر چند کہ رسالہ کے کافی وافی ہونے کے بعد کچھ لکھنے کی حاجت نہ تھی، مگر چونکہ عنوان کے تفاوت سے بھی بعض اوقات نفع میں اضافہ ہوتا ہے،

اس لئے چند سطریں بصورت فوائد متفرقہ کے لکھ کر اس وعدہ کو پورا کرتا ہوں، اور سہولت تعبیر کے لئے ایک لقب بھی تجویز کرتا ہوں، اور یہ سب تقریظ ہے، کیونکہ تقریظ کی حقیقت تصدیق ہے، اور جب تصدیق اجمالی تقریظ ہے تو یہ تصدیق تفصیلی ہے۔

الفائدة الاولیٰ

فی تفسیر بیان القرآن سورۃ البقرۃ، آیۃ تلک اُمۃ، عدم کفایت انتساب بمقبولین درنجات تلک امة قد خلت، لها ما کسبت و لکم ما کسبتم ولا تسئلون عما کانوا یعملون۔ یہ (ان بزرگوں کی) ایک جماعت تھی، جو (اپنے زمانہ میں) گزرچکی، ان کے کام ان کا کیا ہوا آئے گا، اور تمھارے کام تمھارا کیا ہوا آوے گا، اور تم سے ان کے کئے ہوئے کی پوچھ بھی نہ ہوگی۔ (اور خالی تذکرہ بھی نہ ہوگا، اس سے تم کو نفع پہنچنا، یہ تو بڑی دور ہے)

ف: انتساب بالمقبولین کا نافع نہ ہونا، اس شخص کے لئے ہے، جو عقائد قطعیہ میں بھی ان مقبولین کا مخالف ہو، گو طبعاً ان حضرات سے محبت بھی رکھتا ہو، اور یہود ونصاریٰ ایسے ہی تھے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت جو عقائد قطعیہ سے ہے، اور سب انبیاء اس کے مصدق تھے، یہ لوگ اسی میں مخالف تھے، اور جو شخص ایسے عقائد میں موافق ومتبع ہو، گو کسی امر جزئی میں عاصی بھی ہو، ایسے شخص کو اس انتساب کا کسی درجہ میں نافع ہونا، خواہ شفاعت سے یا محبت سے یا بنا بر معیت کے محض مشیت سے یہ نصوص صحیحہ سے ثابت ہے، اور اسی انتساب کو نسب سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ انتساب مومنین کو نافع ہوگا نہ کہ کفار کو اور نسب اس معنے کے اعتبار سے نافع ہے نہ کہ شرافت بالمعنی العرفی کے اعتبار سے خوب سمجھ لو، اب سب نصوص و

دلائل متطابق و متوافق ہو گئے، مثل آیۃ:

و الذین اٰمنوا و اتبعتھم ذریتھم بایمان الحقنا بھم ذریتھم، و آیۃ : فلا انساب بینھم یومئذٍ، و آیۃ : ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقاکم، و حدیث : شفاعۃ و حدیث المرء مع من احب، و حدیث : یا فاطمۃ انقذی نفسک من النار لا اغنی عنک من اللّٰہ شیئا۔

رہا دنیا میں تفاوت انساب اپنے آثار کے اعتبار سے بلا شبہ متضمن مصالح کثیرہ مشاہدہ ہے، لیکن اپنا تفاخر اور دوسرے کی تحقیر حرام ہے، و فی سورۃ الطور آیۃ: و الذین اٰمنوا و اتبعتھم ذریتھم ،الایۃ۔ جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کا ساتھ دیا، (یعنی وہ بھی ایمان لائے گو اعمال میں وہ اپنے آباء کے رتبہ کو نہیں پہنچے۔) جیسا کہ عدم ذکر اعمال اس کا قرینہ ہے، و نیز احادیث میں مصرح ہے۔ کانوا دونہ فی العمل، و لم یبلغوا درجتک و عملک و کانت منازل اٰباء ھم ارفع، رواھا فی الدر المنثور۔

تو گو مقتضا ان کے انحطاط عمل کا انحطاط درجہ تھا، لیکن ان آباء مومنین کے اکرام و سرور کے لئے ہم ان کی اولاد کو بھی (درجہ میں) ان کے ساتھ شامل کر دیں گے، اور (اس شامل کرنے کے لئے) ہم ان (اہل جنت متبوعین) کے عمل میں سے کوئی چیز کم نہیں کریں گے۔ (یعنی یہ نہ کریں گے کہ ان متبوعین کے بعض اعمال لے کر ان کی ذریت کو دے کر برابر کر دیں۔ جیسے مثلاً ایک شخص کے پاس چھ سو روپے ہوں، اور ایک کے پاس چار سو اور دونوں کو برابر کرنا مقصود ہو، تو اس کی ایک صورت تو یہ ہو سکتی، کہ چھ سو والے سے سو روپے لے کر چار سو والے کو دے دیئے جاویں، کہ دونوں کے پاس پانچ پانچ سو ہو گئے، اور دوسری صورت جو کریموں کے شان کے لائق ہے، یہ ہے کہ چھ سو والے سے کچھ نہ لیا جاوے، بلکہ اس چار سو والے کو دو سو

روپے اپنے پاس سے دے دیں، اور دونوں کو برابر کر دیں، پس مطلب یہ ہے کہ وہاں پہلی صورت واقع نہ ہوگی، کہ اس کا اثر یہ ہوتا کہ متبوع کو بوجہ کم ہو جانے اعمال کے اس کے درجہ سے کچھ نیچے لاتے اور تابع کو کچھ اوپر لے جاتے اور دونوں ایک متوسط درجہ میں رہتے، یہ نہ ہوگا، بلکہ دوسری صورت واقع ہوگی، اور متبوع اپنے درجہ عالیہ میں بدستور رہے گا، اور تابع کو وہاں پہنچا دیا جاوے گا، وفی سورۃ الحجرات آیۃ: یا ایھا الناس ان خلقنا کم من ذکر و انثی و جعلنا کم شعوباً و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقاکم، ان اللّٰہ علیم خبیر۔)

اے لوگو! ہم نے تم (سب) کو ایک مرد اور ایک عورت (یعنی آدم وحوا) سے پیدا کیا ہے، (پس اس میں تو سب برابر ہیں) اور (پھر جس بات میں فرق رکھا ہے کہ) تم کو مختلف قومیں اور (پھر ان قوموں میں) مختلف خاندان بنایا (سو محض اس لئے) تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو (جس میں بہت سی مصلحتیں ہیں، نہ اس لئے کہ ایک دوسرے پر تفاخر کرو، کیونکہ) اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہ ہے، جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہو، (اور پرہیز گاری ایسی چیز ہے کہ اس کا حال کسی کو معلوم نہیں بلکہ اس کے حال کو محض) اللہ خوب جاننے والا (اور وہی اس سے) پورا خبر دار ہے، (پس اس پر بھی شیخی مت کرنا، کما قال تعالیٰ فلا تزکوا انفسکم)

ف: شعب خاندان کی جڑ کو کہتے ہیں، اور قبیلہ اس کی شاخ کو مثلاً سید ایک شعب ہے، اور حسنی وحسینی قبائل ہیں، وعلی ہذا۔

اور تعارف کی مصلحتیں متعدد ہیں، مثلاً ایک نام کے دو شخص ہیں، خاندان کے تفاوت سے دونوں میں تمیز ہو سکتا ہے، اور مثلاً یہ کہ اس سے دور کے اور نزدیک کے رشتوں کی پہچان ہوتی ہیں، اور بقدر قرب و بعد نسب کے ان کے حقوق شرعیہ ادا کئے جاتے ہیں، اور مثلاً اس سے عصبات کا قرب و بعد معلوم ہوتا ہے، تو حاجب ومحجوب

متعین ہوتا ہے، اور مثلاً یہ کہ اپنا خاندان معلوم ہوگا تو اپنے کو دوسرے خاندان کی طرف منسوب نہ کرے گا، جس کی ممانعت حدیث میں آئی ہے، اور شرف نسبی معتبر ہونے کی حد اور درجہ پارہ الٓمٓ کے ختم آیت تلک امۃ قد خلت واقع موقع اول کی تفسیر میں لکھ چکا ہوں، ملاحظہ کر لیجئے۔

تفریع: ان آیات سے یہ امور مستفاد ہوئے:

۱:...... انتساب بالمقبولین آخرت میں غیر مومن کے لئے نافع نہیں، اور مومنین کے لئے نافع ہے، اور جن مقبولین کی طرف انتساب نافع ہوگا، وہ مقبولین عام ہیں، خواہ عرفاً شریف النسب ہوں، یا نہ ہوں، البتہ ان میں جن قبائل کی فضائل دینیہ بھی مخصوص وارد ہیں، ان کی طرف انتساب اور زیادہ نافع ہوگا، تو شرف نسب عرفی کے بعض افراد بھی خاص قیود کے ساتھ آخرت میں نافع ہوں گے، پس شرف نسب مطلقاً ایک نعمت ہوئی، اور قبائل اہل فضائل کے انتساب سے جو شرف نسب ہو، وہ اور زیادہ نعمت ہوئی، اور نعمت پر شکر واجب ہے، پس اس پر بھی شکر واجب ہوا۔

۲:...... تفاخر بالانساب حرام ہے، جیسا دوسری نعمتوں پر بھی تفاخر حرام ہے۔

۳:...... قوموں اور خاندانوں کے تفاوت میں مصالح کثیر ہیں تمدنیہ بھی شرعیہ بھی۔

۴:...... ہر چند کہ اصل شرف تقویٰ ہے، مگر فخر اس پر بھی حرام ہے، پس جیسا تقویٰ پر تفاخر کی حرمت سے تقویٰ کے موجب شرف ہونے کی نفی نہیں ہوسکتی، اسی طرح خاص انساب پر تفاخر کی حرمت سے ان انساب کے موجب شرف ہونے کی نفی نہیں ہوسکتی۔

الفائدة الثانية

فی المشکوٰة باب فضائل سید المرسلین صلوات اللّٰه و سلامه علیه: عن واثلة بن الاسقع قال سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم یقول ان اللّٰه اصطفیٰ کنانة من ولد اسمٰعیل و اصطفیٰ قریشا من کنانة و اصطفیٰ من قریش بنی هاشم و اصطفانی من بنی هاشم رواه مسلم.

و فی روایة الترمذی: ان اللّٰه اصطفیٰ من ولد ابراهیم اسمٰعیل و اصطفیٰ من ولد اسمٰعیل بنی کنانة و فیها فی الباب المذکور عن العباس انه جاء الی النبی صلی اللّٰه علیه و سلم فکانه سمع شیئاً فقام النبی صلی اللّٰه علیه و سلم علی المنبر فقال من أنا فقالوا أنت رسول اللّٰه قال انا محمد بن عبد اللّٰه بن عبد المطلب ان اللّٰه خلق الخلق فجعلنی فی خیرهم ثم جعلهم فرقتین فجعلنی فی خیرهم فرقة ثم جعلهم قبائل فجعلنی فی خیرهم قبیلة ثم جعلهم بیوتا فجعلنی فی خیرهم بیتا فانا خیرهم نفسا و خیرهم بیتا رواه الترمذی و فیها باب المفاخرة و العصبیة عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم الکریم ابن الکریم ابن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراهیم رواه البخاری. و عن ابی هریرة عن النبی صلی اللّٰه علیه و سلم لینتهین اقوام یفتخرون بآبائهم الذین ماتوا انما هم فحم من جهنم او لیکونن اهون علی اللّٰه من الجعل الذی یدهده الخراء بانفه ان اللّٰه قد اذهب عنکم عصبیة الجاهلیة و فخرها بالأباء انما هو مؤمن تقی او فاجر شقی الناس کلهم بنو اٰدم و اٰدم من تراب رواه الترمذی و ابو داؤد . و فیها باب مناقب قریش و ذکر القبائل عن ابی هریرة ان النبی صلی اللّٰه علیه و سلم قال الناس تبع لقریش فی هذا الشان

مسلمهم تبع لمسلمهم و كافرهم تبع لكافرهم متفق عليه. و فيها في الباب المذكور عن سلمان ق'، قال لی رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه و سلم لا تبغضنی فتفارق دينک قلت يا رسول اللّٰه كيف ابغضک و بک هدانا اللّٰه قال تبغض العرب فتبغضنی رواه الترمذی و قال هذا حديث حسن غريب. و فيها باب العطايا عن ابی هريرة ان اعرابيا اهدى لرسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه و سلم بكرة فعوضه منها ست بكرات فتسخط فبلغ ذالک النبی صلی اللّٰه عليه و سلم فحمد اللّٰه و اثنى عليه ثم قال ان فلانا اهدى الی ناقة فعوضته منها ست بكرات فظل ساخطا لقد هممت ان لا اقبل هدية الا من قرشی او انصاری او ثقفی او دوسی. رواه الترمذی و ابوداؤد و النسائی۔

ان احادیث سے یہ امور مستفاد ہوئے:

۱:...... اگر شرف نسب کوئی چیز نہ ہوتا، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فضائل میں اس کو بیان کیوں فرماتے، اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے شرف نسب کو موقع فضیلت میں کیوں بیان فرماتے، اسی طرح قریش اور عرب کے فضائل کیوں بیان فرماتے۔

۲:...... البتہ اس پر فخر کرنا مسلمانوں کے مقابلہ میں یہ حرام ہے۔

۳:...... اللہ تعالیٰ نے خاص اقوام وقبائل کے کچھ خواص بھی رکھے ہیں، گو باعتبار اکثر کے سہی۔

الفائدة الثالثة

في جمع الفوائد: ذكر الاولياء و الشهود و الاستيذان و الكفاء ة

(معاذ) رفعه العرب بعضها اكفاء لبعض و الموالى بعضهم اكفاء لبعض للبزاز وفيه سليمان بن ابى الجون (عائشة) رفعته تخيروا لنطفكم و انكحوا الاكفاء و انكحوا اليهم للقزوينى بضعف قلت و لايضر اللين بعد تقويته بعمل الامة و فيه ذكر الكسب و المعاش (ابن محيصه) انه استاذن النبى صلى اللّٰه عليه و سلم فى اجرة الحجام فنهاه و كان له مولى حجاما فلم يزل يسأله و يستأذنه حتى قال له آخرا علفه بنا ضحك و اطعمه رقيقك لابى داؤد و الترمذى و الموطأ بلفظه و فى الباب احاديث كثيرة۔

ان حدیثوں سے کفاءت فی الجماعات والصناعات ثابت ہے، اور اجرت حجام کے منع کو حرمت صرفہ پر محمول نہیں کیا جا سکتا، ورنہ غلام کو کھلانا بھی جائز نہ ہوتا، اور حدیثوں میں خود آپ کا حجام کو اجرت دینا مروی ہے، پس سبب اس منع کا محض دنائت وتلوث بالنجاسات ہے، تو دوسرے شریف پیشوں سے اس کا برابر نہ ہونا صاف ثابت ہوا، اور نکاح کے باب میں ایک حدیث سے کفاءت کے غیر معتبر ہونے کا شبہ ہوسکتا ہے، شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس شبہ کو اس طرح دفع (۱) فرمادیا:

فى ذكر الخطبة قال صلى اللّٰه عليه وسلم اذا خطب اليكم من ترضون دينه و خلقه فزوجوه ان لاتفعلو تكن فتنة فى الارض و فساد

(۱) حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس عبارت میں کفاءت کے اعتبار کرنے کی ضرورت کو جن لفظوں سے تعبیر فرمایا ہے وہ اس کے ترجمہ سے معلوم ہوسکتی ہے فرماتے ہیں، میں کہتا ہوں کہ اس حدیث سے کفاءت کے غیر معتبر ہونے کا کوئی اشارہ نہیں ہوسکتا اور کیونکر ہوسکتا ہے جبکہ فطرت انسانیہ اس کے اعتبار کرنے پر مجبور ہے اور اس کے خلاف کرنا قتل کے برابر ہے۔ سب لوگ اپنے اپنے مرتبہ پر ہوں اور شریعت ایسی ضروری چیزوں کو نظر انداز نہیں کرسکتی۔ اور اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں عورتوں کو منع کروں گا کہ وہ اپنے کفو کے سوا کسی سے نکاح نہ کریں الخ۔۱۲ منہ

عـریـض (اقول) لیس فی هذا الحدیث ان الکفاءة غیر معتبرة کیف و هی مـمـا جبـل عـلیـه طـوائف الـنـاس و کاد یکون القدح فیها اشد من القتل و الـنـاس عـلـی مراتبهم و الشرائع لا تهمل مثل ذالک و لذالک قال عمر رضـی الـلّـه عـنه لامنعن النساء الامن اکفاء هن و لکنه اراد ان لا یتبع احد مـحـقـرات الامور نحو قلة المال و رثاثة الحال و دمامة الجمال او یکون ابن ام ولد و نحو ذالک من الاسباب بعد ان یرضی دینه و خلقه فان اعظم مـقـاصـد تـدبیـر الـمـنـزل الاصطحاب فی خلق حسن و ان یکون ذالک الاصطحاب سببا لصلاح الدین۔

الفائدة الرابعة

جس مساوات کا دعویٰ کیا جاتا ہے، اس کا ہادم خود حضرات انبیاء علیہم السلام کا تفاضل منصوص آیت تـلـک الـرسـل فـضـلـنـا بعضهم علی بعض اور آیت و لقد فضلنا بعض النبیین علی بعض۔ اور تفاضل امم منصوص آیت و رفعنا بعضکم فوق بـعـض درجـات لیبـلـو کـم فیـمـا اتکم اور تفاضل اصناف منصوص آیت الـرجـال قـوامون علی النساء بما فضل اللّٰه بعضهم علی بعض کافی ہے، اور جو مساوات نقلاً وعقلاً ثابت ہے، اس کی حقیقت مجملہ یہ ہے کہ ایسی ترجیح کہ جس سے عدل وحقوق واجبہ فوت ہوتے ہوں جائز نہیں، اور حقیقت مفصلہ وہ ہے جو اصل رسالہ میں خوب شرح وبسط سے لکھ دی گئی ہے، اور یہی معنی ہیں نصوص نافیہ تفاضل کے۔

الفائدة الخامسة

جو لوگ بلا دلیل اپنے کو معزز قوموں میں داخل کر رہے ہیں، وہ ان نصوص کی مخالفت کر رہے ہیں، قال اللہ تعالیٰ: و لا تـقـف مـا لیـس لـک بـه علم۔ وقال تعالیٰ:

فاولٰئک عند اللّٰہ ھم الکاذبون ۔اور حدیثیں اصل رسالہ میں مذکور ہیں ،اگر ان حدیثوں پر کسی کو یہ شبہ ہو کہ ہم اپنے کو اپنے غیر آباء کی طرف منسوب نہیں کرتے ، بلکہ آباء کی طرف منسوب کر کے ان آباء کو اس قوم میں سے بتلاتے ہیں ،تو ہم اس وعید میں داخل نہیں ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تم جو اپنے آباء کو اس قوم میں سے بتلاتے ہو ،تو ان کو ان کے غیر آباء کی طرف منسوب کرتے ہو ، کیونکہ اس قوم میں سے تو وہ جب ہو سکتے ہیں کہ جب وہ اس قوم کے جدا کبر کی طرف منسوب ہوں ،اور واقع میں وہ جدا کبر ان کا جد ہے نہیں تو اس کی طرف منسوب کرنا ان کے غیر آباء کی طرف منسوب کرنا ہوا ،تو اپنے بزرگوں کو گالی دینا اپنے کو گالی دینے سے زیادہ شنیع ہوا ،اور یہ تو اس وقت ہے ، جب صرف دلیل ہی منفی ہو ،اور اگر نفی کی دلیل بھی ہو ، تب تو نسبت کرنا محظور کو اور قوی کر دیتا ہے ، میرے ایک عالم دوست نے مدعیان انصاریت کے باب میں ایک عجیب لطیفہ کہا کہ یہ قوم عدد میں بہت کثیر ہے ، چنانچہ فائدہ ثامنہ میں جو خط اس قوم کی طرف سے منقول ہے ،اس میں ایک جگہ چار کروڑ اور ایک جگہ پونے چار کروڑ لکھا ہے ۔اور انصار کی نسبت حدیث میں ہے ،امابعد !فان الناس یکثرون و یقل الانصار حتی یکونوا فی الناس بمنزلۃ الملح فی الطعام الخ رواہ البخاری کذافی المشکوٰۃ باب جامع المناقب ۔اور اس حدیث کی کوئی تاویل کر لی جائے ، تب بھی دعویٰ پر دلیل کا مطالبہ تو باقی ہے ، بعض لوگ اس وعید سے بچنے کے لئے یہ تاویل کرتے ہیں ، کہ ہم بہ اعتبار نسب کے نسبت نہیں کرتے ، بلکہ کسب اور حرفت کے اعتبار سے نسبت کرتے ہیں ،اس کا جواب یہ ہے کہ ہر جگہ یہ تفسیر نہیں کی جاتی ،اور بدون تفسیر کے جو معنی اس کے متبادر ہوتے ہیں ،اس میں دوسری وعید ہے ، یعنی تلبیس وخداع اور اس کے ساتھ بعض احکام کی تخلیط موجب نزاع جیسے کفاءت ووصیت ومیراث ویمین وغیرہ ۔

الفائدۃ السادسۃ

بعض لوگ مشہور شریفوں پر اعتراض کرتے ہیں ، کہ تمھارے ہی نسب پر کون

سی دلیل قائم ہے، جواب یہ ہے کہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ثبوت نسب میں تسامع و تواتر کافی ہے، سو یہ حاصل ہے اور جدید دعویدار اس دلیل سے بھی محروم ہیں۔

الفائدة السابعة

بعض لوگ اس تفاوت انساب میں کچھ عقلی محظورات لازم کرتے ہیں، مگر اوپر دلائل صحیحہ سے تفاوت کا معتبر ہونا ثابت ہو چکا ہے، وہ ان شبہات کے اجمالی رد کے لئے کافی ہے، اور کسی قدر تفصیلی رد کے لئے ایک مضمون نقل کرتا ہوں، جو ایک ایسے ہی شبہ کے جواب میں ص:۱۷۰، ج:۲، ۱۳۵۱ھ کو لکھا گیا ہے۔ (از امداد الفتاویٰ)

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین مسائل ذیل میں:

۱:......قرآن شریف میں کہیں ایسا بھی حکم ہے کہ عجم کے نومسلموں سے آبائی مسلمان زیادہ شریف ہیں، اور اگر ہے تو کون سے پارہ میں اور کون سے رکوع میں ہے، یا صحاح ستہ کی کتابوں میں سے اس مضمون کی حدیث بھی ہے کہ عجم کے نومسلم سے آبائی مسلمان زیادہ شریف ہیں، اور اگر ہے تو کونسی کتاب اور کون سے صفحہ میں یہ حکم ہے۔

۲:......آبائی مسلمان شریف ہیں ان نومسلموں سے جو خود مسلمان ہوا ہو، یا اس کا باپ مسلمان ہوا ہو، یہ قول معصوم کا ہے، یا علماء کا، کیونکہ یہ قول کافر مشرکوں کو ایمان لانے سے روک رہا ہے، یہ قول قابل عمل کرنے کے ہے یا نہیں؟

۳:......عجم کے آبائی مسلمانوں کے مقابلہ میں عرب شریف کے نومسلم زیادہ شریف ہیں؟

الجواب: ان سوالات کے ضمن میں سائل نے چند دعوے بھی کئے ہیں، ان میں سے بعض بطور نمونہ کے مع مناشی کے ذکر کئے جاتے ہیں، قولہ: قرآن شریف میں کہیں ایسا بھی حکم ہے۔ الخ

وقولہ: صحاح ستہ میں اس مضمون کی حدیث بھی ہے الخ۔ اس میں دعویٰ ہے کہ صرف قرآن و حدیث خصوص صحاح ستہ کی حدیث حجت ہے، کتب ستہ کے علاوہ دوسری احادیث اور اجماع وقیاس حجت نہیں۔

قولہ: یہ قول معصوم کا ہے یا علماء کا ہے الخ۔ ظاہراً معصوم سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، تب تو اس میں بھی وہی دعویٰ ہے، جو اوپر گزرا، لیکن اگر معصوم میں اہل اجماع کو بھی داخل کیا ہے، اس بناء پر کہ ان میں گو ہر ہر واحد معصوم نہیں، لیکن مجموعہ معصوم ہے۔ بحدیث ان اللّٰہ لایجمع امتی علی الضلالۃ ۔تو قیاس کی حجیت کی نفی کا دعویٰ اب بھی باقی ہے۔

قولہ: کیونکہ یہ قول کافر مشرکوں کو ایمان لانے سے روک رہا ہے الخ۔ اگر یہ محذور دونوں تقدیروں پر لازم کیا ہے، خواہ وہ قول معصوم کا ہو یا علماء کا، تب تو بڑا شنیع دعویٰ ہے، کہ معصوم کے قول کا محض ایک رائے سے رد ہے، خصوص اگر معصوم سے مراد پیغمبر ہوں، تو اس کی شناعت کی کوئی حد نہیں کہ نص کا انکار ہے، اور اگر صرف علماء ہی کے قول پر یہ محذور لازم کیا ہے تو اول تو نفس مسئلہ تفاضل بالاسلام و بالعربیۃ میں کسی متبوع کا خلاف منقول نہیں، گو بعض جزئیات میں اختلاف ہو، تو مسئلہ اجماعی ہوا، تو اجماع کا رد ہے، اور اگر اجماعی بھی نہ ہوتا، تب بھی اس میں علماء کے عدد کثیر کی تحمیق و تجہیل ہے کہ انہوں نے اتنی بڑی مضرت کا احساس نہیں کیا، اور یہ سب لوازم دعاوی ہیں، علاوہ اس کے اس میں جو مانعیت کا دعویٰ کیا گیا ہے، کہ یہ قول کافر مشرکوں کو ایمان لانے سے روک رہا ہے الخ۔ سو یہ مانعیت کل کفار کے اعتبار سے ہے یا بعض کے اعتبار سے، شق اول تو مشاہدۃً باطل ہے، کیونکہ باوجود اس مسئلہ کے مشہور ہونے کے ہر زمانہ میں ہزاروں کفار برابر اسلام قبول کرتے رہے ہیں، اور جن کو بعد میں معلوم ہوتا ہے، وہ بھی سب مرتد نہیں ہوتے، اور شق ثانی پر اس مسئلہ کی

کیا تخصیص ہے، بعض کفار کے لئے تو دوسرے ایسے مسائل بھی مانع عن الاسلام ہو رہے ہیں، جو قطعی الثبوت قطعی الدلالۃ نصوص سے ثابت ہیں، مثلاً جہاد و استرقاق و تعدد نکاح و مشروعیۃ طلاق و ذبح حیوانات وغیرہا من الاحکام التی لاتتناہی۔

تو کیا سائل صاحب ان سب مسائل کے ابطال کا التزام کر سکتے ہیں، بلکہ خود اس مسئلہ کا مقابل مسئلہ مساوات مطلقہ بعض کفار کے لئے مانع عن الاسلام ہوسکتا ہے، مثلاً اگر کسی ہندو رئیس معزز راجپوت کو یہ معلوم ہو جاوے، کہ میں مسلمان ہو کر شرافت میں ایک نومسلم بھنگی یا چمار کے برابر سمجھا جاؤں گا، اور اگر وہ میری لڑکی کے لئے پیام دے، تو خاندانی تفاضل یعنی عدم کفاءت کا عذر کرنا میرے لئے موجب معصیت و موجب عقوبت آخرت ہوگا، تو کیا یہ ممکن نہیں کہ یہ معلوم کر کے وہ اسلام سے رک جائے، تو یہ محذور دونوں جانب برابر رہا، پھر اس مانعیت کے کیا معنی؟ بہر حال یہ سوالات اس عنوان سے اتنے دعووں کو مستلزم ہیں، اگر اب بھی اس عنوان کو باقی رکھا جاتا ہے، تو ان دعووں کو ثابت کیا جائے، ورنہ عنوان بدلا جاوے جس میں کسی غیر مسلم مقدمہ کا دعویٰ نہ ہو۔ فقط۔

الفائدة الثامنة

بعض قوموں کے بعض خواص بطور امثال کے مشہور ہو گئے ہیں، وہ خاص مواقع پر زبان یا قلم پر آجاتے ہیں، بعض خطوط اس کی شکایت کے بھی آئے، اس لئے اس کے متعلق بھی مختصراً عرض کرتا ہوں، فی المشکوٰۃ باب مناقب قریش و ذکر القبائل عن عمران بن حصین قال مات النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم و ھو یکرہ ثلاثۃ احیاء ثقیف و بنی امیۃ الخ رواہ الترمذی و قال ھذا حدیث غریب۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ اگر کسی قوم کے خاصہ غالبہ کی وجہ سے کوئی مذمت یا نقص تک بھی زبان پر آجائے، جیسا صحابہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کے ارشادات سے ہی معلوم ہوا تھا، تو بھی کچھ حرج نہیں، اور اسی لئے فقہاء وعلماء نے تصریح فرمادی ہے، کہ قوم کی تنقیص جبکہ نہ معین شخص نہ کل قوم مراد ہو غیبت نہیں ہے۔

فی احیاء العلوم بیان ان الغیبة لا تقتصر علی اللسان و اما قوله قال قوم کذا فلیس ذالک غیبة انما الغیبة التعوض لشخص معین اما حی و اما میت و من الغیبة ان تقول بعض من مر بنا الیوم او بعض من رأیناه اذا کان المخاطب یفهم منه شخصاً معینا لان المحذور تفهیمة دون ما به التفهیم فاما اذا لم یفهم عینه جاز الخ فی الدر المختار و لو اغتاب اهل قریة فلیس بغیبة لانه لا یرید به کلهم بل بعضهم و هو مجهول خانیة فتباح غیبة مجهول فی رد المحتار قوله فلیس بغیبة قال فی المختار و لاغیبة الا لمعلومین قوله لانه لا یرید به کلهم مفهومه انه لو اراد ذالک کان غیبة تامل کتاب الحظر و الاباحة اه.

الفائدة التاسعة

بعض انساب بعض احکام کی شرط ہیں، نص سے بھی اجماع سے بھی بعض اہل الرائے کا خلاف ان میں باطل ہے، جیسے حدیث میں ہے، الائمۃ من قریش اور تمام صحابہ کا اس پر اجماع ہے، اس میں بعض کا بعض سیاسی اغراض سے توسع کرنا مقابلہ ہے نص کا، اور وہ مصلحت بھی اس پر موقوف نہیں، کیونکہ شریعت میں جس طرح امام واجب الاطاعت ہے، اسی طرح سلطان الاسلام بھی گو امام نہ ہو، جیسا کہ احادیث اس سے بھی پر ہیں، ایک تحریف بعض نے ان احادیث میں کی ہے کہ وجوب اطاعت کے لئے اسلام کو بھی شرط نہیں ٹھہرایا یہ بھی محض تحریف ہے، البتہ حاکم غیر مسلم کی اطاعت کے دوسرے مستقل قواعد واحکام ہیں اس کا ان احادیث سے مس نہیں۔

ف: اس اشتراط میں بھی ابطال ہے مساوات مخترعہ کا۔

الفائدة العاشرة

اسی طرح بعض انساب بعض احکام سے مانع ہیں جیسے ہاشمیت مانع ہے، اباحۃ اخذ زکوٰۃ سے اور ظاہر مذہب یہی ہے کما فی الدر المختار ثم ظاهر المذهب اطلاق المنع اور اباحت کا قول گو بعض فقہاء نے لیا ہے، مگر رسم المفتی کی بناء پر وہ مرجوح ہے، نہ کوئی نص اس کا ماخذ ہے، نہ مجتہد کا قول اور جو نص اس باب میں ذکر کی جاتی ہے: و هو ما اسند الطبراني عن ابن عباس قال بعث نوفل بن الحارث ابنيه الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال لهما انطلقا الى عمكما لعله يستعين بكما على الصدقات فاتياه و اخبراه بحاجتهما فقال لا يحل لاهل البيت من ا صدقات شئ ان لكم فى خمس الخمس ما يغنيكم و يكفيكم (حاشیہ ہدایہ عن فتح القدیر) اور استدلال کی یہ تقریر کی جاتی ہے، لان عوضها و هو خمس الخمس لم يصل اليهم لاهمال الناس امر الغنائم و ايصالها الى مستحقيها و اذا لم يصل اليهم العوض عادوا الى المعوض كذا فى البحر (شامی) پس یہ استدلال اس لئے مخدوش ہے کہ جن ائمہ کے نزدیک خمس الخمس باقی ہے، ان کے مذہب پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ علتِ حرمتِ زکوٰۃ مشروعیۃ ہے خمس الخمس کی، جو کہ اب بھی باقی ہے، پس حرمت بھی باقی ہے، نہ کہ وصول خمس الخمس کا جو تھاون ناس کے سبب متروک ہو گیا، پس عدم وصول سے علت کا ارتفاع نہیں ہوا، اور جن ائمہ کے نزدیک خمس الخمس نہیں رہا، جیسا حنفیہ کا مذہب ہے ان کے مذہب پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ حرمت کی حکمت ہے، اور حکمت کے ارتفاع سے حکم مرتفع نہیں ہوتا، جیسا اراء قوت رمل کی حکمت تھی، اور اس کے ارتفاع کے بعد بھی رمل باقی ہے، اور علت حرمت کی زکوٰۃ کا اوساخ اموال الناس ہونا ہے، جیسا کہ

نصوص میں مصرح ہے، جس کے یہ الفاظ ہیں، ثم قال ان هذه الصدقة لاتنبغي لآل محمد انما هو اوساخ الناس (جمع الفوائد لمسلم وابی داؤد والنسائی) اور یہ اب بھی باقی ہے، پس حکم بھی باقی ہے، اور اگر کوئی حکمت کو علت ہی کہنے لگے، تو اس کا منصب صرف مجتہد کو ہے، اگر یہ علت ہوتی تو خیر القرون میں اس کا تعامل تو منقول ہوتا، اور کوئی کہے کہ ابو عصمہ نے امام صاحب سے بھی نقل کیا ہے، تو مجتہد کا قول بھی پایا گیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو راوی ہی متکلم فیہ ہیں، كما نقله الشيخ عبد الحی اللکنوی فی مقدمة الهدايه قول ابن الحجر كذبوه في الحديث و قول ابن المبارک كان يضع اھ۔ دوسرے اصل قول امام صاحب کا وہی ہے جو ظاہر مذہب ہے، اور ظاہر مذہب کا چھوڑنا بدون قوت دلیل کے جائز نہیں، اور دلیل کا ضعف ظاہر ہو چکا، اس لئے اس قول پر عمل کی اجازت نہیں۔ واللہ اعلم

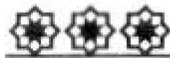
ف: الغرض ہاشمیت زکوٰۃ لینے سے مانع ہے، اور اس مانعیت میں بھی ابطال ہے مساوات مخترعہ کا۔

و هذا آخر ما اردناه فی هذا المقام

و الی اللّٰه المنتهی فی کل مرام

کتبه اشرف علی

آخر العشرة الوسطیٰ من رجب یوم الجمعة ۱۳۵۱ھ



عہد ماضی پر دو آنسو

یا عمر رفتہ کا مرثیہ ۱۳۵۱ھ

میں اس وقت کہ رسالہ ہذا کو ختم کر رہا ہوں، احقر کی عمر کی سینتیسویں منزل ہے، عمر گرانمایہ کا ایک معتد بہ اور کام کا حصہ ضائع ہوتا ہوا دیکھ کر چند اشعار بے ساختہ زبانِ قلم پر آ گئے۔

نہ شعر و سخن کا مشغلہ ہے نہ ردیف و قافیہ کی دھن، ضائع شدہ سرمایہ عمر کا مرثیہ ہے، بایں خیال درج کیا جاتا ہے، کہ شاید کسی دیکھنے والے کو عبرت ہو:

من نہ کردم شما حذر بکنید

ہفت وسی از تو وقت در غفلت	پنج باقی مگر نگہہ داری
کار کے بر نیاید از دستت	اے ز ہر علم و ہر عمل عاری
راحت از تو ہیچ کس نرسید	حیف باشد کہ مردم آزادی
جملہ عالم بخدمت مشغول	وائے بر حال تو کہ بے کاری
تا بکے شکو ہائے خواب گراں	اے کہ خواب تو بہ ز بیداری

رسالۂ غایات النسب

کے متعلق حضرت حکیم الامۃ

جناب مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی دامت برکاتہم کی توضیحات

مسمّٰی بہ

رفع الغلط لدفع الشطط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یا ایھا الذین امنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم الایۃ

بعد الحمد و الصلوٰۃ احقر اشرف علی عفی عنہ عرض رسا ہے کہ ۳ رجب المرجب ۱۳۵۳ھ کو مجھ سے میرے ایک عزیز دوست نے جو مظفرنگر میں مقیم ہیں، اور یہاں آئے ہوئے تھے، بیان کیا کہ مولوی محمد شفیع صاحب دیوبندی سلمہ اللہ تعالیٰ کے رسالہ نہایات الارب سے بعض لوگوں نے مظفرنگر میں ایسی غلط فہمی پھیلا دی کہ بعض پیشہ ورقو میں اس رنج و غم میں مبتلا ہو کر افسردہ پژمردہ ہیں کہ بس جی ہم جنت ہی میں نہ جاویں گے، جو سراسر بہتان ہے، کوئی شخص اس گھڑے ہوئے مضمون کو تمام رسالہ میں نہیں دکھلا سکتا، اور اگر بعض معاصی پر اس وعید کا مذکور ہونا محل شبہ ہو، تو وہ وعید تو معاصی پر ہوئی، کسی خاص قوم کی حیثیت سے تو نہیں ہوئی، سو ایسی وعید تو شرافت پر فخر کرنے والوں کے حق میں بھی اسی رسالہ میں مذکور ہے، جیسا عبارت ہفتم میں آتا ہے، اور روایت کے ساتھ ان دوست نے یہ بھی رائے دی کہ وہاں کسی کو بھیج کر ان کی تفہیم کر دی جائے۔ اس کے قبل بھی اسی قسم کے بہتان رسالہ مذکور کے متعلق سنے گئے تھے، مگر وہ بصورت اعتراض تھے، جس کو اس لئے قابل التفات نہیں سمجھا کہ

معترضین کا جو کہ اکثر اہل غرض ہوتے ہیں، کچھ علاج ہی نہیں۔ لیکن بے خبر مسلمان بھائیوں کے رنج سے بہت دل کڑھا، اور ترحم و شفقت ان کی تسلی کی متقاضی ہوئی، اور اس کی ایک صورت تو وہی تھی، جو عزیز مذکور نے تجویز کی، ایک صورت یہ تھی کہ وہ لوگ اپنی طرف سے کسی کو یہاں بھیج دیتے کہ وہ سمجھ کر ان کو سمجھا دیتا، میں نے عزیز مذکور کے جواب میں یہی تجویز کیا تھا، مگر پھر خیال ہوا کہ ممکن ہے کہ اور مقامات پر بھی اہل اغراض کی بدولت بعض غرباء پر ایسا ہی اثر ہوا ہو، اس صورت میں تدبیر خاص تسلی عام کے لئے کافی نہ ہوگی، اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ کوئی مختصر مضمون اس کے متعلق ضبط کر کے شائع کر دیا جاوے تا کہ وہ ضرورت کے دوسرے مقامات پر بھی پہنچ جائے، اور چونکہ اس پریشانی کا سبب بعض عبارات کے معنی بدل کر اور بعض عبارات کا اول و آخر حذف کر کے ان کا شائع کرنا ہے، اس لئے مناسب اور سہل صورت اس مقصود کی یہ سمجھ میں آئی کہ رسالہ مذکورہ کی دوسری عبارات جن سے مقصود کی حقیقت واضح ہو جاوے، جن کو اہل اغراض نے قصداً پوشیدہ رکھا ہے، بقدر ضرورت منتخب کر کے جمع کر دی جاویں، تا کہ ان پر مطلع ہو کر مجموعہ سے صحیح نتیجہ نکال سکیں، اور غلط فہمی رفع ہو کر ان کی تسلی ہو جاوے، اور یہی اس وقت مقصود ہے، باقی جن کو پریشانی پھیلانا ہی مقصود ہے، اور اسی مقصود کے لئے تحریف اور بہتان سے بھی ان کو باک نہیں، ان کا علاج بجز اس کے کچھ نہیں کہ خدا کے سپرد کیا جاوے، خواہ وہ دنیا میں ان کی آنکھیں کھول دیں، خواہ آخرت میں اور ان سطور کا نام ان کے مدلول کے مناسب رفع الغلط لدفع الشطط رکھتا ہوں۔

عبارت اول: صفحہ:۴، سطر:۱۶، قولہ: ایک جماعت نے (جن کو اللہ تعالیٰ نے شرافت عطا فرمائی تھی) اپنے انساب پر بیجا تفاخر و تکبر اور دوسروں کی تحقیر شروع کر دی، اور کمالاتِ حقیقیہ سے قطع نظر کر کے صرف اس پر مطمئن ہو کر بیٹھ گئے کہ ہم فلاں

بزرگ یا فلاں بادشاہ کی اولاد ہیں۔ف:اس عبارت میں صریحاً ان کی بھی مذمت کی ہے جو شرافت نسب پر فخر اور دوسروں کی تحقیر کرتے ہیں۔

عبارت دوم:صفحہ:۵،سطر:۲،قولہ:پہلا مرض (تفاخر بالانساب) عرب،اور عربی النسل لوگوں میں زیادہ ہوا۔

ف:اس میں بھی وہی مضمون بالا ہے۔

عبارت سوم:صفحہ:۶،سطر:۱۵،قولہ:اونچے نسب کے آدمی اپنے سے نیچے لوگوں کے ساتھ انسانیت کا برتاؤ بھی روا نہ رکھتے تھے، جرائم کی سزا بھی شخصیتوں کو دیکھ دیکھ کر جاری کی جاتی تھی، بڑے درجہ کے لوگ ساری سزاؤں سے مستثنٰی اور تعزیرات کی مشق کے لئے غرباء وضعفاء قوم کے بدن وقف تھے۔

ف:اس میں صریح مذمت عالی نسب لوگوں کی اور گہری ہمدردی غریب اور ضعیف قوموں کی ہے۔

عبارت چہارم:صفحہ:۷،سطر:۳حدیث ایھا الناس ربکم واحد لا فضل لعربی علی عجمی و لا لعجمی علی عربی و لا لاحمر علی اسود و لا لاسود علی احمر الا بالتقوىٰ۔ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقاکم۔(ترجمہ)اے لوگو! تمھارا مالک ایک ہے، کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر یا گورے کو کالے پر یا کالے کو گورے پر کوئی فضیلت سوائے فضیلت تقویٰ کے نہیں ہے۔

اور پھر اپنے ہر قول وفعل،علم وعمل سے اس کو اس طرح ثابت کر دکھایا کہ ہر ضعیف سے ضعیف اور ادنیٰ سے ادنیٰ انسان اپنی حد کے اندر بادشاہی کرنے لگا،قانون کی دفعات اور ان کی نفاذ میں ذات پات کی اونچ نیچ یا اعلیٰ ادنیٰ کا کوئی امتیاز نہ رہا:

شاہ وگدا بہمت دریادلاں یکے است　　　پوشیدہ است پست وبلند زمین درآب

ف: اس میں بمقابلہ تقویٰ کے دوسرے اسباب فضائل کی صریح نفی ہے۔

عبارت پنجم: صفحہ: ۱۵، سطر: ۴، قولہ: شرعی عزت کا دارو مدار اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف تقویٰ اور اتباع شریعت پر ہے، ذات پات کی اونچ نیچ اصناف و اقوام کا تفاوت اس جگہ کچھ اثر نہیں رکھتا، ارشاد خداوندی ہے، ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقاکم بیشک تم سب میں زیادہ عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے، جو زیادہ متقی ہو، اور اسی مضمون کے لئے عارف جامیؒ کا یہ شعر دلچسپی کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی　　کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

اور اسی مضمون کو احادیث صحیحہ میں مختلف عنوانوں کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے، جن میں سے بعض احادیث اسی رسالہ میں تفاخر بالانساب کے عنوان کے ماتحت آئیں گی، جن کا خلاصہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فضیلت کا مدار صرف تقویٰ پر ہے، اس کے بغیر کوئی کسی سے افضل نہیں، مرد اگر عورت سے افضل ہے، تو جب ہی کہ دولت تقویٰ میں اس سے کم نہ ہو، عرب کو عجم پر اگر فضیلت ہے، تو اسی شرط کے ساتھ ہے، سادات (بنی ہاشم) کو دوسرے عرب پر اور تمام عجم پر فضیلت ہے، تو وہ بھی اسی وقت کہ سادات کی روح یعنی تقویٰ ہاتھ سے نہ جائے۔

ف: اس میں نہایت شدومد سے عبارت چہارم کے مدلول کا اعلان ہے۔

عبارت ششم: صفحہ: ۲۰، سطر: ۱۲، قولہ: الغرض بعض جائز پیشوں کی مذمت جو احادیث میں وراد ہے، منشا اس کا بھی وہی تقویٰ و طہارت کی کمی ہے، اگر کوئی شخص ان پیشوں کو اختیار کرے، لیکن تقویٰ و طہارت اور اخلاق حسنہ میں کوئی کوتاہی نہ کرے، تو وہ اس مذمت کا مورد نہیں ہوسکتا۔

ف: اس میں تصریح ہے کہ جو پیشے شریعت سے جائز ہیں، اگر تقویٰ وطہارت

کے ساتھ ہوں، تو ان میں خود کوئی برائی نہیں، باقی باوجود برائی نہ ہونے کے جوان میں عرفاً تفاوت ہے، اس کا مبنی خاص مصالح ہیں، جن کا شریعت نے بھی اعتبار کیا ہے، اور حکام نے بھی اس کو مان لیا ہے، چنانچہ عالمگیری جس میں ایسے مسائل مذکور ہیں، حکومت موجودہ کے قانون میں بھی داخل اور مسلم ہے، اس سے اہانت لازم نہیں آتی۔

عبارت ہفتم: صفحہ: ۳۱، سطر: ۷، قولہ: ارشاد حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو، اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کئے گئے، ہر قوم کو چاہئے کہ اپنے آباؤ اجداد پر فخر کرنے سے باز آئے، ورنہ اللہ کے نزدیک وہ نجاست کے کیڑوں سے بھی زیادہ ذلیل ہو جاویں گے۔ (رواہ البزار فی مسندہ، روح: ۱۴۹)

ف: اس میں نسب پر فخر کرنے والوں کے لئے کیسی سخت وعید ہے۔

عبارت ہشتم: صفحہ: ۳۲، سطر: ۱، قولہ: حسب نسب پر فخر وغرور اور دوسروں کی تحقیر کے متعلق حدیث وتفسیر اور اخلاق وسیر مختلف فنون اسلامیہ کی کتابوں میں مذمتوں اور قبائح کا مفصل تذکرہ کیا گیا، اور بلاشبہ وہ شخص جو کوئی ذاتی کمال نہیں رکھتا، اور محض شرافت نسب پر فخر کرتا ہے، اس کی مثال ٹھیک ایسی ہے، جیسے کوئی شخص کسی مردہ کے حلق میں خمیرہ مروارید ڈال دے، یا کسی سڑے ہوئے مردار کی گردن میں گرانقدر جواہرات کا ہار لٹکا دے، تو اس سے نہ مردہ میں کوئی قوت پیدا ہوگی، اور نہ سڑے ہوئے مردہ میں کوئی زینت۔

ف: یہی اوپر والا مضمون کس زور وشور سے لکھا گیا ہے۔

عبارت نہم: صفحہ: ۳۹، سطر: ۱۶، قولہ: خلاصہ شرافت نسب خداوند عالم کی ایک نعمت ہے، مگر غیر اختیاری ہے، جیسے بہ نسبت عورت کے مرد ہونا یا خوبصورت اور خوش

الحان ہونا وغیرہ، جس شخص کو یہ نعمت حاصل ہو، اس کا فرض ہے کہ اس کے حقوق ادا کرے، خداوند سبحانہ وتعالیٰ کا شکر کرے، اور نسبی شرافت کے ساتھ اخلاق حسنہ اور تقویٰ حاصل کرے، معاملات درست کرے، جو اصلی فضائل ہیں، اور دوسرے لوگوں کو جن کو یہ فضیلت حاصل نہیں، ذرا حقیر نہ سمجھے، کیونکہ معلوم نہیں کہ مالک کی نظر میں کون زیادہ عزیز محبوب ہے، مشہور ہے کہ "سہاگن وہی جسے پی چاہے" ؎

تا یار کرا خواہد و میلش بکہ باشد

ف: اس میں شرف نسب کا درجہ اور اس پر فخر کی مذمت کیسی صاف صاف ہے۔

عبارت دہم (اول ایڈیشن میں (حاشیہ بر رسالہ احقر وصل السبب) قولہ: اگر خداوند عالم نے (ہمارے مجوزہ دستور العمل کے موافق) اس (جماعت) کی کوشش کو بارآور کیا، تو پھر وہ آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ علماء وفضلاء اور کل انسانوں کے سمجھدار طبقے ان کو اپنے سروں پر جگہ دینے اور معزز القاب کے ساتھ خطاب کرنے کے لئے کس طرح تیار ہوں گے، اور آج بھی اس قوم کے ہزاروں افراد جو صحیح تعلیم اور اسلامی اخلاق کے زیور سے آراستہ ہیں، کوئی شریف انسان اور مہذب مسلمان ان کو ایسے الفاظ سے خطاب نہیں کرتا، جس سے ان کی ادنیٰ توہین ہو، چنانچہ خود حضرت مؤلف التبلیغ (اشرف علی) نے اسی قوم میں سے بعض علماء کو یہ عزت دی ہے کہ ان کو خلافت طریقت یعنی بیعت وتلقین کی اجازت دی، اور طالبان حق کو ان سے طریق اصلاح اخذ کرنے کے لئے رہبری کرتے ہیں۔ (چنانچہ اس وقت ان میں سے دو بزرگ ذہن میں ہیں، ایک مئو ضلع اعظم گڑھ میں دوسرے مئوائمہ ضلع الہ آباد میں ۱۲، اشرف علی) اگر اہانت مقصود ہوتی، تو اس اعزاز کے کیا معنی، بلکہ متقدمین و متاخرین مصنفین میں جس کسی کے کلام میں اس قسم کے اقوال وقصص نقل کئے ہیں، اول تو درحقیقت ان میں کسی کی توہین نہیں، بلکہ صرف اس پر تنبیہ ہے کہ بعض پیشوں

کی خصوصیات ایسی ہوتی ہیں، کہ ان میں پڑ کر اکثر آدمی تعلیم اسلامی اور اخلاق اسلامیہ سے محروم ہو جاتے ہیں، اور غرض اس کی بھی یہ نہیں کہ لوگ اس پیشہ کو چھوڑ دیں، بلکہ یہ ہے کہ اس پیشہ میں مشغول ہونے والے اس کا زیادہ دھیان رکھیں کہ کہیں وہ بھی اسی ضرب المثل کے مصداق نہ بن جائیں، جو اس پیشہ والوں کی نسبت مشہور ہو چکی ہے، بلکہ اپنے اعمال واخلاق کے ذریعہ دنیا پر واضح کر دیں، کہ اسلامی تعلیم وہ کیمیا ہے کہ جس پر عمل کرنے کے ساتھ کوئی پیشہ والا ذلیل نہیں رہ سکتا۔

ف: اس میں پیشہ والوں کو نصیحت وخیر خواہی کے ساتھ ان کی کس قدر ہمدردی وحمایت کی گئی ہے۔

خاتمہ

اس وقت نمونہ کے طور پر بہت قلیل اور مختصر عبارتیں لکھ دی گئی ہیں، جو عالم نہ ہوں، وہ ان عبارات میں غور کر کے اپنے رنج وغم دور کریں، اور آیت پیشانی تحریر ہذا کے مقتضاء کی موافق ہمیشہ روایات کے متعلق احتیاط سے کام لیں، بے احتیاطی سے طرح طرح کے گناہوں اور غموں میں ابتلاء ہو جاتا ہے۔

والسلام

اشرف علی از تھانہ بھون،

۶ رجب ۱۳۵۳ھ

نوٹ: خود قوم مؤمن کے بعض اہل علم نے بھی اس رسالہ کے حق وصحیح ہونے اور کسی قوم کی دل آزاری پر مشتمل نہ ہونے کے متعلق مضامین لکھے ہیں جو انشاء اللہ عنقریب بشکل رسالہ شائع ہوں گے۔ ۱۲، مدیر۔

۵۹

اقامة العرف مقام الثبوت
فی سقوط بعض الحق بالسکوت

سکوت کی صورت میں حق مہر وغیرہ
محض عرف کی بنیاد پر ساقط ہونے کی تحقیق

تاریخ تالیف ________

مقامِ تالیف ________ ماخوذ از امداد المفتین

جہیز اور مہر کے بعض مسائل سے متعلق یہ رسالہ اب تک امداد المفتین کا حصہ رہا ہے اب اسے جواہر الفقہ جدید میں بھی شامل کیا گیا ہے

اقامة العرف مقام الثبوت
فی سقوط بعض الحق بالسکوت

(یعنی سکوت کی صورت میں حق مہر وغیرہ محض عرف کی بنیاد پر ساقط ہونے کی تحقیق)

ہمارے اضلاع میں اس وقت سے پچاس برس پہلے مہر لینے کو عیب سمجھتے تھے، نہ عورت مانگتی تھی نہ اس کے ورثہ اور اس وقت کا عرف دونوں امر کو محتمل تھا معافی کو بھی اور عدم اخذ کی ایسی غالب عادت کو بھی کہ عفو کی حاجت ہی نہ سمجھی جاتی ہو، اب اگر مدیون مہر کا ترکہ اس کے ورثہ میں تقسیم ہو گیا ہو تو کیا اس زمانہ کے مہر کا عورت کے ورثہ کو دینا ورثہ مدیون کے ذمہ واجب ہوگا اور اگر کوئی خود نہ دے تو کیا عورت کے ورثہ کو مطالبہ کا حق ہے۔ دلائل شرعیہ کے ساتھ بیان فرمایا جائے۔

الجواب: کوئی صریح جزئیہ باوجود تلاش کے اس بارے میں نفیاً واثباتاً نہیں ملا، لامحالہ قواعد کلیہ کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہوئی، اور قواعد پر نظر کرنے سے اس مسئلہ میں چند قواعد باہم متعارض نظر آئے اس لیے ترجیح میں غور کرنے کی ضرورت ہے۔

(۱) اشباہ ونظائر میں بضمن قواعدہ ثالثہ میں یہ قرار دیا ہے (الیقین لا یزول بالشک) اور اس کو مدلل ومفصل بیان فرمایا ہے او جو امور اس قاعدہ سے مستثنی کئے ان میں مسئلہ زیر بحث کو نہیں لکھا۔

(۲) اور بارہواں قاعدہ انہیں قواعد میں یہ لکھا ہے۔ لا ینسب الی ساکت قول. مصری: ج/ ۱ ص ۱۸۴.

وقال فیہ فلو رای اجنبیا یبیع مالہ سکت ولم ینھہ لم یکن وکیلا

بسکوته ولو رای القاضی الصبی والمعتوه او عبدهما يبيع ويشتری فسکت لا يکون اذنا فی التجارة (الی آخر زمان من نظائره)

(۳) وفی القضاء من الاشباه ان الحق لا يسقط بتقاوم الزمان وفی تکملة رد المحتار للشامی ج ا ص ۴۵۳، ان من القضاء الباطل القضاء بسقوط الحق بمضی سنين لکن ما فی المبسوط لا يخالفه فانه ليس فيه قضاء بالسقوط وانما فيه عدم سماعها انتهی وفيه ايضا ان عدم سماع الدعوی بعد مضی ثلاثين سنة او بعد الاطلاع علی التصرف ليس مبنيا علی بطلان الحق فی ذلک وانما هو مجرد منع للقضاة عن سماع الدعوی مع بقاء الحق لصاحبه حتی لو اقربه الخصم يلزمه ولو کان ذلک حکما ببطلانه لم يلزمه الی قوله ثم رأيت التصريح بما نقلناه فی البحر (تکملة رد المحتار ج ا / ص ۴۵۴.

(۴) وقال فی الاشباه بضمن القاعدة الثالثة ومنها لو ثبت عليه دين باقرار او بينة فادعی الاداء او الابراء فالقول للدائن لان الاصل العدم. ص ۹۴ ج ا .

اب مسئلہ زیر بحث میں دین مہر کا بذمہ شوہر عائد ہونا یقینی ہے اور ادا کرنا یا معاف کرنا بظاہر مشکوک اس لیے بقاعدہ (۱) دین مہر ذمہ سے ساقط نہیں ہوا اور جب تک کوئی

یہ سوال سیدی وسندی حضرت حکیم الامت تھانوی دامت برکاتہم کا ہے جو آپ کو خود اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد ان کی ازواج کے مہر ادا کرنے کے متعلق پیدا ہوا تھا، اور حضرت ممدوح کی عادت ہے کہ اپنے معاملہ میں خود اپنے فتوی اور رائے پر عمل نہیں کرتے بلکہ دوسروں سے استفتاء کرتے ہیں، احقر کے اس جواب کے بعد حضرت نے یہ فیصلہ فرمایا کہ خود تو احتیاط اور تقوی اختیار کیا اور والد مرحوم کی چاروں ازواج کے ورثہ کو دور دور تک تلاش کر کے سب کے حقوق از روئے فرائض متعین فرمائے اور سب کو پہنچائے اور دوسرے بھائیوں سے فرمادیا کہ آپ دوسری جانب پر بھی عمل کر سکتے ہیں کیونکہ فتوی میں گنجائش ہے۔ بندہ محمد شفیع عفاعنہ

شہادت معاف کرنے کی نہ ملے شوہر کی طرف معافی کو بوجہ قاعدہ نمبر (۲) و (۴) منسوب نہیں کیا جا سکتا اور عورت کا اپنی زندگی میں اور اس کے بعد عورت کے ورثہ کا مطالبہ نہ کرنا اور تقسیم ترکہ کے وقت مزاحمت نہ کرنا اگر چہ بلا عذر بھی ہو اس کے حق کو دیانۃً ساقط نہیں کرتا۔ کما صرح بہ فی کتاب القسمۃ من العالمگیریہ۔ اگر چہ قضاءً اس کا دعویٰ نہ سنا جائے گا، خواہ اس پر کتنی ہی مدت گذر جائے جیسا کہ قاعدہ (۳) سے مفصلاً معلوم ہوا قواعد مذکورہ سے یہ معلوم ہوا کہ صورت مذکورہ میں دین مہر ثابت فی الذمہ مانا جائے گا۔ ساقط اور معاف سمجھنے کی ضرورت نہیں اور جب دین مہر بذمہ متوفی ثابت ہوا تو وفات کے وقت اس کا تعلق ترکہ متوفی سے ہو گیا اب اگر دین مستغرق ہے یعنی عورت کے مہر سے کم یا برابر ہے تو متوفی کے وارثوں کی ملک میں اس وقت تک منتقل ہی نہ ہوگا جب تک کہ وارث دین مہر کو اپنے مال سے ادا نہ کریں اور ان کے تصرفات اگر وہ اس ترکہ میں کریں شرعاً نافذ نہ ہوں گے اور اگر دین مستغرق نہیں بلکہ دین مہر ادا کرنے کے بعد کچھ ترکہ بچتا ہے تو ترکہ قبل ادائے دین وارثوں کی ملک میں منتقل ہو جائے گا بشرطیکہ وہ ادائے دین کے ضامن بنیں بہر دو صورت دین مہر کی ذمہ داری صورت مسئولہ میں وارثوں کے ذمہ عائد ہوگی۔

وذلک لما فی الاشباہ من القول فی الملک قدمنا انہ یعنی الدین لا یمنع ملک الوارث للترکۃ ان لم یکن مستغرقا ویمنعہ ان کان مستغرقا (اشباہ۔ مصری ج ۲/ص ۲۵) وقال قبل ذلک ولا ینفذ بیع الوارث الترکۃ المستغرقۃ بالدین وانما یبیعہ القاضی قال حموی فی حاشیتہ یعنی ان بیعہ موقوف علی رضی الغرماء ثم فی الاشباہ اعلم ان ملک الوارث بطریق الخلافۃ عن المیت فھو قائم مقامہ کانہ حتی فیرد المبیع بعیب ویرد علیہ (الی قولہ ویصح اثبات دین المیت علیہ (اشباہ

القول فی الملک: ج ۲/ص ۲۵)

قواعد مذکورہ اور تقریر مذکور کا حاصل تو یہ ہوا کہ صورت مسئولہ میں دین مہر بذمہ ورثہ باقی ہے اور ورثہ مدیون کے ذمہ اس کا ادا کرنا ورثہ عورت کی طرف دیانۃ واجب ہے لیکن وہ ادا کرے یا اقرار نہ کرے تو قضاء ورثہ کو دعوی کا حق باقی نہیں رہا کیونکہ اول تو بوقت قسمۃ ترکہ ان کا مزاحمت ومطالبہ (باوجود علم کے) نہ کرنا اور ثانیاً مدت مدیدہ پندرہ سال یا زائد کا گذرنا دونوں سماع دعوی کے حق کو ساقط کرنے والے ہیں۔

لیکن

اس کے مقابلے میں بعض دوسرے قواعد فقہیہ سے اس کے خلاف ثابت ہوتا ہے وھی ہٰذا۔

(۱) قال فی الاشباہ بضمن القاعدۃ الثالثۃ الاصل برأۃ الذمۃ ولذا لم یقبل فی شغلھا شاھد واحد (الی قولہ) الا ان تشغل الذمۃ بالاصل فلا یبرئ الا بیقین (الی قولہ) والمراد بہ غالب الظن ثم قال فی تفریعات ھذہ القاعدۃ وھھنا فروع لم ارھا الان. الاول لو کان علیہ دین وشک فی قدرہ ینبغی لزوم اخراج القدر المتیقن وقال الحموی فی حاشیتہ قولہ ینبغی قیل الظاھر انہ لیس علی سبیل الوجوب وانما ھو تورع لان الاصل برائۃ لذمۃ وفی البزازیۃ من القضاء اذا شک فیما یدعی علیہ ینبغی ان یرضی الخصم ولا یحلف احترازا عن الوقوع فی الحرام وان ابی خصمہ الا حلفہ ان کان اکبر رایہ ان المدعی محق لا یحلف وان کان اکبر رایہ انہ مبطل ساغ لہ الحلف انتھی،

اشباه مصری قاعدة ثالثة ص ٢ ٩ ج ١ .

(٢) وفی القاعدة السادسة من الاشباه واعلم اناعتبار العادة والعرف ترجع اليه فی الفقه فی مسائل كثيرة حتی جعلوا ذلک اصلا فقالوا فی الاصول فی باب ما تترک به الحقيقة تترک الحقيقة بدلالة الاستعمال والعادة كذا ذكر فخر الاسلام (اشباه مصری ج ١/ ١٢٧ ، ثم قال فی الظهيرية المعروف عرفا كالمشروط شرطا ثم عد فی تفريعات هذه القاعدة تناول الثمار الساقطة قال الحموی بعد تفصيله والبحث عليه. قال بعضهم لا بأس به اذا لم يعلم النهی صريحا او دلالة عليه الاعتماد (الی قوله) فان كانت من الثمار التی تبقی لا يسعه الاخذ الا ان يعلم الاذن وان كانت من الثمار التی لا تبقی اتفقوا علی انه يسعه ان يأخذ ما لم يعلم النهی.

(٣) وفی هبة الشامی ولو وهب الدين من الغريم لم يفتقر الی القبول ثم ذكر فيه خلاف الكافی والتحقة وغير ها ثم قال ولعل الحق الاول فان فی التاويلات التصريح بانه غير لازم (شامی كتاب الهبة وفی الدر المختار هبة الدين ممن عليه الدين يتم من غيرقبول

(٤) قال فی الدر المختار من الهبة وضعوا هدايا الختان بين يدی الصبی مما يصلح له كثياب الصبيان فالهدية لا والا فان المهدی من اقرباء الاب او معارفه فللاب او من معارف الام

فللام قال هذا للصبی او لا ولو قال اهدیت للاب او للام فالقول له وکذا زفاف البنت خلاصه وبمثله صرح الشامی فیما یقال له فی الهندیة (نوته) ولفظه فی الفتاوی الخیریة سئل فیما یرسله الشخص الی غیره فی الاعراس ونحوها هل یکون حکمه حکم القرض فیلزمه الوفاء به ام لا؟ فاجاب ان کان العرف بانهم یدفعونه علی وجه الهبة ولا ینظرون فی ذلک الی اعطاء البدل فحکمه حکم الهبة فی سائر احکامه وفی تکملة الشامی اذا کان بین الرجلین مباسطة جاز التصرف فی ماله بغیر اذنه بقدر مالا یخرج فیه ج ۲ ص ۲۶۳، انتهی. قلت والدلیل علیه قوله تعالی او من بیوت صدیقکم اوما ملکتم مفاتحه. الایة.

وفی هبة الشامی ولذا قال اصحابنا لو وضع ماله فی طریق لیکون ملکا للرافع جاز. انتهی، ج۴ص ۵۷۲. وفی آخر الجلد الرابع من الشامی ج۴ص۵۷۴، انتهب وسادة کرسی العروس وباعها یحل ان کانت وضعت للنهب و یقاس علیه شمع الاعراس والموالد. انتهی.

(۵) ومن القواعد المشهورة الثابتة من الکتاب والسنة والمسلمة بین الفقهاء ان امر المسلمین محمول علی الصلاح وقد فرع الفقهاء تفریعات کثیرة علی هذا الاصل.

(۵۷۴) قاعدہ نمبر (۱) اوراس کی تفریعات سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص کے ذمہ

دین ہو اور اس کا ادا کرنا یقیناً معلوم نہ ہو تو دیکھا جائے کہ اگر ادا نہ کرنے کا ظن غالب ہے تب تو اس کا ادا کرنا ترکہ پانیوالے وارثوں کے ذمہ واجب ہوگا اور اگر ظن غالب یہ ہے کہ اگر ادا کر چکا ہے یا معاف کر چکا ہے تو پھر نہ اس کے ذمہ واجب ہے اور نہ اس کے بعد وارثوں کے ذمہ اور اگر ظن غالب کسی طرف نہیں بلکہ شک ہے تب بھی واجب فی الذمہ نہ مانا جائے گا البتہ تقوی کا مقتضیٰ یہ ہوگا کہ اگر ورثہ دائن مطالبہ کریں تو ان کو راضی کر دیا جائے، اور از روئے فتوی اس کی بھی ضرورت نہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ظن غالب صورت مذکورہ میں کیا ہے۔

قاعدہ نمبر (۲) کی رو سے ہمارے بلاد کی رسم ورواج کے موافق یہ ظن غالب کیا جا سکتا ہے کہ خاوند نے مہر معاف کرالیا ہوگا یا عورت نے خود معاف کر دیا ہوگا اور اگر زبانی صریح معافی کے الفاظ بھی نہ کہے ہوں تب بھی یہ ظن اس بناء پر ہو سکتا ہے کہ ہبہ اور ابراء بھی محض تعامل وتعارف سے بغیر صریح ایجاب وقبول کے بیع تعاطی کی طرح درست ہو جاتا ہے، جیسا کہ قاعدہ نمبر (۳) اور جزئیہ نثار ساقطہ مندرجہ (۲) سے اور پھر جزئیات مندرجہ (۴) سے صراحۃً مستفاد ہوتا ہے کہ عرفاً جس صورت کو ہبہ یا ابراء قرار دیا جائے وہ شرعاً بھی اسی طرح معتبر ہو جائے گی خواہ الفاظ ایجاب، قبول میں ہو صرف ایجاب ہو قبول نہ ہو جیسا قاعدہ نمبر (۳) میں مذکور ہے یا دونوں نہ ہوں جیسا کہ نثار ساقطہ اور جزئیات (۴) سے معلوم ہوا بلکہ اگر لفظوں میں ہبہ کسی کے لیے کہا گیا اور عرفاً وہ دوسرے کا حق سمجھا جاتا ہو یہاں بھی بمقابلہ تصریح زبانی کے عرف ورواج راجح ہو کر اسی دوسرے کا حق سمجھا جائے گا جیسا کہ (۴) سے وضعو هدايا الختان بين يدى الصبى سے مستفاد ہوتا ہے۔

صورت میں سوال میں بیان کیا گیا ہے کہ اس وقت کا عرف دو امر کو محتمل تھا معافی کو بھی اور عدم اخذ کی عادت کی بناء پر معافی کی حاجت نہ ہونے کو بھی، تقریر مذکور سے معلوم ہوا کہ ان دونوں احتمال پر دین مہر کا وجوب بذمہ مدیون باقی نہیں رہتا کیوں کہ احتمال اول پر

تصریح ابراء متحقق ہے اور احتمال ثانی پر عرفا و عادۃ ابرا ہوگیا اگر چہ عرفی ابراء کی وجہ سے صریح ابراء کی عادت نہ سمجھی اور جانب معافی اور براءت ذمہ کے لیے امور ذیل بھی مؤید ہیں۔

(الف) قاعدہ مذکورہ (۵) کہ جب کوئی ثبوت حق کا مدعی موجود نہیں اور عرف ورواج سے معافی کا احتمال ہوسکتا ہے اور مدیون نے اس دین کے متعلق کوئی وصیت بھی نہیں کی تو مدیون متوفی کے ساتھ ہم حسن ظن کرنے پر مامور ہیں اور لہٰذا اسی احتمال کو ترجیح ہوگی کہ یا وہ ادا کر چکا ہے یا وہ معاف کرا چکا ہے۔

(ب) مدیون مہر کے بعد جب ترکہ ورثہ نے تقسیم کرلیا اور تصرفات کرتے رہے اور بیوی کو یا اس کے وارثوں کو اس کا علم بھی ہوا اور اپنے دین کا مطالبہ کرنے میں کوئی مانع بھی نہ تھا اور باوجود اس کے مطالبہ نہیں کیا تو اگر چہ محض عدم مطالبہ سے دیانۃ سقوط حق نہیں ہوتا جیسا کہ اوپر مفصل لکھا جا چکا ہے لیکن اس میں شبہ نہیں کہ یہ عدم مطالبہ اس احتمال معافی کی تقویت کا قوی ثبوت اور ابراء کا قرینہ ضرور ہے اور قضاء جو اس کے دعویٰ کو اس صورت میں ساقط کردیا جاتا ہے اس کی بھی وجہ یہی ہے کہ اب شبہ جانب مخالف کا قوی ہوگیا چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں:

فی تحقیق عدم سماع الدعوی بعد ثلاثین سنة لان ترکها یعنی الدعوی هذه المدة مع التمکن یدل علی عدم الحق ظاهرا کما فی المبسوط واذا کان المدعی ناظرا مطلقا علی تصرف المدعی علیه الی ان مات المدعی علیه لا تسمع دعواه علی ورثته کما مر عن الخلاصة (تکملة شامی، ج ۱ ص ۳۵۴).

(ج) اگر غور کیا جائے تو یہ سوال صرف دین مہر کے ساتھ مخصوص نہیں رہتا بلکہ تمام معاملات بیع وشراء میں بھی (اگر قاعدہ عرف ورواج سے قطع نظر کی جائے) تو یہی سوال قائم ہوجاتا ہے کیونکہ اگر وارثوں نے اپنے مورث کی کوئی جائیداد وغیرہ خرید تے ہوئے دیکھا یا

دوسرے معاملات میں شراء کرتے دیکھا اور اس کا ان کو اقرار ہے بوقت عقد اس کی قیمت کے واجب فی الذمہ ہونے کا بھی اقرار ہے لیکن ادا کرنے کا ان کو علم نہیں تو بعد وفات مدیون اگر اصحاب معاملہ مطالبہ نہ کریں تو ورثہ کے ذمہ کسی کے نزدیک واجب نہیں کہ وہ سارے شہر میں تمام ان لوگوں سے جن جن سے معاملہ کرتے دیکھا تھا پوچھتے پھریں کہ تمہارا کچھ دین میت کے ذمہ واجب ہے یا نہیں اور محض اس احتمال پر کہ شاید ادا نہ کیا ہو بغیر کسی حجت کے اس کا ادا کرنا اپنے ذمہ ضروری سمجھیں بلکہ علاوہ مہر کے دوسرے معاملات میں بداہتہ واتفاقاً اسی قاعدہ نمبر (۱) یعنی الاصل براءۃ الذمۃ پر سب کا عمل ہے اور جب تک کوئی دعوی نہ کرے یہی سمجھا جاتا ہے کہ متوفی ادا کر چکا ہے دین مہر اور دوسرے معاملات میں اگر چہ یہ فرق موجود ہے کہ دوسرے معاملات میں عادت عامہ کے موافق ادائے حقوق مرنے تک مؤخر اپنے اختیار سے نہیں کیا جاتا بخلاف مہر مؤجل کے کہ اس کے حلول کا وقت ہی وقت فرقت یا موت ہے لیکن تاہم جس طرح دوسرے معاملات میں عرف ادا کرنے کا ہے اسی طرح دین مہر میں عرف معاف کرنے اور کرانے کا ہے خواہ صراحۃ یا بطور اصطلاح مذکور مثل بیع تعاطی کے۔

(د) بعینہ صورت زیر بحث میں اگر یہ فیصلہ کیا جائے کہ دین مہر بذمہ ورثہ مدیون منتقل ہوگا اور ورثہ کے ذمہ واجب ہوگا کہ ورثہ دائن کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر پہنچائیں تو ایک حرج عظیم اور بلوائے عامہ ہو جائے گا جس کے عہدہ سے بری ہونا شاید بڑے بڑے اتقیاء کو دشوار ہو جائے عوام کا تو کیا کہنا اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عام مسلمانوں کی تفسیق کرنی پڑے گی کیونکہ شاید کوئی شخص آج کل اس قسم کے حق سے بری نظر نہ آئے گا اور منجملہ قواعد فقہیہ کے ایک یہ بھی مسلمات میں سے ہے۔ المشقة تجلب التيسير (ذكرها في الاشباه)۔

(ہ) بعینہ صورت زیر بحث کی ایک نظیر محدث الہند جامع الکمالات حضرت شاہ عبد العزیزؒ کی خدمت میں پیش کی گئی تھی اور حضرت موصوف نے بھی امور مذکور الصدر پر نظر فرما

کر یہی فیصلہ فرمایا تھا کہ اس جیسے مسائل میں حسب قواعد عرفیہ سکوت کو بھی قائم مقام سقوط کے اور عدم مطالبہ کو قائم مقام ابراء کے قرار دیا جائے گا۔ یہ سوال و جواب فتاویٰ عزیزیہ جلد دوم صفحہ نمبر ۱۱۸ سے ۱۴۴ تک مفصل مذکور ہیں جن میں سے بحاث متعلقہ مندرجہ ذیل ہیں:۔

سوال:۔ ترک طلب حصہ خود از جانب اخوات از برادران عینی وعلاتی خویشتن و ترک دعوی حصہ خود از طرف عصبات واخوات اعمامی درصورت نبودن ابن العم در ترکۂ مورث از ضیاع وعقار مملوکۃ الرقبۃ کہ استفتاء درانست نہ کہ اراضی معاشیہ کہ تقسیم آن مفوض بررائے حکام والی ملک است چہارم عدم جریان حجت وجریان درحق اولاد پسری کہ روبرے پدر خود فوت نمودہ باشد پس جمیع امور درمیان شرفائے اکثرے از بلاد ہندوستان کہ درایشاں علماء دین دار بودہ اند عرف متعارف است ودر کتب فقہ مسطور است العرف غیر معتبر فی المنصوص علیہ۔

قال فی الظهيرية وكان محمد بن الفضل يقول السرة الى موضع نبات الشعر من العانة ليست بعورة لتعامل العمال فى الابدا عن ذلك الموضع عند العمل وفى المنع عن العادة الظاهرة نوع حرج وهذا ضعيف وبعيد لان التعامل بخلاف النص لا يعتبر. انتهى.

پس اجرائے امور مذکورہ درمیان شرفا وعلماء ایں بلاد تا کہ وجہے شرعی نداشتہ باشد نہایت موجب قباحت وشناعت برعلماء این دیار است کہ درخانہ ایشاں ایں عرف جاریست۔ اجیبو رحمکم اللہ۔

جواب:۔ نیافتن بنات حصہ خود را در ترکہ پدر باوجود بنات دراصل واراضی مملوکۃ الرقبہ صورت خود ازیں جہت نیست کہ بہ تبعیۃ ملت کفار ہندوستان کہ بنات را حصہ نمی دہند ومسلمانان ہم خلاف آیۃ مواریث العیاذ باللہ منہ این امر را اختیار نمودہ اند کیف اگر چنیں

بودے باوجود عصبات بنات کے می یافتند کہ تردد ہندوستان دختر را در ہیچ صورت نمی دہند اگر پسر نباشد عصبات می گیرند بلکہ وجہش ایں ست کہ چوں اخوات اہل اسلام رسم ورواج ہندوان دیدند وشنیدند از فرط محبت کہ خواہران را بر برادارن می باشد ترک حصہ خود نمودہ از رضا مندی خود نہ گرفتہ اند وکلمات تبری از دعوی واسقاط حق خود از ابتدا تا الیوم بر زبان دارند وبالاتفاق میگویند کہ بریدہ زبان خواہرے کہ از برادر خود دعوی حصہ بر زبان آرد وایں کلمہ بزبان ہندی تمام اخوات شرفائے این دیار مشہور ومعروف شدہ است وبحد تواتر رسیدہ پس ایں امر کہ عرف متعارف وعادت مستمرہ گردیدہ است خلاف منصوص نیست

فی الاشباہ والنظائر ذکر الامام المعروف بہ خواہر زادہ ان الحق الموصی لہ وحق الوارث قبل القسمۃ غیر متاکد یحتمل السقوط بالاسقاط. انتہی.

دعوی ایں احسان کہ از طرف اخوات برائے اخوان بعمل آمدہ است مواسات بسیار از طرف برادران خصوص در ولادت فرزندان وشادی فرزندان اخوان موافق رسوم مشہورہ معروف برائے اخوات مقرر ومعہود است ودر ادائے آں حقوق ہرگز برادران را بقدر مقدور جائے عذر وانکار باقی نیست بلکہ کلمات تقاضائے ایشاں را نہایت موجب سرور وانبساط خاطر می دانند۔ پس اگر کسے غور کنندہ ایں معنی محمول بر رضائے بالعوض نماید ممکن است کہ از کتب فقہ صورت آں نیز استخراج کند واگر احدے از اخوات بر برادر دعوی حصہ خود نمودہ است بردران با او مصالح نمودہ اند اور را راضی نمودہ اند وایں معنی بسیار کمتر ونادر ست است وبرنادر حکم نمے تواں کرد انما تعتبر العادۃ اذا غلبت وطردت کما مر فتذکر۔ در کتاب سرقہ در مواہب الرحمٰن مسطور است کہ در جواب قول امام یوسف در اجرائے مدبر شخصے کہ با سلحہ برائے قطع طریق در مصر یا در قریہ یا درمیان دو قریہ بیرون آید۔

قال بعض المتأخرين أن ابا حنيفة أجاب بذلک بناء علی عادة اهل زمانه فان الناس فی المصر فيما بين القری كانوا يحملون السلاح مع انفسهم فليتحقق بذلک دفع قاصد الطريق ولو تحقق كان نادرا فلا مبنی للحكم عليه.

ہمچنیں عصبات ہم کہ اکثر برادران اعمامی ہستند از اخوات اعمامی خویشتن در صورت نہ بودن ابن العم حصہ خودراازاخوات اعمامی نہ گرفتہ اند واسقاط حق خودنمودہ اند بلکہ ایں راقبیح پنداشتہ اند کہ ماخوذ حصہ پدرخودراگرفتہ از حصہ عم خودہم از بنات عم خویش نگیریم وایں تغافل ہم رسم ورواج ایں دیارگرویدہ ہمیں در ہر بلدہ استمرار دارد وظاہراست کہ ایں معنی مخالفتے باشریعت ندارد والااگردعوی نمایندممانعت بکسے نمیرسد بلکہ نمی نمایند فافہم ۔ باقی ماندصورت مسئلہ دیگروآں ایں است کہ اگرخواہرموافق معتادسکوت درزیدہ وکلمات دعوی واسقاط راہیچ کس اززبان اونشنیدہ وترکہ پدرخودرادرقبض وبرادرہردوفوت نمودندواولادخواہر علاتی از اولاد برادر دعوی حصہ مادرخود باجدہ خودنمایند واولادپسرکہ اخوات بموجب رسم ورواج وعرف متعارف ایں بلاد حصہ رانہ گرفتہ اند وترک حق نمودندوہمیں سبب دادن حصہ باولادقبول نمی نمایندپس اجرائے عرف متعارف مذکوردریں صورت اعتبارداردپس می گویم کہ جواب صورت مسئلہ مذکورہ درذیل جواب صورت چہارم برآید ومعلوم گرددومنتظر باید بود وتامل بایدنمود، وجواب ازصورت چہارم ایں است کہ رسم ورواج درمیان شرفاءایں دیاراایں است کہ اولادمحجوب المیراث راموروث محروم نمی نمایندمثلاً شخصے دوپسرداردیک پسروزوجہ واولادراگزاشتہ روبروئے پدرفوت کرددرسم ورواج ایں است کہ درحین حیات خوداموال واملاک خودراتقسیم میکنند وبمقتضائے غیرت وشرافت زوجہ واولادپسرمتوفی محروم ومحجوب نمی نمایندوچوں پدرمالک املاک خوداست مملوکہ خودتجویزخودتقسیم میکند وظاہراست کہ ایں رسم ورواج خلاف شریعت نیست چگونہ ایں رسم درمیان شرفاءایں دیارجاری نباشدزیراکہ نساء

ارامل از غیرت شرافت از نکاح دیگر اجتناب آرند وصبر وشکیب دریں باب از لوازم شرافت شمارند اگر مورث آنہا واولاد آنہارا محروم گزار وتکفل ایشاں کدام کس کندم وعفت وعصمت ایشاں چگونہ برجائے ماند وتکفل وغمخواری ارامل وایتام از خصائل جلیلہ اہل اسلام است۔ الساعی علی الارملة والمسکین ۔(الحدیث) بلکہ ایں رسم راشرفائی ایں دیار رواج دادہ اند جلائل خصائل بنی نوع انسان است شعر وقصیدہ ابی طالب عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل از بعثت آنجناب کہ در مدح آنجناب انشا نمودہ در صحیح بخاری است بایں صفت توصیف فرمودہ گفت۔

وابیض یستسقی الغمام بوجهه ثمال الیتامی عصمة للارامل ،واگر احیانا کسے از مورثان روبروئے خود تقسیم مملوکات خود نہ کرد زوجہ واولاد پسر متوفی بحکایت وکتابت محروم ہم نہ نمود دریں صورت ہم بعد از فوت پدر اولاد پسر محجوب حصہ خود رامیگیر ند اگر پسر دوم یا اولاد پسر دوم نمایند وبمنازعت پیش آیند عیاں آن بلدہ اتفاق نمودہ موافق ہماں عرف متعارف کہ مورثان او بروے جاری داشتہ اند اولاد و پسر متوفی را حصہ میدہانند ودر تمام شرفاء این دیار کہ اکثرے از ایشاں علمائے دین دار گزشتہ اند خانہ بخانہ ہمیں تعامل وتعارف موسوم است وسکونت مورث را موافق معتاد بمنزلہ تقسیم واعطائے مورث میدانند چرا کہ در بعضے مقام بعضے از مورثان کہ روبروئے خود تقسیم نہ کردہ فوت نمودہ است خود بر حصہ مورث محجوب المیر اث خود موافق رسم ورواج آں بلدہ متصرف بودہ است پس سکوت بمنزلہ اشتراط اعطاء وتقسیم است۔

قال فی الاشباه والنظائر ومما یعرف علی ان المعروف کالمشروط لوجهز الاب بنت جهاز او دفعه الیها ثم ادعی انه عاریة ولا بنیة ففیه اختلاف والفتوی انه کان العرف مستمرا بان الاب یدفع ذلک الجهاز ملکا لا عاریة لم یقبل قوله فان کان

العرف مشترکا یقول الاب کذا فی شرح منظومۃ ابن وھبان وقال قاضیخان وعندنا ابن الاب ان کان من کرام الناس واشرافھم لم یقبل قولہ وان کان من اوساط الناس کان القول قولہ انتھی فی الکبری للقاضی ان القول للزوج بعد موتھا وعلی الاب البنیۃ لان الظاھر شاھد للزوج کمن دفع ثوبا الی القصار یقصرہ ولم یذکر الاجر فانہ یحمل علی الاجارۃ بشھادۃ الظاھر.

پس ازینجا مفہوم میشود کہ سکوت بشہادت تعامل فیما بین اعیان آں بلدہ قائم مقام تقسیم واعطاء خواہد بود۔ واللہ اعلم بالصواب

اگر کسی گوید کہ سکوت بنات را بر رضائی اسقاط حق بنات بموجب تعامل متعارف محمول نمودہ خلاف منصوص بشمارند وجہے دارد مگر درصورت دعوی اولاد محجوب المیراث حمل ایں معنی مشکل است کہ چرا کہ طلب ایشاں اگر برطریق وراثت است وراثت کجا است واگر برطریق توہب است شروط ہبہ مفقود است۔ پس اجرائے ایں تعامل درحق اولاد محجوب در صورت سکوت مورث توافق باشریعت دشوار است پس جواب آں این است حقیقت حال دراجرائے ایں تعارف ایں است کہ اولاد محجوب المیراث جواب میدہند کہ ہرگاہ مورث ماد تمام اعیان ایں بلدہ بموجب رسوم ورواج مستمرہ برحصہ محجوب المیراث متصرف بودہ اند پس سکوت اورا بر رضائے او کہ حصہ مارا گواز مارو بروئے خود از ملکیت خود برآوردہ فوت کردہ است اگر محمول نہ نمایند قطع نظر ازیں کہ موجب طعن برمورث از خروج اواز عادت مستمرہ فیما بین برادری است پس ہر یک متصرف برحصہ محجوب المیراث است دست برادرنشوند وایں رسم مروج را بالکل موقوف سازند واعیان آن بلدہ مجوز ایں معنی نمیشوند۔ ومیگویند کہ ایں معنی موجب خرچ کثیر ووقوع منازعت واختلال درانتظام امور کہ از ابتداء تا الیوم فیما بین ہمہ جاری است وساری است میشود ومتعارف است کہ مورث روبروئے خود خواہ بہ تحریر در

قرطاس خواہ بتقریر فیما بین الناس اقرار میکند و ہمیں میگوید کہ چنانچہ ایں پسر من بعد من مالک متروکہ من است کہ اولاد پسر متوفی من ہم مالک حصہ خود ہستند بعد من حصہ خود ہا را برابر چنانچہ رسم است متصرف باشند و حجت را رو بروئے خود تحریر یا بتقریر بر طرف میسازد پس سکوت یکے از انہا بسیار کمتر و نادر است معمول بر ہمیں تعارف متعارف خواہد بود اگر کسے گوید کہ آنچہ از ارث بسوئے ورثہ از اسباب ملکیت ضرور یہ است بعد از فوت مورث تحریر و تقریر مذکور در رفع حجت و ثبوت توہب مفید نخواہد شد۔ پس جواب ایں است کہ تحریر تقریر مورث را در توہب او برائے اولاد معتبر داشتہ اند و قول فقہاء راا ذا وہب الاب للطفل تتم بالعقد۔ دریں مقام تمام دانستہ اند خصوص در اراضی مملوکہ الرقبۃ خراجیہ کہ اقباض آں در اختیار حکام است تحریر مورث در توہب آں برائے اولاد آں کافی خواہد بود وایں است وجوہ توافق عرف باشرع کہ رسم و رواج ہندوستان است۔ واللہ اعلم بالصواب۔

امور مذکورۃ الصدر کی بناء پر حکم مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ صورت مذکورہ میں اس زمانہ کا دین مہر بذمہ ورثہ واجب نہیں اور نہ ورثہ کو حق مطالبہ حاصل ہے یہاں تک تقریر مذکورہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ از روئے قواعد صورت زیر بحث میں دونوں جانب فتوی دینے کی گنجائش ہے یعنی وجوب مہر فی ذمۃ الورثۃ اور سقوط من الذمہ۔ اب علمائے محققین اپنی تحری سے جس جانب کو ترجیح دیں قابل عمل ہوگی، اور انشاء اللہ مؤاخذہ اخروی نہ ہوگا، لیکن احوط و مختار اس بارے میں وہ قول معلوم ہوتا ہے جو اشباہ و نظائر سے قسم ثانی (۲) میں نقل ہوا ہے کہ اس کو ورثہ کی تحری اور ظن غالب پر چھوڑا جائے اگر ان کو عرف و رواج یا قرائن خاصہ سے اس کا ظن غالب ہو کہ مدیون مہر نے مہر ادا کر دیا یا معاف کرا لیا ہے تب تو ان کے ذمہ ادائے مہر واجب نہیں اور اگر ورثہ دائنہ مطالبہ بھی کریں اور ان کو حلف دینے پر اصرار کریں تو ورثہ اپنے بری ہونے پر حلف بھی کر سکتے ہیں اور ظن غالب یہ ہے کہ مہر ادا نہیں کیا اور نہ خود عورت نے معاف کیا ہے تو ان کے ذمہ ادا کرنا واجب ہے اور اگر ظن غالب کسی جانب نہ ہو شک رہے تب بھی ان کے ذمہ واجب نہیں مگر اولی یہ ہے

کہ صورت شک میں اپنے فریق ثانی کو کچھ دے کر یا اور کسی طرح راضی کر لے اور ورثہ کو مطالبہ کا حق اس وقت تک نہیں جب تک کوئی حجت اس کی پیش نہ کریں کہ عورت نے مہر نہ لیا ہے اور نہ معاف کیا اور نہ معافی کرنے پر راضی تھی۔ (فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)

کتبہ احقر محمد شفیع غفرلہ

للّٰہ در المجیب اصاب فیما اجبہ کتبہ

محمد اعزاز علی غفرلہ مدرس دارالعلوم دیوبند

الجواب صحیح

محمد رسول خان عفا اللہ عنہ



وقف علی الاولاد

اور

املاک وقف میں حکومت کے عمل دخل کا حکم

تاریخ تالیف ــــــــــ ۱۰؍جمادی الثانیہ ۱۳۹۰ھ مطابق اگست ۱۹۷۰ء

مقامِ تالیف ــــــــــ دارالعلوم کراچی

اسلامی مشاورتی کونسل پاکستان کی طرف سے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک سوالنامہ آیا تھا جس میں ''وقف علی الاولاد'' کے بارے میں شریعت کا حکم اور املاک وقف میں حکومت کے عمل دخل کے بارے میں سوالات کئے گئے تھے، حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے تفصیلی جواب تحریر فرمائے جن کو یہاں پیش کیا جارہا ہے۔

بگرامی خدمت سیکرٹری اسلامی مشاورتی کونسل حکومت پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله و كفىٰ وسلام على عباده الذين اصطفىٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ علیہ وبرکاتہ

بجواب سوالنامہ مورخہ ۲۹ رمئی ۱۹۷۰ء عرض ہے کہ احقر اپنے ضعف عمر کے ساتھ عرصہ دراز سے مختلف امراض میں مبتلا ہے۔ اس لیے جواب میں تاخیر ہوئی۔ اب کچھ فرصت ملی تو سطور ذیل لکھی گئی۔

سوالات کے جواب سے پہلے چند ضروری اصولی باتیں بیان کرنا ضروری ہیں۔

انسان کے مالکانہ تصرفات اور اختیارات پر چند پابندیاں

حق تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں جس چیز کی ملکیت عطا فرمائی ہے اس میں اس کے تمام مالکانہ تصرفات کو اس کی زندگی میں بھی نافذ قرار دیا ہے اور مرنے کے بعد بھی لیکن دونوں حالتوں میں اس کو خاص ہدایات کا پابند بنایا ہے۔ زندگی میں فضول خرچی اور اسراف بے جا کو ناجائز قرار دیا ہے۔ حرام کاموں میں خرچ کرنے سے روکا، زندگی میں اولاد پر خرچ کرنے میں مساوات کا حکم فرمایا، صدقہ خیرات کے بے شمار فضائل اور تاکیدی احکام کے باوجود پورا مال اللہ کی راہ میں صدقہ کرنے سے سختی کے ساتھ روکا مرنے کے بعد کے تصرفات میں پورے مال کی وصیت کسی

فرد یا جماعت کے لئے یا صدقہ خیرات کے لئے ناجائز ناقابل تنفیذ قرار دی۔ایک تہائی کی اجازت بھی اس شرط کے ساتھ دی کہ وارث محتاج نہ ہوں۔

پورے مال و جائداد کو رفاہِ عام کے کسی کام یا دوسرے نیک کاموں کے لئے وقف کرنے کو منع فرمایا خواہ وہ وقف علی الاولاد ہی ہو۔اور ایسا وقف اگر مرض الموت میں کیا گیا ہے تو ایک تہائی سے زائد میں وہ شرعاً نافذ العمل بھی قرار نہیں دیا گیا۔

اکثر پابندیاں قانون میراث کی عملی تنفیذ کے لئے ہیں

(۲) اسلام کا قانون میراث بڑی حکمت اور انسان کی شخصی اور اجتماعی مصالح کا ضامن اور بہت سی معاشی اور اقتصادی مشکلات کا بہترین حل ہے۔ جبکہ یہ اصول شریعت کی رو سے یہ ثابت ہے کہ انسان جب دنیا میں اول آتا ہے کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا پھر قدرتی عوامل اشیاءضرورت کا اس کو مالک بناتے ہیں مالک حقیقی تمام کائنات کا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔اس لئے جن چیزوں پر انسان کی انفرادی ملکیت کو اس کی زندگی کے لئے ضروری قرادیا اور ان پراس کو مالک ومتصرف بنادیا۔اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس کے مرنے کے بعد یہ سب ملکیت سلب ہوکر پھر مالک حقیقی کی طرف لوٹ جاتی جس کا ظہور اس دنیا میں اسلامی بیت المال کی ملکیت کی صورت میں ہوتا لیکن ایسا ہوجاتا تو مرنے والا انسان بڑی حسرت لیکر جاتا کہ جو کچھ میں نے کمایا اور جمع کیا اب نہ وہ میری اولاد کو ملا نہ بیوی اور دوسرے اقرباء کو۔اس حسرت کا یہ نتیجہ بھی کچھ بعید نہ تھا کہ وہ یا تو مال کی حفاظت سے دلچسپی نہ لیتا یا پھر اپنی زندگی ہی میں اپنی خواہش کے مطابق اس کو ختم کرڈالتا۔

حق تعالیٰ جل شانہ نے اپنے رحم و کرم سے مرنے والے کی املاک کے متعلق تقسیم میراث کا ایسا حکیمانہ قانون وضع فرمایا جس میں انسان کی اس فطری خواہش کی تکمیل بھی ہے اسکے بعد اسکا جمع کیا ہوا مال اس کی بیوی بچوں اور ماں باپ بہن

بھائیوں ہی میں تقسیم ہو جائے ۔ اور اکتناز دولت کی صورت بھی نہ بنے کہ ایک شخص نے جو کچھ کما لیا ہے وہ ایک ہی جگہ ایک ہی قبضہ میں رہ کر آگے آنے والی نسل کو اس سے محروم کر دے۔ تقسیم میراث کے قانون کے ذریعہ ایک شخص کی ملکیت اس کے خاندان کے بہت سے افراد میں تقسیم ہو جائے گی تو بڑی زمینداریاں اور جاگیرداریاں جو عام انسانوں کے لئے مصیبت اور ظلم و جور کا سبب بنتی ہیں وہ خود بخود ختم ہو جائیں گی۔

سرمایہ دارانہ اور جاگیردارنہ نظام جس نے اس وقت پوری دنیا میں ہلچل ڈال رکھی ہے اور اسکے رد عمل کے طور پر کمیونزم اور سوشل ازم کے بدترین ظالمانہ حل تلاش کئے جا رہے ہیں اس کے جراثیم خود بخود مر جائیں گے۔

شاید اسی لئے قرآن وسنت نے قانون میراث اور فرائض کو بڑی اہمیت دی ہے اور مرنے والا اپنے بعد کے لئے متروکہ مال میں جو تصرف وصیت یا وقف یا ہبہ وغیرہ کا کرنا چاہتا ہے اس پر پابندیاں لگائی ہیں اور جو شخص اپنے وارثوں کو میراث سے محروم کرنے کا کوئی اقدام کرے اس کے لئے حدیث میں سخت وعید فرمائی گئی ہے۔ حدیث میں ہے۔

﴿من قطع میراثا فرضه الله قطع الله میراثه من الجنه﴾

(رواہ ابن ماجہ از مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۶)

جو شخص اللہ کی مقرر کی ہوئی میراث کو قطع کرنا چاہے گا اللہ تعالیٰ اس کی میراث جنت سے قطع کردینگے۔

اسی لیے کسی شخص کو شریعت اسلام نے اس کا حق نہیں دیا کہ وہ کسی جائز وارث کو عاق نامہ وغیرہ لکھ کر میراث سے محروم کردے اگر کوئی ایسا کر بھی دے تو شرعاً وہ نافذ نہیں۔

سورہ نساء میں قانون میراث کو فریضۃ من اللہ اور آخر میں تلک حدود اللہ فرما کر اس قانون کی تنفیذ عملی کی سخت تاکید کی گئی۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے اپنے پورے مال کی وصیت صدقہ خیرات کے لئے کرنے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا پھر آدھے مال کی اجازت چاہی اس کو بھی منع فرمایا پھر تہائی مال کی اجازت مانگی تو آپ نے یہ کہہ کر اجازت دی کہ ثلث مال بھی بہت ہے اور فرمایا۔

ان تدع ورثتک اغنیاء خیر من ان تدعھم عالۃ یتکففون الناس فی ایدیھم (صحیح بخاری ص ۳۸۳)

آپ اپنے ورثہ کو مالدار چھوڑو یہ بہتر ہے اس سے کہ ان کو فقیر ومحتاج چھوڑو جو لوگوں کے ہاتھوں سے اپنی ضروریات پوری کریں۔

اسی طرح حضرت ابولبابہؓ نے کل مال کے صدقہ کرنے کا ارادہ کیا تو آپ نے ایک تہائی سے زائد کی اجازت نہ دی (کنز بروایت طبرانی وابی نعیم)

حضرت ابوطلحہؓ نے اپنا بہترین باغ جو مسجد نبوی کے متصل سامنے واقع تھا دینی ضروریات کے لئے وقف کرنا چاہا تو آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا کہ اس کو اپنے وارثوں کے لئے چھوڑو (صحیح بخاری۔ مسند احمد عن انسؓ)

اس طرح کے واقعات کتب حدیث میں بکثرت مذکور ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے بعد خلفاء راشدین نے لوگوں کو پورا مال صدقہ کر دینے یا وقف وصیت کے ذریعہ محبوس کر دینے سے شدت کے ساتھ منع فرمایا ہے۔

انسان کے مرنے کے بعد اس کے مال کی شرعی فرائض پر تقسیم کرنے ہی کو افضل واعلیٰ قرار دیا ہے۔

البتہ جن حضرات صحابہؓ کے پاس دوسرے اموال بھی تھے اور وارثوں میں زیادہ

احتیاج بھی نہ تھا خاص خاص جائداد کے وقف کی اجازت دی گئی ۔ متعدد صحابہ کرام نے کچھ جائدادیں وقف فرمائی۔

حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنی جائداد ثمغ جو بہترین سرسبز قطعہ تھا آنحضرت ﷺ کے مشورہ سے وقف فرمائی اور اسکا متولی اپنی صاحبزادی حضرت حفصہؓ ام المومنینؓ کو قرار دیا اور انکے بعد انکی اولاد میں سے جو صاحب الرائے تجربہ کار ہوں وہ نسل بعد نسل متولی قرار پایا۔ (بخاری کتاب الشہادات سے مسلم، ابوداؤد کتاب الوصایا، ترمذی کتاب الاحکام)

اس طرح متعدد صحابہ نے بعض مکانات وغیرہ اپنی اولاد پر بھی وقف کیئے (زیلعی بروایت عبداللہ ابن الزبیر الحمدی)

اس ضروری تفصیل کے بعد سوالات مرسلہ کے جوابات حسب ذیل ہیں۔

سوال نمبرا،۲ (۱) آیا قرآن وسنت میں وقف علی الاولاد کے بارہ میں کوئی حکم ہے (۲) بصورت دیگر یہ فقہ کا ایسا جزو لاینفک ہے کہ اگر کوئی شخص وقف علی الاولاد قائم کردے تو حکومت پر یہ لازم ہو جاتا ہے کہ اسکو نہ صرف تسلیم کرے بلکہ نافذ بھی کرے اگر ایسا ہی ہے تو کیا حکومت اس مسئلہ میں کوئی مداخلت کرنے کی مجاز نہیں۔

جواب: مذکورہ بالا تصریحات سے واضح ہو چکا ہے کہ جس وقف کے ذریعہ قانون میراث معطل نہ ہوتا ہو اس وقف کا ہر مسلمان کو اپنی ملکیت میں اختیار ہے خواہ وہ وقف رفاہ عام کے کاموں، مساکین پر صدقہ۔ یا مساجد مدارس کے لئے ہو خواہ اپنی اولاد کے لئے اوقاف کے مصارف مختلف ہو سکتے ہیں اور ان میں ایک صرف اولاد بھی ہو وقف علی الاولاد کی نہ کوئی خاص اہمیت ہے نہ ممانعت جیسے تمام اوقاف مختلف مصارف کے لئے ہوتے ہیں اور وقف کی شرائط کے مطابق انکی آمدنی خرچ کرنا لازم

ہے اس طرح وقف علی الاولاد کی آمدنی بھی شرائط وقف کے مطابق صرف کرنا ضروری ہے۔

رہا معاملہ حکومت کی مداخلت کا تو اس میں ازروئے قرآن وسنت ہر قسم کے اوقاف میں بلکہ انفرادی مملوک میں بھی حکومت کی مداخلت صرف اس صورت میں جائز ہے جبکہ واقف کے مقرر کردہ متولی انکو شرائط واقف کے خلاف خرچ کرنے لگیں انکی خباثت ثابت ہو جائے تو حکومت کا فرض ہو جاتا ہے کہ انکو شرائط کے مطابق صرف کرنے پر مجبور کرے یا پھر انکو معزول کر کے کسی دیانتدار کو متولی بنا کر اسکو ہدایت کرے کہ وہ شرائط واقف کے مطابق اس وقف کی آمدنی صرف کیا کرے۔ یا واقف کا مقرر کردہ متولی مرجائے اور بعد کے لئے وقف نامہ میں تولیت کا کوئی انتظام مقرر نہ کیا ہو تو حکومت ہی صوابدید پر متولی مقرر کرے گی۔

ان خاص صورتوں کے علاوہ حکومت کی مداخلت کسی وقف میں بھی درست نہیں خواہ رفاہ عام کے اوقاف ہوں یا وقف علی الاولاد جس طرح انسان کو اسکی زندگی میں اپنی املاک میں خود تصرف کرنے کا حق ہے اس طرح مرنے کے بعد اسکے کے لے وقف کا اختیار اسکے مقرر کردہ متولی کو ان شرائط کیساتھ ہے جن کا متولی کو وقف نامہ میں پابند کیا گیا ہو۔ اس طرح اس نے کوئی وصیت کی ہو اور اسکو بروئے کار لانے کے لئے خود کوئی وصی مقرر کر دیا ہے تو یہ اختیار وصی کی طرف سے منتقل ہو جاتا ہے وصی ہی وصیت کو نافذ کرے گا۔ ہاں کسی جگہ وصی کی خباثت ثابت ہو جائے تو حکومت کی ذمہ داری ہو جاتی ہے کہ اسکو وصیت کے مطابق دیانتداری سے خرچ کرنے پر اسی وصی کو مجبور کرے یا پھر اس وصی کو معزول کرے کسی دوسرے دیانتدار آدمی کو وصی بنائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اموال اوقاف خواہ مساکین وفقراء پر وقف ہو یا رفاہی اداروں پر یا اولاد وغیرہ پر ان کا براہ راست حکومت سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ مرنے والے نے

جس کو وصی یا وقف کا متولی بنایا ہے اسکے فرائض واختیارات کی چیز ہیں۔

ہاں جس طرح زندہ انسانوں کی جان ومال کی حفاظت حکومت کے فرائض میں داخل ہے اس طرح مرنے والوں کے اوقاف کی حفاظت ونگرانی بھی حکومت کا فرض ہے۔ جہاں انہیں کوئی ظلم وتعدی پائی جائے اس کا انسداد کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے

قانون جورزی وقف مسلمانان مصدرہ ۱۹۱۳ء کا انگریزی سے اردو ترجمہ کرا کر دیکھا گیا یہ قانون متعدد وجوہ سے نہ صرف ناکارہ بلکہ مضر اور شرعی وملی مصالح کے خلاف ہے اس کو فوراً منسوخ کرنا چاہیے۔

وجوہ

(۱) یہ عجیب بات ہے کہ اس قانون کی بنیاد اس کو قرار دیا گیا ہے کہ کچھ لوگوں نے وقف علی الاولاد کے بارے میں شبہات کا اظہار کیا ہے ناواقف لوگوں کے شبہات کیا صرف وقف علی الاولاد ہی کے متعلق پائے جاتے ہیں۔ ذرا غور کریں تو شاید ہزاروں معاملات بیع وشراء۔ اجارے، ٹھیکے وقف ہبہ، وصیت وغیرہ میں ناواقفو کے شبہات ہوا کرتے ہیں اس کا یہ حل کہ جس چیز میں کوئی شبہ کرے اسکے لئے ایک مستقل ایکٹ قانون کا تیار کیا جائے شاید اس کی نظیر پورے قانون ملک میں نہیں اور کہیں نہ ہو۔ شبہات کا ازالہ عملی اور فکری طور پر کیا جارہا ہے پھر جب کوئی معاملہ عدالت تک پہونچتا ہے عدالت کا فیصلہ شبہات کا خاتمہ کر دیتا ہے۔

(۲) حقیقت یہ ہے کہ اس قانون کا پس منظر مرنے والے کی جائداد کو تقسیم سے بچانا اور وراثت کے قانون کو معطل کرنا ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ وہ ہے جو اس وقت بھی بہت سے علاقوں میں عذاب بنا ہوا ہے کہ بڑی بڑی زمینوں اور جائدادوں پر فرد واحد مسلط ہے۔ علاقہ میں اس کی حکومت ہے۔

وہ کسانوں اور غریب مزدوروں پر ظلم کرتا ہے تو یہ مظلوم فریاد کرنے کی قدرت بھی نہیں رکھتے اور اس کے نتیجہ میں کسان وزمیندار اور مزدور وسرمایہ دار کی جنگ کھڑی

ہوتی ہے جو سوشلزم کے کافرانہ اور ظالمانہ نظام کے ذریعہ سب سے پہلے مذہب اور دین کو ختم کرتی ہے پھر سب کو ذاتی ملکیت سے محروم کر کے مزدور و سرمایہ دار سب کو سرکاری افسروں کا غلام بنادیتی ہے۔

اور جیسا کہ شروع میں بیان کیا گے ہے کہ اسلامی قانون وراثت دینی اور مذہبی اعتبار سے تو فرض کا درجہ رکھتا ہی ہے پر معاشی اور اقتصادی ناہمواری کا بھی متصفانہ عادلانہ علاج وہی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس قانون کا پس منظر جیسا کہ اس زمانے کی تاریخ سے ظاہر ہے اسکے سوانہیں کہ اسلام کے قانون وراثت کو معطل کرنے کا ایک راستہ ہموار کیا گیا ہے تا کہ جائداد تقسیم نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جس زمانے میں یہ قانون بنایا گیا ہے اسوقت کے علماء نے بھی اسکو قانون وراثت پر اثر انداز ہونے کی بناء پر خلاف شرع قرار دیا تھا۔ دارالعلوم دیوبند جو ہندوستان کا سب سے قدیم اور سب سے بڑا دینی ادارہ ہے اس قانون کے بننے کے وقت اسکے صدر مدرس اور شیخ الحدیث اور مفتی اعظم حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ تھے انہوں نے اس قانون کے متعلق فتوی دیا وہ بزبان عربی یہ ہے۔

انکم لا تریدون رفع الحرج عن المسلمین بل تریدون قطع المواریث و تابی قلولکم قسمة الارض علی فرائض اللہ وذلک من ضعف الایمان المفضی الی الکفر لا کفار الفرائض

(اعلاء السنن طبع تھانہ بھون)

آپ لوگ اس قانون سے مسلمانوں کی کسی مشکل کو حل نہیں کررہے بلکہ اس کا حاصل تقسیم میراث کو بند کرنا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے قلوب اس پر راضی نہیں ہیں کہ زمین کو اللہ کے بتائے ہوئے فرائض کیمطابق تقسیم کیا جائے۔ اور یہ

ضعف ایمان کی علامت ہے جو خدانخواستہ کسی وقت کفر تک پہونچا سکتا ہے کیونکہ فرائض اسلامیہ کا انکار کفر ہے۔

(۳) اس کے علاوہ خود وہ وجہ بھی اس قانون کے منسوخ کرنے کے لئے کافی ہے جو سوالنامہ میں درج ہے کہ اس طرح اوقاف کا آخری نتیجہ وقف کا ضائع ہو جانا یا کسی کا غاصبانہ قبضہ ہے۔

کیونکہ دو تین پشت کے بعد جب مستحقین وقف کی تعداد بہت زیادہ ہو جاتی ہے اور ہر ایک کا حصہ اس وقف میں اتنا کم رہ جاتا ہے کہ اسکے حاصل کرنے کے لئے مستحق جو کوئی کوشش کرتا ہے تو حصہ سے زیادہ اسکے اصول کرنے پر خرچ ہو جانا ہر دور وقت اور محنت مفت میں ضائع ہوتی ہے اور آج ایسا دیانتدار متولی کہاں جو یہ دردسری اپنے ذمہ رکھے کہ وقف کے ہزاروں روپیہ میں دو دو آنے کے سب مستحقین کو تلاش کر کر کے مختلف شہروں میں ان تک حصے پہونچائے انجام اسکے سوا نہیں کہ متولی خود ہی اسپر مالکانہ قبضہ کر لیتا ہے یا پھر کوئی دوسرا غاصبانہ قبضہ جما لیتا ہے وقف کرنے والے کی غرض بالکل فوت ہو جاتی ہے۔

اس لئے ہماری قطعی رائے یہ ہے کہ یہ قانون فوراً منسوخ ہونا چاہیے اور اس کا متبادل بھی کوئی قانون بنانے کی قطعی ضرورت نہیں۔ اسلام کے عام قوانین اوقاف اس کے لئے کافی ہیں واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

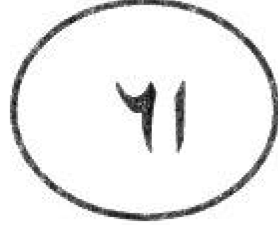
بندہ

محمد شفیع عفا اللہ عنہ

دار العلوم کراچی ۱۴

۱۰ر جمادی الثانیہ ۱۳۹۰ھ

۱۴ر اگست ۱۹۷۰ء



الاحــرى بـالقبول فـى وقف العمارة عـلـى ارض النزول

تاریخ تالیف ______

مقامِ تالیف ______ ماخوذ از امداد المفتین

لاوارث زمین جس کا کوئی مالک نہ ہو، حکومت اس پر قبضہ کرلے اور اس پر عمارت وغیرہ بنا کر وقف کردے، تو یہ وقف جائز ہے یا نہیں؟ اس موضوع پر حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ رسالہ اب تک امداد المفتین کا حصہ رہا ہے اب اسے جواہر الفقہ جدید میں بھی شامل کردیا گیا ہے۔

الاحری بالقبول فی وقف العمارة علی ارض النزول(۱)

سوال: (۶۴۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک قطعہ اراضی نزول ملکیت سرکار انگلشیہ بذریعہ کرایہ نامہ حسب شرائط مفصلہ ذیل مجوزہ ومعمولات کلکٹر صاحب جو اراضی نزول کے منجانب سرکار منتظم ومہتمم باختیار کلی ہیں بہ تقرر کرایہ ماہانہ یا سالانہ واسطے تعمیر عمارت کرایہ پر لے کر بحسب اجازت کلکٹر صاحب موصوف اپنی لاگت سے چند دوکانات تعمیر کرا کر ان سے استفادہ حاصل کرتا رہا پھر بعد وفات زید اس کے دو پسران وارث جو مستفیض ہوتے رہے عرصہ بیں بائیس سال بعد کلکٹر صاحب نے دوسرا کرایہ نامہ ۱۹۰۹ء میں ایک پسر سے بشرائط وتعامل عامہ ومفصلہ ذیل میعادی تیس سالہ تجدید کرالیا۔ اس کے بعد ان دونوں پسران نے ۱۹۱۰ء میں جو ان دوکانات سے اس وقت مبلغ اڑسٹھ روپیہ سالانہ کرایہ کی آمدنی تھی معہ ملبہ خشتی وچوبہ وجملہ متعلقات اس کے کہ قیمتی پندرہ سو روپیہ کو بلا اراضی نزول ہمیشہ کے واسطے فی سبیل اللہ وقف کردی اور اپنے قبضہ مالکانہ سے خارج کر کے تاحیات خود بحیثیت متولی قابض رہ کر کل آمدنی اس کے مصارف ہی میں خرچ کرتے رہے، پھر ان کے انتقال کے بعد سے اب تک ابتدائی تاریخ وقت سے چوبیس پچیس سال کا زمانہ گزرتا ہے باوجود ان کے چودہ عدد وارث موجود ہونے کے علاوہ واقفان

---

(۱) ارض نزول ہندوستان کی ایک خاص اصطلاح ہے وہ یہ کہ لاوارث زمین جس کا کوئی مالک نہ ہو حکومت اس پر قبضہ کرلیتی ہے یہ ارض نزول کہلاتی ہے۔ ۱۲ منہ

کے غیر اشخاص میں سے یکے بعد دیگرے چند شخص بحیثیت متولیان وقف قابض رہ کر آمدنی اس کے بمد خیرات خرچ کرتے رہے اور آج تک کوئی وارث اس سے نہ متمتع ہوا نہ کسی نے متمتع ہونا چاہا بلکہ حسب قانون وقف وہ جائیداد موقوفہ درج رجسٹر ججی بھی ہوگئی ہے اور متولی سے حساب جمع خرچ بھی جج صاحب سمجھ چکے ہیں۔

مگر اب تھوڑا زمانہ گزرا وہ شخص جو وارث حصہ دار ہو سکتے ہیں بوقت حساب مدخلہ متولی موجودہ عدالت ججی میں بایں دعوی عذر وار ہوئے کہ یہ شخص نہ متولی ہے اور نہ وقف ہوا مگر اپنی عذر داری میں ناکامیاب رہے اس کے بعد ان دونوں نے جائیداد موقوفہ پر جبراً قبضہ کرنا چاہا اور مداخلت بیجا شروع کر دی اس پر متولی نے عدالت کلکٹری میں درخواست دی کہ جائیداد موقوفہ پر فلاں فلاں جبراً جو قبضہ کرتے ہیں ایسی صورت میں جائیداد موقوفہ کو نقصان پہنچتا ہے تا تصفیہ عدالت مجاز یہ عدالت خود اپنے قبضہ میں کرے اس پر ان میں سے ایک شخص نے جو چوتھے حصہ کا حصہ دار ہوسکتا تھا درخواست متولی پر عدالت کلکٹری میں یہ تحریری بیان پیش کر دیا کہ درحقیقت یہ جائیداد میرے ماموں صاحبان نے وقف کر دی ہے اور دوسرا مزاحم میں اس کے خلاف ثبوت پیش نہ کر سکا پس عدالت نے متولی کو صحیح قابض ہونا مان لیا۔

لیکن اب پھر وہ شخص مذکور جو چوبیسواں حصہ کا حصہ دار ہوسکتا تھا بشمول ایک دوسرے شخص کے جو وہ بھی چوبیسویں حصہ کا حصہ دار ہوسکتا تھا بلا شرکت چوتھائی حصہ کے حصہ دار کے تحریر وقف نامہ کو تسلیم کرتے ہوئے عدالت منصفی میں متولی موجودہ اور ان جملہ اشخاص کو جو وارث ہو سکتے تھے اور وہ زمرہ مدعیان میں شریک نہیں ہوئے ہیں ان سب کو بھی مدعا علیہم قائم کر کے بایں موئی نالئی ہیں کہ یہ وقف قانوناً اور شرعاً ناجائز ہے اور نہ اس وقف کا نفاذ ہوا بلکہ متولی بحیثیت ہمارے کارکن کے قابض ہے پس اب صرف ہم دو مدعیان کے لیے فیصلہ دخل استقرار فرمادیا جائے اور شرائط کرایہ نامہ اقراری زید کے جس کے بموجب دوکانات مذکورہ تعمیر ہوئی ہیں یہ ہیں کہ:

''میں مقر کرایہ نامہ اقرار کرتا ہوں کہ اوقات مقررہ پر کرایہ ادا کرتا رہوں گا اور بعد انقضائے میعاد کرایہ نامہ اگر باضابطہ کرایہ بھی گورنمنٹ تجدید کرایہ نامہ چاہے گی تو تجدید کرایہ نامہ کردوں گا، یا اپنا ملبہ اٹھالیجاؤں گا اور اراضی خالی کردوں گا یا بقیمت مناسب عمارت حوالہ کردوں گا، پھر جب کہ تعمیر دوکانات کو تخمیناً عرصہ بیس بائیس سال کا اور زمانہ انتقال مسمی زید کرایہ دار سابق کا بھی پندرہ سولہ سال گزر چکا تھا دوسرا کرایہ نامہ حسب شرائط ذیل میعادی تیس سالہ بحق گورنمنٹ تکمیل کرادیا اور اس اقرار نامہ میں بھی بعد انقضائے تیس سالہ یکے بعد دیگرے مجموعی نوے سال تک کی میعاد تک کی تجدید کرایہ نامہ کا معاہدہ ہے اور کرایہ دار کو اختیار ہے کہ اندر میعاد جب چاہے حسب مرضی خود اس عمارت کو فروخت کرسکتا ہے اور کلکٹر صاحب بجائے اس کرایہ دار کے اس مشتری ملبہ سے کرایہ نامہ تحریر کرا لیتے ہیں یا کرایہ دار جس طرح چاہے دوسرے کے حق میں منتقل کرسکتا ہے یا اپنا ملبہ اٹھالیجائے اور مطالبہ قرضہ وغیرہ میں دوسرے شخص خود بھی قرق و نیلام کرا لیتے ہیں اور پھر اس سے کرایہ نامہ مرتب کرالیا جاتا ہے اور ایک شرط یہ بھی ہے کہ جس وقت گورنمنٹ خود کو اس اراضی کی ضرورت ہوگی خواہ اندر میعاد یا بعد انقضائے میعاد بلا مزاحمت معہ عمارت بھی گورنمنٹ کو عمارت کی ضرورت ہوگی۔ بادائے قیمت عمارت کرایہ دار اس اراضی کو اپنے قبضہ سے چھوڑ دے گا مگر یہ شرط اس وجہ سے لی گئی ہے کہ اگر یہ شرط نہ کی جاتی تو گورنمنٹ کو یہ جو اختیار حاصل ہے کہ اپنی ضروریات کے واسطے یا مفاد عامہ وغیرہ کے واسطے جب چاہے ہماری مملوکہ مقبوضہ اراضیات کو لے سکتی ہے زائل اور منسوخ ہوجاتا ہے اور نیز تعامل گورنمنٹ سے بھی ثابت ہے کہ جس وقت سے محکمہ نزول قائم ہوا ہے آج تک کوئی قطعہ اراضی بلاضرورت ذاتی نہیں لگائی گئی ہیں اور اسی وجہ سے رعایا کرایہ داران نزول نے اسی امید سے کہ یہ اراضیات نزول ہمارے قبضہ سے نہیں نکالی جائے گی، بہت زیادہ لاگت کی اور نہایت مستحکم عمارات جو صدہا سال قائم رہ سکتی ہے گورنمنٹ کی اجازت سے قائم کرلی ہے۔

اور نیز گورنمنٹ کے اس عمل سے بھی کہ اراضی نزول میں مساجد و دھرم شالہ و دیگر اور ایسی عمارت کے واسطے جو ہمیشہ رہنے والی ہیں ان کی تعمیر کی اجازت دی جارہی ہے اور بہت پہلے سے ایسی عمارات موجود ہیں اور ایک امر خاص استفتاء ہذا میں سب سے زیادہ قابل توجہ ضروری ہے کہ جس عمارات دوکانات موقوفہ کی بابت استفسار ہے وہ اندر میعاد کرایہ نامہ ہے اس کی نوعیت تعمیر و حالت موجودہ عمارت سے بخوبی واضح ہے کہ وہ اندر میعاد مقررہ کے منہدم ہو جائے گی اور نوبت اس بحث کی نہ آئے گی کہ بعد انقضائے میعاد متعلق عمارت کیا عمل ہوگا اور نہ یہ معاہدہ ہے کہ بعد نوے سال اراضی کرایہ سے چھوڑا ہی لی جائے گی''۔

لہٰذا مفتیان وعلمائے دین سے صورت مسئولہ مذکورہ بالا میں شرعاً استفسار ہے کہ آیا شرعاً بموجب عبارات کتب فقہیہ مفصلہ ذیل یہ وقف ناجائز ہے۔ اول یہ عبارت ہے:

فی البزازیة لا یجوز وقف البناء فی ارض عاریة او اجارة (در مختار).

دوئم عبارت یہ ہے:

لا یجوز وقف البناء فی ارض ھی اعارة او اجارة کذا فی قاضی خان وعالمگیری.

پس اگر واقعی وقف ناجائز ہے تو آیا کل جائیداد متنازعہ پر یہ صرف دو چھوٹے حصہ دار تنہا دخل حاصل کر سکتے ہیں یا بقدر اپنے حصہ کے، یا آیا بموجب عبارات ذیل یہ وقف جائز ہے اور دعوی مدعیان قابل سماعت نہیں ہے۔

اول عبارت یہ ہے کہ جو عبارت سب سے اول مندرجہ مذکورہ بالا کے لفظ (او اجارة) تحت میں شامی میں تحریر ہے:۔

ویستثنی منه ما ذکره الخصاف من الارض اذا کانت متقررة للاحتکار فانه یجوز قال فی الاسعاف وذکر فی اوقاف

الخصاف ان وقف حوانیت الاسواق یجوز ان کانت الارض باجارۃ فی ایدی الذین بنوھا لا یخرجہ السلطان عنھا الخ.

دوئم عبارت جو عالمگیری میں عبارت مذکورہ بالا عدم جواز وقف استدلال میں بالائے ازیں نقل ہے اس کے آگے ہی یہ لکھا ہے:

ذکر الخصاف ان وقف حوانیت الاسواق یجوز ان کانت الارض باجارۃ فی ایدی الذین بنوھا لا یخرجھم السلطان عنھا وبہ عرف وقف البناء علی الارض المحتکرۃ . کذا فی النھر الفائق.

سوئم عبارت:

بنی علی الارض ثم وقف البناء قصدا بدونھا ان الارض مملوکۃ لا یصح وقیل صح وعلیہ الفتوی (در مختار)

چہارم عبارت:

سئل قاری الھدایۃ عن وقف البناء والغراس بلا ارض فاجاب الفتوی علی صحۃ ذلک ورجحہ شارح الوھبانیۃ واقرہ المصنف معللا بانہ منقول فیہ تعامل فتعین الافتاء.(در مختار)

کیونکہ جبکہ وقت عمارت کا بغیر زمین کے ایسی صورت میں جائز ہے کہ اس مالک اراضی اور اس کے قائم مقام وارث وغیرہ کو ہر وقت اختیار حاصل ہے کہ چاہے جب خالی کرالیوے تو صورت مسئولہ میں تو منجانب سلطان بحیثیت کرایہ دار ایک مدت طویلہ بلکہ ہمیشہ کے واسطے مقبوضہ کرایہ دار واقف عمارت ہونا یقینی ہے تو ایسی صورت تو بدرجہ اولیٰ جائز ہونا چاہئے۔

پنجم عبارت:

اقر بوقف صحیح وبانه اخرجه عن یده وورثته یدعون خلافه جاز الوقف ولا تسمع دعوی ورثته قضاء (در مختار)

لہٰذا اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ جب کہ اکثر اور بڑے حصہ دار وارث واقف بھی اس وقت تک باوجود چوبیں پچیس سال وقف ہوئی کو گذر جانے کے وقف کردہ مورث کو صحیح اور درست جانتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں تو ایک دو حصہ دار چھوٹے حصہ دار ہونے والے کا دعوی کس طرح قابل سماعت ہوسکتا ہے۔ بینوا بالدلیل توجروا عنداللہ الجلیل۔

الجواب: (۱) فی البحر الرائق وفی المجتبی لا یجوز وقف البناء بدون الاصل هو المختار الخ وفی الفتاوی السراجية سئل هل یجوز وقف البناء والغرس دون الارض اجاب الفتوی علی صحة ذلک وظاهر انه لا فرق بین ان یکون الارض ملکا او وقفا (بحر: ج۵ ص ۲۰۴).

وفی الدر المختار بنی علی الارض ثم وقف البناء بدونها ان الارض مملوكة لا یصح وقیل صح وعلیه الفتوی سئل قاری الهداية عن وقف البناء والغراس بلاارض فاجاب الفتوی علی صحة ذلک ورجحه شارح الوهبانية واقره المصنف معللا بانه منقول فیه تعامل فتعین الافتاء.(در مختار مع الشامی: ص ۴۲۶ ج۳)

(۲) وفی الدر المختار عن البزازية لا یجوز وقف البناء فی ارض عارية او اجارة ومثله فی الهندية عن الخانية.

(۳) قال العلامة الشامی تحت قول الدر لا یجوز وقف البناء

فـی الارض عارية او اجـارة مـانـصـه ويستثنـى مـنها ما ذكره الـخصاف من ان الارض اذا كانت متقررة للاحتكار فانه يجوز (بـحـر) قـال فـي الاسـعاف ذكر في اوقاف الخصاف ان وقف حـوانيـت الاسـواق يـجـوز ان كـانـت الارض اجارة في ايدى الـذيـن بـنـوهـا لا يـخرجهم السلطان عنها من قبل انارأيناها في ايـدى اصـحـاب الـبـنـاء تـوارثوها وتقسم بينهم لا يتعرض لهم السـلـطـان فيهـا ولا يـزعـجهـم وانـمـا هـى غلة ياخذها منهم وتـداولهـا خـلف عـن سـلف ومضى عليها الدهور وفي ايديهم يتبـايـعـونهـا ويـواجرونها ويجوز فيها وصاياهم ويهدمون بنائها ويـعـيـدونـه ويـبـنـون غيره فكذلک الوقف فيها جائز واقره في الـفتـح وذكـر ايـضـا انـه مـخـصص لاطلاق قوله او اجارة وقد علمت وجهه وهو البقاء والتابيد وهو مؤيد لما قلنا من تخصيص الوقف لما اذا كانت الارض محتكرة (شامي: ج۳ص ۴۲۶)

وفيه بعد ذلک وقدمنا وجهه وهو ان البناء عليها يكون على وجه الـدوام فيبـقى التابيد المشروط لصحة الوقف (رد المحتار) قال الشـامـي فـي حـاشية البـحـر والارض المحتكرة هي التي وقف بـنـائها ولم توقف هي كان استاجر ارضا للبناء عليها وبنى فيها ثم وقف البناء كذا رأيت لبعض الشافعية واقول الارض هي المقررة لـلاحتـكـار اعـم مـن ان تكون وقفا او ملكا الاحتكار في العرف اجارة يـقـصـد بهـا مـنع الغير (بحر الرائق: ج۵ص ۲۰۴). وفي قـانـون الـعـدل والانصاف معزيا لرد المحتار الاحتكار وهو عقد

اجارة يقصد به استبقاء الارض الموقوفة مقررة للبناء والتعلي او للغراس. (ص، ۹۲).

وفيه معزيا لتنقيح الحامدية: ج ۲ ص ۱۳۱، يثبت للمحتكر حق قرار بناء الارض والجدار ويلزم باجرة مثل الارض مادام بنائه قائما فيها .

وفيه معزيا لرد المحتار ولا يكلف المحتكر برفع بنائه ولا بقلع غراسه مادام يدفع اجرة المثل المقررة على ساحة الارض المحتكرة (قانون العدل :ص، ۹۲).

(۴) قال الشامي تحت مطلب وقف البناء ما نصه بان شرط الوقف التابيد والارض اذا كانت ملكا لغيره فللمالك استردادها وامرها بنقض البناء وكذا لو كانت ملكا له فان لورثته بعد ذلک فلا يكون الوقف موبدا .

وعلى هذا فينبغي ان يستثنى من ارض الوقف ما اذا كانت معدة للاحتكار لأن البناء يبقى فيها كما اذا كان وقف البناء على جهة وقف الارض فانه لا مطالب لنقضه والظاهر ان هذا وجه جواز وقفه اذا كان متعارفا ولهذا جاز وقف بناء القنطرة على نهر العام وقالوا ان بنائها لا يكون ميراثا وقال في الخانية انه دليل جواز وقف البناء وحده فيما سبيله البقاء كما قلنا(رد المحتار: ج۳ص ۴۲۶) وفي الدرالمختار اذا وقته بشهر وسنة بطل اتفاقا (در مع الشامي ص ۳۹۹ ج۳)

نزول کی زمین میں کوئی عمارت وغیرہ بنا کر اس کو وقف کرنے میں قواعد فقہیہ کے اعتبار سے چند سوال عائد ہوتے ہیں:

(الف) یہ وقف صرف عمارت وغیرہ کا ہوگا زمین بوجہ مملوکہ گورنمنٹ ہونے کے وقف نہ ہوگی کیا ایسا وقف جائز ہے؟

(ب) یہ زمین چونکہ واقف عمارت کے قبضہ میں بطور اجارہ وکرایہ ہے تو کیا کرایہ کی زمین میں عمارت کا وقف صحیح ہوسکتا ہے۔

(ج) اگر اجارہ کی زمین میں کسی عمارت کا وقف جائز ہے تو کیا اس کے لیے یہ شرط ہے کہ جب تک یہ عمارت باقی رہے اس وقت تک کرایہ دار اپنی عمارت موقوفہ کو اٹھانے پر مجبور نہ کیا جائے خواہ کتنی ہی مدت گزر جائے نیز یہ کہ عمارت بعد اختتام میعاد اجارہ کسی شخص یا حکومت کی ملک خاص میں نہ آسکے۔

عبارات فقہیہ مذکورہ میں ان سب سوالات کے جواب آ گئے ہیں مثلاً سوال اول کا جواب عبارت نمبر (۱) میں بوضاحت معلوم ہوگیا کہ فتویٰ اس پر ہے کہ تنہا عمارت بغیر زمین کے وقف ہوسکتی ہے یعنی یہ جائز ہے کہ کوئی شخص زمین کو وقف نہ کرے اور اس پر جو عمارت یا درخت ہیں صرف ان کو وقف کر دے۔

اور سوال دوم کا جواب عبارت نمبر۲ میں بوضاحت معلوم ہوگیا کہ عاریت یا کرایہ پر زمین لے کر اس میں کوئی عمارت بنائی جائے تو عام ضابطہ یہی ہے کہ اس کا وقف جائز نہیں صرف ایک صورت مستثنیٰ ہے جو سوال سوم کے جواب میں آتی ہے۔

اور سوال سوم کا جواب عبارات نمبر (۳) ونمبر (۴) سے معلوم ہوا کہ کرایہ کی زمین میں وقف کرنے کی صرف ایک صورت جائز ہے وہ یہ کہ یہ زمین اسی کام کے لیے مقرر ہو کہ اس کو کرایہ پر دیا جائے اور لوگ اس میں عمارتیں بنائیں یا درخت وغیرہ لگائیں، مالک زمین

یا منتظم زمین اس کا کرایہ ان سے وصول کرتا رہے اور بس، اور اس قسم کی زمین کا نام اصطلاح فقہاء میں ارض محتکرہ ہے لیکن اس خاص صورت کے جواز کے لیے دو شرطیں ہیں اول یہ کہ جب تک یہ عمارت یا درخت باقی ہیں اور کرایہ دار کرایہ ادا کرتا ہے اس وقت تک کرایہ دار کو ان کے اکھاڑنے اور اٹھانے پر مجبور نہ کرے خواہ مدت اجارہ ختم ہو جائے جیسا کہ شامی کی عبارت بحوالہ اسعاف و فتح القدیر وغیرہ سے ثابت ہے کہ اس قسم کے وقف کا جواز صرف اسی بات پر مبنی ہے کہ عمارت بقاء دوام کے لیے ہوتی ہے اور اس طرح شرط تائید کا تحقق ہو جاتا ہے جیسا کہ عبارت نمبر (۳) میں گزر چکا ہے نیز عبارت نمبر (۴) میں امام قاضی خانؒ سے اس قسم کے وقف کا جواز اسی شرط کے ساتھ منقول ہے کہ یہ عمارت وغیرہ باقی رکھی جائے کسی وقت (بغیر کرایہ دار کی بد عہدی کے) اس کو توڑنے پر مجبور نہ کیا جاوے۔ اور دوسری شرط وہ ہے جو عبارت درمختار مندرجہ نمبر (۴) میں بیان کی گئی ہے کہ اگر کسی وقف میں کسی خاص مدت و میعاد کی قید ہو اور بعد اس میعاد کے کسی ملک خاص کی طرف لوٹ جانا اس کا تسلیم کر لیا گیا ہو تو وہ وقف باتفاق باطل ہے۔

بناء علیہ ثابت ہوا کہ نزول کی زمین میں اگر بعد اختتام میعاد قانون وقت اور عادت عامہ یہ ہو کہ کرایہ دار کو توسیع نہ دی جائے اور عمارت توڑنے پر مجبور کیا جائے تو یہ وقف صحیح نہ ہوگا اسی طرح اگر کرایہ دار نے کہیں یہ شرط منظور کر لی ہو کہ بعد اختتام میعام کے یہ عمارت گورنمنٹ کی ملک ہو جائے گی جب بھی وقف صحیح نہ ہوگا کیونکہ جواز کی صرف ایک ہی صورت تھی کہ ارض محتکرہ کی شرائط اس میں متحقق ہوتیں لیکن معاملہ زیر بحث کے کرایہ نامہ مطبوعہ کا ترجمہ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اس کی دو شرطیں نزول کی اس زمین میں متحقق نہیں ہیں ایک دوام و بقاء عمارت، دوسرے بعد ختم میعاد کسی کی ملک خاص نہ ہونا کیونکہ حسب تصریح کرایہ نامہ اس عمارت کو گورنمنٹ اندر میعاد بھی اپنی ضرورت کے لیے منہدم کر سکتی ہے اور

بعد اختتام میعاد تو ظاہر یہی ہے نیز اس کرایہ نامہ میں یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ بعد اختتام میعاد یہ عمارت بھی گورنمنٹ کی ملک ہو جائے گی اس لیے نزول کی زمین میں جس جگہ یہ دو شرطیں کرایہ دار سے منظور کرالی جائیں وہاں وقف عمارت اس زمین پر صحیح نہ ہوگا اور اس کو ارض محتکرہ پر قیاس کرنا جائز نہ ہوگا اور جب وقف ثابت نہ ہوا تو یہ عمارت لامحالہ وارثوں کی طرف منتقل اور ان کے حسب حصہ ملک ہوگی خواہ وہ دعوی کریں یا نہ کریں اور ایک میعاد معین کے بعد قضاء عدم سماع دعوی کا حکم جو کتب فقہ میں منقول ہے وہ اس صوت میں ہے جب کہ حق پہلے سے ثابت اور مسلم نہ ہو اور جب کہ اس مکان کا ملک مورث ہونا فریقین کو مسلم ہے اور وقف ہونا شرعا ثابت نہ ہوا تو وارثوں کا حق اس میں خود بخود ثابت ہو گیا وہ دعوی ابطال وقف کریں یا نہ کریں کما یتضح من کلام الفقہاء فی ہذا الباب۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

خلاصہ: یہ ہے کہ نزول کی زمینوں کے قواعد مختلف شہروں میں مختلف ہیں جس جگہ یہ دو شرطیں موجود ہوں وہاں وقف صحیح ہے۔

اول یہ کہ جب تک عمارت یا درخت قائم ہے اور کرایہ دار کرایہ ادا کرتا رہے اس وقت تک گورنمنٹ اس کو عمارت کے اکھاڑنے پر مجبور نہ کرے اگر چہ کرایہ کی مدت ختم ہو جاوے۔

دوسرے یہ کہ بعد اختتام میعاد اس عمارت کا کسی شخص کی ملک کی طرف منتقل ہو جانا کرایہ نامہ میں تسلیم نہ کر لیا گیا ہو ان دونوں شرطوں میں سے ایک بھی مفقود ہو گئی تو وقف باطل ہو جائے گا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وھو الذی علم الانسان ما لم یعلم۔



قسطوں پر کسی چیز کے خریدنے کا حکم

تاریخ تالیف ـــــــ ۱۹؍ربیع الاول ۱۳۷۶ھ (مطابق ۱۹۵۶ء)

مقامِ تالیف ـــــــ دارالعلوم کراچی

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک سوال آیا تھا جس میں قسطوں پر بیع کے ناجائز ہونے پر دلائل تحریر تھے آپ نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا اور اس عبارت کا تفصیلی جواب تحریر فرمایا جو سوالنامہ میں درج تھی سوال و جواب دونوں کو یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

ادھار کی وجہ سے ثمن میں زیادتی کرنا

مدت ہوئی کہ آپ نے ادھار کی وجہ سے ثمن میں زیادتی کا فتویٰ تحریر فرمایا تھا مگر یہاں ایک مولوی صاحب عدمِ جواز کا فتویٰ دے رہے ہیں۔ اور دلیل میں عبارتِ ذیل پیش کرتے ہیں؛ ھدایہ کتاب الصلح کے اوائل میں ہے: **الاعتیاض عن الاجل حرام**ٌ (عالمگیریہ) یہ بابِ عاشر میں ہے "رجلٌ باعَ علیٰ أنہ بالنقد بکذاو بالنسیئة بکذا اوالیٰ شھر بکذا والیٰ شھرین بکذا لَمْ یجزْ کذا فی الخلاصة (عالمگیریة ص ۷۲ ج۳) اور قاضی خان میں ہے **لایجوز بیع الحنطة بثمن النسیئة اقلَّ من سعر البلد فانہ فاسد واخذ ثمنہ حرام ُایضاً ،فی الایضاح ان بیع الحنطة بنقصان حکم البلدة فھو فاسد و ان اخذ الثمن بعد مضی المدة فھو حرام ّلان الثمن متفاضل بالحکم وھو الربا** . پھر ہدایہ میں ہے. **لانَّ الاجل لا یقابلہ شیءٌ من الثمن** .

پس امید ہے کہ عبارات بالا کو پیشِ نظر رکھ کر تحقیق فرمائیں گے۔ براہِ کرم جواب بعجلت روانہ فرما کر مشکور فرمائیں۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

صورتِ مسئول عنہا کا جواب حدیث سے ثابت ہے حدیث میں اموالِ ربویہ میں نسأ کو حرام قرار دیا گیا ہے، جس سے ظاہر ہے کہ اس میں فضل حکمی ہے ''مثلاً بمثلٍ یداً بیدٍ '' دونوں کے مقابلہ میں فرمایا ''والفضل ربا ''پس اگر

اجل کو ثمن کی کمی زیادتی میں دخل نہیں تو "یدا بید" سے "والفضل" کا تقابل صحیح نہ ہوگا۔ اموالِ ربویہ میں حرمت نسأ کا سبب ہی صرف یہی ہے کہ مؤجل معجّل میں فضل حکمی ہے جملہ کتبِ فقہ بھی زیادۃِ ثمن لاجل کے جواز کی تصریح کرتی ہیں۔

فی باب المرابحة والتولية من الهداية:

لا ن للاجل شبهاً بالمبيع الايُرىٰ انّه يزاد فى الثمن لاجل الاجل (هدايه ص ٧٦ ج٣) كذا فى البحر والفتح وشرح التنوير و الشامية وغيرها وكذا فى البحر فى باب المرابحة. و زاد فيه بعد اسطر: الاجل فى نفسهِ ليس بمالٍ ولا يقابلهُ شيءٌ من الثمن حقيقةً اذالم يشترط زيادة الثمن بمقابله قصداً و يزاد فى الثمن لاجلهِ اذا ذكر الاجل بمقابلهِ زيادة الثمن قصداً وفى مرابحة شرح الوقاية: فى النسيئة يزاد الثمن لا جل الاجل وفى انه يزاد فى الثمن لاجله وفى حواشى جسى شرح الوقاية يجوز ان يقدر الثمن فى المبيع بالمؤجل اكثر مِمّا فى المعجل بحيث تقابل كثرة المؤجل تعجيل القليل وفى المرابحة الهداية يقوم بثمن حالٍ و بثمن مؤجل فيرجع بفضل ما بينهما (ص ٧٦ ج٣) یہ جزئیہ سب سے پہلے جزئیہ کے ساتھ لکھنا مناسب تھا ۱۲

وفى كتاب الحج للامام محمدؒ قال محمد قال ابو حنيفة فى رجل يكون لَه على رجلٍ مأة دينا رالى أجل فاذا حلت قال له الذى عليه الدين سلعة يكون ثمنها مأة دينار نقدا بمأةوخمسين الىٰ اجلٍ اَنَّ هذاجائزُ لانهما لم يشترطا شيئًا وَلَم يذكرا امراً يفسد بهِ الشراء (مجموعة الفتاوىٰ ص ١۴٥

ج ۲) وفیہ ایضاً وھکذا یتبایَعُ الناس لا نھم اذا اخروا وا زادوا لا بأس بھذا (مجموعۃ الفتاویٰ ص ۱۴۶ ج ۲) وفی الشامیۃ انَّ الاجل یقابل قسطہ من الثمن ، وفی الفوائد مفتی الحلب لانَّ المؤجل والاطولُ اجلاً انقص مالیۃ من الحال وَمن الاقصر اجلاً (فوائد ص ۳۸ ج ۲ باب المرابحۃ).

اب عبارات موردہ فی السؤال کے جوابات ملاحظہ ہوں۔ عبارت نمبر اول ورابع ہدایہ کی ہے دونوں کا جواب یہ ہے کہ اجل بحکم صفت کے ہے چنانچہ ہدایۃ کی عبارت اولیٰ کے حاشیہ پر ہے لانَّ الاجل صفۃ کالجودَۃَ (ہدایہ ص ۲۵۰ ج ۳) اور صفت کا حکم یہ ہے کہ اسکی وجہ سے قیمت میں کمی بیشی واقع ہوتی ہے، ازدیادِ ثمن کا باعث ہے مگر بعد البیع فقدانِ صفت (عیب) کی وجہ سے رجوع بالنقصان جائز نہیں کیونکہ صفت تابع ہے اور منفرداً اس کی ضمانت میں اس کا استقلال لازم آتا ہے غرضیکہ صرف صفت کی قیمت زیادہ ہوتی ہے خود مستقلاً صفت کی قیمت نہیں الّا ان یفردَ بالذکر کما سیجیئ ۔ ایسے ہی اموالِ ربویہ میں مبادلۃ بالجنس کے وقت صفت کا اعتبار نہیں۔ حاصل یہ ہے کہ صفت کی وجہ سے ازدیادِ ثمن ہوتا ہے مگر دو صورتوں میں اسکا عوض جائز نہیں (۱) رجوع بالنقصان اور (۲) مبادلہ بالجنس ان دونوں صورتوں میں صفت کا عوض لینا صحیح نہیں۔ صفت کا حکم اگرچہ معروف ہے تاہم اس پر ذیل کی عبارت تحریر کی جاتی ہے۔ وَالوصف لا یقابلہ الثمن کاطراف الحیوان (ھدایہ ص ۲۸ ج ۳) لانَّ الاوصاف لایقابلھا شییءٌ من الثمن فی مجرد العقد (الی قولہ) کل ما اوجب نقصان الثمن فی عادۃ التجار فھو عیب لا ن التضرر بنقصانِ المالیۃ الخ (ھدایہ ۴۴، ۴۵ ج ۳) لا ن الوصف وان کان تابعاً لکنہ صَار اصلاً بافرادہٖ بذکر الثمن (ھدایہ ص ۲۸ ج ۳) لانہ

(ای الوصف)صار مقصودًا باتلاف فیقا بلها شیئ من الثمن (هدایه ص ۷۶ ج ۳)وقال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فی الربویة جیّد هاوردیها سواء.

عبارات فقہیہ سے معلوم ہوا کہ رجوع بالنقصان کے وقت صفت کا عوض وصول کرنا جائز نہیں اگر چہ صفت کی وجہ سے ثمن میں زیادتی ہوتی ہے۔ اور حدیث میں تصریح ہے کہ صفتِ جودۃ کا عوض ربویات میں جائز نہیں۔ پس ہدایہ کی عبارتِ اولیٰ میں عدمِ جوازِ اخذ عوض کے دونوں مانع موجود ہیں۔ ہدایہ کی اصل عبارت کتاب الصلح میں یوں ہے "ولو کانت لهٗ الفُ مؤجلة فصالحه علی خمس مأة حالة لم یجز لا ن المعجل خیرمِّنَ المؤجل وهو غیر مستحق بالعقد فیکون بازاء ماحطّ عنه وذالک اعتیاض عن الاجل وهو حرام"

(ہدایہ ص ۲۵۰ ج ۳)

تو اس میں حرمت کا ایک سبب تو یہ ہے کہ قرض انتہاءً مبادلۃ ہے اور اجل لان الاجل صفة بحکم صفت کے مقابلہ میں نصف قرض یعنی پانچ سو مقروض کو مل رہا ہے تو عوض ہوا صفت کا۔ عند مقابلة الربویات. چنانچہ عبارتِ مذکورہ کے حاشیہ میں ہے وهذا لان الاجل صفة کالجودة والاعتیاض عن الجودة لا یجوز فکذا عن الاجل .

اور حرمت کا دوسرا سبب یہ ہے کہ مقروض کو دین دیا گیا تھا مع صفتِ الاجل، اب اس صفتِ اجل کے فقدان کی وجہ سے رجوع کرتا ہے قرض خواہ پر پانچ سو کا۔ لہٰذا یہ جائز نہ ہوگا۔

اور ہدایہ کی عبارتِ ثانیہ میں عدمِ جواز کا صرف دوسرا سبب ہے جو پوری عبارت دیکھنے سے بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو: ومن اشتریٰ غلاماً بالف درهم نسیئة فباع بربح مأة ولم یبین ، فعلم المشتری فان شاء

ردّہٗ وان شاء قبل لان للا جل شبھاً بالمبیع الایریٰ انہ ما یزاد فی الثمن لاجل الاجل (الیٰ قولہ) وان استھلکہ ثم علم لزم بالف مأۃ لان الاجل لا یقابلہ شیء من الثمن (ہدایہ ص ۶۷ ج ۳ باب المرابحۃ والتولیۃ) اس سے ظاہر ہے کہ اجل کا حکم بعینہ صفت کا ہے۔ اوپر صفت کے بارے میں بعینہٖ یہی الفاظ ''لا یقابلہ شیء من الثمن '' گذر چکے ہیں البتہ ربویات میں جودۃ کی صفت کا فرق غیر معتبر اور اجل کی صفت کا فرق معتبر ہے اس حکم میں اجل بحکم صفت نہیں کیونکہ یہ فرق منصوص علیہ ہے۔

اور عبارتِ ثانیہ جو عالمگیر یہ نے خلاصۃ الفتاویٰ سے نقل کی ہے وہ اس صورت میں ہے کہ مجلس میں کچھ طے نہیں ہوا مبہم ہی چھوڑ دیا۔ یہ صورت واقعی جہالتِ ثمن کی وجہ سے ناجائز ہے۔ قال فی الفتح فی اوائل البیوع تحت قول (ویجوز البیع بثمن حالٍ مؤجل) واما البطلان فیما اذا قال بعتکہٗ بالف حالاً وبالفین الیٰ سنۃ فلجھالۃ (فتح القدیر ص ۸۴ ج ۵) پس اگر اسی مجلس میں طے ہو گیا کہ نقد لے گا یا ادھار تو عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں۔ البتہ قاضی خان کی عبارت میں عدم جواز کی صراحت ہے۔ مگر یہ جزئیہ امام صاحبؒ کی تصریح کے خلاف ہے۔ جو امام محمدؒ کی کتاب الحج سے اوپر نقل کی جا چکی ہے۔ اس لئے اس کا کوئی اعتبار نہیں اسی وجہ سے جملہ فقہاء نے اس کے برعکس امام صاحبؒ کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔ جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔

فقط واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

۱۹؍ ربیع الاول ۱۳۷۶ھ



اباحة التقطيف من ثمرات الصنعة و التاليف

حق تصنیف اور حق ایجاد

کی شرعی حیثیت

تاریخ تالیف ـــــــ ۱۳۶۲ھ (مطابق ۱۹۴۳ء)
مقامِ تالیف ـــــــ دارالعلوم کراچی

یہ اپنے موضوع پر ایک استفتاء کا مفصل جواب ہے جو ۱۳۶۲ھ میں لکھا گیا اور اس سے پہلے شائع نہیں ہوا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوال......(۱) مصنفین اپنی کتابوں کو رجسٹرڈ کراتے ہیں تاکہ کوئی دوسرا ان کو شائع نہ کر سکے، شرعاً یہ رجسٹری جائز ہے یا نہیں؟

(۲)...... اس حق تصنیف یا حق ایجاد کی بیع وشراء کا کیا حکم ہے؟

جواب:......(۱) اپنی کسی تصنیف یا ایجاد کو رجسٹرڈ کرا کر دوسروں کو اس کی اشاعت یا صنعت سے روکنا جائز نہیں، وجہ یہ ہے کہ کسی شخص کو کسی مباح تصرف سے روکنے کی دو وجہ ہوسکتی ہیں، ایک یہ کہ اس کا یہ تصرف کسی غیر کی ملک میں بلا اس کی اجازت کے ہو، دوسرے یہ کہ اس تصرف سے کسی شخص یا جماعت کا ضرر ہوتا ہو، اور مسئلہ زیر بحث میں یہ دونوں وجہ مفقود ہیں، اول تو اس لئے کہ تصنیف کو شائع کرنے والا یا ایجاد کو بنانے والا مصنف یا موجد کی کسی ملک میں تصرف نہیں کرتا، بلکہ کتابت خود کراتا ہے، کاغذ خود مہیا کرتا ہے، طباعت وغیرہ کی اجرت خود دیتا ہے، اور نقل کرنے کے لئے جو کتاب لیتا ہے وہ بھی خرید کر یا کسی دوسرے مباح طریقہ سے۔ رہا حق تصنیف، سو نہ وہ کوئی مال ہے، نہ ملکیت کی صلاحیت رکھتا ہے، البتہ موجودہ دور حکومت نے جس طرح اور بہت سی ناحق چیزوں کا نام حق رکھ دیا ہے، اس میں یہ حق تصنیف و ایجاد بھی داخل ہے، اور وجہ ثانی اس لئے مفقود ہے کہ تصنیف کو شائع کرنے والا مصنف کو یا کسی دوسرے شخص کو شائع کرنے سے نہیں روکتا جو موجب ضرر ہو، البتہ دوسری جگہ شائع ہو جانے سے مصنف یا موجد کی گرانفروشی کے غلو کا انسداد ہوتا ہے، کہ

اس کی من مانی منفعت پر لوگ مجبور نہیں ہو سکتے، سو اول تو یہ ضرر نہیں، عدم النفع بلکہ تقلیل النفع ہے، اور ضرر اور عدم نفع میں فرق ظاہر ہے۔ مبسوط شمس الائمہ کتاب السیر و الجہاد میں اس کی تصریح اور حکم مذکور ہے، کہ کسی دوسرے کے ضرر کا سبب بننا جائز نہیں، لیکن اگر ہمارے اپنے کام سے کسی دوسرے کے نفع میں فرق پڑتا ہو، اس کی اجازت ہے، اگر بازار میں ایک چیز کی متعدد دکانیں ہو جانے سے کسی کا نفع کم ہو جائے یا بالکل نہ رہے تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ دوسرے دکان داروں نے اس کو ضرر پہنچایا، لہٰذا دوسروں پر حجر و ممانعت کی کوئی شرعی یا عقلی وجہ نہیں ہے، علاوہ ازیں مصنف یا موجد کا یہ قصد کہ دوسرے اس کو نہ چھاپیں صرف اس لئے ہو سکتا ہے کہ معتاد نفع جو عام تاجر رکھتے ہیں، اس سے زائد نفع مقرر کر سکے یا کم از کم یہ کہ اس چیز کی بیع و شراء کا پورا نفع صرف اس کو ملے دوسرے لوگ اس جائز نفع سے محروم رہیں، سو یہ خود عامۃ الناس کا ضرر اور بجائے دوسروں پر ممانعت عائد ہونے کے اس پر ممانعت کا موجب ہے، کیونکہ جس شخصی نفع سے عامۃ الناس کا ضرر ہو شریعت اس نفع کی اجازت نہیں دیتی، احادیث صحیحہ میں اس کی بہت سی نظائر موجود ہیں۔ مثلاً صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ **نهى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه و سلم ان تتلقى الركبان و ان يبيع حاضر لباد** ۔یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ غلہ کو شہر میں آنے سے پہلے دیہات و مزارع پر جا کر خرید لیا جائے، یا کوئی شہر والا گاؤں والوں کا دلال بن کر ان کا مال فروخت کرے، کیونکہ اس صورت میں غلہ ایک شخص یا چند اشخاص کے قبضہ میں آجاتا ہے، اور جو نرخ وہ رکھنا چاہیں عوام کو اس کی پابندی ناگزیر ہو جاتی ہے، اور خود گاؤں والا شہر لا کر جس طرح ارزاں فروخت کرتا وہ ارزانی بند ہو جاتی ہے، جس سے عوام کا ضرر لازم آتا ہے اسی طرح دیہات کے لوگ جلد سے جلد اپنا مال فروخت کر کے اپنے گھروں کو واپس ہونے کی فکر میں عموماً مال کو

ارزاں فروخت کر جاتے ہیں۔ اگر کوئی شہر والا ان کا دلال بن جائے، جیسے آج کل عموماً آڑھت کا کاروبار جاری ہے تو دیہات کے لوگ بھی اپنا مال گراں فروخت کریں گے، جو ضرر عامہ کو مستلزم ہے، اس لئے حدیث مذکور میں اس کی بھی ممانعت فرمادی گئی، اسی طرح احتکار غلہ کی ممانعت احادیث صحیحہ میں وارد ہے، یعنی غلہ کو خرید کر بند کر دیا جائے کہ گرانی کے وقت فروخت کریں گے، یہ بھی بوجہ ضرر عامہ کے جائز نہیں ہے، حالانکہ یہ تمام تصرفات اپنی ملک میں ہیں، اس کے باوجود بھی شریعت نے اس کا کسی کو اختیار نہیں دیا، پھر ایسی چیز جس سے اس کو ملکیت کا بھی تعلق نہ ہو، اور وہ سبب ہو ضرر عامہ کا۔ اس کا کس طرح تحمل کیا جا سکتا ہے، جیسے تصنیف و ایجاد کی رجسٹری میں ہے کہ دوسرا شخص اپنی ملک میں تصرف کرنا چاہتا ہے، مصنف و موجد مانع ہوتے ہیں، حضرات فقہاء نے قرآن و حدیث سے استنباط کر کے ایک مستقل ضابطہ اس کا بنا دیا ہے، جو اشباہ و نظائر میں بعنوان ''الضرر یزال'' مذکور ہے، اور اس کی بہت سی نظائر اس میں نقل کی گئی ہیں، الغرض ضرر عامہ کے ازالہ کے لئے بعض اوقات شخصی ضرر بھی شرعاً گوارا کر لیا جاتا ہے، چنانچہ ضرورت کے وقت حاکم شرع کو اختیار ہو جاتا ہے کہ ضروری اشیاء کے نرخ مقرر کر دے، جس سے زائد قیمت پر فروخت کرنے کی کسی کو اجازت نہ ہو، (الاشباہ والنظائر) تو وہ ضرر عام جس کے ازالہ میں کسی کا ضرر بھی نہیں، بلکہ عدم النفع بھی نہیں صرف تقلیل نفع ہے، اور وہ کمی بھی محض موہوم، یعنی اپنے خیالی نفع سے کمی، تو ظاہر ہے کہ ایسے ضرر عام کو شریعت اسلامیہ کس طرح باقی رکھ سکتی ہے۔

اور اگر غور سے دیکھا جائے تو دور حاضر کی عالمگیر بے چینی و اضطراب کہ اس میں نہ کوئی فقیر و غریب مطمئن نظر آتا ہے، نہ امیر و کبیر اور تحصیل مال کے لئے ہزاروں جائز و ناجائز طریقے ہر روز ایجاد ہوتے ہیں اس کا بہت بڑا سبب یہ بھی ہے کہ شریعت اسلامیہ نے جن ذرائع آمدنی کو وقف عام کیا تھا اور وہ عامۃ الناس کا حق مشترک تھے،

ان کو سرمایہ پرست حکومتوں اور ان کے اعوان و انصار نے یا خود قبضا لیا، اور یا ان کو تجارت کی منڈی بنا دیا کہ جو ان کو ٹیکس ادا کرے، وہ اس کا مالک ہے، یہیں سے سرمایہ دار اور مزدور کی جنگ شرع ہوئی، اور اشتراکیت کا خلافِ فطرت جنون ردِ عمل کے لئے میدان میں آیا، جس سے دوسری قسم کی آفات پیدا ہو گئیں، اور یقین ہے کہ جب تک اسلام کے سیدھے اور صاف و معتدل اقتصادی نظام کو اختیار نہ کیا جائے گا کبھی یہ اضطراب رفع نہیں ہو سکتا، اور امن عامہ حاصل نہیں ہو سکتا، اور حاصل اس نظام کا یہ ہے کہ جو چیزیں حق تعالیٰ نے وقف عام کر دی ہیں، ان کو شخصی تغلبات سے نکالا جائے، اور جو چیزیں مملوک ملک خاص ہیں، غیر مالک کو ان کی طرف نظر طمع نہ اٹھانے دی جائے، مثلاً دریا اور اس میں پیدا ہونے والی تمام مخلوقات، پہاڑ اور اس میں پیدا ہونے والی تمام اشیاء، جنگلات اور قدرتی چشمے اور ان سے حاصل ہونے والی تمام چیزیں آزاد کر دی جائیں، تصنیف و ایجاد کا ناحق حق ختم کر کے ہر محنت کرنے والے اور روپیہ لگانے والے کو نفع اٹھانے کا موقع دیا جائے، یہی وہ معتدل اقتصادی نظام ہے جو امن عامہ کا کفیل ہو سکتا ہے، خلاصہ یہ کہ درحقیقت حق تصنیف و ایجاد کوئی ایسی چیز نہیں جو مملوک ملک خاص ہو سکے، ایک شخص ایک کتاب یا کوئی نئی ایجاد دیکھ کر اپنی ملک اور اپنی محنت سے اس کی نقل اتار لے تو اس کو روکنا ایک امر مباح کو روکنا ہے، جس کا وہ شخص حق دار تھا، اور ظاہر ہے کہ یہ روکنا ظلم ناروا ہے۔

تنبیہ

بعض حضرات یہ عذر کرتے ہیں کہ رجسٹری کرانے میں مصلحت یہ ہے کہ تاجر عموماً تجارتی نفع کی خاطر تصنیف کو غلط اور مسخ کر کے چھاپ دیتے ہیں، جس سے مصنف کا مقصد اصلی فوت ہو جاتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی صورت میں مصنف

کو شرعاً یہ حق پہنچتا ہے کہ اس طرح مسخ و محرف کر کے چھاپنے والے پر دعویٰ کرے کہ اس نے میری طرف ایسی چیز کو منسوب کیا ہے جو فی الواقع میری نہیں اس لئے اس کو یا طباعت سے ممنوع قرار دیا جائے، اور آئندہ احتیاط پر مجبور کیا جائے، لیکن عامۃً اشاعت پر پابندی کا شرعاً کوئی حق نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲:......اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ اپنی تصنیف یا ایجاد کو اپنے لئے مخصوص کرنے کا مصنف یا موجد کو کوئی حق نہیں ہے تو خرید و فروخت بھی شرعاً جائز نہیں، کیونکہ خرید و فروخت کے لئے مال ہونا شرط ہے، اور حق مجرد کوئی مال نہیں ہوتا، اگرچہ ذریعہ مال بن سکتا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

بندہ

محمد شفیع عفا اللہ عنہ

دیوبند ۱۳۶۲ھ



یہ رسالہ مختصر ہے اس موضوع پر مزید تحقیق کے لئے حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہٗ نے حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کو توجہ دلائی تھی۔ بعد میں شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے ''بیع الحقوق المجردۃ'' کے نام سے عربی میں کتاب تحریر فرمائی جس میں بیع الحقوق کی اقسام اور دور حاضر میں ان کے احکام شرعیہ کی تفصیل تحریر کی گئی ہے۔ مناسب ہے کہ جواہر الفقہ کے اس رسالہ کا مطالعہ کرنے والے حضرات اُس مفصل تحریر کا بھی مطالعہ فرمالیں۔

احقر

محمود اشرف غفر اللہ لہٗ

۱۵/۸/ ۱۴۳۱ھ



بیمہ اور اس کے احکام

انشورنس کی مختلف صورتوں کے احکام قرآن وسنت کی روشنی میں

تاریخ تالیف ______ شوال ۱۳۸۴ھ (مطابق ۱۹۶۴ء)

مقامِ تالیف ______ کراچی

بیمہ کا رواج دنیا میں عام ہو چکا ہے، اس کی ابتداء کسی زمانے میں امداد باہمی کے اصول پر ہوتی تھی پھر یہ سرمایہ داروں کا ایک کاروبار بن گیا جس کی بنیاد سود اور جوئے پر رکھی گئی جس کا اسلام میں حرام ہونا ہر مسلمان جانتا ہے مگر اس کاروبار والوں نے اس کو امداد باہمی کا نام دے کر عوام کے لئے بلکہ حقیقت سے ناواقف اہل علم کے لئے بھی ایک مغالطہ کی شکل دی۔

اس موضوع پر ایک سوالنامہ "مجلس تحقیقات شرعیہ" لکھنؤ نے شائع کیا جس کا ایک جواب حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے اور دوسرا جواب حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا "مجلس تحقیق مسائل حاضرہ" کراچی نے ان فتاویٰ کو بغور دیکھا اور ان سے اتفاق کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوالنامہ متعلق انشورنس

منجانب

مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی کنوینر مجلس تحقیقات شرعیہ لکھنؤ

تمہید

حامداً و مصلیاً

۱:.......بیمہ کی حقیقت

"بیمہ" انگریزی لفظ "انشور" (insure) کا ترجمہ ہے جس کے معنی لغۃً یقین دہانی کے ہیں۔ چونکہ کمپنی بیمہ کرانے والے کو مستقبل کے بعض خطرات سے حفاظت اور بعض نقصانات کی تلافی کی یقین دہانی کر دیتی ہے، اس لئے اسے انشورنس کمپنی کہتے ہیں۔ یہ ایک معاملہ ہے جو بیمہ کے طالب اور بیمہ کمپنی کے درمیان ہوتا ہے اور اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ بیمہ کمپنی (جس میں بہت سے سرمایہ دار شریک ہوتے ہیں اسی طرح جس طرح تجارتی کمپنیاں ہوتی ہیں) بیمہ کے طالب سے ایک معینہ رقم بالاقساط وصول کرتی رہتی ہے۔ اور ایک معینہ مدت کے بعد وہ رقم اسے یا اس کے پس ماندگان کو (حسب شرائط) واپس کر دیتی ہے۔ اس کے ساتھ ایک مقررہ شرح فیصد کے حساب سے اصل رقم کے ساتھ کچھ

مزید رقم بطور سود دیتی ہے۔ گو اس رقم کا نام ان کی اصطلاح میں ربوا یا سود نہیں بلکہ بونس یعنی منافع ہے۔

۲:...... کمپنی کا مقصد اس رقم کے جمع کرنے سے یہ ہوتا ہے کہ اسے دوسرے لوگوں کو بطور قرض دے کر ان سے اعلیٰ شرح پر سود حاصل کرے یا کسی تجارت میں لگا کر، یا کوئی جائداد خرید کر اس سے منافع حاصل کرے، اس کے شرکاء اپنی ذاتی رقم خرچ کئے بغیر کثیر رقم بصورت سود یا منافع حاصل کرتے ہیں، اور اسی سود یا منافع میں سے بیمہ دار کو ایک حصہ دیتے ہیں۔

ممکن ہے کسی درجہ میں ان لوگوں کا مقصد مصیبت زدہ یا پریشان حال افراد کی امداد بھی ہو، لیکن اصل مقصد وہی ہوتا ہے جو اوپر عرض کیا گیا ہے، مگر اس کی بحث بے ضرورت ہے اس لئے کہ اس کا کوئی اثر نفس مسئلہ پر نہیں پڑتا ہے۔ بیمہ کرانے والے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کا سرمایہ محفوظ رہے اور اس میں اضافہ بھی ہو اس کے علاوہ اس کے پسماندگان کو امداد و اعانت حاصل ہو، یا ناگہانی حادثات کی صورت میں اس کے نقصان کی تلافی ہو جائے۔

۳:...... بیمہ کی تین قسمیں ہیں۔

(الف) زندگی کا بیمہ۔

(ب) املاک کا بیمہ۔

(ج) ذمہ داری کا بیمہ۔

الف:...... زندگی کا بیمہ: اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ بیمہ کمپنی اپنے ڈاکٹر کے ذریعہ سے بیمہ کے طالب کا معائنہ کراتی ہے اور ڈاکٹر اس کی جسمانی حالت دیکھ کر اندازہ کرتا ہے کہ اگر کوئی ناگہانی آفت پیش نہ آئی تو یہ شخص اتنے سال مثلاً بیس سال زندہ رہ سکتا ہے۔ ڈاکٹر کی رپورٹ پر کمپنی بیس سال کے لئے اس کی زندگی کا بیمہ کر لیتی ہے۔ اس کا مطلب یہ

ہوتا ہے کہ بیمہ کے لئے ایک رقم مابین طالب و کمپنی مقرر ہو جاتی ہے جو بالاقساط بیمہ دار کمپنی کو ادا کرتا ہے، اور ایک معینہ مدت میں جب وہ پوری رقم ادا کر دیتا ہے، تو بیمہ مکمل ہو جاتا ہے۔ اب اس کے بعد اگر بیمہ دار اتنی مدت کے بعد انتقال کر جاتا ہے، جس کا اندازہ کمپنی کے ڈاکٹر نے کیا تھا تو کمپنی اس کے پس ماندگان میں سے جسے وہ نامزد کر دے یا اگر نامزد نہ کرے تو اس کے قانونی ورثاء کو وہ جمع شدہ رقم مع کچھ مزید کے جس کو بونس (Bonus) کہتے ہیں، یکمشت ادا کر دیتی ہے۔

اور اگر وہ مدت مذکورہ سے پہلے مر جائے خواہ طبعی موت سے، یا کسی حادثہ وغیرہ سے تو بھی کمپنی اس کے پس ماندگان کو حسبِ تفصیل مذکور پوری رقم مع کچھ زائد رقم کے ادا کرتی ہے مگر اس صورت میں شرح منافع زائد ہوتی ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ وہ شخص مدت مذکورہ کے بعد بھی زندہ رہے، اس شکل میں بھی اسے رقم مع منافع واپس ملتی ہے، مگر شرح منافع کم ہوتی ہے، زندگی کا بیمہ تو پورے جسم کا بیمہ ہوتا ہے۔ لیکن اب انفرادی طور پر مختلف اعضاء کے بیمہ کا رواج بھی بکثرت ہو گیا ہے۔ مثلاً ہاتھوں کا بیمہ، سر کا بیمہ، ٹانگوں کا بیمہ وغیرہ، اس کی شکل بھی وہی ہوتی ہے، فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ ان شکلوں میں ڈاکٹر کسی ایک عضو کی زندگی یا کارکردگی کا اندازہ لگاتا ہے اس کے اندازہ پر بقیہ معاملہ اسی طرح ہوتا ہے۔ جس طرح زندگی کے بیمہ کی صورت میں۔ اور واپسی رقم مع منافع کی شکلیں وہی تین ہیں۔ البتہ یہاں پورے جسم کی مدت کے قائم مقام صرف ایک حصہ جسم کی مدت یا اس کے ناکارہ ہونے کو قرار دیا ہے۔

ب:...... املاک کا بیمہ: عمارت، کارخانہ، موٹر، جہاز وغیرہ ہر چیز کے بیمے کا رواج اب ہو گیا ہے۔ اس کی شکل بھی وہی ہوتی ہے، یعنی بیمہ دار ایک معینہ مدت کے لئے ایک رقم بالاقساط ادا کرتا ہے۔ اور کمپنی ایک معینہ مدت کے بعد اسے وہ رقم مع کچھ زائد رقم کے واپس کرتی ہے۔ اور اگر کسی حادثہ کی وجہ سے بیمہ شدہ املاک تلف ہو جائے، مثلاً کارخانہ میں یکا یک آگ لگ جائے، یا جہاز غرق ہو جائے، یا موٹر کسی حادثہ میں ٹوٹ جائے تو کمپنی اس

نقصان کی تلافی کرتی ہے، اور اصل رقم کے ساتھ کچھ مزید رقم زیادہ شرح فیصد کے حساب سے بیمہ کرانے والے کو دیتی ہے۔

ج:...... ذمہ داریوں کا بیمہ: اس میں بچہ کی تعلیم، شادی وغیرہ کا بیمہ ہوتا ہے، کمپنی ان کاموں کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ رقم وغیرہ کی ادائیگی اور وصولی کی صورتیں وہی ہوتی ہیں۔

۴:...... بیمہ کرانے والے کو ایک معینہ رقم بصورت اقساط ادا کرنی پڑتی ہے، لیکن اگر چند ماہ (حسب قواعد وشرائط) اقساط ادا کرنے کے بعد بیمہ دار رقم کی ادائیگی بند کر دے تو اس کی ادا کی ہوئی رقم سوخت ہو جاتی ہے، اور واپس نہیں ملتی۔ لیکن اسے اختیار ہوتا ہے کہ وہ جب چاہے درمیان کے بقایا اقساط ادا کر کے حسب سابق اقساط جاری کرالے، بقایا اقساط نہ ادا کرنے کی صورت میں بھی بعض قواعد کے ماتحت اقساط کا سلسلہ دوبارہ جاری ہو سکتا ہے، لیکن اگر وہ سلسلہ منقطع کر کے جمع شدہ رقم واپس لینا چاہے تو ایسا نہیں کر سکتا۔

۵:...... بیمہ دار اگر سود نہ لینا چاہے تو کمپنی اسے اس پر مجبور نہیں کرتی اور حسب شرائط اس کو اصل رقم واپس کرتی ہے۔

۶:...... بیمہ دار دو سال تک قسط ادا کرنے کے بعد کم شرح سود پر قرض لینے کا مجاز ہو جاتا ہے۔

۷:...... ہندوستان میں زندگی کے بیمہ کے متعلق حکومت نے ایک قانون بنایا ہے۔ جس کی رو سے بیمہ کی یہ قسم نجی کمپنیوں کے ہاتھ سے نکل کر خود حکومت کے ہاتھ میں آگئی ہے۔ اور کسی نجی کمپنی کے بجائے یہ معاملہ بیمہ دار اور حکومت کے درمیان ہوتا ہے۔ بظاہر حالات سے ایسا نظر آتا ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد یہ پورا کاروبار نیشنلائز کر لیا جائے گا، اور نجی کمپنیاں ختم کر کے حکومت خود یہ معاملہ کرے گی۔

خلاصہ : بیمہ کی یہ مختلف شکلیں ہیں۔ لیکن ان سب کی حیثیت وہی ہے جو سب سے پہلے عرض کی جا چکی ہے، یہاں اختصار کے ساتھ مکرر پیش کیا جاتا ہے۔

حقیقت کے لحاظ سے انشورنس کا معاملہ ایک سودی کاروبار ہے، جو بینک کے کاروبار کے مثل ہے۔ دونوں میں جو فرق ہے وہ شکل کا ہے۔ حقیقت کے لحاظ سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ حقیقت میں اگر فرق ہے تو صرف اتنا کہ اس میں ربوا کے ساتھ ''غرر'' بھی پایا جاتا ہے۔

بیمہ کرانے والا کمپنی کو روپیہ قرض دیتا ہے اور کمپنی اس رقم سے سودی کاروبار یا تجارت وغیرہ کر کے نفع حاصل کرتی ہے۔ اور اس نفع میں سے بیمہ کرانے والے کو بھی کچھ رقم بطور سود ادا کرتی ہے۔ جس کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے، کہ لوگ اس منفعت کے لالچ میں زیادہ سے زیادہ بیمہ کرائیں، بینک بھی یہی کرتے ہیں، البتہ اس میں شرح سود مختلف حالات وشرائط کے اعتبار سے بدلتی رہتی ہے۔ بینک میں عموماً ایسا نہیں ہوتا۔

بیمہ کے مصالح اور مفاسد

دنیاوی نقطۂ نظر سے بیمہ پالیسی خریدنے میں کیا مصلحتیں ہیں اور کیا مفاسد ہیں؟ ان کا تذکرہ درج ذیل ہے۔ تاکہ حضرات اہل علم ان پر نظر فرما کر فیصلہ فرما سکیں، اس لئے یہاں صرف انہیں دنیاوی مصالح ومفاسد کا تذکرہ ہے جو فی نفسہٖ کسی نہ کسی درجہ میں شرعاً بھی معتد بہ ہیں۔ جو مصالح ومفاسد شرعاً غیر معتد بہ ہیں۔ ان کا تذکرہ نہیں کیا گیا ہے۔ مثلاً اسی دنیاوی مصلحت کا کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا ہے کہ اسی طرح خریدار کو سود ملتا ہے اور اس کی اصل رقم میں بغیر محنت اضافہ ہوتا ہے۔ اس لئے کہ یہ مصلحت شرعاً غیر معتد بہ ہے، بلکہ مصلحت کے بجائے مفسدہ ہے۔ اس طرح اس مفسدہ کو بھی نظر انداز کیا گیا ہے کہ قلیل آمدنی والے افراد جب پالیسی خریدنے کے لئے کچھ رقم پس انداز کریں گے، تو تحسینات میں کمی کرنے پر مجبور ہوں گے اور بعض جائز لذتوں سے محروم رہیں گے۔ اس لئے کہ یہ شرعاً مفسدہ غیر معتد بہ ہے۔

بیمہ کے مصالح: ناگہانی حوادثات کی صورت میں بیمہ دار تباہی وبربادی سے بچ جاتا

ہے۔ مثلاً:

۱:...... ہندو مسلم فساد میں بہت سے مسلمانوں کے کارخانے خاک سیاہ اور تباہ و برباد کر دیئے گئے جن لوگوں نے اپنے کارخانوں کا بیمہ کرالیا تھا وہ تباہی سے بچ گئے۔ اور انہوں نے دوبارہ اپنا کاروبار جاری کر دیا۔ لیکن جنھوں نے بیمہ نہیں کرایا تھا، وہ پورے طور پر برباد ہو گئے پنپ نہ سکے۔ دوکانوں اور مکانوں وغیرہ کی بھی یہی کیفیت ہوئی۔

(نوٹ: فسادات ہندوستان کا روزمرہ بن چکے اور ان کا انسداد مسلمانوں کی استطاعت سے باہر ہے۔)

۲:...... اوسط طبقہ کے افراد جو کثیر العیال بھی ہوں، اگر ناگہانی طریقہ سے وفات پا جائیں، تو ان کے پس ماندگان سخت پریشانی میں پڑتے ہیں۔ اپنی قلیل آمدنی میں عموماً وہ کوئی رقم پس انداز کر کے نہیں رکھ سکتے، جو ان کے پسماندگان کے کام آ سکے۔ ایسی حالت میں اگر وہ بیمہ پالیسی خرید لیں تو ایک طرف تو انہیں پس اندازی میں سہولت ہوتی ہے، دوسرے ان کی ناگہانی وفات پر ان کی پس انداز رقم مع مزید رقم کے ان کے پس ماندگان کو مل جاتی ہے۔ جو ان کے لئے بہت مفید اور معاون ہوتی ہے۔

تعلیم وغیرہ کی صورت میں تو یہ مصلحت اور بھی زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے، اس لئے اگر وہ اپنی اولاد کو مناسب تعلیم دلانے سے قبل وفات پا جائیں تو اولاد کا سلسلہ تعلیم منقطع نہیں ہوتا، اور کسی نہ کسی دن اولاد اس قابل ہو جاتی ہے کہ کچھ کما سکے۔

۳:...... اگر اولاد ناہنجار ہو باپ کے مرنے کے بعد ماں کی طرف سے غفلت برتتی ہے۔ اور اس کا شرعی حق نظر انداز کر کے باپ کی کل جائداد و املاک پر قابض ہو جاتی ہے، اس صورت میں اگر شوہر بیمہ کی پالیسی خرید کر اپنی بیوی کو اس کا وارث قرار دیدے تو یہ رقم بیوہ کو بے خرخشہ مل جاتی ہے۔

اگر اولاد کے درمیان تحاسد و تباغض ہو، یا بعض بچے چھوٹے ہوں، اولاد سے خطرہ

ہو کہ حقوق کو غصب کر لیں گے، تو بھی ان کے نام سے بیمہ پالیسی خرید لینا مفید ہو سکتا ہے۔

۴:...... چونکہ کمپنیاں عموماً اہل ہنود کی ہیں۔ اس لئے بیمہ پالیسی خریدنا فساد کی تباہ کاریوں کو روکنے کا بھی ایک ذریعہ ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ فسادی یہ معلوم کر کے کہ مسلمان کی بیمہ شدہ مملوکہ شئ کو نقصان پہنچانا خود ہندوؤں کو نقصان پہنچانا ہے شاید اس نقصان پہنچانے سے باز رہیں۔ اس طرح ممکن ہے کہ کسی درجہ میں یہ حفاظت جان کا ذریعہ بھی بن سکے۔

نوٹ:...... اب سے دو چار صدی پیشتر مسلمانوں کے حالات مختلف تھے۔ اول تو ناگہانی حادثات کی اتنی کثرت نہیں تھی جو آج مشین کے رواج کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہے۔ دوسرے بکثرت مسلمان اسلامی حکومتوں میں رہتے تھے، جہاں بیت المال بڑی حد تک ان حوادث کے نتائج سے پناہ دیتا تھا۔ تیسرے مصارف زندگی کا اتنا بوجھ بھی نہیں ہوتا تھا۔ چوتھے آپس کی ہمدردی کا جذبہ اتنا سرد نہیں ہوا تھا۔ جتنا آج ہو گیا ہے۔ پانچویں تعداد کی قلت اور قوم کی بحیثیت مجموعی دولت مندی زکوٰۃ وصدقات کا رواج یہ سب امور مل کر اس قسم کے نقصانات کی تلافی کر دیا کرتے تھے۔ اب ان سب چیزوں کا تقریباً فقدان ہے۔ آبادی میں اضافہ مزید پریشانی کا باعث ہے۔ سو (۱۰۰) میں ایک کی تباہ حالی دور کرنا، آسان ہے مگر سو میں ۲۵ کے ساتھ مواسات کرنا بہت مشکل ہے۔

بیمہ کے مفاسد

واضح رہے کہ یہاں صرف دنیاوی مفاسد کا تذکرہ مقصود ہے جن کی طرف بعض اوقات بعض اہل علم کی نظر نہیں جاتی، دینی مفاسد سے چونکہ ہر صاحب علم واقف ہے، اس لئے ان کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔

۱:...... ایسے واقعات بھی ہوتے ہیں کہ کسی وارث نے بیمہ کی رقم وصول کرنے کے لئے مورث کو (جو کہ بیمہ دار تھا) قتل کروا دیا۔

۲:...... اس قسم کے واقعات بھی پیش آتے ہیں کہ بیمہ دار نے دھوکہ دے کر اپنی دوکان یا اپنے

مکان یا کسی اور چیز کی مالیت زیادہ ظاہر کردی۔ اور اس کا بیمہ کرادیا اور کچھ عرصہ کے بعد سود کی رقم (جو اس کی مملوکہ شئی کی مالیت سے معتد بہ حد تک زائد تھی) وصول کرنے کے لئے اس شئی کو مخفی طریقہ سے خود تلف کردیا۔ مثلاً آگ لگادی، یا اور اسی قسم کی حرکت کی اور اس طرح نقصان کی تلافی کے ساتھ مزید نفع بھی اٹھایا۔

اس قسم کے واقعات کی تعداد اگرچہ قلیل ہے مگر نہ تو بعید از قیاس ہے اور نہ النادر کالمعدوم کہے جاسکتے ہیں۔

۳:...... تجربات شاہد ہیں کہ جو دولت بے مشقت اور بے محنت ہاتھ آجاتی ہے، آدمی اسے بہت بیدردی کے ساتھ خرچ کرتا ہے۔ نوجوان اولاد کو اگر باپ کے بعد بیمہ کی رقم بغیر محنت و کوشش ملے گی تو ظن غالب یہی ہے کہ وہ اسے بے دریغ صرف کرے گی، اسراف و تبذیر کی عادت فی نفسہ مذموم ہونے کے علاوہ افلاس و تباہی کا پیش خیمہ ہے۔ جو اخلاقی خرابیاں ایسی صورت میں پیدا ہوتی ہیں ان کی تفصیل بے ضرورت ہے۔

۴:...... یہ بات کھلی ہوئی ہے کہ بیمہ پالیسی کی خریداری میں سرمایہ دار طبقہ ہی پیش پیش ہوسکتا ہے سود کی رقم اس کی دولت میں اور اضافہ کریگی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سرمایہ داری کو مزید ترقی ہوگی۔

ان تمہیدی امور کے عرض کرنے کے بعد حضرات علماء کرام سے درخواست ہے، کہ ''انشورنس'' کے متعلق مندرجہ بالا حقیقت اور اس کے مصالح و مفاسد کو پیش نظر رکھ کر شریعت مقدسہ اسلامیہ کی روشنی میں مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات عنایت فرمائیں، ضروری استدعا یہ ہے کہ براہ کرم جوابات مدلل اور واضح عنایت فرمائیں۔

بیمہ کے متعلق چند ضروری سوالات

۱:...... انشورنس کی جو حقیقت اوپر عرض کی گئی ہے، اس میں کمپنی جو رقم بطور سود دیتی ہے، جس کا نام وہ اپنی اصطلاح میں منافع رکھتی ہے، شریعت کا اصطلاحی ربوا ہے یا نہیں؟

۲:......اگر سود مذکور شرعی اصطلاح میں ربوا ہے تو کیا مصالح مذکورہ کے پیش نظر اس کے جواز کی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے؟ اگر نکل سکتی ہے تو کیسے؟

۳:......زندگی کے بیمہ، املاک کے بیمہ، ذمہ داری کے بیمہ کے درمیان شرعاً کوئی فرق ہوگا، یا تینوں کا حکم ایک ہی ہوگا؟

۴:......معاملہ کی یہ شرط کہ اگر بیمہ شدہ شخص یا شئ وقت معین سے پہلے تلف ہو جائے تو اتنی رقم ملے گی اور اس کے بعد تلف ہوئی تو اتنی جب کہ تلف ہونے کے وقت کا تعین غیر ممکن ہے اس معاملہ کو قمار کے حدود میں تو نہیں داخل کر دیتی ہے؟

۵:......اگر یہ قمار یا غرر ہے تو کیا مصالح مذکورہ کے پیش نظر اسے نظر انداز کر کے اس معاملہ کے جواز کی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے اور اگر نکل سکتی ہے تو کیسے؟

۶:......اگر بیمہ دار مندرجہ اقسام بیمہ سے کسی میں سود لینے سے بالکل محترز رہے، اور اپنی اصل رقم کی صرف واپسی چاہتا ہو تو کیا یہ معاملہ جائز ہو سکتا ہے؟

۷:......جو رقم کمپنی بطور سود ادا کرتی ہے، اسے ربوا کے بجائے اس کی جانب سے اعانت و امداد اور تبرع و احسان قرار دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

نوٹ: بعض کمپنیوں کے ایجنٹ اس کا مقصد امداد ہی ظاہر کرتے ہیں۔

۸:......اگر کوئی مسلمان کسی دار الحرب کا باشندہ ہو (مستامن نہیں) اور کمپنی حربیوں ہی کی ہو تو کیا اس صورت میں یہ معاملہ مسلمانوں کے لئے جائز ہوگا؟

۹:......اس صورت میں جب کہ انشورنس کا روبار خود حکومت کر رہی ہو، اور اس صورت میں جب کہ یہ کاروبار نجی کمپنیاں کر رہی ہوں، کوئی فرق ہے یا نہیں؟

۱۰:......اگر یہ کاروبار حکومت کے ہاتھ میں ہو تو کیا اس بنیاد پر کہ خزانہ حکومت میں رعیت کے ہر فرد کا حق ہوتا ہے، زیر بحث معاملہ میں سود کی رقم عطیہ حکومت قرار پا کر ''ربوا'' کے حدود سے خارج ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اور کیا اس صورت میں یہ معاملہ جائز ہو سکتا ہے؟

۱۱:..... فرض کیجئے بیمہ کا کاروبار حکومت کے ہاتھ میں ہے، ایک شخص بیمہ پالیسی خریدتا ہے اور میعاد معین کے بعد اصل مع سود کے وصول کرتا ہے لیکن۔

الف : سود کی کل رقم بصورت ٹیکس و چندہ خود حکومت کو دیتا ہے۔

ب : ایسے کاموں میں لگا دیتا ہے جن کا انجام دینا خود حکومت کے ذمہ ہوتا ہے مگر وہ لاپرواہی یا کسی دشواری کی وجہ سے انہیں انجام نہیں دیتی، مثلاً کسی جگہ پل یا راستہ بنوانا، کسی تعلیمی ادارے کو امداد دینا، کنواں کھدوانا، یا نل لگوادینا وغیرہ جہاں یہ امور قانوناً حکومت کے ذمہ ہوں۔

ج: ایسے کاموں میں صرف کرتا ہے جو قانوناً حکومت کے ذمہ نہیں ہوتے، مگر عام طور پر رعایا ان کے بارے میں حکومت کی امداد چاہتی ہے، اور حکومت بھی ان کی اس خواہش کو مذموم نہیں سمجھتی، بلکہ بعض اوقات امداد کرتی ہے۔ مثلاً کسی جگہ کتب خانہ کھول دینا وغیرہ۔

تو کیا مندرجہ بالا صورتوں میں اس شخص کے لئے بیمہ پالیسی کی خریداری جائز ہوگی، اور ربوا لینے کا گناہ تو نہ ہوگا؟

نوٹ: مندرجہ بالا تینوں صورتوں (الف، ب، ج) کے احکام میں اگر فرق ہے تو اسے واضح فرمایا جائے۔

۱۲..... بیمہ دار اگر سود کی رقم بغیر نیت ثواب کے کسی دوسرے شخص کو امداد کے طور پر دے دیتا ہے تو کیا اس صورت میں انشورنس کا معاملہ جائز ہوگا؟

اگر انشورنس کے جواز کی کوئی گنجائش نہیں ہے تو کیا مصالح وحاجات مذکورہ کو سامنے رکھ کر۔

الف: اس کا کوئی بدل ہوسکتا ہے جس میں مصالح مذکور موجود ہوں، اور اس پر عمل کرنے سے ارتکاب معصیت لازم نہ آئے، اگر ہوسکتا ہے تو کیا ؟ یا

ب : انشورنس کی مروجہ شکل میں کیا کوئی ایسی ترمیم کی جاسکتی ہے، جو اسے

معصیت کے دائرے سے خارج کردے اور مصالح مذکورہ کو فوت نہ کرے۔ اگر ہو سکتی ہے تو کیا؟

احقر محمد اسحاق سندیلوی عفی عنہ کنو ینز

۱۹ اکتوبر ۱۹۶۴ء

جواب سوالنامہ مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء لکھنؤ

از

مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ مفتی پاکستان صدر دار العلوم کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفٰی

امابعد! اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائیں وقت کے اہم مسئلہ کی طرف آپ نے توجہ فرمائی۔ اور جواب دینے والے کے لئے معاملہ کی نوعیت سمجھنے کی مشکل حل کردی۔ آج کل جدید قسم کے معاملات جو عام طور پر کاروباری زندگی اور معاشرہ میں رواج پا گئے ہیں، ان کے جائز یا ناجائز ہونے کا فیصلہ کرنے میں اہل علم کے لئے ایک بڑی دشواری یہ بھی پیش آتی ہے کہ ایک طرف ان معاملات کے کرنے والے شرعی اصطلاحات سے واقف نہیں ہوتے کہ معاملہ کی صحیح نوعیت بیان کرسکیں دوسری طرف جواب دینے والے اہل فتویٰ عموماً ان معاملات کی حقیقت سے واقف نہیں ہوتے اور ان کی واقفیت حاصل کرنا بھی ان کے لئے آسان نہیں ہوتا۔

عرصہ دراز ہوا کہ احقر سے ایک بیمہ کمپنی کے کسی ایجنٹ نے بیمہ کے جواز وعدم جواز کا سوال کیا ان کے پیش نظر تو صرف اتنا تھا کہ میری طرف سے کوئی حرف جواز ہاتھ آ جائے تو وہ اسے مسلمانوں کو بیمہ کرانے کی ترغیب کا اشتہار اور اپنے کاروبار کی ترقی کا ذریعہ بنائیں۔ جیسا کہ ان کی دی ہوئی ایک کتاب میں دوسرے بہت سے علماء کے ایسے ہی کلمات کو بطور اشتہار انہوں نے استعمال کیا ہوا تھا اور حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کر کے جو عبارت لکھی ہوئی تھی اس میں درمیان سے ایک پوری سطر کاٹ کر نقطے لگائے ہوئے تھے۔ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اس سطر میں مفتی صاحب موصوف نے کمپنی کی منشا کے خلاف کوئی بات لکھی تھی اس لئے اس کو درمیان سے حذف کر دیا گیا ہے۔ مگر دیانت کا اتنا پہلو بھی غنیمت نظر آیا کہ درمیان سے ایک سطر کی خالی جگہ میں نقطے لگا کر اتنا بتلا دیا تھا کہ مفتی صاحب کی عبارت مسلسل نہیں ہے۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد دیکھا کہ ؎

بگولے اس لئے منڈلا رہے ہیں میرے مدفن پر
کہ یہ دھبہ بھی کیوں باقی رہے صحرا کے دامن پر

رفتہ رفتہ دیانت کا یہ ہلکا سا اثر بھی ختم ہوا۔ اور اب جو پمفلٹ شائع ہوئے ان میں عبارت کو مسلسل کر کے چھاپ دیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

احقر نے اس طرز عمل کو دیکھنے کے بعد احتیاط ضروری سمجھی اور ان سے عرض کیا کہ آپ بیمہ کے مکمل قواعد وضوابط مجھے دیں میں ان کو دیکھ کر کوئی جواب دونگا۔ اس پر جو کاغذات انہوں نے میرے لئے مہیا کئے وہ صرف بیمہ زندگی سے متعلق تھے، ان کو دیکھ کر میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ بیمہ زندگی میں شرعی حیثیت سے تین مفاسد ہیں۔ اول سود، دوسرا قمار، تیسرا معاہدہ کی بعض شرائط فاسدہ۔ اس لئے بصورت موجودہ اسکے جواز کی کوئی وجہ نہ تھی۔ احقر نے ان کو ایک مسودہ ترمیم کا لکھ کر دیا جس کے ذریعہ یہ کاروبار بغیر کسی قسم کے

نقصان کے حرام وگناہ سے نکل جائے۔

انہوں نے ترمیم منظور کرا کر جاری کرنے کا وعدہ بھی کیا تھا مگر پھر اس کا کوئی اثر بیمہ کمپنی کے معاملات میں نظر نہ آیا شاید وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہوسکے۔

احقر نے بار ہا ارادہ کیا کہ کم ازکم مسئلہ کی حیثیت اور ترمیم کی صورت کو شائع کر دیا جائے۔ مگر اول تو اس پر مکمل اطمینان نہیں تھا کہ معاملہ کی نوعیت جو ان کاغذات کے مطالعہ سے میں نے سمجھی اور صحیح قرار دی ہے، اس میں کوئی غلطی نہیں۔ دوسرے بیمہ کی دوسری اقسام کو جمع کرنے اور اس کے مکمل احکام بیان کرنے کا داعیہ بھی تھا۔ جس کے نتیجہ میں آج تک یہ ارادہ، ارادہ ہی رہا عملی صورت اختیار نہ کرسکا پھر مشاغل وذوا ہل نے فرصت نہ دی اور روز بروز قویٰ کے انحطاط اور ضعف نے ارادہ کو بھی اسی نسبت سے ضعیف کر دیا۔ جناب کے مرسلہ سوالنامہ نے معاملہ کی نوعیت کو پوری طرح واشگاف بیان کر دیا۔ اور اس کی تمام اقسام کو بھی واضح انداز میں ذکر کر کے کچھ لکھنے کی ہمت پیدا کر دی۔ خصوصاً اس لئے کہ اب یہ میرا جواب کوئی آخری فیصلہ نہیں، دوسرے علماء کے سامنے پیش ہو کر اس کی اصلاح بھی ہو سکے گی۔

واما الله سبحانه وتعالیٰ اسال السداد والصواب والیه المرجع والمآب

ایک استدعا

اگر رائج الوقت معاملات جدیدہ کے متعلق اسی طرح معاملہ کی پوری تحقیق اہل معاملہ سے معلوم کر کے سوال نامے مرتب کر لئے جائیں تو سمجھتا ہوں کہ مجلس تحقیقات کا یہ بھی بڑا کارنامہ ہوگا۔ آگے سوالنامہ کا مفصل جواب عرض ہے۔ واللہ الموفق۔

الجواب:

۱:...... ظاہر ہے کہ محض نام بدل دینے سے کسی معاملہ کی حقیقت نہیں بدلتی بیمہ کمپنی

کے منافع بلاشبہ سود و ربوا کی تعریف میں داخل ہیں۔ بینک کے سود کو ربوا کی تعریف سے خارج کرنے کیلئے جو وجوہ بعض نوتعلیم یافتہ حضرات نے لکھے ہیں۔ان کا مفصل جواب احقر کے رسالہ ''مسئلہ سود'' میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔اس میں سود و ربوا کی تعریف بھی وضاحت کے ساتھ لکھ دی گئی ہے۔

۲:......سود کے جواز کی تو کوئی گنجائش نہیں کہ اس کی حرمت قطعی اور شدید ہے جس کی تفصیل احقر کے رسالہ ''مسئلہ سود'' میں دیکھی جاسکتی ہے البتہ بیمہ کے قواعد وضوابط میں ترمیم کر کے اس کو ایک نفع بخش شرعی معاملہ بنایا جاسکتا ہے۔جس کا ذکر تفصیل میں آئے گا۔

۳:......تشریح اس کی یہ ہے کہ:

الف: قرآن کریم کی آیت ''واحل اللّٰہ البیع وحرم الربوا'' میں بیع وتجارت کو حلال اور اس کے مقابل ربوا کو حرام قرار دیا ہے۔ بیع یا تجارت ایک مشترک کاروبار میں نفع نقصان کی منصفانہ تقسیم کا نام ہے۔اور ربوا اس زیادتی کا نام ہے جو تجارتی نقصان سے قطع نظر کر کے اپنی رقم کی میعاد معین کے معاوضہ میں وصول کی جائے۔خواہ کاروبار میں کتنا ہی نفع یا نقصان ہو۔ظاہر ہے کہ بیمہ کی تینوں صورتوں میں جو منافع یا بونس دیا جاتا ہے، وہ بیع وتجارت کے اصول پر نہیں بلکہ ربوا کے طور پر دیا جاتا ہے۔

ب: اور چونکہ حوادث کا حال کسی کو معلوم نہیں کہ واقع ہوں گے، یا نہیں، اور ہوں گے تو کب اور کس پیمانہ پر، اور اس مبہم اور نامعلوم چیز پر کسی نفع کو معلق کرنا ہی قمار ہے جس کو قرآن کریم نے بلفظ ''میسر'' حرام قرار دیا ہے۔بیمہ کا مدار ہی اس نامعلوم اور مبہم نفع کی امید پر ہے، جو بلاشبہ قمار میں داخل ہے۔

ج: تینوں قسم کے بیموں میں جو یہ شرط ہے، کہ جو شخص کچھ رقم بیمہ پالیسی کی جمع کرنے کے بعد باقی قسطوں کی ادائیگی بند کر دے۔اس کی جمع کردہ رقم سوخت ہو جاتی ہے۔یہ شرط خلاف شرع اور ناجائز ہے۔قواعد شرعیہ کی رو سے اس کو تکمیل معاہدہ پر مجبور تو کیا جاسکتا ہے اور عدم تعمیل کی صورت میں کوئی تعزیری سزا بھی دی جاسکتی ہے۔ادا کردہ رقم کو

اس جرمانہ میں ضبط کر لینا جائز نہیں ہوسکتا۔ یہ تین خلافِ شرع امور اور گناہ کبیرہ ہیں، جو تینوں قسم کے بیموں میں موجود ہیں۔ اس لئے بلحاظ حکم شرعی تینوں میں کوئی فرق نہیں سب کے سب ناجائز ہیں۔ بیموں کی ان تینوں قسموں کا عام رواج غالباً اسی صدی کے اندر ہوا ہے اس لئے فقہاء متاخرین کے مباحث اور فتاویٰ میں بھی کہیں ان کا ذکر نظر نہیں پڑتا۔

۴:......البتہ ایک چوتھی قسم بیمہ کی اور ہے جس کو سوال میں نہیں لیا گیا وہ سندات و کاغذات اور نوٹوں کا بیمہ ہے اس کا رواج غالباً کچھ قدیم ہے اسی لئے علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ جو متاخرین میں افضل الفقہاء مانے گئے ہیں، انہوں نے اس کا ذکر کتاب الجہاد باب المستامن میں بنام ''سوکرہ'' کیا ہے۔ مگر اس کی جو صورت لکھی ہے وہ موجودہ بیمہ سندات و کاغذات سے کسی قدر مختلف ہے۔ علامہ شامیؒ نے ان کو بھی ناجائز قرار دیا ہے مگر انہیں کی تحریر سے بیمہ سندات و کاغذات کی مروجہ صورت کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں نقل کیا ہے'' ان المودع اذا اخذ الاجرۃ علیٰ الودیعۃ یضمنھا اذا ھلکت'' (شامی استنبول ص ۳۴۵ ج ۳) یعنی جس شخص کو کوئی سامان بغرض حفاظت دیا جائے اگر وہ اس کی حفاظت کا معاوضہ لیتا ہے، تو ضائع ہو جانے کی صورت میں اس پر ضمان واجب ہوگا۔

ظاہر ہے کہ محکمہ ڈاک وغیرہ جو سندات، کاغذات وغیرہ سربمہر کر کے حفاظت کے وعدہ پر لیتا ہے، اور اس حفاظت کی فیس بھی لیتا ہے، تو ضائع ہو جانے کی صورت میں مذکورہ روایت کی بناء پر ضائع شدہ کاغذات کا ضمان اس پر لازم آئے گا۔

۵:......یقیناً قمار میں داخل ہے کیونکہ کسی معاملہ میں نفع و نقصان کو کسی غیر معین غیر معلوم چیز پر معلق رکھنے ہی کا نام قمار ہے۔

۶:......غرر تو نہیں مگر خطر ضرور ہے جو بنیاد ہے قمار کی، اور ربوا کی طرح اس کی بھی حرمت قرآن کی نص قطعی میں آئی ہے۔ اور اس کو بت پرستی کے مساوی جرم اور شیطانی عمل قرار دیا ہے'' انما الخمر و المیسر و الانصاب و الازلام رجس من عمل

الشیطان فاجتنبوہ" اس لئے اس کے جواز کی تو کوئی گنجائش مصالح مذکورہ کی بناء پر نہیں ہو سکتی البتہ قواعد میں ترمیم کر کے جائز معاملہ بنایا جا سکتا ہے جس کا ذکر عنقریب آئے گا۔

۷:...... جائز ہے صرف اتنی باحت ہے کہ اس کے روپیہ سے سود وقمار کا مقابلہ کرنے والوں کی کسی نہ کسی درجہ میں امداد ہوتی ہے۔ اگر چہ سبب بعید ہونے کے سبب اس کو حرام نہ کہا جائے گا کیونکہ یہاں سود وقمار کا معاملہ کرنے والے دوسرے لوگ ہیں۔ جن میں یہ شامل نہیں اور نہ اس کا روپیہ ان کے فعل حرام کے لئے خاص طور پر محرک اور داعی بنا ہے ہاں غیر ارادی طور پر اس کے روپیہ سے ان کی امداد ہوگئی۔ اس طرح تسبب للمعصیت کو حرام نہیں کہا جا سکتا البتہ خلاف اولیٰ ضرور ہے۔ جس کی تعبیر فقہاء کی اصطلاح میں مکروہ تنزیہی سے کی جاتی ہے۔ جیسے فاسق بدکار یا فاحشہ کے ہاتھ کی تیار کردہ کھانے پینے کی چیزیں یا لباس اور زینت کی اشیاء فروخت کرنا جن سے وہ اپنے فسق وفجور سے کام لیتے ہیں۔ حرام صرف وہ تسبب ہے جو معصیت کے لئے بطور خاص محرک اور داعی ہو جیسے قرآن کریم میں عورتوں کو پاؤں زمین میں اس طرح مارنے کی ممانعت ہے جس سے ان کا زیور بجے، اور غیر محرم مردوں کی نظریں اس طرف متوجہ ہو کر نظر بد کے لئے محرک بنے۔ "ولا یضربن بارجلهن لیعلم مایخفین من زینتهن" یا کفار کے معبودوں کو برا کہنے کی ممانعت اس لئے آئی ہے کہ وہ کفار کے لئے اللہ جل شانہ کی شان میں گستاخی کی محرک اور داعی بنے گی۔ اسی فرق کو فقہاء حضرات نے کہیں سبب قریب وبعید کے عنوان سے اور کہیں ما قامت المعصیۃ بعینہ وبغیرہ کے عنوان سے تعبیر کیا ہے۔

اس لئے بیمہ کمپنی میں روپیہ صرف اس نیت سے جمع کرنا کہ رقم پس انداز ہو جائے اور وقت ضرورت کام آئے۔ اس کا سود نہ لینے کی صورت میں خلاف اولیٰ مگر جائز ہے۔

۸:...... تبرع واحسان کی کوئی علامت یہاں موجود نہیں۔ تبرع واحسان پر کسی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں عدالتی چارہ جوئی کے ذریعہ جبراً وصول کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ بھی بدیہی ہے کہ کمپنی کو براہ راست کسی غریب مصیبت زدہ سے کوئی ہمدردی نہیں کہ وہ اس مد

میں کچھ خرچ کرے۔ وہ خالی ایک تجارت یا کاروبار ہے، جو اس نظریہ پر قائم ہے کہ عادۃً حوادث کا اوسط کیا رہے گا اور کمائی کا اوسط کیا۔ حوادث کے اوسط کو حاصل شدہ رقم کے اوسط سے بہت کم محسوس کر کے باقی ماندہ منافع کے لئے یہ کاروبار جاری ہے۔

بعض تجدد پسند علماء عصر نے جو اس کو امداد باہمی کا معاہدہ قرار دے کر موالی الموالاۃ کے احکام پر قیاس فرمایا اور عقد موالات کی طرح اس کو بھی جائز قرار دیا ہے وہ بالکل قیاس مع الفارق ہے۔ کیونکہ عقد موالات کا جواز جو بروایت ابوداؤد حضرت تمیم داریؓ کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے، وہ صرف نومسلموں کے لئے ہے۔ جن کا کوئی وارث مسلمان موجود نہ ہو۔ اگر وہ کسی شخص سے بھائی چارہ کا معاہدہ کر لیں، تو وہ ایک حیثیت سے ان کا بھائی قرار پائے گا۔ زندگی میں جو جنایات کی دیت کسی بھائی پر عائد ہوتی ہے، وہ اس شخص پر عائد ہو گی۔ اور مرنے کے بعد اس کی وراثت کا یہ حقدار قرار پائے گا۔ یہ عقد موالات حدیث مذکور کی بناء پر صرف وہ شخص کر سکتا ہے، جس کا کوئی مسلمان وارث نہ ہو۔ اور جس کا کوئی مسلمان وارث نزدیک یا دور کا خواہ عصبات میں سے ہو یا ذوی الارحام میں سے موجود ہو، تو اس کا یہ عقد موالات کسی شخص سے باطل وکالعدم ہے۔ کیونکہ وارث کا حق تلف کرنے کا اس کو اختیار نہیں۔ اسی لئے صاحب ہدایہ نے لکھا ہے "وان کان لہ وارث فھو اولیٰ منہ وان کانت عمۃ او خالۃ او غیرھما من ذوی الارحام" (کتاب الولاء) اس سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ عقد موالات جو صرف نومسلموں کے لئے لاوارث ہونے کی حالت میں جائز کیا گیا ہے، اس پر عام امداد باہمی کے معاہدہ کو قیاس کرنا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔ اور یہ اس وقت ہے جب کہ بیمہ کے کاروبار کو امداد باہمی کا معاہدہ سمجھ لیا جائے جس کے سمجھنے کی کوئی گنجائش نہ بیمہ کمپنی کے کاروبار میں نظر آتی ہے نہ بیمہ پالیسی خریدنے والوں کے معاملات سے اس کا کوئی ثبوت مل سکتا ہے۔

درحقیقت مروجہ بیمہ کو امداد باہمی کہنا ایک دھوکہ ہے اور بیمہ اور سٹہ سے سودی کاروبار پر آنے والی نحوست کو پوری قوم کے سر پر ڈالنے کا ایک خوبصورت حیلہ ہے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ

سودی کاروبار کا حاصل اس کے سوا کچھ نہیں کہ دس ہزار کا سرمایہ رکھنے والا اپنے دس ہزار کے ساتھ بینکوں کے ذریعہ پوری قوم کے نوے ہزار مزید بطور سودی قرض وصول کر کے مثلاً ایک لاکھ کا کاروبار کرتا ہے۔ اگر اس تجارت میں نفع ہوتا ہے تو وہ سارا کا سارا کاروبار کرنے والے کا مال ہے برائے نام دو فیصد یا چار فیصد کے حساب سے قومی سرمایہ کا سود ہوتا ہے جو بینک کے حصہ داروں میں تقسیم ہو کر ایک بے منفعت اور بے فائدہ اضافہ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ البتہ کاروبار کرنے والے کے لئے ایک لاکھ کے دو لاکھ ہو جاتے ہیں۔ اور اس کی سرمایہ داری بڑھتی جاتی ہے۔ اور اگر فرض کیجئے، کہ اس کی تجارت پر زوال آیا، اس کا سرمایہ بھی ڈوب گیا، تو اس کا نقصان صرف دس ہزار کا یعنی دس فیصد ہوا۔ باقی سرمایہ پوری ملت کا تھا۔ ان کا نقصان نوے فیصد ہوا۔ اول تو یہی ظلم کچھ کم نہیں، کہ قوم وملت کو نفع ملے تو چار فیصد کے حساب سے ملے، اور نقصان ہو تو نوے فیصد کے حساب سے پہنچے۔ اس کے علاوہ سودی کاروبار کرنے والے خود غرض لوگوں نے اپنے دس ہزار کے نقصان کو بھی پوری قوم کے سر ڈال دینے کیلئے دو طریقے ایجاد کر لئے ہیں۔ ایک بیمہ دوسرا سٹہ کیونکہ تجارت میں نقصان دو طریقوں سے ہوتا ہے کبھی کوئی حادثہ آگ لگ جانے یا جہاز ڈوب جانے وغیرہ سے پیش آ جائے اور کبھی سامان تجارت کی قیمت گھٹ جائے تو نقصان ہوتا ہے۔

پہلے نقصان کو جو خالص اس کی ذات پر پڑنے والا تھا، اس کو بیمہ کے ذریعہ پوری ملت کے سرمایہ پر ڈال دیا۔ اور دوسرے نقصان سے بچنے کے لئے سٹہ کا بازار گرم کیا کہ جب ذرا نقصان کا خطرہ نظر آئے تو اپنی بلا دوسرے کے سر ڈال کر خود نقصان سے صاف اور بیباق ہو جائے۔ اسی طرح اگر موجودہ طریق کاروبار کی گہرائیوں پر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ بیمہ اور سٹہ در حقیقت سودی کاروبار ہی کے تتمات ہیں۔ جن کے ذریعے پوری قوم کے نفع ونقصان سے قطع نظر صرف اپنا پیٹ پالنے اور اپنے سر آئے ہوئے نقصان کو دوسروں کے سر ڈالنے کے لئے بڑی ہوشیاری اور خوبصورتی سے اس کو قومی ہمدردی اور امداد باہمی کا

عنوان دیا گیا ہے۔

۹......اگر کمپنی کفار اہل حرب کی ہے اور مسلمان کوئی اس میں حصہ دار نہیں ہے تو اس میں بیمہ پالیسی لے کر کوئی نفع خواہ ربوا کا ہو، یا حادثہ کا، حاصل کر لینا مسئلہ مختلف فیہا ہو جائے گا جو امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو ناجائز ہی ہے، مگر دوسرے ائمہ اجازت دیتے ہیں۔ امام اعظمؒ کے مسلک پر بھی جواز اس شرط کے ساتھ مشروط ہے، کہ کوئی مسلمان اس میں حصہ دار نہ ہو۔ مگر عملاً ایسا ہونا شاذ و نادر ہی ہوسکتا ہے۔

۱۰، ۱۱......ایک فرق سامنے رکھنا ضروری ہے کہ حادثہ کی صورت میں جو رقم حکومت سے ملے گی اسکو حکومت کا عطیہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ایسے حالات میں امداد کرنا عموماً حکومتوں کی ذمہ داری سمجھا جاتا ہے۔ مگر ربوا کا معاملہ پھر بھی حرام رہے گا اس میں نجی کاروبار میں اور حکومت کے کاروبار میں کوئی فرق نہیں۔

۱۲(الف)......یہ صورت جائز ہے کہ حکومت کی طرف سے جو غیر شرعی ٹیکس عائد ہیں ان کو ادا کرنے کے لئے حکومت ہی سے اس کے قانون کے مطابق کوئی رقم حاصل کر لی جائے خواہ اس کے حصول کا ذریعہ ربوا کے عنوان میں آتا ہو مگر شرط یہ ہے کہ صرف اتنی ہی رقم وصول کی جائے جتنی حکومت کے غیر شرعی ٹیکسوں میں دینی ہے۔

(ب)......از روئے قواعد تو اس کی بھی گنجائش ہے مگر انفرادی طور پر عملاً ایسا ہونا مشکل ہے۔ اس کا نتیجہ پھر یہی ہوگا کہ اس رقم کو صرف کرنے والے اس سے اپنے مفاد حاصل کریں گے جو ناجائز ہے۔ ہاں کسی ایسے ادارہ کو یہ رقم سپرد کر دی جائے، جو ذمہ داری کے ساتھ انہیں کاموں میں صرف کر دے جن کے پورا کرنے کی ذمہ داری حکومت پر تھی۔ مگر حکومت کسی وجہ سے اس کو پورا نہیں کر رہی ہے تو اس صورت میں مضائقہ نہیں۔

ج......جو کام حکومت کی ذمہ داری اور فرائض میں داخل نہیں، کبھی تبرعاً حکومت بھی کر دیتی ہے۔ ان کاموں پر صرف کرنے کے لئے حکومت کی بیمہ پالیسی سے کسی ناجائز

طریقہ پر رقم حاصل کرنا جائز نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جواز کی علت اس تاوان سے بچنا ہے جو حکومت کی طرف سے غیر شرعی طور پر عائد کیا گیا ہو، وہ علت صورت (ج) میں مفقود ہے۔

۱۳...... صدقہ کرنے کی نیت سے سود یا قمار کی رقم حاصل کرنا جائز نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ صورت ایک گناہ کر کے اس سے توبہ یا کفارہ کر دینے کی ہے ناجائز طریقہ سے جو رقم کو صدقہ کر دے۔ اسی وجہ سے اس میں نیت ثواب رکھنا بھی جائز نہیں بلکہ نیت کفارۂ گناہ کی ہونا چاہئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ صدقہ کر دینے سے بیمہ پالیسی کی ناجائز رقم حاصل کرنا تو ایسا ہی ہے۔ جیسے کوئی توبہ اور کفارہ کی نیت سے کسی گناہ پر اقدام کرے کہ اس کے اس اقدام گناہ یا ارتکاب حرام کو جائز نہیں کہا جا سکتا۔

بیمہ کے صحیح بدل کی تجویز یا قواعد میں ترمیم

آخری سوالات (الف) اور (ب) میں ایسی صورت کا سوال کیا گیا جس میں شرعی حیثیت سے کوئی قباحت نہ ہو اور بیمہ کے فوائد اس سے حاصل ہو سکیں۔ اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ اصول شرعیہ کے ماتحت مروجہ بیمہ کے ایسے بے خطر اور بے ضرر بدل موجود ہیں کہ ان کو بروئے کار لایا جائے تو نہ صرف مروجہ بیمہ کا اچھا بدل بن سکیں، بلکہ قوم کے بے سہارا افراد کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کا بہترین ذریعہ بن سکتے ہیں۔ مگر یہ سب کچھ اسی وقت ہو سکتا ہے جب قوم میں اسلامی حمیت اور قومی غیرت کا شعور بیدار ہو۔ اپنی زندگی اسلامی سانچہ میں ڈھالنے کے لئے تھوڑی بہت محنت اور قربانی کے لئے تیار ہوں۔ اور اگر دوسروں کی نقالی ہی کو سرمایہ سعادت و ترقی سمجھ کر اس کے حصول میں حلال و حرام کے امتیاز اور فکر آخرت سے بے نیازی کو اپنا شعور بنا لیا جائے، تو ظاہر ہے کہ یورپ کے شاطر ہمارے اسلامی نظام زندگی کی حفاظت کی غرض سے خود کوئی تبدیلی کرنے سے رہے۔ یہاں ایک مشکل یہ بھی ہے کہ معاملہ انفرادی نہیں اجتماعی ہے۔ اگر چند افراد وآحاد اس مقصد کے لئے

تیار بھی ہوں تو یہ کام نہیں چل سکتا۔ جب تک کوئی معتد بہ جماعت اس کام کو مقصد زندگی بنا کر آگے نہ بڑھے۔

مروجہ بیمہ کا صحیح بدل

۱......بیمہ پالیسی کی حاصل شدہ رقوم کو مضاربت کے شرعی اصول کے مطابق تجارت پر لگایا جائے۔ اور معینہ سود کے بجائے تجارتی کمپنیوں کی طرح تجارتی نفع تقسیم کیا جائے۔ نقصان سے بچنے کے لئے لمیٹڈ کمپنیوں کی طرح اس کی نگرانی پوری کی جائے اور پھر اللہ تعالیٰ پر توکل کیا جائے سود خوری کی خود غرضانہ اور غیر منصفانہ عادت کو گناہ عظیم سمجھا جائے۔ کہ دوسرے شریک کا چاہے سارا سرمایہ ضائع ہو جائے ہمیں اپنا راُس المال مع نفع کے اس سے وصول کرنا ضروری ہے یہی وہ منحوس چیز ہے جس کے سبب نص قرآنی کے مطابق سود کا مال اگر چہ گنتی میں بڑھتا نظر آئے مگر معاشی فوائد کے اعتبار سے وہ گھٹ جاتا ہے، اور انجام کار تباہی لاتا ہے۔ اور یہ گنتی کا فائدہ بھی پوری قوم سے سمٹ کر چند افراد یا خاندانوں میں محصور ہو جاتا ہے۔ ان کے علاوہ پوری قوم مفلس سے مفلس تر ہوتی چلی جاتی ہے۔

۲......بیمہ کے کاروبار کو امداد باہمی کا کاروبار بنانے کے لئے بیمہ پالیسی خریدنے والے اپنی رضامندی سے اس معاہدہ کے پابند ہوں کہ اس کاروبار کے منافع کا ایک معتد بہ حصہ نصف یا تہائی، چوتھائی ایک ریزرو فنڈ کی صورت میں محفوظ رکھ کر وقف کریں گے جو حوادث میں مبتلا ہونے والے افراد کی امداد پر خاص اصول و قواعد کے ماتحت خرچ کیا جائے گا۔

۳......بصورت حوادث یہ امداد صرف ان حضرات کے ساتھ مخصوص ہوگی، جو اس معاہدہ کے پابند اور اس کمپنی کے حصہ دار ہیں۔ اوقاف میں ایسی تخصیصات میں کوئی مضائقہ نہیں وقف علی الاولاد اس کی نظیر موجود ہے۔

۴......اصل رقم مع تجارتی نفع کے ہر فرد کو پوری پوری ملے گی اور وہ ہی اس کی ملک اور حقیقت سمجھی

جائے گی امداد باہمی کا ریزرو فنڈ وقف ہوگا جس کا فائدہ وقوع حادثہ کی صورت میں اس وقف کرنے والے کو بھی پہنچے گا، اور اپنے وقف سے خود فائدہ اٹھانا اصول وقف کے منافی نہیں۔ جیسے کوئی رفاہِ عام کے لئے ہسپتال وقف کرے پھر بوقت ضرورت اس سے خود بھی فائدہ اٹھائے۔ یا قبرستان وقف کرے پھر خود اس کی اور اس کے اقرباء کی قبریں بھی اس میں بنائی جائیں۔

۵:...... حوادث پر امداد کے لئے مناسب قوانین بنائے جائیں جو صورتیں عام طور پر حوادث کہی اور سمجھی جاتی ہیں ان میں پسماندگان کی امداد کے لئے معتدبہ رقم مقرر کی جائے اور جو صورتیں عادۃً حوادث میں داخل نہیں سمجھی جاتیں جیسے کسی بیماری کے ذریعہ موت واقع ہو جانا اس کے لئے یہ کیا جاسکتا ہے کہ متوسط تندرستی والے افراد کے لئے ساٹھ سال کو عمر طبعی قرار دے کر اس سے پہلے موت واقع ہو جانے کی صورت میں بھی کچھ مختصر امداد دی جائے، متوسط تندرستی کو جانچنے کے لئے جو طریقہ ڈاکٹری معائنہ کا بیمہ کمپنی میں جاری ہے وہ استعمال کیا جاسکتا ہے۔ بیمار یا ضعیف آدمی کے لئے اسی پیمانہ سے عمر طبعی کا ایک انداز مقرر کیا جاسکتا ہے۔

۶:...... چند قسطیں ادا کرنے کے بعد سلسلہ بند کر دینے کی صورت میں دی ہوئی رقم کو ضبط کر لینا ظلم صریح اور حرام ہے اس سے اجتناب کیا جائے ہاں کمپنی کو ایسے غیر محتاط لوگوں کے ضرر سے بچانے کے لئے معاہدہ کی ایک شرط یہ رکھی جاسکتی ہے کہ کوئی شخص حصہ دار بننے کے بعد اپنا حصہ واپس لینا چاہے یعنی شرکت کو ختم کرنا چاہے تو پانچ یا سات یا دس سال سے پہلے رقم واپس نہ کی جائے گی۔ اور ایسے شخص کے لئے تجارتی نفع کی شرح بھی بہت کم رکھی جاسکتی ہے۔ بلکہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ کل معہودہ رقم کے نصف ہونے تک کوئی نفع نہیں دیا جائے گا۔ نصف کے بعد ایک خاص شرح نفع کی متعین کر دی جائے۔ مثلاً روپیہ میں ایک آنہ۔ دو آنہ۔ یہ سب امور منتظمہ کمیٹی کی صوابدید سے طے ہو سکتے ہیں۔ ان کا اثر معاملہ کے جواز وعدم جواز پر نہیں پڑتا۔

یہ ایک سرسری مختصر اجمالی خاکہ ہے اگر کوئی جماعت اس کام کے لئے تیار ہو تو اس پر مزید غور و فکر کر کے زیادہ سے زیادہ نافع بنانے اور نقصانات سے محفوظ رکھنے کی تدبیریں سوچی جا سکتی ہیں۔ اور سال دو سال تجربہ کر کے ان میں بھی شرعی قواعد کے ماتحت تغیر و تبدل کیا جا سکتا ہے۔

بینکنگ اور بیمہ کا موجودہ نظام بھی تو کوئی ایک سال میں قابل عمل نہیں ہوا ایک صدی سے زیادہ اس میں غور و فکر اور تجربات کی بناء پر رد و بدل کرنے کے بعد اس شکل میں آیا ہے جس پر اطمینان کیا جا سکتا ہے۔ اگر صحیح جذبہ کے ساتھ اس کا تجربہ کیا جائے، اور تجربات کے ساتھ شرعی قواعد کے ماتحت اصلاحات کا سلسلہ جاری رہے تو یقیناً چند سال میں بلاسود کی بنکاری اور بیمہ وغیرہ کا نظام شرعی اصول پر پورے استحکام کے ساتھ بروئے کار آ سکتا ہے۔

نظام مضاربت کے تحت بنکاری کا ایک لازمی اثر یہ بھی ہوگا کہ ملک کی دولت سمٹ کر چند افراد یا خاندانوں میں محصور ہو کر نہیں رہ جائیگی بلکہ تجارتی نفع کی شرح سے پوری قوم کو معتد بہ فائدہ حاصل ہوگا۔ اس وقت صرف اس اجمالی خاکہ ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

واللہ المستعان وعلیہ التکلان

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

دار العلوم کراچی نمبر ۱۴...... ۲۱ شوال المکرم ۱۳۸۴ھ

الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح
محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ	ولی حسن ٹونکی	محمد سلیم اللہ
الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی	محمد رفیع عثمانی	محمد تقی عثمانی

الجواب (۲)

از مولانا مفتی ولی حسن صاحبؒ

ہمارا عقیدہ ہے کہ اسلام نوع انسانی کے لئے وہ آخری پیغام حیات ہے، جو قیامت تک آنے والی نسلوں کو زندگی کے تمام شعبوں میں رہنمائی کے لئے ہر زمانہ اور ہر ماحول میں کافی وافی ہے۔ اب خدائی ہدایت اور تشریح الٰہی کا مستند ماخذ صرف اسلام ہے۔ آئندہ کوئی مزید ہدایات اور تشریح آنے والی نہیں ہے۔ جس کی طرف انسان کو رجوع کرنے کی ضرورت ہو۔

اسی ہدایات ربانی میں ہماری مادی، روحانی، شخصی، اجتماعی، اقتصادی، معاشی، سیاسی غرض ہر ضرورت کا سامان موجود ہے۔

قرآن حکیم نے اس ہدایت ربانی کے اصول وکلیات کی طرف رہنمائی کی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول وعمل اور تقریر (بیان سکوتی) سے ان اصول وکلیات کی تفصیلات اور جزئیات بیان فرمائیں۔ پھر چونکہ یہ آخری ہدایت ہے اس لئے امت محمدیہ کو اللہ تعالیٰ نے اجتہاد کے شرف سے نوازا۔ ائمہ مجتہدین نے اپنی مقدور بھر کوششیں اور عمریں قرآن کریم وحدیث نبوی کے سمجھنے اور ان ہر دو ماخذوں سے احکام اور ان کی علل وغایات استنباط کرنے میں اور غیر منصوص مسائل کے احکام ان سے اخذ کرنے میں صرف کیں۔ بالآخر ان برگزیدہ نفوس کی سعی وکوشش سے ایک عظیم ذخیرہ احکام وقوانین ظہور پذیر ہوگیا۔ جس کو "فقہ اسلامی" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

فقہ اسلامی میں ہمارے اس زمانے کی بیشتر ضروریات کا حل موجود ہے۔ لیکن جدید تمدن اور صنعتی انقلاب نے اس زمانے میں نت نئے مسائل پیدا کر دیئے ہیں۔ معاملات،

معاشیات اور اقتصادیات کے سلسلہ میں سینکڑوں ایسے مسائل پیدا ہو گئے ہیں، جو حل طلب ہیں۔ اور علماء امت کو دعوت فکر دے رہے ہیں۔ کہ وہ ''فقہ اسلامی'' کی روشنی میں ان کا حل پیش کریں۔ اصل میں تو یہ کام اسلامی حکومتوں کا تھا، کہ وہ اپنے وسیع تر ذرائع و وسائل استعمال کر کے عالم اسلام کے منتخب اور مستند علماء کو جمع کرتیں اور ان کے ساتھ نئے معاملات و مسائل کے جاننے والے ماہرین موجود ہوتے۔ پھر یہ سب حضرات قرآن حکیم، حدیث نبوی اور فقہ اسلامی کی روشنی میں ان جدید مسائل کے صحیح حل اور جوابات دیتے۔ اسی طرح منصوص احکام کی علتوں کو ٹھیک ٹھیک سمجھ کر ان تمام جدید معاملات میں ان کو جاری کرتے جن میں وہ علتیں فی الواقع پائی جاتی ہیں۔

لیکن تاریخ کا یہ بھی ایک عجیب المیہ ہے کہ موجودہ مسلم حکومتوں پر ایسے افراد مسلط ہیں کہ جو اپنے وسائل و ذرائع کو اسلام کے احیاء اور اس کی نشاۃ ثانیہ پر صرف کرنے کے بجائے اسلام کی تجدید پر خرچ کر رہے ہیں۔ ان کی تمام تر کوششوں کا حاصل یہی ہے کہ عام مسلمانوں کو اسلام کی حقیقی تعلیمات و احکام سے برگشتہ کر کے الحاد اور ذہنی آوارگی کے حوالہ کر دیا جائے۔ اگر کسی حکومت کے زیر انصرام کوئی ایک آدھ ادارہ ''تحقیقات اسلامی'' کے نام سے بھی نظر آتا ہے تو وہ بھی صرف اس غرض کے لئے ہے کہ ''جدید اسلام'' کی داغ بیل ڈال کر صحیح اسلام کے نقوش مسلمانوں کے دلوں سے مٹا دیئے جائیں۔ اس قسم کے اداروں کا مافی الضمیر سمجھنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ ان کو غذا استشراق کے طعام خانوں سے ملتی ہے۔ جن کا مقصد وحید یہی ہے کہ جو اسلام تلوار کے زور سے فتح نہیں ہو سکا۔ اس کو تشکیک کی راہوں پر ڈال کر ختم کر دیا جائے۔

دوسرے درجہ میں علماء امت کا فریضہ تھا کہ وہ ان پیش آنے والے مسائل کا حل پیش کرتے، اجتماعی طور پر نئے مسائل میں غور و فکر کرنا اسلام کے منشاء کے عین مطابق ہے اور سلف میں اس کی متعدد نظیریں موجود ہیں۔

امام ابوبکر الرازی الجصاصؒ اپنی بے نظیر کتاب احکام القرآن میں آیت کریمہ:
لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهُ مِنْهُمْ (تو تحقیق کرتے ان میں تحقیق کرنے والے) اور
اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (اور ہم نے تجھ پر یہ قرآن اُتارا
تاکہ تو وضاحت سے بیان کرے وہ چیز جو کہ اُتری ہے ان کے واسطے) کے تحت احکام
شرعیہ میں غور وفکر کرنے کی اس طرح دعوت دیتے ہیں۔

فحثنا على التفكر فيه و حرضنا على الاستنباط
والتدبر وامرنا بالاعتبار لنتسابق الى ادراك احكامه
ونىال درجة المستنبطين والعلماء الناظرين ۔ (۱)

اللہ تعالیٰ نے ہم کو غور وفکر کرنے پر آمادہ کیا ہے اور احکام معلوم کرنے
اور ان میں غور وخوض کرنے کی دعوت دی ہے اور قیاس سے کام لینے کا
حکم دیا ہے تاکہ ہم اس کے احکام معلوم کرنے کی طرف پیش قدمی
کریں اور احکام معلوم کرنے والے اور غور وفکر کرنے والے علماء میں
شامل ہوجائیں۔

فقیہ ملت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ غالباً ائمہ مجتہدین میں سب سے پہلے امام ہیں۔
جنہوں نے ''مسائل وواقعات'' میں غور وفکر کرنے کے اجتماعی طریقے کو فروغ دیا۔ امام
ممدوح نے اپنے شاگردوں میں سے چند نامور شخص انتخاب کئے جن میں سے اکثر خاص
خاص فنون میں جو تکمیل فقہ کے لئے ضروری تھے استاذ زمانہ تسلیم کئے جاتے تھے۔ مثلاً یحیٰ
بن ابی زائدہ، حفص بن غیاث، قاضی ابو یوسف، داؤد الطائی، حبان بن مندل حدیث وآثار
میں نہایت کمال رکھتے تھے۔ امام زفرؒ قوت استنباط واستحسان میں مشہور تھے۔ قاسم بن معنؒ
اور امام محمدؒ کو ادب اور عربیت میں کمال حاصل تھا۔ امام اعظمؒ نے ان حضرات کی شرکت میں

(۱) ص: ۴۷۷ ج: ۲

ایک مجلس مرتب کی اور مسائل حاضرہ پر غور وفکر شروع کیا۔ امام طحاوی نے بسند متصل اسد بن فرات سے روایت کیا ہے کہ ابوحنیفہؒ کے تلامذہ جنہوں نے فقہ کی تدوین کی اور اس عظیم کام میں امام صاحب کے شریک رہے چالیس تھے۔ ۵۰۰ھ میں جب بیع بالوفاء(۱) کا بخارا اور اس کے اطراف میں رواج شروع ہوا، تو چونکہ یہ معاملہ کی ایک نئی صورت تھی۔ بیع صحیح، بیع فاسد اور رہن کا مجموعہ نظر آتی تھی۔ اس لئے اس زمانہ کے علماء کا اس کے جواز وعدم جواز میں اختلاف ہوا۔ بعض نے اجازت دی، بعض نے ممانعت کی امام ابوالحسن ماتریدیؒ کو اس زمانہ کے ایک مشہور عالم نے مشورہ دیا کہ اس مسئلہ میں اختلاف رونما ہو گیا ہے آپ اس مسئلہ کو رہن سمجھتے ہیں، میرا بھی خیال یہی ہے۔ مگر لوگ پریشان ہیں، آپ علماء امت کو جمع کریں، اور اس مسئلہ میں غور وفکر کے بعد کسی نتیجہ پر پہنچ کر عوام کے سامنے ایک متفقہ فتویٰ پیش کریں۔ تا کہ ان کا اضطراب وتردد دور ہو۔ قاضی سماوہ نے جامع الفصولین میں نقل کیا ہے۔

"قلت للامام ابی الحسن الماتریدی قد فشی هذا البیع بین الناس وفیه مفسدة عظیمة وفتواک انه رهن وانا ایضاً علیٰ ذالک فالصواب ان تجمع الائمة وتتفق علیٰ هذا وتظهره بین الناس." (ص:۲۲۴، ج:۱)

میں نے امام ابوالحسن ماتریدی سے عرض کیا بیع بالوفاء کا رواج عام ہو گیا

---

(۱) اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً ایک شخص دوسرے شخص سے کہے کہ میں نے تم کو یہ مکان فروخت کر دیا اور پھر یہ شرط طے کرلے اور اس کی تحریر لکھا لے کہ جب میں تم کو قیمت ادا کر دوں تو تم کو مکان واپس کرنا ہوگا۔ اس بیع کے بارے میں فقہاء کے درمیان شدید اختلاف ہے بعض رہن کہتے ہیں اور بعض بیع، پھر یہ بیع صحیح ہے یا فاسد؟ فتویٰ یہی ہے کہ بیع ہے کیونکہ بیع وشراء کے الفاظ پائے جاتے ہیں اگر بیع کے اندر واپسی کی شرط کی گئی تو بیع فاسد ہے، اور اگر ایجاب وقبول کے بعد شرط واپسی کی گئی تو بیع صحیح ہے اور یہ شرط ایک وعدہ ہے جس کی وجہ سے بیع میں کوئی خرابی نہیں آتی۔

ہے اور اس میں بڑی خرابی ہے آپ کا فتویٰ یہ ہے کہ یہ رہن کے حکم میں
ہے میرا بھی یہی خیال ہے لہٰذا بہتر طریقہ یہ ہے کہ آپ علماء کبار کو جمع
کریں اور ان کے اتفاق رائے سے متفقہ فیصلہ لوگوں کے سامنے ظاہر
فرمادیں۔

قابل مبارکباد ہیں دار العلوم ندوۃ العلماء کے منتظمین کہ انہوں نے اس ملّی ضرورت کو محسوس کیا اور ایک مجلس بنام مجلس تحقیقات شرعیہ تشکیل کی جس کا مقصد یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسائل جدیدہ میں علماء غور وفکر کریں اور متفقہ فیصلہ عوام کے سامنے پیش کریں۔ چنانچہ اس سلسلہ کی پہلی کڑی ''بیمہ'' کے بارے میں ایک تفصیلی سوالنامہ ہے، جس کو بڑی قابلیت سے مرتب کیا گیا ہے۔ اس سوالنامہ کا تفصیلی جواب دینے سے پہلے بیمہ کے آغاز وانجام پر ایک نظر ڈال لینا مناسب ہے۔

بیمہ کا آغاز وانجام

کہا جاتا ہے کہ بیمہ کی ابتدا اٹلی کے تاجرانِ اسلحہ سے ہوئی، ان لوگوں نے یہ دیکھ کر کہ بعض تاجروں کا مالِ تجارت سمندر میں ضائع ہو جاتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں وہ انتہائی تنگدستی کا شکار ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اس صورت حال کا حل یہ نکالا کہ اگر کسی شخص کا مال تجارت سمندر میں ضائع ہو جائے، تو تمام تاجر مل کر اس کی معاونت کے طور پر اسے ہر ماہ یا ہر سال ایک معین رقم ادا کیا کریں۔ یہی تحریک ترقی کر کے جہازوں کی بیمہ تک پہنچی کہ ہر ایک ممبر ایک مقررہ رقم ادا کرے، تاکہ اس قسم کے حوادث وخطرات کے موقعہ پر نقصان کا کچھ نہ کچھ تدارک کیا جا سکے۔

یہ روایت بھی بیان کی جاتی ہے۔ کہ سب سے پہلے اندلس کی مسلم حکومت کے دور میں بحری تجارت میں حصہ لینے والے مسلمانوں نے تجارتی بیمہ کی طرح ڈالی، ابتدا میں بیمہ کی شکل سادہ سی تھی، بعد میں اس کی نئی نئی صورتیں نکلتی رہیں۔ اور تجربے ہوتے رہے۔ ہالینڈ

اس تجربے میں پیش پیش رہا۔ موجودہ دور میں ایک مقررہ قسط پر بیمہ کاری کا نظام سب سے زیادہ مقبول ہے۔ جس کو ''سرمایہ کارانہ نظام بیمہ'' کہا جاتا ہے۔ اب دنیا کی حکومتیں بیمہ کو لازمی قرار دے رہی ہیں۔ جس کو ''ریاستی بیمہ'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ بیمہ کی ابتدا ۱۴۰۰ء میں بتلائی جاتی ہے۔ ابتدا ہوتے ہی اس کو بہت زیادہ فروغ حاصل ہوا اور اس کے مقدمات اس کثرت سے عدالتوں میں آنے لگے، کہ ۱۴۳۵ء میں اس کے لئے خاص عدالتیں مقرر کی گئیں۔ جو صرف بیمہ کے مقدمات سماعت کریں۔ ''بیمہ بحری'' کے بہت عرصہ بعد ''بیمہ بری'' شروع ہوا۔

سلطنت آل عثمان کے زمانہ میں جب حکومت ترکی کے تجارتی تعلقات یورپ کے ملکوں سے قائم ہوئے۔ تو یورپین تاجروں کے توسط سے بیمہ اسلامی ملکوں میں داخل ہوا اور اس کے بارے میں علمائے وقت سے استفسارات شروع ہوئے چنانچہ تیرہویں صدی ہجری کے مشہور فقیہ علامہ ابن عابدین ردالمحتار میں تحریر کرتے ہیں۔

وبما قررناه يظهر جواب ما كثر السوال عنه في زماننا و هو انه جرت العادة ان التجار اذا استاجروا مركبا من حربي يدفعون له اجرته و يدفعون ايضاً مالاً معلوماً لرجل حربي مقيم في بلاده يسمى ذٰلك المال "سوكره" على انه مهما هلك من المال الذى فى المركب بحرق او غرق او نهب او غيره فذالك الرجل ضامن له بمقابلة ما ياخذه منهم و له وكيل عنه مستأمن فى دارنا يقيم فى البلاد السواحل الاسلاميه باذن السلطان يقبض من التجار مال السوكره و اذا اهلك من مالهم فى البحر شئ يؤدى ذالك المستأمن للتجار بدله تماماً (رد المحتار باب المستامن ص: ۳۴۵ ج: ۳)

اور ہماری اس تقریر سے اس سوال کا جواب بھی ظاہر ہو گیا جس کے بارے میں آج کل کثرت سے سوالات کئے جا رہے ہیں کہ اب طریقہ یہ ہو گیا ہے کہ تاجر جب کسی حربی (۱) سے کوئی بحری جہاز کرایہ پر لیتے ہیں تو اس کا کرایہ ادا کرنے کے ساتھ ہی ساتھ دارالحرب کے کسی باشندہ کو جو اپنے علاقہ میں مقیم رہتا ہے کچھ رقم اس شرط پر دے دیتے ہیں کہ جہاز میں لدے ہوئے مال کے آتش زدگی، غرقابی اور لوٹ مار ہو جانے کی صورت میں یہ شخص مال کا ضامن ہو گا اور رقم کو "سوکرہ" (بیمہ کی رقم) کہا جاتا ہے۔ اس کا ایجنٹ ہمارے ملک کے ساحلی شہروں میں شاہی اجازت نامہ کے بعد مستامن بن (۲) کر رہتا ہے جو تاجروں سے بیمہ کی رقوم وصول کرتا ہے اور مال کے ہلاک ہو جانے کی صورت میں تاجروں کا پورا پورا معاوضہ ادا کرتا ہے۔

واضح ہو علامہ موصوف کے فتوے کو تو ہم بعد میں ذکر یں گے لیکن عبارت مندرجہ بالا سے معلوم ہوا کہ بیمہ بحری کو اس زمانہ میں اچھا خاصہ فروغ ہو چکا تھا۔ یورپی ملکوں سے جو جہاز کرایہ پر لئے جاتے تھے، ان کا لازمی طور پر بیمہ کرایا جاتا تھا۔ بیمہ کمپنیوں کا عمل دخل ترکی حکومت میں جاری تھا، بیمہ کمپنیوں کے ایجنٹ ترکی کی بندرگاہوں پر باضابطہ سلطانی اجازت کے بعد مقیم تھے اور انہوں نے اپنے دفاتر قائم کر لئے تھے یہاں تک کہ علمائے وقت کے پاس اس بارے میں کثرت سے سوالات آنے لگے۔ کتب فتویٰ (۳) میں ردالمحتار غالباً پہلی کتاب ہے۔ جس میں بیمہ کے بارے میں تفصیل سے جواب دیا گیا ہو۔

بیمہ کی ابتداء جس جذبہ کے تحت ہوئی اور جس طرح وہ ارتقاء کے مختلف ادوار سے گذرا وہ سب کے سامنے ہے لیکن اس کا انجام فاضل جلیل استاذ ابو زہرہ کے الفاظ میں

(۱) دارالحرب کا باشندہ۔ (۲) مستامن وہ دارالحرب کا باشندہ جو میعادی اجازت کے بعد دارالحرب سے دارالاسلام میں آیا ہو یا وہ دارالاسلام کا باشندہ جو دارالاسلام سے تجارت وغیرہ کے لئے دارالحرب گیا ہو۔
(۳) بعد کے فتاوی میں امداد الفتاوی مبوب اور فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں بھی بیمہ کے سلسلہ میں جوابات دیئے گئے ہیں

قابل ملاحظہ ہے۔

اگر چہ اس کی اصلیت تو تعاون محض تھی لیکن اس کا انجام بھی ہر اس ادارہ کا سا ہوا جو یہودیوں کے ہاتھ میں پڑا کہ یہودیوں نے اس نظام کو جس کی بنیاد ''تعاون علی البر والتقویٰ'' پر تھی اسے ایک ایسے یہودی نظام میں تبدیل کر دیا جس میں قمار (جوا) اور ربوا (سود) دونوں پائے جاتے ہیں۔ لواء الاسلام بحوالہ ماہنامہ برہان دہلی بابت ماہ مارچ ۶۰ء)

بیمہ کے سلسلے میں ہند و پاک میں اجتماعی رائے حاصل کرنے کی با قاعدہ کوشش تو یہی نظر آتی ہے، جو مجلس ''تحقیقات شرعیہ'' ندوۃ العلماء لکھنؤ نے شروع کی ہے۔ لیکن مصر و شام میں اس پر علمی بحثیں مدت سے جاری ہیں۔ وہاں بیمہ کے نظام کو سمجھانے کے لئے کئی کتابیں (۱) بھی لکھی جا چکی ہیں۔

مصر میں تین چار سال قبل مسائل جدیدہ پر غور و فکر کرنے کے لئے ایک مجلس ترتیب دی گئی، جس میں استاذ ابو زہرہ، استاذ حلاّف اور دیگر علماء شریک ہوئے۔ اس کے پہلے جلسہ میں جو مفتی اعظم فلسطین سید امین الحسینی کی زیر صدارت منعقد ہوا تھا، بیمہ کا مسئلہ پیش کیا گیا۔ اس جلسہ کی پوری روئیداد مجلّہ لواء الاسلام قاہرہ میں چھپی تھی (۲)، پھر شام کے مشہور فاضل مصطفیٰ الزرقاء نے مجلّہ حضارۃ الاسلام (دمشق) کے صفحات پر ''عقد التامین وموقف الشریعۃ'' کے عنوان سے بحث چھیڑی اور علماء کو دعوت دی کہ وہ اس مسئلہ پر خامہ فرسائی کریں۔ چنانچہ استاذ ابو زہرہ نے استاذ الزرقاء کے جواب میں نہایت مدلل مقالہ سپرد قلم فرمایا۔

(۱) ڈاکٹر محمد علی عرفہ کی ''عقد التامین'' اور ڈاکٹر سعد واصف کی ''مالتامین من المسئولیۃ'' خاصی کتابیں ہیں، شام کے مشہور فاضل اور ''المدخل الفقهي العام'' کے مصنف مصطفیٰ الزرقاء نے نظام بیمہ کے سمجھنے کے لئے ان ہی دو کتابوں کو مدار بنایا ہے۔

(۲) اس کا اردو ترجمہ ماہنامہ برہان دہلی بابت ماہ مارچ ۶۰ء میں دیکھا جا سکتا ہے۔

استاذ الزرقاء کے مضمون سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علماء مصر و شام اس مسئلہ میں مختلف الخیال ہیں۔ اگرچہ اکثریت کا یہی خیال ہے، کہ بیمہ ناجائز ہے۔ اور جب تک کہ بیمہ کے موجودہ نظام کو تبدیل نہ کیا جائے، مسلمانوں کے لئے قابل قبول نہیں۔ مختلف الخیال حضرات کی آراء اور ان کے دلائل کا خلاصہ ذیل میں درج ہے۔

ایک مختصر سی تعداد کا خیال ہے کہ ہر قسم کا بیمہ جائز ہے۔ یہ حضرات بیمہ کے موجودہ نظام کو برقرار رکھتے ہوئے اس کی حلت اور جواز کے قائل ہیں۔

ان حضرات کے دلائل کا خلاصہ یہ ہے۔

(الف) بیمہ امداد باہمی کی ایک شکل ہے تعاون اور امداد باہمی اسلامی حکم ہے۔

(ب) جس طرح بیع بالوفاء کو گوارا کر لیا، اسی طرح اس کو بھی گوارا کر لیا جائے۔

(ج) بیمہ کمپنی ضرورت مندوں کو جو قرض دیتی ہے، اور اس پر جو سود لگاتی ہے یا بیمہ دار کو اصل مع منافع دیا جاتا ہے وہ شرعی ربوا (سود) نہیں ہے۔

دوسرا گروہ جس کی قیادت استاذ الزرقاء کے ہاتھ میں ہے اس کا خیال ہے کہ غیر سودی بیمہ جائز ہے بیمہ میں اگر قباحت ہے تو وہ سود ہے۔ اس کو ختم کرنے کے بعد بیمہ کی ہمہ اقسام جائز ہیں۔ ان حضرات کے دلائل کا تجزیہ اس طرح کیا جاسکتا ہے۔

(الف) عقد موالاۃ پر قیاس (۱)۔ کہ اس میں ایک غیر شخص دیت وغیرہ کی ذمہ داری قبول کر لیتا ہے اور اس کے معاوضہ میں میراث کا حصہ دار ہو جاتا ہے اسی طرح بیمہ کو بھی سمجھ لیا جائے۔

(۱) اس سلسلہ میں شیخ الزرقاء نے احمد طٰہٰ السنوسی کے مضمون کی بڑی تعریف کی ہے، جو مجلۃ الازہر ۱۳۷۳ھ جلد ۲۵ میں چھپا تھا۔

(ب) ''ودیعة بأجرٍ (۱)'' اور مسئلہ ''ضمان خطر الطریق (۲)'' میں بیمہ کی بعض صورتوں کو داخل کیا جا سکتا ہے۔

(ج) مالکیہ کے نزدیک اگر کوئی شخص کسی سے وعدہ کرے بدوں کسی عقد کے تو وہ وعدہ لازم ہو جاتا ہے۔ اور نقصان کی صورت میں وعدہ کرنے پر معاوضۂ نقصان ضروری ہوتا ہے۔ (۳)

تیسرا گروہ جس کی قیادت استاذ ابو زہرہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کا قائل ہے کہ بیمہ مطلقاً ناجائز ہے۔ خلاصہ دلائل یہ ہے۔

(۱) بیمہ اپنی اصل وضع میں یا تو قمار ہے، جب کہ مدت مقررہ کے اختتام کے قبل ہی بیمہ دار کی موت واقع ہو جائے۔ یا ربوا ہے، جب کہ کل اقساط کی ادائیگی کے بعد بیمہ دار بیمہ شدہ رقم مع منافع حاصل کرے۔ قمار اور ربوا دونوں حرام ہیں۔

(۲) بیمہ میں صفقتان فی صفقة (۴) پایا جاتا ہے۔ اس کی مخالفت نص حدیث سے ثابت ہے، اور اس کی ممانعت پر ائمہ اربعہ کا اتفاق و اجماع ہے۔

(۳) بیمہ سے نظام میراث درہم برہم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ بیمہ دار کے نامزد کردہ

---

(۱) ودیعۃ باجر کی صورت یہ ہے کہ اپنے مال کو کسی دوسرے شخص کے پاس امانت رکھا جائے اور حفاظت امانت کی اجرت مقرر کر دی جائے اس صورت میں اگر مال ضائع ہو جائے تو امین ضامن ہوتا ہے اور نقصان کا معاوضہ اس کے ذمہ واجب ہے۔

(۲) اس کی شکل یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص سے کہا کہ اس راستہ پر سفر کرو راستہ قابل اطمینان ہے اگر راستہ قابل اطمینان نہ ہوا اور تمہارا مال لوٹ لیا گیا تو میں ضامن ہوں، راستہ میں مال لوٹ لیا گیا تو وہ مال کا ضامن ہوگا اور تلافی نقصان کرے گا۔

(۳) یہ مسئلہ مالکیہ کے نزدیک بھی اتفاقی نہیں ہے مالکیہ کے اس میں تین قول ہیں ایک قول وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ فتح العلی المالک ص:۲۵۵ ج:۱۔

(۴) یعنی ایک معاملہ کے ختم ہونے سے پہلے اس میں دوسرا معاملہ داخل کر دیا جائے۔

شخص کو بیمہ کی رقم دی جاتی ہے۔ جب کہ ہر شرعی وارث مال متروکہ کا حقدار ہے۔

(۴) عقد صرف (۱) ہے۔ جس میں مجلس میں قبضہ ضروری ہوتا ہے۔ اور یہاں یہ شرط مفقود ہے۔

(۵) عقیدۂ تقدیر پر ایمان کا تقاضا ہے، کہ پیش آنے والے حوادث اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیئے جائیں، اور یہاں بیمہ کرانے والے اس عقیدہ سے فرار کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ پہلے سے حوادث و موت کی پیش بندیاں کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

بیمہ کے بارے میں علامہ ابن عابدینؒ کا فتویٰ

اب ہم علامہ ابن عابدین الشامیؒ کے فتویٰ کی تلخیص درج کرتے ہیں۔ واضح ہو کہ یہ مسئلہ ''مستأمن'' کے باب میں ذکر کیا گیا ہے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ان تاجروں کو ہلاک شدہ مال کا معاوضہ لینا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ التزام (۲) مالا یلزم کی صورت ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ امانت رکھنے والا، امانت کی حفاظت پر اجرت وصول کر لے، اور مال ضائع ہو جائے تو وہ ضامن ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے، کہ بیمہ کے مسئلہ کو اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ یہاں مال بیمہ کمپنی کی تحویل میں نہیں ہوتا، بلکہ بحری جہاز کے مالک یا اس کے ملازموں کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اور اگر یہ صورت ہو کہ بیمہ کمپنی کا جہاز بھی ہو، تب بھی ہلاک شدہ مال کا معاوضہ لینا جائز نہیں ہوگا (۳)۔ کیونکہ اس صورت میں بیمہ کمپنی اجیر مشترک سمجھی جائے گی۔ جس نے حفاظت مال اور مال لے جانے دونوں کی اجرت لی ہے۔ اور ظاہر ہے، کہ اجیر مشترک ناگہانی آفات سے مال تلف ہو جانے کی صورت میں ضامن نہیں ہوتا۔

(۱) عقد صرف روپے کی بیع روپے سے یا سونے چاندی کی آپس میں بیع کو صرف کہتے ہیں اس میں شرط ہے کہ معاملہ کرنے والے مجلس ختم ہونے سے پہلے مال پر قبضہ کر لیں۔ (۲) جو چیز قانوناً لازم نہ ہو اس کو اپنے ذمہ لازم کر لینا۔ (۳) بعض فقہاء کے نزدیک یہ صورت جائز ہے حضرت مولانا تھانویؒ نے بھی جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ باب الکفالۃ میں ایک مسئلہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص سے کہا کہ اس راستہ پر سفر کرو راستہ قابل اطمینان ہے۔ شخص مذکور نے راستہ پر سفر کیا۔ سفر میں مال ضائع ہو گیا۔ تو اطمینان دلانے والا شخص ضامن نہیں ہوگا۔ برخلاف اس کے اگر اس نے ضمانت کے الفاظ بولے۔ اور کہا کہ تیرا مال چھیننے کی صورت میں ضامن ہوں، راستہ میں مال چھین لیا گیا، تو ضمانت دینے والا نقصان کا معاوضہ دے گا، شارح یعنی صاحب درمختار (۱) نے دونوں مسئلوں میں فرق اس طرح کیا ہے، کہ دوسرے مسئلہ میں ضمانت کے الفاظ صراحتاً پائے جاتے ہیں۔ کیونکہ ''انا ضامن'' (میں ضامن ہوں) لفظوں میں موجود ہے۔ اور پہلے مسئلہ میں اس طرح نہیں ہے۔ جامع الفصولین (۲) میں وجہ فرق اس طرح بیان کیا ہے۔

کلیہ قاعدہ یہ ہے، کہ غرر (۳) میں آنے والا غرر دینے والے سے ضمان اس وقت لے گا، جب کہ غرر کسی معاوضہ کے ضمن میں پایا جائے۔ یا دھوکہ دینے والا دھوکہ دیئے ہوئے شخص کے حق میں صفت سلامتی کا ضامن ہو۔ مثلاً ایک شخص کسی چکی والے کے پاس گیہوں

---

(۱) تنویر الابصار ایک متن ہے جو شیخ الاسلام محمد بن عبداللہ التمر تاشی کی تصنیف ہے اس کی شرح شیخ محمد بن علی بن محمد الحصکفیؒ نے پہلے تو خزائن الاسرار و بدائع الافکار کے نام سے تالیف فرمائی جو ابواب الوتر تک دس ضخیم جلدوں میں پہنچی تھا، یہ شرح ناتمام رہی، پھر دوسری شرح الدر المختار کے نام سے تالیف فرمائی، اس شرح کا حاشیہ علامہ ابن عابدین شامی نے ردّ المختار کے نام سے تحریر کیا، جو علماء کے درمیان متداول و معروف ہے۔

(۲) اس کے مؤلف شیخ بدر الدین محمود بن اسمٰعیل ہیں، جو ''قاضی سماوہ'' کے نام سے مشہور ہیں یہ کتاب صرف معاملات میں ہے۔

(۳) غرر، غرر کے معنی ہیں کسی کو دھوکہ دینا اور غلط طریقے سے اس کو طمع میں ڈالنا دھوکہ دینے والے کو غار اور دھوکہ کھائے ہوئے کو مغرور کہتے ہیں غرر کی دو صورتیں ہیں: (۱) غرر قولی یعنی زبان سے معاملہ میں دھوکہ دے مثلاً یہ بکری دو سیر دودھ دیتی ہے اور وہ اتنا نہ دیتی ہو، (۲) غرر فعلی یعنی فعل سے دھوکہ دینا جیسے گیہوں فروخت کرنے والا خراب گیہوں نیچے کر دے اور اچھے گیہوں اوپر کر دے، واضح رہے کہ غرر خطر کے معنی میں بھی فقہ کی زبان میں بولا جاتا ہے یعنی ملک کو ایسی چیز پر موقوف کرنا جس کے پائے جانے یا نہ جانے دونوں کا احتمال ہو جس طرح کہ قمار (جوا) میں ہوتا ہے قمار کی علت غرر اور خطر فقہ کی زبان میں بتلائی جاتی ہے۔

پسانے کے لئے لایا، چکی والے نے اس سے کہا، کہ اس برتن میں ڈالدو، اتفاق سے برتن میں سوراخ تھا، اور چکی والا اس سے واقف بھی تھا۔ تب بھی اس نے گیہوں برتن میں ڈالنے کے لئے کہہ دیا۔ گیہوں سب ضائع ہو گئے چکی کا مالک نقصان کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس نے عقد اجارہ کے ذیل میں دھوکہ دیا۔ حالانکہ معاملہ کا تقاضا یہ تھا کہ مال کی حفاظت رہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس مسئلہ میں قید ضروری ہے، کہ دھوکہ دینے والا نقصان سے واقف ہو۔ اور دوسرا شخص اس سے واقف نہ ہو .... اب ظاہر ہے کہ بیمہ کمپنی کا مقصد تاجروں کو دھوکہ دینا نہیں ہوتا، اور نہ ان کو جہاز کے ڈوب جانے یا آگ لگنے وغیرہ کا علم ہوتا ہے۔ رہا عام خطرہ تو وہ تاجر اور بیمہ کمپنی دونوں کو ہوتا ہے۔ کیونکہ تاجر بیمہ کراتے ہی اس وقت ہیں، جب ان کو خطرہ ہو، اور ہلاک شدہ مال کا معاوضہ لینے کی طمع ہو۔ لہٰذا بیمہ کے مسئلہ کو اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا (۱) البتہ اگر مسلمان تاجر کا کوئی حربی شریک ہو، اور وہ دارالحرب میں بیمہ کمپنی سے معاملہ طے کرے، اور مال ہلاک ہونے کی صورت میں معاوضہ کی رقم میں کچھ مسلمان تاجر کا بھی حصہ لگا لے تو یہ رقم مسلمان کے لئے حلال ہے۔ کیونکہ ''عقد فاسد'' دارالحرب میں رہنے والے دو شخصوں کے درمیان ہوا ہے، اور دارالحرب والوں کا مال ان کی رضامندی سے مسلمانوں کو پہنچا ہے۔ لہٰذا اس کے لینے میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے، کہ مسلمان تاجر دارالحرب میں ہوتا ہے، اور وہاں ان کے سامنے یہ معاملہ طے کرتا ہے، اور معاوضہ دارالاسلام میں لیتا ہے۔ کبھی اس کے برعکس بھی صورت ہوتی ہے۔ یعنی معاملہ دارالاسلام میں طے ہوا، اور وصولی دارالحرب میں ہوئی۔ پہلی صورت میں معاوضہ لینا جائز ہے۔ کیونکہ دارالحرب میں طے کیا ہوا معاملہ کالعدم سمجھا جائے گا، اور یہ کہیں گے کہ حربی کا مال اس کی خوشی سے لیا گیا ہے، اس لئے جائز ہے۔ دوسری صورت میں عقد چونکہ دارالاسلام میں قرار پایا ہے، اس لئے عقد پر فساد کا حکم لگایا جائے گا، اور معاوضہ لینا ناجائز متصور ہوگا۔

(۱) علامہ شامی کے زمانہ میں سودی بیمہ نہیں ہوتا تھا اس لئے سود سے بحث نہیں کی ہے۔

جواب کی طرف

اب ہم اصل سوالنامہ کے جواب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ہم اپنے جواب کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ پہلے حصہ کا تعلق نظام بیمہ کی اصلاح سے ہے۔ اس طرح کہ وہ شریعت اسلامیہ کے مطابق ہو جائے۔ تعاون علی الخیر کا یہ نظام جواب قمار (جوا) اور ربوا کا مجموعہ نظر آتا ہے۔ اپنی اصلی شکل میں ظاہر ہو کر ان لوگوں کے لئے قابل قبول ہو۔ جو اپنے معاملات کو اسلام کی ہدایت اور روشنی سے درخشاں رکھنا چاہتے ہیں۔

بعض اسلامی ملکوں میں اب اس قسم کی فکر ہو رہی ہے، کہ سودی نظام سے جس نے ہماری معاشی زندگی کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے، اور جس نے قوم کی اجتماعی دولت کو گُھن کی طرح کھالیا ہے، گلوخلاصی کی کوئی صورت نکلے۔ اسی طرح بیمہ کی اصلاح اور اس کو صحیح خطوط پر لانے کا جذبہ بھی پایا جاتا ہے۔ یہ جذبہ بڑا قابل قدر ہے، اور ضرورت ہے کہ اقتصادیات کے منتخب ماہرین اور ارباب بصیرت علماء ساتھ بیٹھ کر حلال اور حرام کی حدیں پیش نظر رکھ کر بیمہ کاری کا ایسا نظام دریافت کریں، جس میں شریعت محمدیہ سے سر مو تجاوز نہ ہو۔ عام مسلمانوں سے بھی ہماری گذراش ہے، کہ وہ اپنی حکومتوں پر جو اسلام کا نام لیتی ہیں زور دیں۔ اور ان پر اجتماعی وزن ڈالیں کہ وہ ان کو سود اور قمار کی لعنت سے نجات دلائیں۔ ان سے صاف صاف کہہ دیا جائے، کہ اس یہودی نظام نے ہماری دنیا بھی خراب کر رکھی ہے اور آخرت بھی۔ اس کے برعکس یہ طریق کار صحیح نہیں ہے کہ صرف ماہرین شریعت کی طرف رجوع کر کے ان سے کہا جائے، کہ بیمہ کو حلال کر دیں یا ضرورت و مجبوری کے نام پر کوئی حیلہ نکالیں۔

ان علماء کا کردار بھی قابل مذمت ہے، جو یورپ کے ماہر اقتصادی نظام کی چند خوبیاں یا خوشنما پہلوؤں کو دیکھ کر جواز اور حلت کا فتویٰ دینے میں نہایت جری ہیں۔ ان حضرات کو قرآن حکیم کی آیت کریمہ ذیل پیش نظر رکھنا چاہئے۔

"ولا تقولوا لما تصف السنتكم الكذب هذا حلال وهذا حرام لتفتروا على الله الكذب ان الذين يفترون على الله الكذب لايفلحون." (النحل ع ۲۰ پارہ ۱۴)

اور نہ کہو اپنی زبانوں کے جھوٹ بنا لینے سے کہ یہ حلال ہے، اور یہ حرام ہے تا کہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھو، بلاشبہ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتے ہیں، کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔

مجوزین کے دلائل کا خلاصہ آپ پڑھ چکے ہیں۔ دلائل کی سطحیت بالکل ظاہر ہے۔ مثلاً اس دلیل کو آپ کیا کہیں گے، کہ بیمہ کا "سود" حلال ہے۔ کیونکہ قرض میں سود نہیں ہوتا۔ ان حضرات کو معلوم ہونا چاہئے کہ قرآن کریم کی آیت ربوا سودی تجارت اور سودی قرض کے جاہلی نظام کو ختم کرنے کے لئے نازل ہوئی تھی۔ جاہلی نظام میں قرض اور تجارت دونوں کے ذریعہ سود لیا جاتا تھا۔ امام ابوبکر الجصاص الرازیؒ احکام القرآن میں لکھتے ہیں۔

"والثاني انه معلوم ان ربا الجاهلية انما كان قرضاً موجلاً بزيادةٍ مشروطة فكانت الزيادة بدلاً من الاجل فابطله الله وحرمه." (ص ۵۵۴ ج ۱)

"دوسری بات یہ ہے کہ یہ امر بالکل عیاں ہے، کہ زمانہ جاہلیت کا سود قرض میعادی کی شکل میں لیا جاتا تھا۔ جس میں زیادتی شرط کر لی جاتی تھی۔ زیادتی میعاد کا بدل ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو باطل قرار دیا، اور حرام فرمایا۔"

مغنی ابن قدامہ میں ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ سے سوال کیا گیا کہ وہ کون سا ربوا ہے، جس کے انکار سے کفر لازم آتا ہے۔ امام موصوف نے جواب دیا۔

هو الزيادة فِي الدَّين

وہ قرض میں زیادتی ہے۔(۱)

ربوا کے بارے میں احادیث نبویہ کا حاصل یہی ہے۔ کہ ربوا صرف روپے کے لین دین تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ ربوا کے سلسلہ میں بہت سی صورتیں داخل ہیں۔ حتیٰ کہ ان صورتوں کو بھی حرام کر دیا گیا، جن میں ادھار نہیں ہے۔ بلکہ نقد معاملہ ہے۔ مثلاً ایک تولہ چاندی لے کر دو تولہ چاندی دیدے، یا ایک من نقد گیہوں دے کر اس کے معاوضہ میں دو من گیہوں نقد لے لے (۲)۔ الغرض حدیث پاک نے ربوا کے ریشے بھی اسلام کے معاشی نظام سے نکال کر پھینک دیئے تا کہ اسلامی معاشرہ اس نجاست سے بالکل صاف و پاک ہو جائے۔

فقہ حدیث کی شرح ہے جس طرح حدیث قرآن کریم کی۔ اس لئے کہ فقہاء کرام نے ان ہی صورتوں کی تفصیلات مرتب کی ہیں، جو حدیث میں بیان کی گئی تھیں اس لئے فقہ کی کتابوں میں سود کے مباحث دیکھ کر بعض نام نہاد علماء اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ قرآن نے جس سود کو حرام کیا ہے، وہ قرض والا سود نہیں ہے، بلکہ خرید و فروخت کی چند نادر شکلوں میں سود پایا جاتا ہے، جو ایام جاہلیت میں مروج نہیں، اور جن کا ذکر فقہ کی کتابوں میں کیا گیا ہے۔

بعض نے ''تعاونوا على البر والتقوىٰ'' اور ''لايَظلِمونَ ولايُظلَمونَ (۳)''

---

(۱) دین کا ترجمہ قرض کے ساتھ نامکمل سا ہے کیونکہ دین ماثبت فی الذمۃ (جو بھی انسان کے ذمہ آجائے اس) کو کہتے ہیں اس میں بدل قرض، ثمن، مبیع وغیرہ سب داخل ہیں شریعت کی اس اصطلاح کے نہ جاننے سے بھی لوگ عجیب قسم کی غلط فہمیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

(۲) اس کو اس طرح سمجھ لیجئے کہ ایک من عمدہ گیہوں دے کر دو من خراب گیہوں لے لے یہ بھی ناجائز ہے، کیونکہ اموال ربویہ (یعنی جو اموال میں ربوا ہوتا ہے) میں برابری ضروری ہے خواہ صفت میں تفاوت ہی کیوں نہ ہو۔

(۳) دیکھئے فتاوی شلتوت ص: ۳۵۲،۳۵۰

اس قسم کی عمومی آیات سے استدلال کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے، کہ یہ حضرات ربوا اور میسر (جوے) کی آیات کو بالکل بھول گئے ہیں۔ دلائل خصوص کے ہوتے ہوئے دلائل عموم سے سہارا لینا قابل تعجب ہے۔

بیمہ کس لئے

شروع میں آپ پڑھ چکے ہیں، کہ بیمہ کی ابتداء نہایت سادہ تھی۔ اور اس کا مقصد بھی صرف یہی تھا، کہ نقصان زدہ تاجروں کو مالی امداد دی جائے یا اس طرح کہہ لیجئے، کہ ایک فرد کی مصیبت کے بار کو بہت سے افراد پر پھیلا دیا جائے۔ اس طرح کہ ہر ایک کو ایک خفیف سی قربانی دینا پڑے۔ لیکن اس قربانی کے عوض جملہ افراد کو مصیبت و آفت کے وقت تعاون حاصل ہو۔ تعاون علی الخیر کا یہ جذبہ بڑا قابل قدر ہے قرآن کریم نے اس جذبہ کو متعدد آیات میں ابھارا ہے۔ اور حدیث نبوی میں اس کے فضائل بیان کئے گئے ہیں۔

بیمہ کرانے والے شخص کے پیش نظر دوسرا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس شخص کے انتقال کے بعد اس کے بیوی بچوں کو تکلیف اٹھانا نہ پڑے۔ اس مقصد کو بھی ہم اسلامی نقطۂ نگاہ سے غلط نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ تعلیم نبوی اس کو صحیح اور بہتر قرار دے رہی ہے۔ سرور کائنات ﷺ ایک صحابی سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

" انک ان تدع ورثتک اغنیاء خیر من ان تدعھم عالۃ یتکففون الناس۔"

" تمہارا اپنے ورثہ کو غنی چھوڑنا اس سے کہیں بہتر ہے، کہ ان کو ایسا محتاج چھوڑو، کہ وہ لوگوں سے سوال کرتے پھریں۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا۔

"ان امر کن مما یھمنی من بعدی"

(مشکوٰۃ المصابیح ص:۵٦٧ ج:۲)

"تمہارے معاملہ نے مجھ کو فکر میں ڈال رکھا ہے، کہ تمہاری گذر میرے بعد کیونکر ہوگی۔ (یعنی میں نے کوئی میراث نہیں چھوڑی ہے اور تم نے دنیا پر آخرت کو ترجیح دی ہے)۔"

اپنے دنیا سے چلے جانے کے بعد بیوی بچوں کی فکر ایک فکری داعیہ ہے، اس لئے اسلام نے ان کو ختم نہیں کیا، بلکہ اس کی ہمت افزائی کی ہے۔ اسلام کی خصوصیت ہے کہ وہ فطری اور جبلی دواعی کو ختم نہیں کرتا، بلکہ ان کے لئے مناسب اور جائز راہیں تجویز کرتا ہے۔

بیمہ کا شرعی حل

طالب بیمہ کے حسب ذیل مقاصد بیان کئے جاتے ہیں۔ (۱) اس کا سرمایہ محفوظ رہے۔ (۲) اضافہ مال بذریعہ سود یا تجارت۔ (۳) حوادث کی صورت میں مالی معاونت، موجودہ زمانہ میں حادثوں کی تعداد میں بے پناہ اضافہ ہوگیا ہے، آئے دن ہولناک قسم کے حوادث ہوتے رہتے ہیں، جن میں جانی اور مالی دونوں قسم کے حوادث سے بے اندازہ نقصان ہوتا ہے۔ (۴) پسماندگان کی مالی امداد۔

اب ان کا ترتیب وار حل درج ہے۔

۱۔۲......ان دونوں باتوں کا حل یہی ہے کہ غیر سودی بینک جاری کئے جائیں۔ جن کی اساس شرکت [۱] اور مضاربت [۲] پر قائم کی جائے۔ اس طرح سرمایہ کی حفاظت بھی ہو گی، اور مال میں بھی جائز طریقوں سے اضافہ ہوتا رہے گا۔ اسلام کے معاشی نظام کا جس شخص نے بغور مطالعہ کیا ہوگا وہ ضرور اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ اسلام "ارتکاز دولت" کا حامی

(۱) سرمایہ اور کام مشترک ہو اس کو شرکت کہتے ہیں اس کی کئی قسمیں ہیں۔

(۲) ایک کا سرمایہ ہو دوسرے کا کام یہ مضاربت کہلاتا ہے، تفصیلات کتب فقہ میں مذکور ہیں۔

نہیں ہے کہ روپیہ ایک جگہ جمع کر دیا جائے اور بدون تجارت اس سے منافع حاصل کیا جائے۔ روپیہ سے روپیہ حاصل کرنا اسلام کے نقطۂ نظر سے صحیح نہیں ہے۔ سرمایہ میں جو لوگ اضافہ چاہتے ہیں، ان کیلئے تجارت کی شاہراہ کھلی ہوئی ہے۔ تجارت سے سرمایہ دار کا بھی فائدہ ہے کہ سرمایہ میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ اور زکوۃ دولت کو ختم نہیں کرے گی اور ملک وقوم کا بھی فائدہ ہے کہ تجارت کو فروغ ہوگا۔ سرمایہ تجوریوں سے نکل کر منڈیوں اور بازاروں میں پہنچے گا۔ صنعت اور انڈسٹری کی کثرت ہوگی۔ مزدوروں اور ملازمت پیشہ لوگوں کو کام ملے گا۔ واضح رہے کہ اسلام اپنے معاشی نظام کی بنیاد زکوۃ پر رکھتا ہے، برخلاف سرمایہ دارانہ نظام کے کہ وہاں سود ریڑھ کی ہڈی کا حکم رکھتا ہے۔ قرآن کریم نے اسلام کے معاشی نظام کو مختصر سے مختصر لفظوں میں اس طرح سمجھایا ہے۔

"کی لایکون دولۃ بین الاغنیاء" (الحشر پارہ ۲۸)

"تاکہ نہ آئے لینے دینے میں صرف دولت مندوں کے تم میں سے۔"

آیت کریمہ کا حاصل یہ ہے، کہ یہ مصارف (اس سے پہلے مصارف بتلائے گئے ہیں) اس لئے بتلائے ہیں، کہ ہمیشہ یتیموں، محتاجوں، بے کسوں اور عام مسلمانوں کی خبر گیری ہوتی رہے۔ اور عام اسلامی ضروریات سرانجام پاسکیں۔ یہ اموال محض چند دولت مندوں کے الٹ پھیر میں پڑ کر ان کی مخصوص جاگیر بن کر نہ رہ جائیں، جس سے صرف سرمایہ دار اپنی تجوریوں کو بھرتے رہیں اور غریب فاقوں سے مریں۔

غیر سودی بینک کا اجراء (۱) کوئی محض تخیلی چیز نہیں ہے، بلکہ ایک حقیقت ہے۔ جس کو بڑی آسانی سے بروئے کار لایا جا سکتا ہے۔ یورپ کی ذہنی غلامی نے دماغوں پر یہ عقیدہ مسلط کر دیا ہے، کہ سود کے بغیر معاشی نظام چل ہی نہیں سکتا۔ ان حضرات کو معلوم ہونا چاہئے

(۱) ماہنامہ "المسلمون" جو جنیوا سے زیر ادارت جناب سعید رمضان صاحب شائع ہوتا ہے اس میں ڈاکٹر حمید اللہ صاحب پیرس کا "غیر سودی بینک" پر ایک مقالہ چھپا ہے، جس میں صاحب موصوف نے بتلایا کہ ریاست حیدر آباد مرحوم میں ایک مرتبہ اس کا عملی تجربہ بھی کیا جا چکا ہے اور اس کو خاصی کامیابی ہوئی تھی۔

کہ آج بھی کچھ ممالک ترقی کی راہ پر گامزن ہیں۔ بلکہ ان کی معاشی حالت سودی نظام اور بینکنگ کا سارا کاروبار موجود نہیں ہے۔ اور بایں ہمہ وہ ممالک ترقی کی راہ پر گامزن ہیں۔ بلکہ ان کی معاشی حالت سودی ملکوں سے زیادہ بہتر ہے۔ اگر کچھ اسلامی حکومتیں ہمت کر کے سود کے اس نظام سے نجات حاصل کرلیں تو بین الاقوامی طور پر بھی اس کا اثر ہو، بینک آف انگلینڈ قسم کے بین الاقوامی بینک ان ملکوں کو غیر سودی کاروبار کی سہولتیں مہیا کریں، اور لوگوں کا یہ عذر کہ ہم سود کے بغیر بین الممالک تجارت کس طرح کرسکتے ہیں ختم ہو جائے۔

۳:...... ''دنیا حوادث کی آماجگاہ ہے۔'' یہ مقولہ پہلے بھی صادق تھا، اور اب تو ایسی حقیقت بن چکا ہے، جس سے انکار ناممکن ہے۔ روزانہ حادثے ہوتے رہتے ہیں جن میں جانی اور مالی دونوں قسم کے نقصانات ہوتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کل تک ایک بھلا چنگا آدمی ہاتھ پیروں سے صحیح وسالم تھا۔ آج اچانک کسی حادثے کی زد میں آگیا اور اپاہج ہو کر رہ گیا۔ اس اپاہج انسان کے ساتھ اس کا خاندان بھی مصائب وحوادث کا شکار ہے۔ نہ پیٹ بھرنے کو روٹی ہے اور نہ تن ڈھانپنے کو کپڑا رہا۔ اسی طرح ایک بڑا صنعت کار جو کل تک ایک بڑی انڈسٹری کا مالک تھا۔ اچانک کارخانہ میں آگ لگ گئی مشینری اور سارا سامان جل کر راکھ ہو گیا۔ اور وہ اب نان جویں کو بھی محتاج ہے۔ پھر ہر روز بسوں، موٹروں کے حادثے ہماری زندگی کا روزمرہ بن چکے ہیں۔ آخر ان نقصانات کی تلافی کس طرح ہو اور اس کا حل شریعت اسلامی میں کیا ہے؟

اس کا حل یہی ہے کہ امداد باہمی اور تعاون علی الخیر کے جذبہ کے تحت ایسے ادارے قائم کئے جائیں جو ارباب خیر اور مال داروں سے عطیات وصول اور ان سے جمع شدہ رقوم کو تجارت اور انڈسٹری میں لگائیں ان اداروں کا کام یہ ہو، کہ وہ تحقیق حال کے بعد نقصان زدہ افراد اور خاندانوں کی مالی امداد کریں۔ اس سلسلہ میں عام ادارے بھی بنائے جاسکتے ہیں اور خاص بھی۔ خاص کی یہ صورت ہو کہ تاجر اپنا الگ ادارہ بنائیں، صنعت کار اپنا الگ۔ اسلامی حکومت اگر اس سلسلہ میں جبر کرنا چاہے، تو جبر بھی کرسکتی ہے۔ کیونکہ حکومت

کو زکوٰۃ کے علاوہ بھی بعض صورتوں میں رعایا سے جبری عطیات وصول کرنے کا حق ہے۔

"فان اريد بها مايكون بحق ككرى النهر المشترك واجر الحارس والموظف لتجهيز الجيش وفداء الاسارى وغيرها جازت الكفالة بها اعلى الاتفاق."

(ہدایہ باب الکفالۃ ص:۱۰۹ ج:۳)

"اگر اس سے وہ ٹیکس مراد ہیں، جو جائز اور صحیح ہیں اور جیسے مشترک نہر کا کھودنا پولیس کی تنخواہ یا فوج کا انتظام کرنے والوں کی تنخواہ جو سب پر ڈالدی جائے، یا قیدیوں کو کافروں کی قید سے چھڑانے کے لئے عطیات۔ تو اتفاقاً ان کی کفالت کی جاسکتی ہے۔

"ضرر عام" "ضرر خاص" سے مقدم ہے۔ یہ بھی تو اسلامی قانون کا اصول ہے۔ ان تعاونی اداروں کے علاوہ دوسرا اقدام یہ ہو کہ معاقل کے اسلامی نظام کو پھر سے اسلامی معاشرہ میں جاری کیا جائے۔

معاقل

"معاقل" معقلۃ کی جمع ہے خون بہا کو کہتے ہیں۔ عقل کے معنی روکنے اور منع کرنے کے ہیں۔ اور دیت کے طریق کار سے لوگوں کی جانیں مفت میں چلی جانے سے محفوظ ہو جاتی ہیں۔ اس لئے خون بہا کو عقل کہتے ہیں اور عاقلہ اس جماعت کو کہتے ہیں جو قاتل کی طرف سے اجتماعی طور پر خون بہا ادا کرتی ہے۔

ہجرت کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم نے انصار اور مہاجرین کے درمیان بھائی چارہ قائم کرایا، تو ایک دستاویز بھی تحریر فرمائی، جس میں دونوں کو ایک جماعت قرار دے کر حوادث اور نقصانات کی ذمہ داری ایک دوسرے پر ڈالی۔

محدث کبیر ابن ابی شیبہؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔

"كتب رسول الله صلى الله عليه وسلم كتاباً بين المهاجرين و الانصار ان يعقلوا معاقلهم و ان يفدوا عاينهم بالمعروف والاصلاح." (نصب الرایہ للزیلعی ج:۴)

"جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار اور مہاجرین کے لئے ایک تحریر لکھوائی جس میں یہ تھا کہ انصار اور مہاجرین ایک دوسرے کی دیت ادا کریں گے اور اگر کوئی قید ہو جائے تو اس کا فدیہ ادا کریں گے قاعدہ قانون اور اصلاح باہمی کے طریق پر۔"

قبائلی سسٹم میں قبیلہ عاقلہ سمجھا جاتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب دواوین کو ترتیب دیا، تو اهل الديوان عاقلہ قرار پائے پیشوں کی بنیاد پر بھی ایک پیشہ والوں یعنی برادری کو عاقلہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

"ولهذا قالوا لو كان اليوم قوم تناصرهم بالحرف فعاقلتهم اهل الحرفة۔" (ہدایہ کتاب المعاقل ص:۶۱۲ ج:۴)

"اسی بنا پر مشائخ نے فرمایا ہے کہ اگر آج کل تناصر (اعانت باہمی) پیشوں کے طریق پر رائج ہوتا ہو، تو ایک پیشہ میں منسلک افراد برادری عاقلہ قرار دیئے جائیں گے۔"

عاقلہ پر ذمہ داریاں ڈالنے کی غرض و غایت اور اس کی حکمت امام سرخسیؒ اس طرح بیان کرتے ہیں عاقلہ پر ذمہ داریاں ڈالنا عقلی طور پر یوں سمجھئے۔

"قاتل جب فعل قتل کا ارتکاب کرتا ہے، تو اس اقدام میں خارجی قوت وطاقت کو بڑا دخل ہوتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ قتل کی پاداش میں جب میں پکڑا جاؤں گا تو میرے حمایتی (قبیلہ یا برادری) میری مدد کو پہنچیں گے۔ اب حمایت و نصرت کے چند اسباب ہوتے ہیں کبھی یہ اہل دیوان

کی یکجہتی پر مبنی ہوتی ہے، کبھی قبیلوں اور خاندان والوں کی بنیاد پر ہوتی ہے، کبھی محلے اور پیشوں کی بناء پر ہوتی ہے۔ چونکہ قاتل ضرورت کے وقت ان سے ہی قوت و طاقت حاصل کرتا ہے اس لئے خون بہا بھی ان ہی پر لگایا جائے گا تا کہ یہ لوگ اپنے میں سے ناسمجھ اور بے وقوف لوگوں کو اس قسم کی حماقتوں سے روکیں۔ خون بہا کا مال بھی کافی مقدار میں ہوتا ہے، اس لئے سب پر ڈالنے سے وصولی میں بھی آسانی ہو جاتی ہے۔ ہر ایک شخص ادا بھی اس خیال سے کر دیتا ہے کہ کل اگر مجھ سے بھی اس قسم کا فعل سرزد ہو گیا، تو یہی لوگ میرا خون بہا ادا کر دیں گے۔"

(المبسوط للسرخسی ص:۲۶ ج:۲۶)

اسی طرح اگر کسی مقام پر کوئی مقتول پایا جائے اور قاتل کا پتہ نہ چل سکے تو وہاں کی آبادی از روئے شرعی اجتماعی طور پر اس کا خون بہا ادا کرتی ہے۔

لہٰذا ان مسائل کی روشنی میں ایسا طریق کار اختیار کیا جا سکتا ہے، کہ حادثات کی صورت میں ہر پیشہ کا عاقلہ (برادری یا یونین) خون بہا ادا کرے۔ مثلاً بسوں اور ٹرکوں کے مالک ایک عاقلہ قرار دیئے جائیں کسی کی بس سے کوئی جانی یا مالی نقصان ہو جائے تو ان کی انجمن ادائیگی نقصان کی ذمہ دار ہو۔ اس سلسلہ کو دوسرے پیشوں اور حرفوں تک بھی پھیلایا جا سکتا ہے۔ اور ان کے قواعد و ضوابط بنائے جا سکتے ہیں۔ عاقلہ پر ذمہ داری ڈالنا یقیناً ان حوادث میں کمی کا باعث بھی بن سکتا ہے۔ جب کہ حوادث میں بے پناہ اضافہ ہو گیا ہے، اور دن بدن ہو رہا ہے۔ اور اب تو انشورنس کے نظام کی وجہ سے یہ عالم ہو گیا ہے، کہ لوگ خود اپنی موٹروں، بسوں، ٹرکوں کو حادثہ کا شکار بنانے کی کوشش کرتے ہیں، تا کہ اس طریقہ سے بیمہ کمپنی سے معقول رقم وصول کی جائے۔ رہی قانونی گرفت تو اس سے بچنے کی راہیں تو ملک کے نرم قوانین اور پھر وکلاء کی موشگافیوں نے بڑی حد تک ہموار کر رکھی ہیں۔

۴:...... چوتھا مقصد بیمہ کا یہ بیان کیا جاتا ہے، کہ اس کے ذریعہ پسماندگان کی مالی

امداد بڑی حد تک ہو جاتی ہے۔ لوگ بیمہ اس لئے کراتے ہیں کہ ان کے مرنے کے بعد ان کی اولاد کسمپرسی کے عالم میں مبتلا نہ ہو۔ اس مقصد کے سلسلہ میں عرض ہے کہ اگر کسی جگہ اسلامی نظام معیشت کی ترویج صحیح معنی میں ہو، تو کوئی باپ اپنے مرنے سے اس لئے خوف زدہ نہیں رہ سکتا کہ میرے مرنے کے بعد میری اولاد مصیبتوں کی شکار ہوگی کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اسلام کے دستور مملکت میں یہ دفعہ بھی شامل ہے۔

''حدثنا محمود قال اخبرنا اسرائيل عن ابى حصين عن ابى صالح عن ابى هريرة ﷺ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انا اولى بالمؤمنين من انفسهم فمن مات وترك مالاً فماله لموالى العصبة ومن ترك كلاً او ضياعاً فلادعى له.'' (بخاری ص: ۹۹۹ ج:۳)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں مؤمنین سے ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہوں لہٰذا جو شخص مال چھوڑ کر مرے تو وہ مال تو اس کے عصبات کا ہے اور جو شخص عاجز و درماندہ قرابت دار اور چھوٹے چھوٹے بچوں کو چھوڑے تو مجھے اس کے لئے بلایا جائے۔''

نہ صرف شخص متوفی کے پسماندگان کی مالی امداد اسلامی حکومت کے ذمہ ہے بلکہ اگر اس پر کسی کا قرض بھی ہو، تو اس کو بار آخرت سے سبکدوش کرانا اور قرض خواہ کو اس کا حق دلوانا بھی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ چنانچہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''فمن مات وعليه دين ولم يترك وفاءً فعلىّ قضاءه.''

(سنن أبی داؤد ومسند احمد)

''پس جس شخص نے انتقال کے بعد قرض چھوڑا اور اس کی ادائیگی کا کوئی سامان نہیں ہے تو میرے ذمہ اس کی ادائیگی ہے۔''

اس کے ساتھ ہی ساتھ عام ناداروں اور غریبوں کی کفالت بھی اسلامی حکومت کی ذمہ داریوں میں داخل ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض وقت قرض لے کر ناداروں اور غریبوں کی دادرسی فرمائی۔ اور ان کو ننگا بھوکا نہیں رہنے دیا۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ عہد رسالت میں اس ادارہ کے نگران تھے۔ ابوداؤد اور بیہقی نے بلالؓ کی زبانی یہ روایت بیان کی ہے۔

"وكنت انا الذى الى ذٰلك عنه منذ بعثه اللّٰه الى حين توفى وكان عليه السلام اذا اتاه الانسان مسلماً يراه عاديا يأمرنى فانطلق فاستقرض فأشترى له البردة فأكسوه وأطعمه." (التراتیب الاداریہ)

"اور میں ہی آپ کی بعثت سے لے کر وفات تک اس کا نگران تھا آپ کے پاس اگر کوئی مسلمان ننگا، بھوکا آجاتا تھا تو آپ مجھے حکم دیتے تھے میں جا کر کسی سے قرض لیتا تھا پھر اس رقم سے اس کے لئے کپڑے اور کھانے کا انتظام کرتا تھا۔"

اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہدایت تھی۔

" انفق بلالاً ولاتخش من ذى العرش اقلالاً."

(الاشرف لابن المنذر بحوالہ التراتیب الاداریہ ص:۴۴۲ ج:۱)

"بلال! خوب خرچ کیا کرو اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے تنگدستی سے نہ ڈرا کرو۔"

غلاموں کے اوپر خرچ کرنے میں اگر کسی آقا سے کوئی کوتاہی ہو جاتی تھی تو ان کے اخراجات بھی اس ادارہ کے ذمہ ہوتے تھے۔ مروان بن قیس دوسی کے حالات میں مروی ہے کہ ان کے اخراجات پورا کرنے میں ہمیشہ بخل سے کام لیتے تھے ان دونوں نے بارگاہ

رسالت میں شکایت کی۔ شکایت سنتے ہی حضرت بلالؓ کو حکم دیا گیا:

" فأمر بلالاً ان یقوم بنفقتھما"

(الاصابۃ: ترجمہ مروان بن قیس دوسی)

"بلال کو حکم دیا کہ ان دونوں کے نفقہ کا انتظام کریں۔"

ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے، کہ ایک شخص کے پاس مال وغیرہ سب کچھ ہے، لیکن اس کے بچے چھوٹے چھوٹے ہیں، ڈرتا ہے کہ میرے مرنے کے بعد مال متروکہ کو صحیح طریقہ پر خرچ نہیں کیا جائے گا۔ مال کی نگرانی اور اس کی حفاظت میں دشواریاں ہوں گی۔ اس لئے اپنے مال کو بیمہ کمپنی کے سپرد کر دیتا ہے تاکہ مال نقصان سے محفوظ رہے اور بچوں کی ضرورت (تعلیم شادی وغیرہ) کے موقعہ پر ان کے مصارف پورے ہوتے رہیں۔ اس صورت کا حل "وصایہ" کے نظم میں موجود ہے۔ یعنی اس شخص کو چاہئے کہ کسی کو اپنا وصی مقرر کر جائے ...... "وصی" کے باضابطہ فرائض ہیں۔ اور وہ ان کے لئے مسئول ہے۔ جس کو فقہ کی کتابوں میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اجمالی فرائض کا نقشہ ھدایہ میں اس طرح دیا گیا ہے۔

" شراء کفن المیت وتجھیزہ وطعام الصغار وکسوتھم ورد الودیعۃ ورد المغصوب والمشتری شراء فاسداً وحفظ الاموال وقضاء الدیون وتنفیذ الوصیۃ والخصومۃ فی حق المیت وقبول الھبۃ وبیع ما یخشی علیہ التوی والتلف وجمع الاموال الضائعۃ۔'

(ہدایہ ص:۶۷۹ ج:۵)

" میت کے کفن کی خریداری اور اس کی تجہیز و تکفین چھوٹے نابالغ بچوں کے خورد و نوش اور کپڑوں کا انتظام امانت اور غصب کئے ہوئے اموال کی اور بیع فاسد سے خریدے مال کی واپسی، مال و جائیداد کی حفاظت قرضوں کی ادائیگی، وصیت کے نفاذ کے انتظامات، مرنے

والے کے کسی حق کے لئے نالش کرنا، ہبہ قبول کرنا، جن چیزوں کے خراب ہونے کا ڈر ہو، ان کو فروخت کرنا گمشدہ اموال کی واپسی کی کوشش کرنا۔"

وصایت کے نظم پر عہد رسالت اور دور صحابہؓ میں برابر عمل ہوتا رہا، چنانچہ جعفرؓ بن ابی طالب کی شہادت کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفرؓ کے دونوں صاحبزادوں محمد اور عبداللہ رضی اللہ عنہما کی وصایت کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے فرمایا:

"انا ولیھم فی الدنیا و الاٰخرۃ۔"

"میں دنیا اور آخرت دونوں میں ان کا سرپرست ہوں۔"

اور صاحب سمط الجوہر الفاخر نے ایسے متعدد یتیم بچوں کے نام گنائے ہیں جن کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم وصی تھے جن میں سے تین کو یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

۱......محمد بن عبداللہ بن جحشؓ: انکے والد ماجد غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے شہادت سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وصی مقرر فرمایا۔ آپ نے ان کے لئے خیبر میں زمین خریدی، جس سے ان کے اخراجات پورے ہوتے تھے۔ اور مدینہ منورہ کے سوق الرقیق میں ایک گھر بطور عطیہ دیا، جس میں ان کی رہائش تھی۔

۲......ام زینب بنت نبیطؓ: ان کے والد سعد بن زرارہؓ نے آپ کو وصی مقرر کیا تھا۔

۳......قبیلہ بنی لیث بن بکر کی ایک بچی: اس کے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم وصی تھے۔

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ بار وصایت کے اٹھانے میں بڑے مشہور تھے، چنانچہ ان کو سات جلیل القدر صحابہ حضرت عثمانؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، مقداد بن الاسودؓ، ابن مسعودؓ، زبیر بن بکارؓ، مطیع بن الاسودؓ، ابوالعاص بن الربیع رضی اللہ عنہم نے وصی مقرر کیا تھا۔

(اسد الغابۃ، الاصابۃ تذکرہ حضرت زبیرؓ)

ابوعبداللہ السنوسی نے سات کے بجائے ستر کا ذکر کیا ہے، چنانچہ کہا ہے:

"واصی الیہ سبعون من الصحابة بأموالهم وأولادهم فحفظها وكان ينفق عليهم من ماله."

(شرح ہمزیہ بحوالہ التراتیب الاداریہ)

"ستر صحابہ نے ان کو اپنے اموال و اولاد کا نگران مقرر کیا تھا حضرت زبیرؓ ان پر اپنا مال بھی خرچ کر دیا کرتے تھے۔"

اگر کسی نے اپنا وصی مقرر نہیں کیا ہو۔ تو اس کے اموال کی حفاظت اور اولاد کی صیانت کے لئے حاکم کو حق دیا گیا ہے کہ وہ وصی مقرر کر دے، ورنہ بیت المال میں ان کے اموال جمع کرے اور حسب ضرورت خرچ کرتا رہے۔

جواب کا حصہ دوم

سوالنامہ کے فاضل مرتب نے جو سوالات قائم کئے ہیں، یہاں ہم ان کو مع جوابات ترتیب سے درج کرتے ہیں۔

ا...... انشورنس کی جو حقیقت بیان کی گئی ہے اس میں کمپنی جو رقم بطور سود دیتی ہے، جس کا نام وہ اپنی اصطلاح میں منافع رکھتی ہے، شریعت کا اصطلاحی ربوا ہے یا نہیں؟

بیمہ کی حقیقت جن حضرات کے پیش نظر ہے وہ جانتے ہیں، کہ بیمہ میں دو طرح سے شریعت کا اصطلاحی ربوا پایا جاتا ہے۔ ایک تو یہ کہ بیمہ کمپنی بیمہ داروں سے جو رقم وصول کرتی ہے، وہ ضرورت مندوں کو سود پر قرض دیتی ہے۔ دوسرے بیمہ داروں کو ان کی کل اقساط کی ادائیگی پر جو رقم زائد بطور منافع دیتی ہے وہ سود ہوتی ہے۔ کیونکہ بیمہ دار جو رقم بصورت اقساط جمع کرتا ہے وہ دین [1] ہے۔ اور دین میں اجل (میعاد) کے مقابلہ میں جو "منافع" بطور

(۱) دین کی اصطلاح پچھلے صفحات میں سمجھائی جا چکی ہے۔

مشروط [1] یا معروف دیا جائے، وہ شرعی اور اصطلاحی ربوا ہے۔ جس کی حرمت قرآن کریم، احادیث نبوی اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ علاوہ ازیں خود سوالنامہ کے مرتب کو اعتراف ہے۔

حقیقت کے لحاظ سے انشورنس کا معاملہ ایک سودی کاروبار ہے، جو بینک کے کاروبار کے مثل ہے۔ دونوں میں جو فرق ہے وہ شکل کا ہے۔ حقیقت کے لحاظ سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

جن نام نہاد علماء نے انشورنس کے کاروبار کو بالکل جائز قرار دیا ہے۔ ان کے پاس لے دے کر صرف یہ دعویٰ رہ جاتا ہے، کہ قرض میں جو منافع دیا جاتا ہے، وہ شرعی اصطلاحی ربوا نہیں ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ دعویٰ بالکل غلط ہے۔ اور شریعت محمدیہ پر بہت بڑا بہتان ہے۔ ہم اس دعویٰ کی تردید پچھلے صفحات میں کر چکے ہیں۔ اور بتلا چکے ہیں، کہ قرآن کریم کی آیت ربوا قرض وتجارت ہر دو کے جاہلی نظام کو ختم کرنے کے لئے نازل ہوئی تھی۔ جاہلی نظام میں قرض اور تجارت دونوں کے ذریعہ سود لیا جاتا تھا۔

اور یہ ایسی واضح حقیقت ہے، کہ اس سے انکار ناممکن ہے۔ ہمارے سارے اسلامی لٹریچر کا ایک ایک حرف اس کی دلیل ہے۔ پچھلے صفحات میں ہم امام ابوبکر الجصاص الرازی کی زبانی آیت ربوا کا پس منظر بتلا چکے ہیں۔ یہاں اس پر مزید اضافہ حاضر خدمت ہے حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں۔

''وروی مالک عن زید بن اسلم فی تفسیر الأیة قال کان الرّبوا فی الجاهلیة ان یکون للرجل علی الرجل

---

(۱) مشروط کا مطلب تو یہ ہے کہ معاملہ کے وقت زبانی یا تحریری شرط لگائی جائے مثلاً کہہ دیا جائے کہ ہم سوا روپے سینکڑہ منافع لیں گے، معروف کا مطلب یہ ہے کہ معاملہ کے وقت زبانی یا تحریری شرط نہیں لگائی لیکن عام دستور ہے کہ سوا روپیہ سینکڑہ نفع دیا جاتا ہے تو یہ بھی مشروط کے حکم میں ہے اسی لئے شریعت کا قاعدہ ہے المعروف کالمشروط یعنی معروف بھی مشروط کی طرح ہے۔

حق الی أجل فاذا حل قال أ تقضی أم تربی فان قضاه أخذ والاّ زاد فی حقه و زاد الأخر فی الأجل."

(ص:۲۶۴ ج:۴)

"امام مالکؒ زید بن اسلمؓ سے آیت ربوا کی تفسیر میں اس طرح روایت کرتے ہیں، جاہلیت کا ربوا اس طرح ہوتا تھا کہ ایک کا دوسرے پر کوئی حق ہوتا تھا، (حق عام ہے قرض ہو، خریدی ہوئی چیز کی قیمت ہو، یا کچھ اور) اور اس کی ادائیگی کی ایک مدت مقرر ہوتی تھی۔ جب مدت آ جاتی تھی، تو وہ کہتا تھا کہ ادا کرو گے یا سود دو گے؟ وہ اگر ادا کر دیتا تھا، تو رقم میں اضافہ نہیں ہوتا تھا، ورنہ وہ اس کے حق (مال میں اضافہ) کر دیا کرتا تھا۔ اور دوسرا اس کے عوض مدت بڑھا دیا کرتا تھا۔"

اور ابن رشد الکبیر "المقدمات" میں لکھتے ہیں۔

"وکان ربا الجاهلیة فی الدیون ان یکون للرجل علی الرجل الدین فاذا حلّ قال له اَ تقضی ام تربی فان قضاه اخذ والاّ زاده فی الحق و زاده فی الاجل فانزل اللّٰه فی ذالک ما أنزل."

"جاہلیت کا ربوا (سود) دیون (۱) میں ہوتا تھا ایک شخص کا دوسرے کے ذمہ کچھ واجب الادا دین ہوتا تھا، جب ادائیگی کی میعاد آ جاتی تھی، تو وہ اس سے معلوم کرتا تھا کہ ادائیگی کا ارادہ ہے یا سود دینے کا؟ اگر مدیون ادا کر دیتا، تو دائن اپنی رقم (بغیر سود) لے لیتا، ورنہ مدیون رقم میں اضافہ کر دیتا اور دائن میعاد میں، تو اللہ تعالیٰ نے آیات ربوا نازل فرمائیں۔"

(۱) دین کی جمع ہے دین کی تشریح جو ہم سابق میں کر چکے ہیں پیش نظر رکھیں۔

اس ربوا کو حلال سمجھنے والے کے بارے میں فتویٰ دیتے ہیں۔

"فمن استحل الربا فهو كافر حلال الدم يستتاب فان تاب و الا قتل قال اللّٰه عز و جل و من عاد فاولئک أصحاب النار هم فيها خالدون۔" (۱)

"جو شخص ربوا کو حلال سمجھے وہ کافر ہے۔ جس کو قتل کرنا حلال ہے۔ پہلے اس سے توبہ کرائی جائے گی، توبہ کرے، تو بہتر ہے، ورنہ قتل کر دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، کہ جو لوگ ممانعت کے باوجود پھر سود لیتے ہیں۔ وہ دوزخی ہیں، اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔"

ائمہ مجتہدین نے بھی اس سے یہی سمجھا ہے۔ امام محمد بن ادریس القرشی المطلبی الشافعی فرماتے ہیں۔

"وذالک ان الربا منه يكون فى النقد بالزيادة فى الكيل والوزن ويكون فى الدين بزيادة الأجل"

"ربوا نقد میں بھی ہوتا ہے، اور ادھار میں بھی، نقد میں تو یہ ہے کہ ناپ تول میں اضافہ کر دیا جائے، ادھار میں یہ ہے کہ میعاد کی زیادتی کے عوض دین میں اضافہ کر دیا جائے۔ (۲)

پھر یہ مسئلہ ایسا اجماعی اور اتفاقی ہے، کہ کسی کو اس سے سرِ موانحراف کی گنجائش نہیں ہے۔ قاضی ابوالولید ابن رشد رقم فرما ہیں۔

"علماء کا اتفاق ہے کہ ربوا دو چیزوں میں پایا جاتا ہے۔ (۱) تجارت کی بعض صورتوں میں۔ (۲) اس چیز میں جو ذمہ میں آجائے، مثلاً خریدی ہوئی چیز کی قیمت یا قرض یا سلم وغیرہ، ذمہ میں جو چیز آجائے اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم تو متفق علیہ ہے، اور وہ زمانہ جاہلیت کا ربوا ہے۔

(۱) بر حاشیہ مدونہ الکبریٰ ص:۱۹ ج:۳۔ (۲) الام ص:۱۲، ۱۳ ج:۳۔

جس کی ممانعت کی گئی ہے۔ اور اس کی صورت یہ تھی، کہ وہ میعاد کے اضافہ کے بدلے اصل واجب الادا رقم میں اضافہ کر دیا کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے انظرنی ازدک (مدت بڑھا دو میں اس کے عوض بڑھتی دے دوں گا) یہ وہی سود ہے، جس کے بارے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جاہلیت کا ربوا ختم کر دیا گیا ہے اور سب سے پہلے میں عباس بن عبدالمطلب کے ربوا کو ختم کرتا ہوں۔'' (۱)

شیخ ابوبکر بن العربی نے احکام القرآن میں آیت ربوا پر بڑی سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس کے ایک حصہ کا ترجمہ ہدیۂ ناظرین ہے۔

''الربا'' لغت میں زیادتی کو کہتے ہیں، زیادتی میں مزید علیہ یعنی وہ چیز جس پر زیادتی کی جائے، ہونا ضروری ہے۔ اس بنا پر اختلاف ہوا کہ یہ آیت ہر قسم کے ربوا کے حرام ہونے میں عام ہے یا یہ مجمل ہے، جس کے لئے حدیث کے بیان و تشریح کی ضرورت ہے؟ صحیح یہی ہے کہ آیت عام ہے، زمانہ جاہلیت میں جو ربوا رائج تھا، وہ بالکل مشہور و معروف طریقہ پر ان کے یہاں رائج تھا، اس میں نہ کوئی ابہام ہے نہ اجمال۔ ایک شخص کسی سے کوئی چیز خرید کر قیمت اسی وقت ادا نہیں کرتا تھا، بلکہ ادائیگی کی ایک مدت مقرر کر لی جاتی تھی، جب میعاد پوری ہوتی تو فروخت کرنے والا خریدار سے پوچھتا، تیرا ارادہ ادائیگی کا ہے یا سود دینے کا؟ جیسا وہ جواب دیتا، اس کے مطابق عمل ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو حرام فرمایا۔

یہ ہم پہلے بتلا چکے ہیں کہ زیادتی مزید علیہ (جس پر زیادتی کی جائے) کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا جب کسی چیز کو غیر جنس (۲) کے مقابلہ میں فروخت کیا جائے تو زیادتی (بڑھتی) ظاہر نہیں ہوتی۔ اور جب جنس کے مقابلہ میں فروخت کیا جائے، جب بھی زیادتی

(۱) بدایۃ المجتہد ص: ۱۰۶، ج: ۲۔
(۲) مثلاً روپے کا عوض کوئی جنس گیہوں کپڑا وغیرہ خریدا جائے۔

اس وقت تک ظاہر نہیں ہوتی جب تک کہ شریعت اس کو ظاہر نہ کرلے۔[۱] اسی لئے یہ آیت بعض لوگوں کو مشکل معلوم ہوئی اور مختلف قسم کے اشکالات میں مبتلا ہو گئے۔ لیکن جن حضرات کو اللہ تعالیٰ نے شریعت کے علوم کی روشنی عطا فرمائی ہے، وہ آیت کریمہ کو سمجھنے میں کسی قسم کی دقت محسوس نہیں کرتے۔ جن لوگوں کا خیال ہے کہ آیت مجمل ہے وہ لوگ درحقیقت شریعت کے محامل قطعیہ کو نہیں سمجھتے، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسی قوم کی طرف مبعوث فرمایا جن کی زبان عربی تھی۔ تجارت، بیع اور ربوا وغیرہ الفاظ ان کے یہاں عام طور پر سمجھے جاتے تھے۔ لہٰذا ان کو ان معاملات میں صحیح اور سچی بات کی ہدایت کی۔ اور ان چیزوں سے منع کیا جو ناجائز اور غلط تھیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

"لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم."

(ایمان والو! نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کے آپس میں ناحق [۲] مگر یہ کہ تجارت ہو آپس کی خوشی سے) واضح رہے کہ یہاں باطل سے مراد یہ ہے کہ کسی کے مال کو عقد معاوضہ میں بغیر عوض کے لے لینا۔)

اور تجارت، بیع (خرید و فروخت) کے ہم معنی ہے۔ (پھر اس کی قسمیں بتلائی ہیں) اور ربوا لغت میں زیادتی (بڑھوتری) کو کہتے ہیں۔ اور آیت میں ربوا سے مراد ہر وہ زیادتی ہے، جس کے مقابلے میں عوض نہ ہو۔ دونوں آیتوں [۳] کا ماحصل یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے بیع مطلق کو حلال کیا ہے۔ جس میں بشرطِ صحت قصد و عمل معاوضہ پایا جائے۔ اور جس میں معاوضہ اس طریقہ پر نہ پایا جائے وہ حرام ہے۔ اہل جاہلیت میعاد اور مدت کے عوض میں

---

(۱) چنانچہ شریعت نے ہدایت کی کہ اس صورت میں زیادتی نہ کی جائے، بلکہ برابری کا ساتھ موازنہ کیا جائے۔

(۲) باطل تو ہر حال میں حرام ہے خواہ رضامندی ہو یا نہ ہو تجارت میں رضامندی کی قید لگائی ہے شریعت نے جن معاملات کو اپنے ہاتھ میں لیا ہے ان میں طرفین کی رضامندی مؤثر نہیں۔ (حوالہ سورۃ النساء پارہ: ۵، رکوع: ۴)

(۳) یعنی آیت ربوا اور آیت تجارت

بڑھتی کے خواہاں ہوتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ بیع تو ربوا کی طرح ہے۔ یعنی جس طرح ایک شخص قیمت میں زیادتی لے سکتا ہے، تو اس میں کیا حرج ہے، کہ میعاد پر نہ دینے کی صورت میں مدت کے عوض زیادتی لے لے۔ ان کے اس خیال باطل کو رد فرمایا۔

اب یہ قرار پایا کہ

اموال ربویہ میں معاوضہ کی مقدار یعنی مساوات شریعت نے اپنے ذمہ لے لی ہے۔ اب کوئی شخص ان میں زیادتی کسی طرح کی میعاد وغیرہ کے مقابلہ میں نہیں لے سکتا۔ (۱)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے ربوا کی بڑی جامع و مانع تعریف بیان فرمائی ہے فرماتے ہیں۔

"الربـاء هو القرض على ان يؤدى اليه اكثر و افضل مما اخذ" (۲)

"ربوا وہ قرض ہے، جو اس شرط پر ہو کہ قرض دار قرض خواہ کو جتنا لیا ہے اس سے زیادہ اس سے اچھا واپس کر دے۔"

ربوا شرعی پر علامہ محمود الحسن خان ٹونکیؒ صاحب معجم نے بڑی دقیق بحث فرمائی، ہم یہاں اس کا ایک حصہ نقل کرتے ہیں۔

"ربوا اور بیع لغات عرب میں سے ہیں۔ جب تک کوئی اصطلاح شرعی توقیفی، خلاف لغت کے مغیر نہ ہو کتاب و سنت کے معنی لغت عرب سے معلوم ہوتے ہیں۔ ربوا لغۃ "زیادہ" ہے اور لسان العرب وغیرہ سے ثابت ہو چکا ہے، کہ حقیقت بیع کی "معـاهـدة فـى تعاوض الاموال" ہے پس لغوی اعتبار سے ربوا کی تعریف یہ ہے،

(۱) احکام القرآن ابن العربی ص:۲۴۲، ج:۱۔ (۲) حجۃ اللہ البالغۃ ص:۱۰۶، ج:۲

کہ تعاوض الاموال کے معاہدہ میں عوضین مماثلین میں سے ایک عوض کا دوسرے عوض پر زیادت مذکور ہونا، (مذکور نہ ہو بلکہ معروف ہو اس کا بھی یہی حکم ہے) باجماع امت ربوا دو قسم پر ہے، ایک حسی جس کو کتاب اللہ نے ''لاتاکلوا الربا اضعافاً مضاعفة'' میں بیان فرمایا ہے۔ اور حدیث صحیح ''الفضل ربوا'' میں اسی حسی ربوا کو ہی بیان کیا گیا ہے۔ اور حدیث ''لا تاخذوا الدینار بالدینارین ولا الدرهم بالدرهمین'' (طبرانی عن ابن عمر) بھی بحق ربوا کتاب اللہ کی تفسیر ہے اور تفسیر اضعافاً کے تحت داخل ہے حدیث بخاری کی رباء حسی کی مفسر ہے ''الذهب بالذهب مثلاً بمثل'' (رواہ البخاری) یعنی فضل ربوا ہے۔ پس اسی حسی ربوا میں شارع نے لغوی معنی میں مغایرت پیدا نہیں فرمائی۔ پس ''حسی رباء شرعی'' کی بھی وہی تعریف ہے، جس کی عربی عبارت یہ ہے'' الفضل الخالی عن العوض المشروط فی البیع ''دوسرا رباء حکمی ہے کہ حساً تفاضل عوضین میں نہیں ہے لیکن شارع نے سداً لباب الرباء صورت تماثل کو بھی ''ربوا حسی'' کے حکم میں قرار دیا ہے۔ جب کہ معاوضة یداًبید نہ ہو، کیونکہ مادہ ربوا کا تاخیر و تاجیل ہے۔ اور بغیر تاخیر کے فضل غیر متعامل ہے اسی معنی پر محمول ہے حدیث مسلم: ''لا ربا فیما کان یداًبیدٍ''، فضل حسی کا دروازہ اسی رباء حکمی سے مفتوح ہے، کہ تجارت حاضرہ میں فضل حسی عادۃً ناممکن ہے۔

اسی رباء حکمی کو شارع نے حدیث: ''نهی النبی صلی اللہ علیه وسلم عن بیع دینار'' اور حدیث: ''الذهب بالورق ربا الا

هاء و هاء الحديث في الاشياء الستة"میں بیان فرمایا ہے۔(۱)

اقتباسات طویل ہوگئے، اس لئے ان کا خلاصہ ذہن نشین کر لیجئے۔ ربوا شرعی اصطلاحی قرض اور تجارت دونوں میں پایا جاتا ہے۔ ربوا شرعی کو تجارت کی صرف چند شکلوں کے ساتھ خاص کرنا اسلام پر افتراء ہے۔

اسلام کی نظر میں "مہاجنی اور تجارتی سود" دونوں حرام ہیں۔ صرف مہاجنی سود کو حرام قرار دینا اور تجارتی سود کو جائز قرار دینا شریعت سے ناواقفی کی دلیل ہے۔

ہر وہ چیز جو ذمہ پر آجائے، اس میں زیادتی مشروط یا معروف طریقہ پر لینا سود ہے خواہ وہ بیع کی صورت میں ہو یا قرض کی یا سلم کی شکل میں ہو۔

انشورنس اور بینکنگ میں شرعی ربوا پایا جاتا ہے۔

زیادتی کی شرط کا لفظوں میں بیان کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ جو شرط معروف ہو وہ بھی مشروط کے حکم میں ہے۔

شریعت میں "حقیقت" (۲) کا اعتبار ہوتا ہے، "تسمیہ" (نام رکھ لینے) کا نہیں شریعت نے جن عقود ومعاملات کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے، اور ان میں حرام وحلال کا فیصلہ فرمادیا ہے، ان میں طرفین کی رضامندی سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ شریعت کے حکم کو پیش نظر رکھا جائے گا۔ طرفین کی رضامندی اس پر اثر انداز نہیں ہوگی۔

۲:......اگر سود مذکور شرعی اصطلاحی ربوا ہے، تو کیا مصالح مذکورہ کے پیش نظر اس کے جواز کی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے، اگر نکل سکتی ہے تو کیا؟

---

(۱) رسالہ سود، بحوالہ لغات القرآن ج:۳ لفظ رباء۔

(۲) شریعت کا مشہور قاعدہ ہے کہ **انما العبرة في العقود للمعاني لا للالفاظ**۔ یعنی کسی معاملہ کی حقیقت کا اعتبار ہوگا اور اس کے لحاظ سے شرعی احکام جاری ہوں گے نام رکھنے سے کچھ نہیں ہوگا، ربوا کا نام اگر منافع رکھ دیا جائے، تو اس سے وہ حلال نہیں ہوگا بنی اسرائیل پر جب چربی حرام ہوگئی تھی تو انہوں نے اس کا دوسرا نام رکھ دیا تھا اور کھانا شروع کر دیا تھا۔

مصالح مذکورہ کی بنا پر انشورنس جو ربوا اور قمار دونوں پر مشتمل ہے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ امام ابواسحاق الشاطبی نے ''الاعتصام'' میں اس موضوع پر ایک مستقل باب لکھا ہے۔ اس میں مفصل دلائل سے ثابت کیا ہے کہ مصالح مرسلہ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ شریعت نے ہمیں کھلی چھٹی دے دی ہے کہ مصالح کو سامنے رکھ کر جس طرح چاہیں قوانین اسلام میں ترمیم کرتے رہیں بلکہ اس کے لئے تین اہم شرطیں ہیں۔

اول: مصالح کے پیش نظر جو قانون بنایا جائے وہ شریعت کے مقاصد کے مطابق ہو نہ کہ ان کے خلاف۔

دوم: جب وہ لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے تو عام عقلیں اس کو قبول کریں۔

سوم: وہ کسی حقیقی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ہو۔ (الاعتصام ص:۱۱۰، ج:۲)

اس کے علاوہ امام موصوف نے ''الموفقات'' میں مفاسد اور مصالح پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اور ثابت کیا ہے کہ مصالح وہی معتبر ہیں، جو شریعت کی نگاہ میں مصالح ہوں، اور شریعت جن کا اعتبار کرے۔ صرف چند ظاہری فائدوں کو ''مصالح'' نہیں کہا جائے گا۔ مثلاً شریعت نے ''نکاح فاسد'' کو قابل قبول نہیں سمجھا، حالانکہ اس میں مصالح نظر آتے ہیں۔ جیسے نسب کا ثابت ہونا، میراث کا دیا جانا، وغیرہ

بحث کے آخر میں فرمایا۔

''وہی مصالح قابل اعتبار ہیں، جو اسباب مشروعہ سے حاصل ہوں، اسباب غیر مشروعہ سے حاصل ہونے والے مصالح شریعت کی نگاہ میں مصالح نہیں ہیں'' (ص:۲۴۳ ج:۱)

علاوہ ازیں یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ ایسے احکام جو قرآن و حدیث میں منصوص ہوں، وہاں مصالح و مفاسد کی بحث ہی پیدا نہیں ہوتی، ربوا اور قمار دونوں کی حرمت قرآن کریم سے ثابت ہے۔ اس لئے کوئی مصلحت اس حرام کو حلال نہیں کرسکتی۔

۳:......زندگی کے بیمہ، املاک اور ذمہ داری کے بیمہ کے درمیان شرعاً کوئی فرق ہوگا یا تینوں کا حکم ایک ہی ہوگا؟

تینوں قسمیں ربوا اور قمار پر مشتمل ہیں۔ اس لئے تینوں کا حکم ایک ہی ہے۔

۴:......معاملہ کی یہ شرط کہ اگر بیمہ شدہ شخص یا شے وقت معین سے پہلے تلف ہو جائے تو اتنی، جب کہ تلف ہونے کے وقت کا تعین غیر ممکن ہے۔ اس معاملہ کو قمار کی حدود میں تو داخل نہیں کر دیتی ہے۔

بلاشبہ قمار ہے۔ قمار کے بارے میں علمائے شریعت نے جو قاعدہ لکھا ہے، وہ یہ ہے: "تعليق الملک على الخطر والمال في الجانبين' (۱) اور بیمہ پر یہ قاعدہ بالکل صادق ہے۔ اس لئے اس پر قمار کا حکم لگایا جائے گا۔ اور قمار کی حرمت بنص قرآن ثابت ہے۔ قمار کی حرمت میں غرر اور خطر (۲) کی ساری صورتیں داخل ہیں۔ ابوبکر الجصاص الرازی آیت میسر کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

"ولا خلاف بين اهل العلم في تحريم القمار وان المخاطرة من القمار قال ابن عباس ان المخاطرة قمار وان اهل الجاهلية كانوا يخاطرون على المال والزوجة وقد كان ذالک مباحاً الى ان ورد تحريمه."

(احکام ص:۳۸۸ ج:۱)

"قمار (جوئے) کی حرمت میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے۔ اسی طرح

(۱) یعنی ملک کو کسی ایسی چیز پر موقوف کرنا جو ہونے یا نہ ہونے کا احتمال رکھے جس طرح بیمہ ہوتا ہے کہ اگر پہلے مر گیا تو اس قدر رقم کا مالک ہوگا ورنہ اتنی رقم نہیں ملے گی قمار (جوا) ہونے کی دوسری شرط یہ بھی ہے کہ دونوں طرف مال ہو اگر ایک طرف مال ہو دوسری طرف نہ ہو تو قمار نہیں ہے۔

(۲) غرر کی تشریح پہلے گزر چکی "خطر" جس کا وجود و عدم معلوم نہ ہو "بیمہ میں خطر" واضح صورت میں پایا جاتا ہے کہ بیمہ شدہ شخص یا شے کا وقت سے پہلے پہلے تلف ہونا معلوم نہیں ہوتا اور نہ کوئی وقت معین ہوتا ہے۔

اس امر میں بھی کہ خطر کی ساری صورتیں قمار میں داخل ہیں۔ابن عباسؓ فرماتے ہیں، کہ خطر قمار ہے۔اہل جاہلیت مال اور بیوی سب کو جوئے کی بازی پر لگا دیا کرتے تھے۔اور شروع میں اس کی اباحت تھی، یہاں تک کہ اس کی حرمت نازل ہوگئی۔"

غرر اور خطر میں انجام سے بے خبری ہوتی ہے، ملک العلماء فرماتے ہیں۔"والغرر ما یکون مستور العاقبة" (۱)غرر وہ ہے جس میں انجام سے بے خبری ہو۔

حاصل یہ ہوا کہ مال کو بازی پر لگانا اور انجام سے بے خبر ہونا جوا ہے، اسی طرح وہ معاملہ جس میں دونوں طرف مال ہو اور انجام معلوم نہ ہو، قمار کی حدود میں داخل ہے، خواہ وہ خرید و فروخت کی شکل میں ہو یا بیمہ کی شکل میں۔

امام دار الہجرہ مالک بن انسؒ اسی قسم کے ایک معاملہ کی مثال دیتے ہیں:

"ان یعمد الرجل الی الرجل قد ضلت راحلته او دابته او غلامه وثمن هذه الاشياء خمسون ديناراً فيقول انا اخذها منک بعشرين ديناراً فان وجدها المتاع ذهب من مال البائع ثلاثين ديناراً وان لم يجدها ذهب البائع منه بعشرين ديناراً و هما لايدريان كيف يكون حالها فی ذالک و لايدريان ايضاً اذا وجدت تلک الضالة كيف توخذ و ماحدث فيها من أمر الله مما يكون فيه نقصها وزيادتها فهذا اعظم المخاطرة."

(مدونۃ الکبریٰ ص:۳۵۴ ج:۳)

"ایک شخص کسی دوسرے شخص کے پاس آجائے جس کا اونٹ یا کوئی جانور یا غلام گم ہوگیا ہو۔اور ان کی قیمت مثلاً پچاس دینار ہو، وہ جا کر

(۱) بدائع ص:۲۸، ج:۳

اس سے کہے کہ میں گمشدہ چیز کو بیس دینار میں خریدتا ہوں، سو اگر خریدتے والے کو گمشدہ چیز مل جاتی ہے، تو مالک کو تمیں دینار کا نقصان ہوگا۔ اور اگر نہیں ملتی، تو اس کو بیس دینار مفت میں مل جائیں گے۔ ان دونوں کو معاملہ کرتے وقت کچھ نہیں معلوم کہ کیا ہوگا، وہ چیز ملتی ہے یا نہیں۔ اور اگر ملتی بھی ہے، تو کس حال میں اور یہ بھی نہیں معلوم کہ اس میں کیا زیادتی کمی ہو چکی ہے یہ سب خطر میں داخل ہے۔''

۵:......اگر یہ قمار ہے، یا غرر ہے، تو کیا مصالح مذکورہ کے پیش نظر اسے نظر انداز کر کے اس معاملہ کے جواز کی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے اور اگر نکل سکتی ہے تو کیسے؟

جب تک بیمہ کا موجودہ نظام برقرار ہے کوئی صورت نہیں نکل سکتی۔

۶:......اگر بیمہ دار مندرجہ اقسام بیمہ میں سے کسی میں سود لینے سے بالکل محترز رہے، اور اپنی اصل رقم کی صرف واپسی چاہتا ہو، تو کیا معاملہ جائز ہو سکتا ہے؟

سود کے ساتھ ہی ساتھ بیمہ زندگی یا بیمہ املاک میں قمار کی جو صورت ہوتی ہے، اس سے بھی احتراز کرے، تب تو گنجائش نکل سکتی ہے۔ لیکن ربوا اور قمار کے کاروبار کی اعانت وامداد کی قباحت بدستور رہے گی۔

۷:......جو رقم کمپنی بطور سود ادا کرتی ہے، اسے ربوا کے بجائے اس کی جانب سے اعانت وامداد اور تبرع واحسان قرار دیا جائے۔

جب تک معاملہ کی حقیقت تبدیل نہ ہو، صرف نام رکھ لینے یا سمجھ لینے سے مسئلہ شرعی میں فرق نہیں پڑتا۔

۸:......اگر کوئی مسلمان کسی دارالحرب کا باشندہ ہو، (مقامی نہیں) اور کمپنی بھی حربیوں ہی کی ہو، تو کیا اس صورت میں یہ معاملہ مسلمانوں کے لئے جائز ہوگا؟

دارالحرب میں فقہاء نے عقود فاسدہ (۱) کی اجازت دی ہے، عام کتابوں میں

(۱) وہ معاملات جو شریعت کی نگاہ میں صحیح نہیں ہیں، البتہ ان میں رضامندی کی شرط ضروری ہے غدر کی اجازت نہیں۔

اگرچہ مستامن کی قید ہے، لیکن شرح السیر الکبیر سے حربی مسلم کے لئے بھی اجازت معلوم ہوتی ہے۔

"ثم قد علم ان الربا لایجری بین المسلم والحربی فی دار الحرب." (ص:۱۱۲ ج:۳)

"پھر یہ امر معلوم ہے، کہ ربوا دارالحرب اور دارالاسلام کے باشندوں کے درمیان جاری نہیں ہے۔

اس کی دلیل بھی خود مؤلف کی زبانی سنئے:

"حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ کب اسلام لائے بعض کی رائے یہ ہے کہ وہ غزوۂ بدر سے قبل ہی اسلام لا چکے تھے بعض کہتے ہیں کہ غزوۂ بدر میں گرفتار کر لئے گئے اور اس کے بعد اسلام لائے پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مکہ واپس جانے کی اجازت چاہی آپ نے اجازت مرحمت فرما دی مکہ میں سکونت پذیر رہے اور وہاں سودی کاروبار فتح مکہ تک کرتے رہے حالانکہ سود کی حرمت اس سے قبل آ چکی تھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر سود لیا ہو تو واپس کر دو، علاوہ ازیں "لاتاکلوا الربوا اضعافا مضاعفة" (سود نہ کھاؤ، دوچند سہ چند) آیت کریمہ غزوہ احد کے زمانہ میں اتری تھی۔ اور مکہ اس کے کئی سال بعد فتح ہوا، فتح مکہ کے زمانہ میں آپ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پچھلے سارے معاملات کو باطل قرار نہیں دیا، سوائے ان معاملات کے جن میں ابھی تک قبضہ نہیں ہوا تھا اس سے معلوم ہوا کہ حربی اور مسلم کے درمیان سودی معاملہ ہوسکتا ہے۔" (شرح السیر الکبیر ص:۲۲۶ ج:۳)

ایک اور جزئیہ قابل ملاحظہ ہے:

"ولو كان المسلم في منعة المسلمين فكلم الحربي من حصنه وعامله بهذه المعاملات الفاسدة فيما بين المسلمين فان ذالک لايجوز، وقد بينا ان كثيرا من مشائخنا يقولون بالجواز ههنا لان مال الحربي مباح في حق المسلم."

"اگر کوئی مسلمان اہل اسلام کے لشکر میں ہو حربی نے اپنے قلعہ سے مسلمان سے گفتگو کی اور معاملات فاسدہ میں سے کوئی معاملہ کرلیا تو یہ امام محمدؒ کے نزدیک جائز نہیں البتہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ ہمارے اکثر مشائخ اس مسئلہ میں بھی جواز کے قائل ہیں کیونکہ حربی کا مال مسلمان کے حق میں (جب کہ اس میں دھوکہ فریب نہ ہو) مباح ہے۔"

دارالحرب سے دارالاسلام کی اگر صلح ہو جائے تب بھی اس قسم کے معاملات کی اجازت ہے۔

"دارالحرب والوں نے دارالاسلام والوں سے اگر صلح کر رکھی ہو اس زمانہ میں دارالاسلام کا باشندہ ان کے یہاں گیا اور ایک درہم کو دو کے عوض بیچ دیا تو اس میں حرج نہیں ہے کیونکہ اس صلح سے دارالحرب دارالاسلام نہیں بن جاتا مسلمانوں کے لئے تو دارالحرب والوں کا مال ان کی خوشی اور رضامندی کے بغیر لینا حرام ہے کیونکہ اس میں غدر (دھوکہ وفریب) پایا جاتا ہے لیکن جب انہوں نے خوشی اور رضامندی سے یہ معاملہ کیا ہے تو دھوکہ فریب کے معنی معدوم ہو گئے اور ان سے لیا ہوا مال مباح ہو گیا۔" شرح الکبیر ص: ۲۲۸ ج: ۳'

دارالحرب میں "عقودِ فاسدہ" کے جواز کا مسئلہ صرف امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہی نہیں ہے جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے بلکہ امام مالکؒ بھی اس کے جواز کے قائل ہیں البتہ

امام موصوف کے نزدیک ایک شرط ہے وہ یہ کہ دارالاسلام سے دارالحرب کی صلح نہ ہو۔

"سئل الامام مالک هل بین المسلم اذا دخل دارالحرب وبین الحربی ربوا فقال الامام: هل بینکم وبینهم هدنة؟ قالوا: لا! فقال مالک فلابأس فی ذلک."

"امام مالک رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ مسلم اگر دارالحرب میں داخل ہو، تو وہاں کے لوگوں سے سود لے سکتا ہے؟ امام مالکؒ نے دریافت کیا کہ کیا تم میں اور ان میں صلح ہے؟ کہا گیا، نہیں۔ تو آپ نے فرمایا کوئی حرج نہیں۔ (المدونہ الکبریٰ ص:۲۸۱)

علامہ شامی کے فتوے میں بھی حربیوں سے اس قسم کے معاملات کی اجازت آپ پڑھ چکے ہیں۔ لیکن یہ واضح رہے، کہ ربوا اور قمار بنص قرآن حکیم حرام ہیں۔ اور ان دونوں پر سخت وعیدیں آئی ہیں۔ اس لئے اس قسم کے معاملات سے احتراز کرنا ضروری ہے۔ انتہائی ضرورت و مجبوری کی حالت میں اس طرح کی گنجائش سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ اس موقعہ پر ایک غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے۔ لہٰذا اس کے ازالہ کے لئے ہم مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ کی عبارت نقل کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔

اسی مسئلہ کی بنیاد پر ایک اور معاشی سوال پیدا ہو گیا۔

یعنی

"غیر اسلامی حکومت کسی غیر مسلم باشندہ کا روپیہ کسی ایسے ذریعہ سے جو اسلامی قانون کی رو سے لین دین کا قانونی اور شرعی ذریعہ نہیں ہے، مثلاً ربوا یا قمار ازیں قبیل کے کسی اور غیر شرعی ذریعہ سے کسی مسلمان کے قبضہ میں آ جائے، تو کیا قانوناً یہ مسلمان اس کا مالک ہو سکتا ہے یا

نہیں؟ چونکہ یہ ایک جائز اور مباح مال پر قبضہ ہے، اور مباح و جائز مال کے مملوک ہونے کے لئے صرف قبضہ کافی ہے، مثلاً جنگل کے کسی پرندے کا شکار کر کے قبضہ کر لینا اس پرندے کا مالک ہونے کے لئے کافی ہے۔ اسی لئے امام ابوحنیفہؒ کی رائے ہے، کہ اس قسم کے اموال کا مسلمان قانونی طور پر مالک بن جاتا ہے۔ اور یہی ان کا وہ مشہور نقطہ نظر ہے، جس کی وجہ سے حنفی فقہ کی عام کتابوں میں لا ربوا بین الحربی والمسلم (الحربی غیر مسلم اسلامی حکومت کا باشندہ اور المسلم اسلامی حکومت کا باشندہ کے درمیان ربوا سود نہیں ہے) کا ذکر پایا جاتا ہے، گویا یہ بین الاقوامی قانون کی ایک دفعہ ہے، عوام چونکہ اس کے اصل منشاء سے واقف نہیں ہیں، اس لئے ان کو حیرت ہوتی ہے، کہ ربوا (سود) جب اسلام میں حرام ہے، تو ہر جگہ اور ہر شخص سے لینا حرام ہونا چاہئے حربی یعنی غیر اسلامی حکومت کے غیر مسلم باشندوں کے ساتھ اس کے جائز ہونے کے کیا معنی؟ مگر سچی بات یہ ہے کہ حربی کے ساتھ یہ معاملہ ربوا کا معاملہ ہی نہیں ہے، بلکہ ایک مباح مال کو قبضہ میں لے کر اسے ملک بنانا ہے۔ اسی طرح یہ مسئلہ بھی بیان کیا جاتا ہے، کہ شرعی غلام اور آقا کے درمیان بھی اگر ربوا کا معاملہ کیا جائے، تو وہ بھی ''ربوا'' نہ ہو گا، ظاہراً اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ باوجود ربوا اور سود ہونے کے امام نے اس کو حرمت سے مستثنیٰ کیا ہے، بھلا ایک مجتہد کو اس کا حق کیا ہے، بلکہ بات یہ ہے کہ قانوناً غلام کا مال آقا ہی کا مال ہے۔''

(اسلامی معاشیات ص:۴۰۸)

۹:......اگر یہ کاروبار حکومت کے ہاتھ میں ہو، تو کیا اس بناء پر کہ خزانۂ حکومت میں رعیت کے ہر فرد کا حق ہوتا ہے، زیر بحث معاملہ میں سود کی رقم عطیہ حکومت قرار پا کر ربوا کے حدود سے خارج ہو سکتی ہے۔

اگر ہم یہ تسلیم بھی کر لیں کہ خزانہ حکومت میں رعیت کے ہر فرد کا حق ہوتا ہے، تب بھی سود کی رقم ربوا کے حدود سے خارج نہیں ہوتی، کیونکہ حق ملک اور ملک میں بنیادی فرق ہے، حق ملک کو ملک قرار نہیں دیا جا سکتا، ملک کی صورت میں ربوا نہیں ہوتا۔ مثلاً شرعی غلام اور آقا اگر کوئی سودی معاملہ کریں، تو اس کو سود نہیں کہا جائے گا۔ کیونکہ ملک غلام اور آقا کی واحد ہے۔ اسی طرح اگر ایک شخص اپنی آمدنی کو مختلف مدوں میں تقسیم کر کے الگ الگ رکھ لے، پھر ایک مد کے لئے دوسری مد سے قرض لے اور اس میں کچھ رقم بطور سود لگا لے، تو وہ سود نہیں کہلائے گا، علاوہ ازیں جن دو شخصوں کے درمیان شرکت کا معاملہ ہوا، اور وہ اس مال مشترک میں آپس میں کوئی سودی معاملہ کر لیں تو وہ بھی سود نہیں ہوگا، شرکت کی وجہ سے دونوں کی ملک ایک سمجھی جائے گی۔

حق ملک کی صورت میں سود ہوگا، مثلاً میاں بیوی جب کہ دونوں کی املاک علیحدہ ہوں، اگر آپس میں کوئی سودی لین دین کریں، تو حرام اور ناجائز متصور ہوگا، حالانکہ بیوی کو اپنے شوہر کے مال میں بقدر نفقہ حق ملک ہوتا ہے۔ علی ہذا القیاس باپ اور بیٹا اگر آپس میں ربوا کا معاملہ کریں، تو اس پر حرام ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔ اور یہ کہنا کہ بیٹے کے مال میں باپ کا حق ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "انت و مالک لأ بیک" (تم اور تمہارا مال تمہارے باپ کا ہے) اس معاملہ کو ربوا کے حکم سے خارج نہیں کر سکتا۔

ملک العلماء ربوا جاری ہونے کی شرائط کے سلسلہ میں لکھتے ہیں۔

"و منها ان لایکون البدلان ملکا لأحد المتبایعین فانه لایجری الرباء علی هذا یخرج العبد الماذون اذا باع مولاه درهما بدرهمین و لیس علیه دین انه یجوز لانه اذا لم یکن علیه دینا فما فی یده لمولاه فکان البدلان ملک المولی فلا یکون هذا بیعا فلایتحقق الرباء اذ هو یختص بالبیعات و کذلک المتفاوضان اذا تبایعا درهما

بدرھمین یجوز لان البدل من کل واحد منھما مشترک بینھما فکان مبادلة ماله بماله فلا یکون بیعا و لا مبادلة حقیقة۔"

"بدلین اگر معاملہ کرنے والوں کے ملک نہ ہوں تو سود جاری نہیں ہو گا۔ مثلاً عبد ماذون (عبد ماذون وہ غلام جس کو اس کے آقا نے تجارت کی اجازت دی ہو) اگر اپنے آقا کو ایک درہم کے عوض میں دو درہم بیچ دے، اور غلام پر کسی کا دین نہ ہو، تو یہ معاملہ جائز ہے کیونکہ دین نہ ہونے کی صورت میں غلام کے پاس جو کچھ ہے، وہ اس کے آقا کی ملک ہے۔ لہٰذا بدلین آقا کی ملک ہیں۔ اس لئے یہ بیع ہی نہیں ہوئی، لہٰذا ربوا بھی نہیں ہوگا۔ کیونکہ ربوا بیع کے ساتھ خاص ہے۔ اسی طرح دو شریک جب اس طرح کا معاملہ کریں تو وہ بھی جائز ہے کیونکہ بدل مشترک ہے اس لئے یہاں حقیقتاً بیع ہی نہیں ہوئی۔"

(بدائع الصنائع ص:۱۹۳ ج:۵)

حقیقت ملک اور حق ملک کا فرق ایک اور مسئلہ سے بھی واضح ہوگا، مسئلہ یہ ہے کہ بائع (فروخت کرنے والا) جب خریدنے والے سے کہے کہ میں نے تیرے ہاتھ یہ مال فروخت کر دیا، اس کو ایجاب کہا جاتا ہے، ایجاب کے بعد خریدنے والے کو حق ہوتا ہے۔ کہ وہ اس معاملہ کو قبول کرے یا نہ کرے۔ بائع کے ایجاب کے بعد خریدنے والے کو قبول کرنے کا حق معاملہ کی مجلس تک باقی رہتا ہے۔ لیکن اگر بائع کے ایجاب کرنے کے بعد جب کہ مشتری نے قبول نہ کیا ہو، اپنے ایجاب سے رجوع کرے تو وہ رجوع کر سکتا ہے، اس صورت میں مشتری کا حقِ قبول سوخت ہو جائے گا۔ اس پر اعتراض ہو سکتا ہے، کہ مشتری کو جب مجلس کے اختتام تک حقِ قبول حاصل ہے، تو بائع کو ایجاب سے رجوع نہیں کرنا چاہئے۔ اس اعتراض کا جواب صاحبِ عنایہ اس طرح دیتے ہیں۔ کہ مشتری کو تو حقِ ملک

حاصل ہے۔لیکن بائع کو حقیقتِ ملک حاصل ہے۔اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے،حقیقت ملک اعلیٰ ہے اور حق ملک ادنی ۔لہٰذا اعلیٰ ادنی کو سوخت کر دے گا۔چنانچہ فرماتے ہیں:

”فالجواب ان الایجاب اذالم یکن مفیداً للحکم وھو الملک کان الملک حقیقة للبائع وحق التملک للمشتری وھو لایمنع الحقیقة لکونھا اقوی من الحق لامحالة.“

”اس کا جواب یہ ہے کہ محض ایجاب سے جب کہ حکم یعنی ملک حاصل نہیں ہوتی تو ملک حقیقت کے لحاظ سے بائع کی ہے اور حق ملک مشتری کا حق ملک ملک کو منع نہیں کر سکتا کیونکہ وہ حق سے قوی تر ہے۔“ (عنایہ برحاشیہ فتح القدیر ص:۸۷ ج:۵)

۱۱:......فرض کیجئے بیمہ کا کاروبار حکومت کے ہاتھ میں ہے ایک شخص بیمہ پالیسی خریدتا ہے اور میعاد میں اصل مع سود کے وصول کرتا ہے لیکن سود کی رقم بصورتِ ٹیکس یا چندہ خود حکومت کو دے دیتا ہے۔

سود کا لینا حرام ہے اس لئے اس کو لے کر پھر واپس کر دیتا ہے اس حرام کو حلال نہیں کر سکتا۔

۱۲:......بیمہ دار اگر سود کی رقم بغیر نیت ثواب کسی دوسرے شخص کو امداد کے طور پر دے دیتا ہے تو اس صورت میں انشورنس کا معاملہ کیا جائز ہوگا۔

اس صورت میں بھی انشورنس کے کاروبار کی اجازت نہیں ہے،الا یہ کہ ناواقفیت کی بنا پر اگر انشورنس کا معاملہ کرے اور اس سے رقم سود وصول ہو جائے تو یہی طریقہ ہے کہ کسی شخص کو بلانیتِ ثواب امداد کے طور پر دیدے۔

۱۳:......اگر انشورنس کے جواز کی کوئی گنجائش نہیں ہے،تو کیا مصالح وحاجات مذکورہ

کو سامنے رکھ کر اس کا کوئی بدل ہو سکتا ہے، جس میں مصالح مذکورہ موجود ہوں، اور اس پر عمل کرنے سے ارتکاب معصیت لازم نہ آئے۔ اگر ہو سکتا ہے تو کیا انشورنس کی مروجہ شکل میں کوئی ایسی ترمیم ہو سکتی ہے جو اسے معصیت سے خارج کر دے اور مصالح مذکورہ کو فوت نہ کرے اگر ہو سکتی ہے تو کیا ہے۔

الف: اس کا بدل پچھلے صفحات میں ہم بتلا چکے ہیں۔

ب: جب تک کہ ربوا اور قمار موجود ہیں معصیت کے دائرہ سے خارج ہونا مشکل ہے۔

بیمہ مروجہ میں دو صورتیں جائز ہیں۔

۱:...... "ڈاکخانہ کا بیمہ" یہ جائز ہے کیونکہ ودیعة باجر میں داخل ہے جس طرح فیس دینا جائز ہے۔

۲:...... جہاز ران کمپنی اگر بیمہ بھی کرے اور مال کی ضمانت بھی دیدے تو مال تلف ہونے کی صورت میں اس کو ضامن بنایا جا سکتا ہے اور نقصان کا معاوضہ لیا جا سکتا ہے جب کہ تاجر نے اس کمپنی کے جہاز میں اپنا مال بھیجا ہو۔

(ابن عابدین ص: ۲۱۷ ج: ۵ باب ضمان الاجیر)

ضمیمہ

متعلقہ رسالہ بیمہ کی اہمیت

''شائع کردہ''

جنرل منیجر ایسٹرن فیڈرل یونین انشورنس کمپنی لمیٹڈ

اس رسالہ میں بیمہ کمپنی کی طرف سے بہت لوگوں کی رائیں بیمہ کی اہمیت کے متعلق شائع کی گئی ہیں۔ جن میں کچھ علماء کے اقوال وفتاوی بھی ہیں، عام رایوں کے متعلق تو ہمیں کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں، کہ وہ ان کی شخصی رائیں ہیں۔ جن کا مسئلہ شرعیہ سے تعلق نہیں۔ البتہ علماء کے جو اقوال وفتاوی نقل کئے گئے ہیں۔ ان میں سخت تلبیس اور مغالطہ ہے۔ اور اس کا تعلق شریعت کے حکم سے ہے۔ اس لئے اس کی حقیقت واضح کرنا ضروری ہے۔

جن علماء کے اقوال اس میں پیش کئے گئے ہیں۔ ان میں بجز تین حضرات کے باقیوں کی طرف مروجہ بیمہ کا جواز منسوب کرنا قطعاً غلط اور تلبیس ومغالطہ ہے۔ ان میں چند علماء کے اقوال تو خود ان کی تصریح کے مطابق اس پر مبنی ہیں، کہ ان کو بیمہ کمپنی کے قواعد اور معاملات کا علم ہی نہیں تھا۔ صرف اتنی بات سامنے تھی، کہ اس سے امداد باہمی اور ضرورت کے وقت کے لئے آمدنی میں سے بچت کے نکلتے ہیں۔ جس کے مفید اور محمود ہونے میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے۔ مثلاً حضرات ذیل:

۱:......مولانا محمد مسلم عثمانی فاضل دیوبند مرحوم

۲:......شمس العلماء تاجور نجیب آبادی مرحوم

۳:......مولانا عبدالقادر فاضل دیوبند

۴:......مولانا ابومحمد یونس صاحب فاضل دیوبند مرحوم

۵:......مولانا فیوض الرحمٰن صاحب مدرسہ نیلا گنبد لاہور

۶:......مولانا سید محمد طلحہ صاحب پروفیسر اورنٹیل کالج لاہور

ان سب حضرات نے اس کی تصریح پوری وضاحت سے فرمادی ہے، کہ ہمیں بیمہ کے اصول وقواعد اور معاملات کی تفصیل معلوم نہیں، صرف غریبوں کے لئے کچھ پس انداز کرنے کی اور حوادث کے وقت امداد باہمی کی ایک صورت سمجھ کر اس کے جواز کا حکم لکھ رہے ہیں۔

ایسی حالت میں ان کے قول کو بیمہ کے جواز کا فتوی قرار دینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ آمدنی سے کچھ پس انداز کرنا جو ضرورت کے وقت کام آسکے، اور حوادث کے وقت مصیبت زدہ کی امداد اگر خلاف شرع امور سے خالی ہو۔ تو اس کے جائز بلکہ پسندیدہ اور موجب ثواب ہونے کا کون انکار کرسکتا ہے۔

لیکن رسالہ ہذا میں پوری تشریح وتفسیر کے ساتھ یہ بات آپ کے سامنے آچکی ہے، کہ بیمہ کی مروجہ صورت میں سود بھی ہے اور قمار (جوا) بھی اور یہ دونوں چیزیں حرام ہیں۔ اگر انہیں حضرات سے وہ تمام تفصیلات جن کی رو سے بیمہ کا سود وقمار پر مشتمل ہونا واضح ہو جاتا ہے، پیش کر کے سوال کیا جاتا تو یقین تھا، کہ ان میں سے ایک بھی اس کے جواز کا فتویٰ نہ دیتا۔

دوسرے وہ حضرات ہیں جن کے فتاویٰ بیمہ زندگی کے حرام وناجائز ہونے پر طبع شدہ مشہور ومعروف ہیں۔ اور ان کے جو فتاویٰ اس رسالہ میں جمع کئے گئے ہیں، ان کا کوئی ادنیٰ سا تعلق بھی بیمہ کے جواز سے نہیں ہے۔

مثلاً اکابر علماء دیوبند:......مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمٰن صاحب، اور شیخ الحدیث حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب، حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی، شمس العلماء سید نجم الحسن صاحب لکھنوی۔

ان حضرات کے جو فتاویٰ اس رسالہ میں جمع کئے گئے ہیں۔ان سب کا حاصل اس کے سوانہیں کہ دارالحرب میں غیر مسلم سے سود لینے کے جواز میں جو بعض فقہاء نے گنجائش دی ہے۔بعض نے اس پر فتویٰ دیا ہے۔اور بعض نے یہ گنجائش بھی نہیں دی،البتہ جب ان کو یہ بتلایا گیا کہ مسلمان جو اپنی رقم کا سود انگریزی بینکوں میں چھوڑ دیتے ہیں،تو حکومت اس کو عیسائی مشن کے ذریعہ نصرانیت کی تبلیغ میں خرچ کرتی ہے،تو انہوں نے صرف یہ فتویٰ دیا، کہ ایسی صورت میں سود کی حرام رقم کو بینک میں نہ چھوڑیں۔وہاں سے وصول کر کے غریبوں پر صدقہ کردیں۔مطبوعہ رسالہ جن لوگوں کے سامنے ہو،وہ حرف بحرف اس کی تصدیق کریں گے۔کہ ان فتاویٰ میں صرف مسئلہ کی یہ نوعیت اس حالت کے لئے بیان کی گئی ہے۔جب کہ انسان دارالحرب میں رہتا ہو،اور اہل حرب اس کے سود کی چھوڑی ہوئی رقم کو اسلام کے خلاف کاموں میں استعمال کرتے ہوں،ان مسائل کا پاکستان کی اسلامی حکومت سے کیا واسطہ پاکستان دارالاسلام ہے۔یہاں سود کی رقم نصرانیت کی تبلیغ پر خرچ کرنے کا کوئی امکان نہیں۔اس کے علاوہ یہ بتلایئے،کہ اس مسئلہ کا بیمہ مروجہ کے جواز سے کونسا علاقہ ہے کہ رسالہ بیمہ کی اہمیت میں ان فتاوی کو نقل کرنے کے بعد رسالہ مذکورہ کے صفحہ ۲۲ میں ان بزرگوں پر یہ تہمت لگائی گئی ہے کہ انہوں نے بیمہ مروجہ کے جواز کے فتوے دیئے ہیں،ان کے الفاظ یہ ہیں:

مولانا کفایت اللہ صاحب سابق صدر جمعیۃ علماء ہند دہلی اور مولانا عزیزالرحمٰن صاحب مفتی دارالعلوم نے فتوے صادر فرمائے ہیں کہ زندگی کا بیمہ کرانا اسلامی تعلیم کے خلاف نہیں،یہ ایک قسم کی تجارت ہے،جو کہ فضول خرچیوں اور اسراف بے جا کے دباؤ سے بچانے کے لئے بہت مفید ہوسکتی ہے۔

کتنی بڑی جسارت ہے،کہ ان اکابر علماء کی طرف بیمہ مروجہ کے جواز کے فتوے منسوب کردیئے،حالانکہ ان سب حضرات کے فتاوی جو عموماً شائع بھی ہو چکے ہیں۔ان میں زندگی کے بیمہ مروجہ کو صراحۃ حرام کہا گیا ہے۔اور شدت کے ساتھ منع کیا گیا ہے،ان

میں سے بہت سے حضرات کے فتاوی شائع بھی ہو چکے ہیں۔

بیمہ کمپنی کے ذمہ دار توجہ فرمائیں

پہلی بات تو یہ ہے کہ پاکستان میں بیمہ کا کاروبار کرنے والے حضرات عموماً مسلمان ہیں۔خدا کے لئے اس چندروزہ کاروبار پر آخرت کو قربان نہ کریں حرام معاملات پر حلال کا لیبل لگانے کے بجائے اس کی فکر کریں، کہ امداد باہمی کی شرعی اور جائز صورت کو اختیار کریں، جو رسالہ ہذا میں لکھ دی گئی ہے۔اور جو رقمیں لوگوں کی جمع ہوتی ہیں۔ان کو تجارت پر لگا کر سود کے بجائے تجارتی نفع تقسیم کریں۔جو سراسر فائدہ ہی فائدہ ہے،اور پوری قوم کے لئے نفع بخش جائز و حلال معاملہ ہے۔اور اگر خدانخواستہ وہ خود حلال و حرام سے بے نیاز ہو کر چندروزہ مال و دولت کمانے کو اپنا مقصد بنا ہی چکے ہیں،تو کم از کم اکابر علماء اور اہل فتوی پر اپنی رائے تھوپنے اور ان پر تہمت لگانے سے تو پرہیز کریں، کہ یہ تحریف دین کا دوسرا گناہ ہے۔جس کی اس کاروبار میں کوئی ضرورت بھی نہیں۔

وہ اپنی اس ذمہ داری کو بھی محسوس کریں، کہ ان بزرگوں کی طرف غلط فتووں کو منسوب کرنا اخلاقی کے علاوہ قانونی جرم بھی ہے۔مسلمانوں کو آزمائش میں نہ ڈالیں کہ وہ اس معاملہ کو عدالت میں چیلنج کرنے پر مجبور ہوں۔اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو مال و دولت کی ایسی محبت سے بچائے، جو ان کی آخرت کو برباد کرے۔

واللہ المستعان

بندہ محمد شفیع

خادم دارالعلوم کراچی ۱۴



سود، انشورنس اور انعامی بانڈز کی حرمت سے متعلق ایک سوالنامہ کا جواب

تاریخ تالیف ______ درج نہیں ہے

مقامِ تالیف ______ جامعہ دار العلوم کراچی

اسلامی نظریاتی کونسل کی طرف سے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس سود، بیمہ، انعامی بانڈ اور پراویڈنٹ فنڈ سے متعلق ایک سوالنامہ بھیجا گیا، جس کے جواب میں حضرت مفتی صاحبؒ نے درج ذیل تحریر روانہ کی جس میں سود کی حقیقت، اس کی اقسام، بیمہ کی حرمت، اسلامی نظام بینکاری، بیمہ کا اسلامی طریقہ، انعامی بانڈ کی حقیقت وحرمت اور پراویڈنٹ فنڈ کے جواز کو مختصر مگر جامع طریقہ سے بیان کیا گیا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جواب سوالنامہ متعلقہ ''ربا''

اسلامی نظریاتی کونسل

(الف) قرآن مجید اور سنت کی روشنی میں ربا کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ اور قبل از اسلام اس سے کیا مراد لی جاتی تھی؟ تخصیصاً کیا ربا سے مراد ایسا سود ہے جو اصل زر کو دوگنا اور سہ گنا (اضعافاً مضاعفة) کردیتا ہے یا اس میں قرض خواہ کی طرف سے وصول کیا جانے والا رائج الوقت سود مفرد اور سود مرکب بھی شامل ہے؟

(۱) قرآن کریم نے جس ''ربا'' کو حرام قرار دیا ہے اس کے مفہوم میں کوئی گنجلک یا اشتباہ نہیں۔ قرآن کریم، سنت نبویہ، آثار صحابہؓ، اور اجماع امت نے قرض پر طے کر کے لی جانے والی ہر زیادتی کو ''ربا'' قرار دیا ہے، خواہ وہ سود مفرد ہو یا مرکب۔ اس سلسلے میں دلائل کی تفصیل پیش کی جائے تو ایک پوری کتاب تیار ہو سکتی ہے، اور بہت سے حضرات نے اس پر مبسوط مقالات اور کتابیں لکھی ہیں۔ احقر نے بھی اپنے ایک رسالے ''مسئلہ سود'' میں اس حقیقت کو دلائل کے ساتھ واضح کیا ہے۔ یہ رسالہ سوالنامے کے ساتھ منسلک ہے، تاکہ تفصیل کے لئے اسکی طرف رجوع کیا جا سکے۔ تاہم یہاں چند اہم نکات کی طرف اشارہ مناسب ہوگا:۔

(ا) قرآن کریم نے ''ربا'' کی حرمت کے تفصیلی احکام بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:۔

﴿یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ کُنْتُمْ مُؤْمِنِیْنَ﴾ (البقرہ:۲۷۸)

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور ربا کی جو کچھ رقم باقی ہو اسے چھوڑ دو، اگر تم مؤمن ہو۔

اس میں ''مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا'' (ربا کی جو کچھ رقم باقی ہو) کے الفاظ عام اور سود کی ہر مقدار کو شامل ہیں، آگے اس سے زیادہ واضح الفاظ میں ارشاد ہے:۔

وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَکُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِکُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ (البقرہ ۲۷۹)

اور اگر تم (ربا سے) توبہ کرو تمہارے رأس المال تمہیں مل جائیں گے، (اس طرح) نہ تم کسی پر ظلم کرو گے، نہ تم پر کسی کی طرف سے ظلم ہوگا۔

اس آیت نے واضح طور سے بتادیا ہے کہ ''ربا'' سے توبہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ قرض خواہ رأس المال (اصل زر) کے سوا کسی چیز کا مطالبہ نہ کرے، اور لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ سے اس بات کی وضاحت بھی کردی گئی ہے کہ اصل رقم پر ہر اضافہ، خواہ کتنا کم کیوں نہ ہو، ظلم میں داخل ہے۔ رہا قرآن کریم کا یہ ارشاد کہ لَا تَاْکُلُوْا الرِّبَا اَضْعَافاً مُضَاعَفَةً (سود کو چند در چند کر کے مت کھاؤ۔۳:۱۳۰) سو اس میں ''چند در چند'' کا لفظ حرمت سود کی قانونی شرط نہیں ہے، بلکہ اس جرم کی صرف ایک قبیح ترین صورت پر تنبیہ ہے۔ اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے ارشاد ہے: لَا تَشْتَرُوْا بِآیَاتِیْ ثَمَناً قَلِیْلاً (البقرہ ۴۱) یعنی ''میری آیتوں کو تھوڑی سی قیمت لے کر فروخت نہ کرو'' ظاہر ہے کہ یہاں ''تھوڑی سی قیمت'' ممانعت کی قانونی شرط نہیں ہے، چنانچہ کوئی بھی معقول آدمی اس سے یہ نتیجہ نہیں نکال سکتا کہ آیات الٰہی کو بڑی قیمت کے عوض فروخت کرنا جائز ہے۔ اس کے بجائے یہ الفاظ محض جرم کی شناعت کو واضح کرنے کے لئے لائے گئے ہیں۔ بعینہ یہی معاملہ ''أَضْعَافاً مُضَاعَفَةً'' کا ہے جرم کی شناعت بیان کرنے کے لئے ایک صورت

ذکر کردی گئی ہے، ورنہ اگر یہ قانونی شرط ہوتی تو سورۂ بقرہ کی آیت میں یہ نہ کہا جاتا کہ ربا سے توبہ کی صورت میں رأس المال قرض خواہ کو ملے گا، اور ساری رقم اسے چھوڑنی ہوگی۔

(۲) سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بار بار یہ حقیقت واضح فرمائی کہ اصل رقم پر لیا جانے والا ہر اضافہ "ربا" اور حرام ہے، خواہ کم ہو یا زیادہ۔ امام شافعیؒ اور امام ابن ابی حاتمؒ آپ ﷺ کا یہ ارشاد روایت فرماتے ہیں:۔

ألا إن كل رّبا كان في الجاهلية موضوع عنكم كلّه، لكم رءوس أموالكم لاتظلمون ولا تظلمون، وأولُ ربًاموضوع ربا العباس بن عبد المطلب كلّه

(تفسیر ابن کثیرؒ ص ۳۳۱ ج ۱ مطبوعہ ۱۳۵۶ھ)

یعنی: "سنو! کہ ہر وہ ربا جو جاہلیت میں واجب تھا، تم سے پورے کا پورا ختم کر دیا گیا، تمہارے لئے صرف قرض کی اصلی رقم ہے، نہ تم ظلم کرو، نہ تم پر ظلم کیا جائے، اور سب سے پہلے جو ربا ختم کیا گیا وہ عباس ابن عبدالمطلبؓ کا ربا ہے جو پورے کا پورا ختم کر دیا گیا"

نیز آپ ﷺ نے ربا کا مفہوم بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا

كل قرض جرّ منفعةً فهو رباً

ہر وہ قرض جو کوئی نفع کھینچ کر لائے، ربا ہے

(الجامع الصغیر للسیوطیؒ بحوالۂ حارث بن ابی اسامہؓ ص ۹۴ ج ۱ حدیث نمبر ۶۳۳۶)

یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہونے کی بنا پر حسن لغیرہ ہے

(السراج المنیر للعزیزیؒ ص ۸۶ ج ۳)

(۳) چنانچہ صحابہؓ وتابعینؒ بھی "ربا" کا یہی مطلب سمجھتے تھے کہ قرض پر طے کر کے لیا جانے والا ہر اضافہ "ربا" ہے، خواہ کم ہو یا زیادہ۔ حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ،

مشہور صحابی ہیں، وہ ربا کی یہ تعریف کرتے ہیں:۔

كلّ قرض جرّ منفعةً فهو وجه من وجوه الربا

ہر وہ قرض جو کوئی منفعت کھینچ کرلائے وہ ربا کی اقسام میں داخل ہے

السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۳۵۰ ج ۵

اور امام بخاریؒ نے کتاب الاستقراض "باب اذا أقرضه ، الیٰ أجلٍ مسمّیً" میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ قول تعلیقاً نقل کیا ہے کہ:۔

قال ابن عمرؓ فی القرض الی أجل لا بأس به وان أعطی أفضل من دراهمه ما لم یشترط (صحیح بخاری ص ۳۲۳ ج ۱)

معین مدت کے لئے قرض دینے میں کوئی حرج نہیں۔ خواہ قرض دار اس کے دراہم سے بہتر دراہم ادا کرے، بشرطیکہ (یہ بہتر دراہم ادا کرنا) قرض کے معاہدے میں طے نہ کیا گیا ہو۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر معاہدہ میں یہ طے کرلیا جائے کہ قرض کے دراہم سے بہتر دراہم ادا کئے جائیں گے تو وہ ربا میں داخل ہوکر حرام ہوگا۔

نیز حضرت ابو بردہؓ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے مجھے نصیحت کی کہ تم ایک ایسی سرزمین میں آباد ہو جہاں ربا بہت عام ہے، لہٰذا اگر کسی شخص پر تمہارا قرض واجب ہو اور وہ تمہیں بھوسے، جَو یا چارے کا کچھ بوجھ ہدیۃً دینا چاہے تو تم اسے قبول نہ کرو، کیونکہ وہ ربا ہے۔ (صحیح بخاریؒ۔ مناقب عبداللہ ابن سلامؓ ص ۵۳۸ ج ۱)

اور حضرت قتادہ بن دعامۃ الدوسیؒ آیت "وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ اَمْوَالِكُمْ" کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ما كان لهم من دين فجعل لهم أن يأخذوا رء وس أموالهم ولا يزدادوا عليه شيئا

(تفسیر ابن جریرؒ ص ۶۷ ج ۳)

جس شخص کا کچھ قرض دوسرے پر ہو، اس کے لئے قرآن نے اصل رقم لینے کی اجازت دی، لیکن اس پر ذرا بھی اضافہ کرنے کی اجازت نہیں دی۔

(۴) علماء لغت نے بھی ''ربا'' کی یہی تشریح کی ہے، چنانچہ لغت عرب کے مشہور امام زجاجؒ ربا کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کل قرض یؤخذ به اکثرمنه ''(تاج العروس ص۱۴۲ج۱۰) یعنی ''ہر وہ قرض جس کے ذریعہ اس سے زیادہ رقم وصول کی جائے'' نیز لسان العرب وغیرہ میں بھی ربا کی یہی تعریف نقل کی گئی ہے۔

چنانچہ امت کے تمام علماء وفقہاء بلا اختلاف ''ربا'' کی یہی تعریف نقل کرتے آئے ہیں۔ امام ابو بکر جصاصؒ احکام القرآن میں اہل جاہلیت کے ربا کی قانونی اور جامع و مانع تعریف اس طرح فرماتے ہیں:۔

''وهو القرض المشروط فيه الأجل و زيادة مال على المستقرض (احکام القرآن ص۵۵۷ج۱)

قرض کا وہ معاملہ جس میں ایک مخصوص مدت ادائیگی اور قرض دار پر مال کی کوئی زیادتی طے کر لی گئی ہو۔

مذکورہ بالا تصریحات سے ''ربا'' کے مفہوم میں کوئی گنجلک یا ابہام واجمال باقی نہیں چھوڑا، اور ان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرض کے معاملہ میں قرض دار کے ذمہ اصل پر جو اضافہ بھی معاہدے میں طے کر کے لیا اور دیا جائے وہ ربا ہے، اس میں کم زیادہ یا مفرد و مرکب کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ یہی قرآن وسنت کا حکم ہے، یہی اجماع امت کا فیصلہ ہے، اور اسلامی شریعت میں اس کے سوا کسی نظریہ کی گنجائش نہیں ہے۔

(ب) کیا ظہور اسلام کے بعد ہونے والی ترقی اور تبدیلیوں کے پیش نظر ربا کی نئی تشریح کی جا سکتی ہے؟

ج: اسکا مختصر جواب یہ ہے کہ ہرگز نہیں۔ جس چیز کی تشریح خود قرآن وحدیث نے کر دی ہو، جس پر صحابہؓ وتابعینؒ متفق رہے ہوں، اور جس پر امت کا اجماع منعقد ہو

چکا ہو اسکی ''نئی تشریح'' درحقیقت قرآن وسنت کی تحریف کا نام ہے، اور ایسی ''نئی تشریحات'' کی اجازت دینے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن وحدیث کا کوئی حکم صحیح وسالم باقی نہ رہے، اگر محض زمانے کے عام چلن سے متأثر ہوکر ''ربا'' کی کوئی ایسی ''نئی تشریح'' کی جاسکتی ہے جو قرآن وسنت اور اجماع کے صریح ارشادات کے خلاف ہو تو ''خمر''، ''زنا'' یہاں تک کہ ''کفر وشرک'' کی نئی تشریح بھی ممکن ہوگی۔ پھر اسلام کا کونسا حکم تحریف وترمیم کی دست برد سے محفوظ رہ سکتا ہے؟

شریعت کے جو احکام زمانے کی تبدیلی سے متأثر ہونے والے تھے، ان کے بارے میں خود قرآن وسنت نے صریح اور تفصیلی احکام دینے کے بجائے کچھ اصول بتا دیئے ہیں جن کی روشنی میں شریعت کے اصولوں کے تحت احکام مستنبط کئے جاسکیں، لہٰذا جہاں قرآن وسنت کے احکام منصوص اور واضح ہیں اور ان میں آئندہ کسی تبدیلی کی نشان دہی نہیں کی گئی، ان پر قیام قیامت تک جوں کا توں عمل ضروری ہے۔ اگر واقعۃً زمانے کی تبدیلی سے ''ربا'' کے حکم میں کوئی تبدیلی ہونی تھی تو اس کی کیا وجہ ہے کہ قرآن کریم ربا کی شناعت بیان کرنے کے لئے پورے دو رکوع نازل کرتا ہے، اسے اللہ اور رسولؐ کے خلاف اعلان جنگ قرار دیتا ہے، سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم اس پر شدید ترین وعیدیں بیان فرماتے ہیں، لیکن قرآن وسنت میں کسی جگہ اس بات کا کوئی ادنیٰ اشارہ بھی نہیں ملتا کہ یہ حکم کسی زمانے میں تبدیل ہوسکتا ہے۔ اس کے بجائے آئندہ زمانے کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ارشاد کتب حدیث میں ملتا ہے وہ یہ ہے:۔

لیأتین علی الناس زمان لا یبقی منهم أحدالا أکل الربا
فمن لم یأکله أصابه من غباره (ابوداؤد وابن ماجہ)

لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آجائے گا کہ ان میں کوئی شخص ایسا نہ بچے گا
جس نے سود نہ کھایا ہو، اور جس شخص نے واقعی سود نہ کھایا ہوگا اس کو سود

کا غبار تو ضرور ہی پہنچے گا۔

نیز یہ ارشاد ہے کہ:۔

"بین یدی الساعة یظھر الربا والزنا والخمر"

(طبرانی ورواته رواة الصحیح)

قیامت کے قریب سود، زنا اور شراب کی کثرت ہو جائے گی۔

ان احادیث میں آپ صراحۃً بتلا رہے ہیں کہ آئندہ ایک زمانہ ایسا آجائے گا جب سود یا اس کے غبار سے بچنا مشکل ہوگا، اس کے باوجود آپ اس سود کو "ربا" ہی قرار دیتے ہیں، اور کوئی ادنیٰ اشارہ بھی ایسا نہیں دیتے کہ اس دور میں ربا کی "نئی تشریح" کر کے اسے حلال کر لینا چاہئے۔ پھر حدیث کی پیشن گوئی کے مطابق آج ربا کی کثرت کا مشاہدہ ہو رہا ہے، لیکن جس ربا کی کثرت ہے وہ تجارتی سود ہے، کیونکہ مہاجنی سود کی ایسی زیادتی نہ ہوئی ہے اور نہ آئندہ بظاہر امکان ہے کہ اس سے کوئی انسان خالی نہ رہے، یہ بنکوں ہی کا سود ہے جس کے اثرات ہر کس وناکس تک پہنچتے ہیں، اس سے مزید معلوم ہوا کہ قرآن وحدیث نے جس ربا کو حرام قرار دیا ہے اس میں تجارتی اور مہاجنی ہر طرح کے سود شامل ہیں۔

سوال نمبر ۲

"کیا اسلامی تعلیمات اور احکام کے مطابق:

(۱) دو مسلم ریاستوں کے درمیان یا

(۲) ایک مسلم اور دوسری غیر مسلم ریاست کے مابین سود کی بنیاد پر کاروبار جائز ہے؟"

ج: جہاں تک دو مسلم ریاستوں کا تعلق ہے، ان کے درمیان سود کے لین دین کی کوئی گنجائش نہیں۔ البتہ اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف رہا ہے کہ کسی غیر مسلم ریاست سے

سود لیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ بعض فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے، لیکن اس کی وجہ سود کا جواز نہیں، بلکہ یہ ہے کہ دارالحرب میں رہنے والے کافروں کا مال ان کی رضامندی سے وصول کر کے اس پر قبضہ کر لینا ان فقہاء کے نزدیک جائز ہے، دارالحرب کے کفار وہ مال خواہ کوئی نام رکھ کر دیں، ان فقہاء کے مسلک کے مطابق مسلمان اسے بحیثیت سود نہیں، بلکہ اس حیثیت سے وصول کر سکتے ہیں کہ وہ ایک حربی کا مال مباح ہے۔ لہٰذا اضطراری حالت میں اس نقطۂ نظر کو اختیار کر لینے کی گنجائش ہے۔

سوال نمبر ۳

''حکومت قومی ضروریات کے لئے جو قرضے جاری کرتی ہے کیا ان پر لاگو ہونے والا سود ربا کی ذیل میں آتا ہے؟''

ج: بلاشبہ ربا کی ذیل میں آتا ہے، کیونکہ ''ربا'' جس طرح انفرادی طور پر مسلمان کے لئے حرام ہے اسی طرح حکومت کے لئے بھی حرام ہے۔

سوال نمبر ۴

''کیا آپ کے خیال میں غیر سودی بنکاری ممکن ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو کن مفروضات کے مطابق؟''

ج: غیر سود نظام بنکاری بلاشبہ ممکن ہے، اس کی تفصیلات تو اس مختصر سوالنامے کے جواب میں نہیں سما سکتیں، لیکن اس کا مختصر خاکہ درج ذیل ہے۔ اس پر عمل کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس نظام کی مکمل تفصیلات مدون کرنے کے لئے صاحب بصیرت فقہاء اور ماہرین معاشیات و بنکاری کی ایک مجلس خاص اسی غرض کے لئے بنائی جائے جو ربا کی حلت و حرمت کی بحث میں وقت ضائع کرنے کے بجائے مثبت طور پر غیر سودی نظام بنکاری کی تفصیلات مرتب کرے۔ خاکہ درج ذیل ہے۔

اسلامی احکام کے مطابق بنکاری ''ربا'' کے بجائے ''شرکت'' اور ''مضاربت'' کے اصولوں پر استوار کی جائے گی جس پر عمل مندرجہ ذیل طریقے سے ہوگا:۔

عوام جو رقمیں بینک میں رکھوائیں گے وہ دو قسموں پر مشتمل ہوں گی، عندالطلب قرضے (Current account) اور دوسرے مد مضاربت (Fixed Deposit) سیونگ اکاؤنٹ پہلی قسم میں شامل ہو جائے گا۔

عندالطلب قرضوں میں تمام رقوم بینک کے پاس فقہی نقطۂ نظر سے قرض ہوں گی، کھاتہ دار ہر وقت بذریعہ چیک ان کی واپسی کا مطالبہ کر سکے گا، اور ان پر کوئی منافع کھاتہ دار کو نہیں دیا جائے گا۔ جیسا کہ موجودہ نظام بینکاری میں بھی اس مد پر عموماً کوئی سود نہیں دیا جاتا۔

البتہ مضاربت کے کھاتہ دار معین مدت کے لئے جو تین ماہ سے ایک سال تک ہو سکتی ہے، رقم رکھوائیں گے اور اس رقم سے بنک (اس طریقے کے مطابق جس کی تفصیل آگے آرہی ہے) جو منافع حاصل کرے گا اس میں متناسب طور سے (Proportionately) شریک ہوں گے۔ یعنی ان کی رقم کل لگے ہوئے سرمایہ (Invested money) کا جتنا فی صد حصہ ہے، بنک کے کل منافع میں سے اتنا ہی فیصد حصہ انہیں ملے گا۔

عندالطلب قرضوں اور مضاربت کھاتہ کے ذریعہ حاصل ہونے والی رقوم میں سے بنک ایک حصہ مد محفوظ (Reserve) کے طور پر رکھ کر باقی سرمایہ کاروباری افراد کو شرکت یا مضاربت کے اصول پر دیگا۔ کاروباری افراد اس سرمایہ کو صنعت یا تجارت میں لگا کر جو نفع حاصل کریں گے اس کا ایک طے شدہ فی صد حصہ بینک کو اصل رقم کے ساتھ ادا کریں گے، اور بنک یہ منافع اپنے حصہ داروں اور کھاتہ داروں کے درمیان طے شدہ متناسب حصوں کی صورت میں تقسیم کرے گا۔

مذکورہ طریق کار کے علاوہ غیر سودی نظام میں بنک اپنے وہ تمام وظائف بھی جاری

رکھے گا جو وہ اجرت پر انجام دیتا ہے، مثلاً لاکرز، ٹریولز چیک، بنک ڈرافٹ اور لیٹر آف کریڈٹ جاری کرنا، بیع وشراء کی دلالی، کاروباری مشورے دینا وغیرہ۔ ان تمام خدمات کو بدستور جاری رکھ کران پر اجرت وصول کی جاسکے گی۔

یہ غیر سودی بنکاری کیلئے انتہائی مجمل اشارات ہیں۔ اس موضوع پر مفصل کتابیں بھی شائع ہوچکی ہیں جن میں اس نظام کی جزوی تفصیلات سے بھی بحث کی گئی ہے۔ ذاتی طور پر متعدد ماہرین بنکاری سے مشوروں کے دوران انہوں نے اس طریق کار کو بالکلیہ قابل عمل قرار دیا ہے۔ اور اس پر عمل کرنے کے لیے صحیح طریقہ وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا کہ خاص اس غرض کے لئے ماہرین کی ایک مجلس بنادی جائے جو غور وخوض کے بعد اس نظام کی عملی تفصیلات مرتب کرے۔

سوال نمبر ۵

''کیا اسلامی احکام کی روشنی میں بنکوں کی فراہم کردہ سہولتوں یا خدمات کے عوض سود کی وصولی کے سلسلہ میں نجی اور سرکاری بنکاری میں کوئی امتیاز کیا جاسکتا ہے؟''

ج: اسلامی احکام کے اعتبار سے نجی بنکوں اور سرکاری بنکوں میں کوئی فرق نہیں؟ جن خدمات کی اجرت لینا نجی بنکوں کے لئے جائز ہے، ان کی اجرت سرکاری بنکوں کے لئے بھی جائز ہے اور سود کے معاملات نہ نجی بنکوں کے لئے جائز ہیں نہ سرکاری بنکوں کے لئے۔

سوال نمبر ۶

''کیا حکومت کے مملوکہ یا اس کے زیر نگرانی چلنے والے بنکاری کے کسی ادارہ کو نامعلوم مالک کی ملکیت (مال مجہول المالک) قرار دیا جاسکتا ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو اسلام کی رو سے ایسے ادارہ کی کیا

حیثیت ہوگی؟''

ج: جو بینک حکومت نے قائم کئے ہوں وہ حکومت کی ملکیت ہیں، لہٰذا انہیں مجہول المالک اموال میں داخل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

سوال نمبر ۷

(الف) آیا اسلامی تعلیمات کے بموجب سرمایہ کو عامل پیداوار قرار دیا جا سکتا ہے؟ اور اس کے استعمال کے عوض کوئی معاوضہ دیا جا سکتا ہے؟

(ب) اگر جواب اثبات میں ہے تو آیا اسلام منافع کی تقسیم میں سرمایہ کا کوئی حصہ مقرر کرتا ہے؟

ج: یہ ایک نظریاتی بحث ہے جسے قرآن وسنت میں صراحۃً نہیں چھیڑا گیا، البتہ اس سلسلے میں قرآن وسنت کے احکام سے جو صحیح پوزیشن سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ ''سرمایہ'' کو عامل پیداوار شمار کیا گیا ہے، البتہ جس چیز کو آجکل علم معاشیات میں سرمایہ یا اصل (Capital) کہا جاتا ہے اور جس کی تعریف ''پیدا شدہ ذریعہ پیدائش'' سے کی جاتی ہے، وہ اسلامی شریعت کے اعتبار سے دو قسموں پر منقسم ہے:۔

(۱) وہ سرمایہ جس کا عمل پیداوار میں استعمال کرنا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اسے خرچ نہ کیا جائے، جیسے روپیہ اور اشیائے خوردنی۔

(۲) وہ وسائل پیداوار جن کا عمل پیدائش میں اس طرح استعمال کیا جاتا ہے کہ ان کی اصل شکل وصورت برقرار رہتی ہے، مثلاً مشینری۔ تقسیم دولت میں ان دونوں قسموں میں سے پہلی قسم کا حصہ منافع (Profit) ہے نہ کہ سود، اور دوسری قسم کو حصہ زمین کی طرح اجرت یا کرایہ (Rent) ہے۔

یہاں مختصراً اتنا اشارہ کافی ہے، اس مسئلہ کی مکمل تشریح اور اسکی فنی تفصیلات احقر کے مقالے ''اسلام کا نظام تقسیم دولت'' میں موجود ہے جو ساتھ منسلک ہے۔

سوال نمبر ۸

(الف) کیا آپ کے خیال میں موجودہ اقتصادی حالات میں بنکاری کی سہولتوں سے استفادہ کئے بغیر یا ایسی سہولتوں کے عوض سود یا بنکاری کے اخراجات ادا کئے بغیر ملکی اور غیر ملکی تجارت کو مؤثر طریقے سے چلانا ممکن ہے؟

(ب) اگر مندرجہ بالا سوال کا جواب نفی میں ہے تو کیا آپ اسلامی احکام سے ہم آہنگ کوئی متبادل حل تجویز کر سکتے ہیں؟

ج: جی ہاں! ممکن ہے۔ یہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ بنک اپنی جن خدمات پر اجرت وصول کرتا ہے، مثلاً لاکرز، لیٹر آف کریڈٹ، بنک ڈرافٹ، بیع وشرا کی دلالی وغیرہ، انکی اجرت لینا جائز ہے، البتہ سود کا کاروبار ناجائز ہے، اور اسکی متبادل صورت سوال نمبر ۴ کے جواب میں آچکی ہے۔

سوال نمبر ۹

''کیا بیمہ کا کاروبار سود کے بغیر چلایا جاسکتا ہے؟''

ج: جی ہاں! اور اس کی صحیح اسلامی صورت یہ ہے کہ:۔

(۱) بیمہ پالیسی کی حاصل شدہ رقوم کو مضاربت کے شرعی اصولوں کے مطابق تجارت میں لگایا جائے، اور معین سود کے بجائے اسی طریقے پر تجارتی نفع تقسیم کیا جائے جس کا ذکر غیر سودی بنکاری کے ذیل میں آیا ہے۔

(۲) بیمہ کے کاروبار کو امداد باہمی کا کاروبار بنانے کے لئے بیمہ پالیسی لینے والے اپنی رضامندی سے اس معاہدے کے پابند ہوں کہ اس کاروبار کے منافع کا ایک معتد بہ حصہ نصف یا تہائی یا چوتھائی ایک ریزروفنڈ کی صورت میں محفوظ رکھ کر اسے وقف قرار دینگے، اور اسے حوادث میں مبتلا ہونے والے افراد کی امداد پر خاص اصول وقواعد کے ماتحت خرچ کیا جائیگا۔

(۳) بصورت حوادث یہ امداد صرف ان حضرات کے ساتھ مخصوص ہوگی جو اس معاہدہ کے پابند اور اس کمپنی کے حصہ دار ہیں۔ اوقاف میں ایسی تخصیصات شرعاً جائز ہیں۔ وقف علی الاولاد میں اس کی نظیر موجود ہے۔

(۴) اصل رقم مع تجارتی نفع کے ہر فرد کو پوری پوری ملے گی (الا یہ کہ کاروبار میں خسارہ ہو) اور وہی اس کی ملک سمجھی جائے گی، امداد باہمی کا ریز روفنڈ وقف ہوگا جس کا فائدہ وقوع حادثہ کی صورت میں اس وقف کرنے والے کو بھی پہنچے گا، اور اپنے وقف سے خود کوئی فائدہ اٹھانا اصول وقف کے منافی نہیں، جیسے کوئی رفاہ عام کے لئے ہسپتال وقف کرے، پھر بوقت ضرورت اس سے خود بھی فائدہ اٹھائے، یا قبرستان وقف کرے، پھر خود اسکی اور اسکے اقربا کی قبریں بھی اس میں بنائی جائیں۔

(۵) حوادث پر امداد کے لئے مناسب قوانین بنائے جائیں، جو صورتیں عام طور پر حوادث کہی اور سمجھی جاتی ہیں ان میں پسماندگان کی امداد کے لئے معتد بہ رقم مقرر کی جائے، اور جو صورتیں عادۃً حوادث میں داخل نہیں سمجھی جاتیں جیسے کسی بیماری کے ذریعہ موت واقع ہو جانا، اس کے لئے یہ کیا جا سکتا ہے کہ متوسط تندرستی والے افراد کے لئے ساٹھ سال کو عمر طبعی قرار دے کر اس سے پہلے موت واقع ہو جانے کی صورت میں بھی کچھ مختصر امداد دی جائے۔ متوسط تندرستی کو جانچنے کے لئے جو طریقہ ڈاکٹری معائنہ کا بیمہ کمپنی میں جاری ہے وہ استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اور بیمار یا کمزور آدمی کے لئے اسی پیمانے سے عمر طبعی کا ایک اندازہ مقرر کیا جا سکتا ہے۔

(۶) کوئی شخص چند قسطیں ادا کرنے کے بعد سلسلہ بند کر دے تو اسکی رقم ضبط کر لینا، جیسا کہ آجکل معمول ہے، ظلم صریح اور حرام ہے۔ البتہ کمپنی کو ایسے غیر محتاط لوگوں کے ضرر سے بچانے کے لئے معاہدے کی ایک شرط یہ رکھی جا سکتی ہے کہ کوئی شخص حصہ دار بننے کے بعد اپنا حصہ واپس لینا چاہے یعنی شرکت کو ختم کرنا چاہے تو پانچ یا سات یا دس سال سے پہلے رقم واپس نہ کی جائے گی، اور ایسے شخص کے لئے تجارتی نفع کی شرح بھی کم رکھی

جا سکتی ہے۔ یہ سب امور منتظمہ کمیٹی کی صوابدید سے طے ہو سکتے ہیں۔ ان کا اثر معاملہ کے جواز وعدم جواز پر نہیں پڑتا۔

یہ ایک سرسری اور اجمالی خاکہ ہے، اگر کوئی جماعت اس کام کے لئے تیار ہو تو اس پر مزید غور وفکر کر کے اسے زیادہ سے زیادہ نافع بنانے اور نقصانات سے محفوظ رکھنے کی تدبیریں سوچی جا سکتی ہیں۔ اور سال دو سال تجربہ کر کے ان میں بھی شرعی قواعد کے ماتحت تغیر وتبدل کیا جا سکتا ہے۔

ظاہر ہے کہ بنکنگ اور انشورنس کا مروجہ نظام بھی تو راتوں رات وجود میں نہیں آ گیا، بلکہ اس پر غور وفکر اور تجربات میں ایک عرصہ لگا ہے۔ اگر صحیح جذبہ کے ساتھ مذکورہ بالا طریقے کا تجربہ کیا جائے، اور تجربات کے ساتھ شرعی قواعد کے ماتحت اصلاحات کا سلسلہ جاری رہے تو یقیناً چند سال میں غیر سودی بنکاری اور بیمہ وغیرہ کا نظام شرعی اصول پر پورے استحکام کے ساتھ بروئے کار آ سکتا ہے۔

سوال نمبر ۱۰ (۱)

''پراویڈنٹ فنڈ اور سیونگز بنک اکاؤنٹ پر جو نفع دیا جاتا ہے کیا وہ ربا کی تعریف میں آتا ہے؟''

ج: جہاں تک سیونگز بنک اکاؤنٹ کا تعلق ہے اس پر دیا جانے والا نفع بلا شبہ ربا ہے، کیونکہ وہ ربا کی اس تعریف میں داخل ہے، جس کی تشریح سوال نمبر ۱ کے جواب میں کی گئی ہے۔

رہا پراویڈنٹ کا مسئلہ، سو اس کا بھی صاف اور بے غبار طریقہ تو یہی ہے کہ اس فنڈ کو بھی شرکت یا مضاربت کے اصول پر تجارت میں لگایا جائے اور اس سے جو تجارتی نفع حاصل ہو وہ فنڈ کے حصہ داران میں ان کے حصوں کے بقدر تقسیم کیا جائے۔ لیکن آجکل

(۱) جواب کی سہولت کے پیش نظر سوال نمبر ۱۲ کو مقدم اور نمبر ۱۱ کو مؤخر کر دیا گیا ہے۔

جو طریقہ مروج ہے کہ محکمہ اس فنڈ کو تجارت وغیرہ میں لگا کر حصہ داروں کو سود کے نام سے کچھ معین رقوم دیتا ہے، ملازمین کیلئے ان کے لینے کی گنجائش ہے، اس لئے کہ فقہی اعتبار سے وہ رقم ربا کی تعریف میں نہیں آتی۔ وجہ یہ ہے کہ تنخواہ کا جو حصہ ملازم کو وصول نہیں ہوا وہ ابھی اسکی ملک میں نہیں آیا، بلکہ بدستور محکمہ ہی کی ملک ہے۔ اب محکمہ یا گورنمنٹ نے جو زیادتی پراویڈنٹ فنڈ کی رقم سے تجارت وغیرہ کے ذریعہ حاصل کی ہے وہ زیادتی ملازم کی حقیقی ملک سے فائدہ اٹھانے کا نتیجہ نہیں، بلکہ اپنی ملک سے فائدہ اٹھانے کا نتیجہ ہے، اب اگر محکمہ اپنی ملک سے ملازم کو کوئی حصہ دیتا ہے تو وہ شرعاً سود نہیں بلکہ تبرع ابتدائی یعنی انعام ہے اس لئے ملازم کیلئے اسے وصول کرنا جائز ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل احقر کے ایک رسالہ ''پراویڈنٹ فنڈ'' میں موجود ہے جس کی دوسرے حضرات علماء نے بھی تصدیق فرمائی ہے۔ یہ رسالہ جواب کے ساتھ منسلک ہے۔

سوال نمبر ۱۱

(الف) ایک ملازم کو اپنے پراویڈنٹ فنڈ سے قرض لینے پر جو رقم بطور سود ادا کرنا پڑتی ہے اور جو بعد میں اس کے اسی فنڈ میں جمع کر دی جاتی ہے کیا آپ اسے ربا کہیں گے؟

ج: پراویڈنٹ فنڈ کے معاملہ میں جو تشریح سوال نمبر ۱۲ کے جواب میں کی گئی ہے اس کی روشنی میں شرعی نقطۂ نگاہ سے یہ نہ قرض ہے نہ سودی معاملہ۔ قرض تو اس لئے نہیں کہ ملازم کا جو قرض محکمہ کے ذمہ تھا اور جس کے مطالبہ کا اسے حق تھا اس نے اسی کا ایک حصہ وصول کیا ہے۔ اور بعد کی تنخواہوں سے جو رقم اداءِ قرض وسود کے نام سے بالاقساط کاٹی جاتی ہے وہ بھی اداءِ قرض نہیں، بلکہ فنڈ میں جو رقم معمول کے مطابق ہر ماہ کٹتی تھی، اسی کی طرح یہ بھی ایک کٹوتی ہے، فرق صرف یہ ہے کہ ان مہینوں میں کٹوتی کی مقدار زیادہ ہوگئی، جس کی دلیل یہ ہے کہ یہ سب رقم بالآخر اسی کو واپس ملے گی۔

(ب) اگر آجر بھی پراویڈنٹ فنڈ میں اپنی جانب سے کچھ رقم کا اضافہ کرے تو صورت حال کیا ہوگی؟

ج: اس سے بھی مذکورہ صورت حال پر کوئی اثر نہیں پڑتا، کیونکہ آجر جس رقم کا اپنی طرف سے اضافہ کر رہا ہے وہ اسکی طرف سے تبرع (ایک طرح کا انعام) ہے۔

سوال نمبر ۱۲

''کیا انعامی بانڈوں پر یا سیونگ بنک اکاؤنٹ پر بطور انعام دی جانے والی رقم ربا کی تعریف میں داخل ہے؟

ج: انعامی بانڈز میں یہ ہوتا ہے کہ بانڈ خریدنے والے ہر شخص کی رقم پر سود لگایا جاتا ہے، لیکن معینہ مدت پورے ہونے پر ہر شخص کا سود اسی کو دینے کے بجائے سود کی مجموعی رقم صرف ان افراد پر تقسیم کر دی جاتی ہے جن کا نام قرعہ اندازی میں نکل آئے، لہٰذا جو رقم بانڈ پر ''انعام'' کے نام سے دی جاتی ہے وہ درحقیقت سود اور ربا ہے، فرق یہ ہے کہ عام حالات میں اتنی رقم پر جتنا سود ملتا، بانڈ کے ''انعام'' میں اتنے سود کے علاوہ بعض دوسرے افراد کی رقموں پر لگنے والا سود بھی شامل ہوتا ہے جو انعام یافتگان کو بذریعۂ قمار دیا جاتا ہے۔

اس طرح انعامی بانڈز کے مروجہ طریقے میں سود کی رقم کو قمار کے ذریعہ تقسیم کیا جاتا ہے۔ اہل علم کے مشورے سے اس طریقے میں ایسی ترمیم کی جاسکتی ہے جس کے ذریعہ اس میں سود اور قمار باقی نہ رہے۔

رہا سیونگ بنک اکاؤنٹ، سو اس کے بارے میں پیچھے بار بار عرض کیا جا چکا ہے کہ وہ خالص ربا کا معاملہ ہے، لہٰذا اس پر انعام کے نام سے جو رقم دی جائے گی وہ ''عقد ربا'' پر دیا جانے والا انعام ہے جس کا لینا جائز نہیں۔

سوال نمبر ۱۳

کیا اسلامی قانون کے تحت تجارتی اور غیر تجارتی قرضوں میں امتیاز کرنا

درست ہوگا جب کہ تجارتی قرضوں پر سود لیا جائے اور غیر تجارتی قرضے بلاسود ہوں؟''

ج: سوال نمبر ا کے جواب میں تفصیل سے عرض کیا جا چکا ہے کہ ''ربا'' کی حقیقت ہر وہ زیادتی ہے جو کسی قرض کے مقابلہ میں طے کر کے لی اور دی جائے۔ اس میں یہ سوال قطعی خارج از بحث ہے کہ قرض لینے والا کس مقصد کیلئے قرض لے رہا ہے؟

اس معاملہ میں اصل یہ ہے کہ جو شخص کسی دوسرے کو قرض دے رہا ہے، اسلامی نقطۂ نظر سے اس کو پہلے یہ متعین کرنا چاہئے کہ وہ یہ روپیہ اس شخص کی امداد کے طور پر دے رہا ہے یا اس کے کاروبار میں حصہ دار بننا چاہتا ہے، اگر وہ روپیہ دوسرے کی امداد کی غرض سے دے رہا ہے تو پھر ضروری ہے کہ وہ اس امداد کو امداد ہی رہنے دے اور نفع کے ہر مطالبہ سے دستبردار ہو جائے، وہ صرف اتنے ہی روپے کی واپسی کا مستحق ہوگا جتنے اس نے قرض دیئے تھے، اور اگر اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ روپیہ دے کر کاروبار کے نفع سے مستفید ہو تو اسے ''شرکت'' یا ''مضاربت'' کے طریقوں پر عمل کرنا پڑے گا ، یعنی اسے کاروبار کے نفع اور نقصان دونوں کی ذمہ داری اٹھانی پڑیگی۔ ان دوصورتوں کے سوا اسلام میں کوئی تیسری راہ نہیں ہے جس کے ذریعہ کوئی فریق اپنا نفع ہر حال میں متعین کرلے جب کہ دوسرے کا نفع موہوم اور مشتبہ ہو۔

سوال نمبر ۱۴

''کیا اسلام کے اقتصادی نظام میں قومی سرمایہ کی تشکیل کے لئے بچت کی حوصلہ افزائی کرنے والی کوئی جائز ترغیبات موجود ہیں؟''

وسوال نمبر ۱۵

''اگر سود کو قطعی طور پر ختم کر دیا جائے تو اسلامی نظام معیشت میں لوگوں کو بچت پر ابھارنے اور سرمایہ کے استعمال میں کفایت شعاری کی ترغیب دینے کے لئے کونسے محرکات استعمال کئے جائیں گے؟''

ج: یہ دونوں سوال درحقیقت ایک ہی ہیں۔اوران کا جواب یہ ہے کہ اگر بنکوں اور بیمہ کمپنیوں کو سود کے بجائے شرکت اور مضاربت کے اصولوں پر چلایا جائے تو کھاتہ داروں کو آج کی معمولی شرح سود سے کہیں زیادہ منافع حاصل ہوگا، کیونکہ وہ پورے کاروبار کے شریک ہوں گے،لہٰذا جو بچت قومی مقاصد کے لئے ضروری ہے اس کے لئے اس سے بڑھ کر ترغیبی نظام اور کیا ہوگا؟

صرف سیونگ اکاؤنٹ کا مسئلہ رہ جاتا ہے، کیونکہ غیر سودی نظام میں نہ اس پر سود ملے گا اور نہ منافع ،لیکن اول تو جدید ماہرین معاشیات کی عام رائے یہ ہے کہ سیونگ اکاؤنٹ کی معمولی شرح سود بچت کے لئے کوئی قومی اور فیصلہ کن محرک نہیں ہوتی ۔ بچت کی اصل وجہ بذات خود کفایت شعاری اور پس اندازی ہی کا جذبہ ہوتا ہے۔اسلئے سیونگ اکاؤنٹ پر سود نہ دینے سے اس مد میں کوئی معتد بہ کمی واقع نہیں ہوگی ۔اس کے علاوہ مد مضاربت (Fixed Deposit) کی مدتیں کم کرکے تین ماہ سے ایک سال تک بھی رکھی جاسکتی ہیں۔اس طرح بچت کے ساتھ نفع کے خواہش منداس مد کی طرف بآسانی رجوع کرسکتے ہیں۔

سوال نمبر ۱۶

''جدید معاشی نظریہ کے طور پر سود کے معنیٰ اس شرح سود سے مختلف ہو گئے ہیں جو قرض پر واقعی ادا کیا جاتا ہے،مثلاً ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل میں ماہرین معاشیات ''فرضی شرح سود'' سے کام لیتے ہیں جس سے سرمایہ کی کمیابی کی قیمت ظاہر ہوتی ہے۔کیا اس قسم کا نظریہ اقتصادی حکمت عملی کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے خواہ واقعی سود ادا کیا جائے یا نہ ادا کیا جائے''

ج: سوال پوری طرح واضح نہیں ہے، تاہم اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ ترقیاتی منصوبہ بندی وغیرہ میں فرضی شرح سود کو بنیاد بنا کر فیصلے کئے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ تو اسکا

جواب یہ ہے کہ اس کی ضرورت وہیں پیش آسکتی ہے جہاں سود عملاً جاری وساری بھی ہو۔ لیکن اگر معیشت کو غیر سودی نظام کے مطابق استوار کرلیا جائے تو فرضی شرح سود کی کوئی ضرورت یا فائدہ باقی نہ رہے گا۔

و آخر دعوٰنا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین



احکام القمار

جُوے، سٹّے، لاٹری اور معمے وغیرہ کے احکام

تاریخ تالیف ــــــــ شعبان ۱۳۷۰ھ (مطابق ۱۹۵۰ء)

مقامِ تالیف ــــــــ لاہور

مدت تالیف ــــــــ ایک دن

اشاعت اول ــــــــ ادارہ اسلامیات لاہور

آج کل قمار بازی کی مختلف صورتیں معاملات میں رواج پا گئی ہیں۔ اس رسالہ کا مقصد ان کی تشریح و توضیح اور قرآن وسنت اور فقہ سے ان کے احکام بیان کرنا ہے

احکام القمار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

امابعد! آج کل دین کے ہر شعبہ اعتقادات، عبادات، معاملات سبھی میں ہماری سستی اور غفلت کی انتہا ہوگئی ہے، اگر اسلام کی صحیح تفسیر کے مطابق مسلمانوں کو تلاش کیا جائے، تو دنیا کے ستر کروڑ مسلمانوں میں بہت ہی کم عدد نکلے گا، جو سچا مسلمان کہلانے کا مستحق ہو، خصوصاً معاملات کا تو یہ حال ہوگیا کہ گویا ان کو جزو دین ہی نہیں سمجھا گیا، جو لوگ مسجد میں پکے اور سچے مسلمان نظر آتے ہیں، بازاروں، کارخانوں، سرکاری ملازمتوں میں وہ بھی اسلام اور اس کی تعلیمات سے بے گانہ اور بے بہرہ محسوس ہوتے ہیں، اور معاملات میں وہ بھی سب کچھ وہی کرتے ہیں، جو اسلام اور اس کی تعلیمات کے منکر کیا کرتے ہیں، بہت سے وہ حضرات جو زہد و عبادت میں مصروف اور مشائخ و مقتداء مانے جاتے ہیں، حیرت یہ ہے کہ ان میں بھی معاملات کے بارے میں بڑی کوتاہیاں پائی جاتی ہیں، حالانکہ حلال روزی سارے اعمال کی روح ہے۔

بعض حضرات نے امام محمد بن حسن شیبانی شاگرد امام اعظم ابوحنیفہؒ سے کہا کہ آپ نے بہت سی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، مگر تصوف و سلوک میں کوئی کتاب نہیں لکھی، فرمایا کہ لکھ تو دی، کتاب البیوع اور کتاب المعاملات، سارا تصوف اسی پر منحصر ہے، کہ انسان کا کھانا

پینا حلال ہو، اور وہ انہیں کتابوں سے معلوم ہوتا ہے۔

یوں تو ہمارے معاملات سارے ہی گڑبڑ ہیں، مگر اس وقت خصوصیت سے ایسے معاملات کی کثرت ہوگئی، اور ہوتی جاتی ہے، جن میں قمار (جوا) شامل ہے، جس کو قرآن میں ایک حیثیت سے بت پرستی کے برابر قرار دیا گیا ہے، اس لئے دل میں تھا کہ قمار کے متعلق قرآن وحدیث کی وعیدیں اور اس کے مروجہ احکام رسالہ کی صورت میں جمع کر دیئے جائیں، اتفاقاً شعبان ۱۳۷۰ھ میں مجھے کراچی سے لاہور کا سفر کرنا ہوا، اور یہاں اتفاقی طور پر چند روز قیام کرنا پڑا، اس فرصت میں اس مسئلہ کا خیال آیا، اور برخوردار عزیز مولوی محمد زکی سلمہ ناظم ادارۂ اسلامیات لاہور سے اس کا ذکر آیا، انہوں نے اصرار کیا کہ اس فرصت کو غنیمت سمجھ کر اس وقت یہ رسالہ لکھ دیا جائے، بنام خدائے تعالیٰ قلم اٹھایا، اور بعونہٖ تعالیٰ یکم شعبان ۱۳۷۰ھ روز سہ شنبہ کو ایک ہی دن میں یہ رسالہ مکمل ہو گیا، اللہ اس کو ہم سب مسلمانوں کے لئے نافع ومفید بنادیں۔ آمین

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ
یکم شعبان ۱۳۷۰ھ

قمار کی تعریف

ہر وہ معاملہ جو نفع اور نقصان کے درمیان دائر اور مبہم ہو، اصطلاحِ شرع میں قمار اور میسر کہلاتا ہے، اردو زبان میں اس کو جوا کہا جاتا ہے، جیسے دو شخص آپس میں بازی لگائیں کہ تم آگے بڑھ گئے، تو میں تم کو ایک ہزار روپیہ دوں گا، اور میں بڑھ گیا، تو تمھیں ایک ہزار دینے پڑیں گے، یا اس طرح کہ اگر آج بارش ہوگئی، تو تم ایک ہزار روپیہ مجھے دینا اور اگر نہ ہوئی تو میں تم کو دوں گا۔

یا بند ڈبے ایک مقررہ قیمت مثلاً چار آنہ فی ڈبہ کے حساب سے فروخت کئے جائیں، کسی ڈبہ میں پانچ روپیہ کی چیزیں ہوں، اور کسی میں دو پیسے کی، تو اس ابہام اور دائر بین النفع والضرر صورت میں اس کی خریداری قمار ہے، اس کی مختلف لاتعداد صورتیں ہوسکتی ہیں، اور ہر زمانہ میں، ہر خطہ میں مختلف طریقوں سے قمار کھیلا جاتا رہا ہے۔

عرب میں اس کا ایک خاص طریق تھا، کہ قمار کے لئے دس تیر دس ناموں سے متعلق تھے، اور تیر کے نام پر کچھ حصے ایک یا دو یا تین یا زیادہ مقرر تھے، بعض تیر بے نصیب بھی تھے، جن پر کوئی حصہ مقرر نہ تھا، ان تیروں کو رلا ملا کر ایک ایک شخص کے نام سے ایک ایک تیر کسی شخص سے اٹھواتے تھے، جس شخص کے نام پر جس قسم کا تیر نکل آیا، وہ ہی اس کا نصیب ہوتا تھا، اور اس تیر پر جتنے حصے مقرر تھے، وہ ان کا مالک سمجھا جاتا تھا، اور جس شخص کے نام پر بے نصیب تیر نکلتا وہ بالکل محروم رہتا تھا، اس کے ساتھ عادت یہ تھی کہ ایک اونٹ ذبح کر کے اس کو ان تیروں کے مقررہ حصوں کے موافق تقسیم کرتے تھے، اور جس شخص کے نام بے نصیب نکلتا ایک طرف تو وہ اونٹ کے گوشت سے محروم رہتا تھا، دوسری طرف اونٹ کی قیمت بھی اسی کو ادا کرنا پڑتی تھی، اس خاص قسم کے قمار کو قرآن میں میسر اور ازلام کے نام سے موسوم فرمایا ہے، میسر وہ اونٹ جو قمار کے لئے ذبح کر کے تقسیم کیا جائے، اور ازلام وہ تیر جن کے ذریعہ قمار کے حصوں کی مقدار متعین کی جائے، اس کے علاوہ خرید و فروخت میں

بھی مختلف صورتیں قمار کی رائج تھیں، جن کو بیع ملامسہ، یا منابذہ وغیرہ کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور احادیث نبویہ میں ان کی حرمت وارد ہوئی ہے۔

اسلام سے پہلے قمار نہ صرف رائج بلکہ شرافت وعزت اور مایہ تفاخر سمجھا جاتا تھا، اور مزید تفاخر کے لئے یہ لوگ جو حصے قمار میں جیت لیتے تھے، ان کو نہ کھاتے بلکہ فقراء پر تقسیم کر دیتے تھے۔ (تفسیر کبیر للرازی ص:۲۳۱، ج:۲)

قمار کی حرمت

دینِ اسلام جو الٰہیات اور عبادات کی طرح معاشیات اور اقتصادیات میں بھی اپنا ایک عادلانہ اور معتدلانہ نظام رکھتا ہے، وہ اس اندھیر نگری کو کب روا رکھ سکتا تھا، جس میں کوئی شخص کسی کے مال کو بغیر صحیح استحقاق کے قبضہ لے، اور جس کے نتیجہ میں کوئی غریب سے غریب اور مفلس سے مفلس ہوتا چلا جائے، اور دوسرا بغیر کسی عمل کے قارونی خزانے جمع کرتا جائے، یا غرباء اور فقراء کی جیبوں سے ایک بڑی رقم جمع کر کے کسی ایک فرد کو بلا وجہ شرعی اس کا مالک بنا دیا جائے، اس لئے ناگزیر تھا کہ اس کو ناجائز قرار دے۔ لیکن دینِ فطرت کی وسعت و ہمہ گیری اور انسانی جذبات کی رعایت قابل دید اور لائق صد شکر ہے، کہ شراب اور قمار جو عام لوگوں کی طبیعتِ ثانیہ بنے ہوئے تھے، ان کو حرام کرنے کا ارادہ کیا گیا، تو بیک وقت ان کی حرمتِ مطلقہ نازل نہیں ہوئی، بلکہ ابتداء ان کی خرابیاں بتلائی جاتی رہیں، ایک عرصہ کے بعد جب ان کی برائی قلوب میں مستقر ہوگئی، اس وقت حرمت کے احکام نازل کئے گئے۔

چنانچہ ابتدا اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب اور قمار کے متعلق سوال کیا گیا کہ یہ حرام ہے، یا حلال ہے؟ ان کے لئے پہلی آیت سورۂ بقرہ کی نازل ہوئی:

یسئلونک عن الخمر و المیسر قل فیھما اثم کبیر و منافع للناس و اثمھما اکبر من نفعھما. (سورہ بقرہ: ۲۱۹)

لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ ان سے کہہ دیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے، اور لوگوں کے لئے کچھ منافع بھی ہیں، (مگر) ان کا گناہ ان کے منافع سے بڑھا ہوا ہے۔

اس آیت میں حرمت یا حلت کا معاملہ پوری طرح صاف نہ ہوا خاص خاص صحابہ کرامؓ تو وحی کی روش اور طرز سے اس کا ناپسندیدہ ہونا معلوم کر کے ابتداءً ہی ان چیزوں سے پرہیز کرنے لگے، لیکن عام طور پر مسلمان صریح حرمت نازل ہونے تک استعمال کرتے رہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی اس میں کوئی قطعی فیصلہ صادر نہ ہوا، تا آنکہ سورۂ مائدہ کی آیت نازل ہوئی۔

یا ایھا الذین اٰمنوا انما الخمر و المیسر و الانصاب و الازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ و البغضاء فی الخمر و المیسر و یصدکم عن ذکر اللہ و عن الصلوٰۃ فھل انتم منتھون.

اس آیت میں پوری صراحت و وضاحت کے ساتھ شراب و قمار کی حرمت نازل ہوگئی، اور اس کی حرمت کو اتنی تاکیدوں کے ساتھ بیان کیا گیا کہ حسب تحریر امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اول اس کے بیان کو لفظ انما سے شروع فرمایا جو عربی محاورہ کے اعتبار سے ایک خاص تاکید کا مضمون پیدا کرتا ہے، دوسرے ان چیزوں کو رجس (یعنی گندی چیز) فرمایا گیا جس سے طبع سلیم خود ہی اجتناب کرے، تیسرے اس کو شیطان کا کام قرار دیا گیا، چوتھے خمر و قمار کی حرمت کو بت پرستی کے ساتھ جمع کر کے اس کی انتہائی شدت بتلائی گئی کہ یہ چیزیں ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں، اور یہ سب کچھ بتلا کر فاجتنبوہ یعنی اس سے پرہیز کا حکم دیا گیا، پھر اسی پر اکتفاء نہیں فرمایا، بلکہ اس کی دنیوی اور دینی خرابیاں اگلی آیت میں اس طرح بیان کی ہیں کہ

شیطان ان چیزوں سے تمھاری دنیا اور دین دونوں کو برباد کرنا چاہتا ہے، کہ دنیا میں اس کی وجہ سے تمھارے آپس میں بغض وعداوت کی بنیاد پڑ جاتی ہے، جس کے مفاسد بہت دور تک پہنچتے ہیں، اور ان چیزون کی عادت اللہ تعالیٰ کی یاد اور نماز جیسے فریضہ سے انسان کو روک دیتی ہے، اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو اس کے شر سے بچائے آمین۔

نزولِ حرمت کے بعد صحابۂ کرام کا جذبۂ اطاعت شعاری

دیرینہ عادات اور قومی رسوم انسان کی طبیعت میں جبلت اور فطرت کی جگہ لے لیتی ہیں، امت مسلمہ کیلئے یہ ایک سخت ترین امتحان کا وقت تھا کہ جو چیزیں آج تک ان کی جزو زندگی اور مایۂ شرافت واعزاز تھیں، آج ان کو سخت ترین حرام قرار دے دیا گیا، یہ وقت بھی تاریخ اسلام میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔

سبحان اللہ ایک طرف دین فطرت کے قانون میں انسانی جذبات و عادات کی رعایت جس طرح قابل شکر وامتنان تھی، اسی طرح نزولِ حرمت کے بعد امتِ مسلمہ کا جذبۂ فرمانبرداری واطاعت شعاری بھی دنیا کی تاریخ میں اپنی نظیر آپ ہی ہے۔

سورۂ مائدہ کی آیت مذکورہ نازل ہونے پر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک منادی بھیج دیا، جو مدینہ کی گلیوں میں یہ اعلان کردے۔

الا ان الخمر قد حرمت

خبردار! کہ شراب حرام کردی گئی۔

منادی کی آواز تھی، یا کوئی بجلی کی رو جس نے طبائع اور جذبات کو یکسر بدل ڈالا شراب جواب سے چند منٹ پہلے عرب کی محبوب ترین چیز اور جزو زندگی تھی، اس آواز کے سنتے ہی جس کے ہاتھ میں جام تھا، اس نے جام کو زمین پر پٹک دیا، جس کے منہ سے لگا ہوا تھا، کلی کردی، گھر گھر سے جام وسبو کے توڑنے کی آوازیں آنے لگیں، مدینہ کی گلیوں میں

شراب اس طرح بہہ رہی تھی، جیسے بارش کے بعد رو کا پانی۔

جلیل القدر صحابی حضرت انس ابن مالکؓ کا بیان ہے کہ اس وقت ابوطلحہ کے مکان میں صحابہ کرام کی ایک جماعت تھی، جن میں ابوعبیدہ بن الجراح، ابودجانہ، معاذ بن جبل اور سہیل بن بیضاء جیسے اکابر شامل تھے، میں اس جماعت میں ساقی بنا ہوا ان کو شراب پلا رہا تھا، کہ یکا یک منادی کی آواز میرے کان میں پڑی اور دوسرے حضرات نے بھی سنی۔

ہم میں سے کسی نے اس کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی کہ باہر نکل کر معاملہ کی مزید تحقیق کر لیں، بلکہ جام شراب ہاتھوں سے پھینک دیے، مٹکے اور صراحیاں توڑ کر ساری شراب نالیوں کے راستے بہا دی گئی، اور ہم سب وضو اور غسل کر کے مسجد کی طرف چلے وہاں دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم آیات مذکورہ تلاوت فرما رہے تھے۔

(ابن کثیر ص:۹۴، ج:۲)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بھی اسی طرح ایک جماعت کے ساتھ پینے اور پلانے میں مشغول تھے، منادی کی آواز کا کان میں پڑنا تھا کہ جس کے ہاتھ میں جام شراب تھا، ہاتھ سے پھینک دیا اور جس کے منہ کو لگا ہوا تھا، اس نے فوراً اسی جام میں کلی کر دی، جو بڑے برتنوں میں تھی، سب کو پھینک دیا گیا۔ (ابن کثیر ص:۹۵، ج:۲)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک صحابی کا کاروبار یہی تھا کہ خیبر سے شراب لاتے اور مدینہ میں فروخت کرتے تھے، اتفاقاً نزول حرمت کے وقت وہ خیبر شراب لینے کے لئے گئے ہوئے تھے، کافی مقدار شراب کی مشکیزوں میں لئے ہوئے مدینہ میں داخل ہو رہے تھے، کہ کوئی صحابی راستہ میں مل گئے، اور یہ خبر سنا دی کہ شراب حرام کر دی گئی ہے، شراب لانے والے یہ بزرگ جس جگہ تک پہنچے تھے، وہیں کھڑے رہ گئے، اور اس کو گوارا نہ فرمایا کہ حرمت کی خبر سننے کے بعد شراب کے مشکیزوں کو لے کر ایک قدم بھی آگے بڑھائیں، بلکہ وہیں ایک ٹیلہ پر یہ سب مشکیزے رکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ مجھے یہ خبر ملی ہے کیا صحیح ہے؟ آپ نے تصدیق فرمائی، پھر

عرض کیا کہ کیا مجھے اس کی اجازت ہے کہ میں نے جس سے خریدا ہے، اسی کو واپس کر دوں، فرمایا: نہیں، اب اس کا واپس کرنا بھی آپ کے لئے جائز نہیں، عرض کیا کہ میں یہ کسی غیر مسلم کو ہدیہ دیدوں جس کے مجھ پر احسان ہیں، ارشاد ہوا کہ (یہ بھی) نہیں، پھر عرض کیا کہ اس مال میں چند یتیموں کا مال بھی شامل تھا، جو میری سرپرستی میں ہیں، اس کا کیا کروں؟ ارشاد فرمایا کہ جب ہمارے پاس بحرین کا مال (سرکاری خزانہ) آئے، اس وقت آجاؤ، یتیموں کے حق کا معاوضہ بیت المال سے دے دیا جائے گا، (یہ بزرگ خدمت اقدس سے واپس ہوئے) اور اسی ٹیلے پر مشکیزوں کے دہانے کھول دیے جس کے نیچے شراب اس طرح بہنے لگی، جیسے بارش کا پانی۔ (تفسیر ابن کثیر ص:۹۶، ج:۲)

یہ موقع حرمت شراب کی روایات و واقعات جمع کرنے کا نہیں، مگر چونکہ شراب کی حرمت میسر و قمار کے ساتھ ساتھ نازل ہوئی، اس لئے اس سلسلہ میں حضرات صحابہ کے جذبۂ اطاعت شعاری کا ایک نمونہ پیش کرنے کے لئے یہ روایات قلم پر آگئیں۔

انہیں روایات سے اس کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے، کہ جب ان مقبولانِ الٰہی کا شراب جیسی چیز کے بارے میں یہ حال ہے، جس کا ایک وقت چھوڑنا بھاری تھا، تو میسر و قمار سے ان حضرات کے اجتناب و پرہیز کا کیا حال ہوا ہوگا۔

چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ آیت کے نزول کے بعد جن امور میں قمار کا شبہ بھی ہوتا، تو صحابہ کرام اس کے پاس نہ جاتے تھے۔

صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **من قال لصاحبه تعال اقامرک فليتصدق** ۔ اگر کسی شخص نے کسی سے محض زبان سے بھی کہہ دیا کہ آؤ جوا کھیلیں (خواہ عمل نہ کیا ہو) تو وہ بھی ایک گناہ کا مرتکب ہو گیا، اس کو چاہئے کہ اس گناہ کی تلافی کے لئے صدقہ کرے۔

تنبیہ

افسوس ہے کہ شراب اور قمار جن کی حرمت قرآن کریم میں اس قدر تاکید سے آئی، اور حدیث میں محض زبان سے کہہ دینے کو بھی جرم قرار دیا گیا، آج کے مسلمان اس سے اتنے غافل ہیں کہ گویا قرآن و حدیث میں اس کی ممانعت ہی نہیں ہے، یا معاذ اللہ ان کا قرآن و حدیث پر ایمان ہی نہیں، اور زیادہ افسوس اس کا ہے کہ اس میں بہت سے وہ لوگ بھی مبتلا ہیں، جو نماز روزہ کے اعتبار سے دیندار سمجھے جاتے ہیں، ان کی واقفیت اور اطلاع کے لئے قمار کی وہ صورتیں بھی لکھی جاتی ہیں، جو آج کل عموماً رائج ہیں۔

قمار کی مروجہ صورتیں

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

الشطرنج من الميسر (رواہ ابن ابی حاتم)

شطرنج بھی قمار میں داخل ہے۔

كل شئ من القمار فهو من الميسر حتى لعب الصبيان بالجوز ۔ (ابن کثیر ص:۹۱، ج:۲)

ہر چیز جو قمار میں داخل ہے وہ میسر ہی کے حکم میں ہے یہاں تک کہ بچے جو اخروٹ وغیرہ سے ہار جیت کا کھیل کھیلتے ہیں وہ بھی قمار ہے۔

اور حضرت راشد بن سعد اور حمزۃ بن حبیب کا قول بھی یہی ہے کہ بچے جو لکڑیوں سے یا اخروٹ اور بیضوں سے ہار جیت کا کھیل کھیلتے ہیں یہ بھی قمار میں داخل ہیں۔

قمار کی مذکور الصدر تعریف اور حضرات صحابہ و تابعین کی توجیہ سے ثابت ہوا کہ ہمارے زمانہ کے مندرجہ ذیل کھیل بھی قمار میں داخل ہیں، اور قرآن کریم کی وعید شدید ان پر عائد ہوتی ہے، مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے اور اپنے بچوں کے اعمال کا جائزہ لے کر

ان سے بچنے اور بچانے کی فکر کریں۔

گھوڑ دوڑ

موجودہ زمانہ کی ریس (گھوڑ دوڑ)(۱) گھوڑوں کے نمبر پر اپنا داؤ لگانا اور اس کے لئے فیس جمع کرنا، کیونکہ یہ وہی نفع ونقصان دائر مبہم قمار کی صورت ہے، جس میں کوئی شخص اپنی جمع کردہ فیس بھی ہرا دیتا ہے، اور کوئی شخص بڑی رقم حاصل کر لیتا ہے۔

موجودہ زمانہ میں ہر قسم کی لاٹری بھی قمار میں داخل ہے، اور حرام ہے۔ جس کی سینکڑوں صورتیں بازاروں اور کارخانوں میں رائج ہیں جن میں سے چند مشہور ومعروف اقسام کے احکام لکھے جاتے ہیں۔

اخباری معمے

آج کل وبا کی طرح قمار کی یہ صورت عام ہوگئی ہے، جو حل معمہ کے عنوان سے بہت سے اخباروں اور ماہوار رسالوں کا بڑا کاروبار بنا ہوا ہے، معمہ کی مختلف صورتیں لکھ کر اشتہار دیا جاتا ہے کہ جو شخص اس کا کوئی حل کر کے بھیجے، اور اس کے ساتھ اتنی فیس مثلاً ایک روپیہ فیس کا بھیجے تو جن لوگوں کے حل صحیح ہوں گے، ان میں سے انعام اس شخص کو دیا جائے گا، جس کا نام لاٹری یا قرعہ اندازی کے ذریعہ نکل آئے، اس میں بعض لوگ بڑے بڑے انعامات بھی مقرر کرتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عام غریب طبقہ کے لوگ بھی یہ سمجھ کر کہ فیس معمولی ہے ایک روپیہ ضائع ہی ہوگیا تو کوئی بڑا نقصان نہیں اور اگر کہیں نام نکل آیا، تو ۲ لاکھ ہو جائیں گے، اس طمع میں قوم کے ہزاروں لاکھوں افراد معموں کے حل اور ان کے ساتھ ایک ایک روپیہ بھیج دیتے ہیں، کھلا ہوا قمار (جوا) ہے کہ ایک شخص اپنا فیس کا ایک روپیہ اس موہوم طریق پر ڈالتا ہے، کہ یا تو یہ روپیہ بھی ضائع ہوگیا اور یا ہزاروں روپیہ لے

(۱) گھوڑ دوڑ کی جائز اور ناجائز قسمیں اور ان کے مفصل احکام اس رسالہ کے آخر میں دیکھئے۔ ۱۲ محمد شفیع

کر آیا، اسی کا نام شرع اسلام میں جوا یا قمار ہے، بعض رسالوں میں یہ کاروبار کروڑوں کی حد تک پہنچ جاتا ہے، اس میں اگر وہ کوئی اور بے ایمانی بھی نہ کریں، بلکہ وعدہ کے مطابق انعامات تقسیم کر دیں، تب بھی اس کاروبار والوں کو لاکھوں کروڑوں کی رقم بچ جاتی ہے، جو لاکھوں غریبوں کے خون پسینہ کی کمائی ہوتی ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عوام غریب سے غریب تر ہوتے چلے جائیں، ان کا خون چوس کر لکھ پتی کروڑ پتی بنتے چلے جائیں، قمار کے حرام اور ناجائز ہونے کی ایک یہی وجہ کافی ہے، کیونکہ اسلام کے اقتصادی نظام میں اصولی طور پر شدت کے ساتھ اس کا انسداد کیا گیا ہے کہ دولت عوام کے ہاتھوں سے سمٹ کر چند افراد کے ہاتھوں میں مقید ہو جائے۔

معمہ بازی کا مروجہ قمار اس وجہ سے اور بھی زیادہ سخت اور ہزاروں گناہوں کا مجموعہ ہو جاتا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی خلاف ورزی کے لئے ڈنکے کی چوٹ تمام عوام کو دعوت دی جاتی ہے، ہر ایک آدمی جو اس میں حصہ لیتا ہے، قرآن کے کھلے ہوئے حکم کی خلاف ورزی کر کے گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے اور اس کاروبار کے چلانے والوں پر ان سب کے گناہوں کا وبال عائد ہوتا ہے، اور جو لوگ اس کاروبار کی کسی درجہ میں اعانت کرتے ہیں، وہ بھی شریکِ گناہ ہوتے ہیں، اس طرح بیک وقت لاکھوں کروڑوں مسلمان علانیہ طور پر اللہ و رسول کے صریح حکم کے خلاف ایک حرام قطعی کے مرتکب ہو جاتے ہیں، اور اس میں ہزاروں لاکھوں دیندار مسلمان بھی مبتلا ہو جاتے ہیں، اور پھر اس کا غیر منقطع سلسلہ جاری رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اس وبال سے سب کو نجات عطا فرمائیں۔

مختلف مالیت کے بند ڈبوں کی خرید و فروخت

بازاروں اور نمائشوں میں بند ڈبے فروخت کئے جاتے ہیں، کسی میں ایک پیسہ کا مال بھی نہیں ہوتا، اور کسی میں زیادہ مال ہوتا ہے، لوگ اس کو قسمت آزمائی سمجھ کر اختیار کرتے

ہیں، یہ بھی کھلا ہوا قمار حرام ہے۔

بچوں کے مختلف کھیل

بعض شہروں بچے بادام، اخروٹ یا کانچ کی گولیوں وغیرہ سے ہار جیت کرتے ہیں، یہ بھی قمار میں داخل ہے، اور حرام ہے، بعض شہروں میں کنکوے اڑا کر پیسوں کی ہار جیت کا کھیل کھیلا جاتا ہے، دیہات میں لکڑی کی گیڈیوں یا سرکنڈے کے پوروں سے ہار جیت کھیلی جاتی ہے، یہ بھی قمار ہے۔

سٹہ

سٹہ کا سارا کاروبار سٹہ ہی ہے، اور بنص قرآن حرام ہے، اس کے کاروبار میں کسی قسم کی اعانت بھی حرام ہے۔

پتنگ بازی اور کبوتر بازی

بعض لوگ پتنگ بازی اور کبوتر بازی پر روپیہ کی ہار جیت کھیلتے ہیں، یہ کھیل خود بھی ناجائز ہیں، اور ان میں روپیہ پیسہ کی ہار جیت دوسرا مستقل گناہ اور حرام صریح ہے۔

انشورنس یا بیمہ

بیمہ کے کاروبار کو امداد باہمی کا نام دے کر جائز قرار دینے کی کوشش کی جاتی ہے، لیکن اس کی مروجہ صورتیں جتنی ہماری نظر سے گزری ہیں، سود اور قمار سے خالی نہیں، اس لئے وہ سب حرام ہیں، اختیاری حالات میں اس میں مبتلا ہونا گناہ عظیم ہے، اس مسئلہ کی تفصیل علیحدہ رسالہ بیمہ زندگی میں لکھی گئی ہے، اس میں ملاحظہ فرماویں۔

نمائشوں کے انعامی ٹکٹ

چند سال سے کراچی لاہور وغیرہ میں دیکھنے میں آیا ہے کہ مختلف قسم کی نمائشوں کے

اندر داخلہ کا ٹکٹ ہوتا ہے، اور نمائش کے منتظمین یہ اعلان کرتے ہیں کہ جو شخص مثلاً دس روپیہ کا ٹکٹ یک مشت خریدلے گا وہ اپنے اس ٹکٹ کے ذریعہ عام لوگوں کی طرح نمائش میں بھی داخل ہو سکے گا، اوران ٹکٹوں پر بذریعہ قرعہ اندازی کچھ انعام مقرر ہوتے ہیں جس کا نمبر نکل آوے، اس کو وہ انعام بھی ملتا ہے۔

یہ صورت صریح قمار سے تو نکل جاتی ہے، کیونکہ ٹکٹ خریدنے والے کو اس ٹکٹ کا معاوضہ بصورت داخلہ نمائش مل جاتا ہے، لیکن اب مدار نیت پر رہ جاتا ہے، جو شخص موہوم انعام کی غرض سے یہ ٹکٹ خریدتا ہے وہ ایک گونہ قمار کا ارتکاب کر رہا ہے، اور جس کے پیش نظر صرف نمائش میں جانا اور انتہائے انعام کی ہوس پیش نظر نہیں پھر اتفاقاً انعام بھی مل گیا، وہ قواعد کی رو سے قمار کے حکم سے نکل گیا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

نوٹ

ربیع الثانی ۱۳۷۰ھ میں خواجہ ناظم الدین صاحب سابق گورنر جنرل پاکستان نے ریس (گھوڑ دوڑ) کے متعلق ایک سوال بھیجا تھا، جس کا جواب کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھا گیا، مناسب معلوم ہوا کہ اس کو بھی اس رسالہ کا جزو بنادیا جائے، وہ بطور ضمیمہ ملحق کر دیا گیا ہے۔ واللہ الموفق والمعین

بندہ

محمد شفیع

یکم رمضان ۱۳۷۰ھ

فی اربع ساعات بلاہور

گھوڑ دوڑ کے شرعی احکام

آج کل مسلمانوں کی معاشرت، معاملات، اخلاق اسلام سے جس قدر بیگانہ ہو گئے ہیں، وہ کسی پر مخفی نہیں سود، قمار، رشوت جو قرآن وحدیث کی بے شمار تصریحات سے باجماع امت حرام ہیں، آج مسلمانوں کا کوئی بازار کوئی سوسائٹی کوئی گھر ان سے خالی نہ رہا۔ الا ماشاء اللہ

ان بلاؤں کا شکار ایک تو وہ طبقہ ہے جس کو حلال حرام اور شریعت کی موافقت مخالفت کی طرف کوئی التفات ہی نہیں، ان کے سامنے تو ان کے احکام پیش کرنا ایک درجہ میں بے سود ہے، لیکن ایک ایسا طبقہ بھی ہے جو کچھ نہ کچھ اس کی فکر رکھتا ہے، مگر ناواقفیت یا غفلت کی وجہ سے ان میں مبتلا ہے، ایسے لوگوں کے لئے ضرورت ہے کہ ان کو صحیح احکام سے آگاہ کیا جائے، انھیں مسائل میں سے آج کل ایک اہم مسئلہ ریس (گھوڑ دوڑ) کا ہے، جس میں ابتلاءِ عام ہے، شریعت اسلام کے عادلانہ اور معتدلانہ نظام میں نہ ہر کھیل سے مطلقاً روکا گیا ہے، اور نہ اس کو غیر محدود وسعت دی گئی ہے، بلکہ جن کھیلوں کے ذریعہ قوتِ جہاد اور قوتِ جسمانی پیدا ہوتی ہے، ان کو نہ صرف جائز بلکہ مستحسن قرار دیا گیا، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے اس کے استحسان کو ثابت فرمایا، آپ نے خود گھوڑ دوڑ کرائی۔ پیادہ دوڑ پر انعام دیا، تیراندازی اور تیرا کی سیکھنے کی ہدایت فرمائی، حبشیوں کی نیزہ بازی کی مشق کو خود کھڑے ہو کر معائنہ فرمایا، اور صدیقہ عائشہؓ کو دکھلایا وغیرہ۔ اس کے مقابل ایسے کھیل جن میں کوئی دینی، دنیاوی فائدہ نہیں، یا جن میں انفرادی یا اجتماعی مضرتیں ہیں، ان کو سختی سے منع فرمایا، انھیں مضر صورتوں میں وہ کھیل ہیں، جن میں قمار (جوا) ہو۔

گھوڑ دوڑ جیسا کہ اوپر معلوم ہوا، ایک مفید کھیل ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قولاً وعملاً اس کی اجازت دی ہے، اور اس میں بازی لگانے اور بازی لے جانے والے

کے لئے مشروط انعام ومعاوضہ کی بھی خاص شرائط کے ساتھ اجازت دی ہے، لیکن افسوس ہے کہ آج کل اپنے گھر کے جواہرات چھوڑ کر دوسروں کے دروازوں پر دریوزہ گری کو مایۂ ناز سمجھنے لگے، اور صورت وسیرت تمدن ومعاشرت سب میں غیروں کی نقالی ہی میں فخر محسوس کرنے لگے۔ یہاں تک کہ عام کھیلوں میں بھی غیروں کی نقالی ہی رہ گئی، اس نقالی میں کوئی دوسری مضرت نہ ہوتی، جب بھی ایک غیرت مند قوم کے لئے نازیبا تھی، خصوصاً جب کہ غیر مسلموں نے قمار جیسی حرام چیزوں کو ان میں شامل کر دیا، تو مسلمان پر لازم ہو گیا کہ ان سے یکسر اجتناب کرے۔

ہماری گھوڑ دوڑ بھی اسی مشق ستم کا نشانہ بن گئی، جو چیز اسباب جہاد میں داخل اور ذریعۂ عبادت تھی، وہ اب محض ایک قمار اور لہو ولعب بن کر رہ گئی، اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے، ہمارے محترم عزت مآب الحاج خواجہ ناظم الدین صاحب گورنر جنرل پاکستان کو انھوں نے گھوڑ دوڑ کے متعلق علماء سے استفتاء کرنے کی ضرورت محسوس فرما کر بعض علمائے شام سے فتویٰ حاصل فرمایا، پھر علماء پاکستان سے استفتاء کیا، اس سوال کے جواب میں جو کچھ لکھا گیا، وہ ایک مفید مجموعہ ہو گیا، اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ عام فائدہ کے لئے اس کو بصورت رسالہ شائع کر دیا جائے، جس میں گھوڑ دوڑ کی جائز اور ناجائز قسمیں اور جائز قسم کے لئے ضروری شرائط کی تفصیل درج ہے، واللہ الموفق والمعین

بہت سے کام ایسے ہیں کہ ان کی صورت کھیل تماشہ کی ہے، مگر ان کے ذریعہ قوتِ جہاد صحت جسمانی وغیرہ کے اہم فوائد حاصل کئے جا سکتے ہیں، ایسے کھیلوں کو شریعتِ اسلام نے نہ صرف جائز بلکہ خاص شرائط کے ساتھ ایک درجہ میں مستحسن سمجھا ہے، اور ان میں بازی لگانے اور مسابقت کرنے کی بھی اجازت دی ہے، بشرطیکہ اس میں قمار کی صورت نہ ہو، جس طرح ایسے کھیلوں سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے، جن میں قمار بازی ہو، یا جن کے سبب میں کوئی دینی یا دنیوی فائدہ نہیں یا جن میں انفرادی یا اجتماعی مضرتیں ہیں۔

گھوڑ دوڑ

حدیث میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑ دوڑ کرائی۔ (جصاص ص:۸۸، ج:۱) اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لاسبق الا فی خف او حافر او نصل۔ (جامع صغیر، مسند احمد عن ابی ھریرہؓ) حدیث میں لفظ سبق وارد ہوا ہے، جس کے معنی اس معاوضہ یا انعام کے ہیں، جو کسی بازی میں آگے بڑھنے والے کو دیا جاتا ہے، (صرح بہ فی شرح الجامع الصغیر) اس لئے معنی حدیث کے یہ ہیں کہ کسی مسابقت بازی میں معاوضہ یا انعام مقرر کرنا جائز نہیں، بجز اونٹوں کی دوڑ یا گھوڑ دوڑ یا تیراندازی (نشانہ بازی) کے۔ احادیث مذکورہ سے معلوم ہوا کہ خاص صورتوں میں بازی ومسابقت اور اس پر معاوضہ یا انعام مقرر کرنا صرف مذکورہ تین چیزوں میں جائز ہے، اور بعض حضرات فقہاء نے پیادہ دوڑ میں بازی لگانے کو بھی مذکورہ تین قسموں کے ساتھ شامل کرکے چار قسمیں کردی ہیں۔ کیونکہ پیادہ دوڑ بھی قوتِ جہاد کے اسباب میں سے ہے، اور حضرت صدیقہ عائشہؓ کی ایک حدیث اس کی مؤید ہے۔

(شامی ص:۳۵۵، ج:۵ کتاب الکراہیۃ)

پھر گھوڑ دوڑ وغیرہ کی بازی اور اس پر معاوضہ یا انعام کی چند صورتیں ہیں، جن میں حسب تشریح قرآن وحدیث بعض جائز ہیں بعض ناجائز۔

گھوڑ دوڑ کی جائز صورتیں

مندرجہ ذیل تمام صورتوں میں جواز کے لئے دو صورتیں لازمی ہیں، اول یہ کہ اس کا مقصد محض کھیل تماشہ نہ ہو، بلکہ قوتِ جہاد یا ورزش جسمانی ہو، دوسرے یہ کہ جو انعام مقرر کیا جائے، وہ معلوم متعین ہو، مجہول یا غیر معین نہ ہو۔ (شامی وغیرہ)

۱:......مشروط معاوضہ پر گھوڑ دوڑ کی جائز صورت ایک یہ ہے کہ فریقین جو اپنے اپنے گھوڑے دوڑا کر بازی لگا رہے ہیں، آپس میں کسی کو کسی سے کچھ لینا دینا نہ ہو، بلکہ حکومت

وقت یا کسی تیسرے شخص یا جماعت کی طرف سے بطور انعام کوئی رقم آگے بڑھنے کے لئے مقرر ہو۔ بدائع الصنائع میں ہے:

کذالک مایفعله السلاطین و هو ان یقول السلطان لرجلین من سبقکما فله کذا فهو جائز لما بینا ان ذالک من باب التحریض علی استعداد اسباب الجهاد خصوصاً من السلطان .

(بدائع ص:۲۰۶، ج:۶ وشامی ص:۳۵۴، ج:۵)

۲:.......دوسری صورت یہ ہے کہ آگے بڑھنے والے کے لئے معاوضہ یا انعام فریقین ہی میں سے ہو، مگر صرف ایک طرف سے ہو، دوطرفہ شرط نہ ہو، مثلاً زید و عمر گھوڑوں کی دوڑ میں بازی لگا رہے ہیں، زید یہ کہے کہ اگر عمر آگے بڑھ گیا تو میں اس کو ایک ہزار انعام دوں گا، دوسری طرف سے یہ نہ ہو کہ اگر زید بڑھ گیا، تو عمر ایک ہزار دے گا، دوطرفہ شرط کی صورت قمار حرام ہے۔

۳:......فریقین میں دوطرفہ شرط بھی حنفیہ کے نزدیک ایک خاص صورت میں جائز ہے، وہ یہ کہ فریقین ایک تیسرے گھوڑے سوار کو مثلاً خالد کو اپنے ساتھ شریک کرلیں، پھر اس کی دو صورتیں ہیں:

الف:......شرط کی صورت یہ ٹھہرے کہ زید آگے بڑھے، تو عمر ایک ہزار روپیہ اس کو دے، اور عمر آگے بڑھے، تو زید اتنی ہی رقم اس کو ادا کرے، اور اگر خالد بڑھ جائے، تو اس کو کچھ دینا کسی کے ذمہ نہیں۔

ب:......شرط اس طرح ہو کہ خالد آگے بڑھ جائے، تو زید و عمر دونوں اس کو ایک ایک ہزار روپیہ دیں، اور زید و عمر دونوں یا ان میں سے کوئی ایک آگے بڑھے تو خالد کے ذمہ کچھ نہیں، لیکن زید و عمر میں باہم جو آگے بڑھے دوسرے پر اس کو ایک ہزار ادا کرنا لازم آئے۔

ان دونوں صورتوں میں جو تیسرا آدمی شریک کیا گیا ہے، اس کو حدیث کی اصطلاح میں

محلل کہا گیا ہے، اور دونوں صورتوں میں یہ امر مشترک ہے کہ تیسرے آدمی کا معاملہ نفع وضرر میں دائر نہیں بلکہ ایک صورت میں اس کا نفع متعین ہے، دوسری میں اس کا کچھ نقصان نہیں۔

شرط:......اس تیسری صورت کے لئے حسب تصریح حدیث یہ ضروری شرط ہے کہ یہ تیسرا گھوڑا زید وعمر کے گھوڑوں کے ساتھ مساوی حیثیت رکھتا ہو، جس کی وجہ سے اس کے آگے بڑھنے اور پیچھے رہ جانے کے دونوں احتمال مساوی ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ کمزوری یا عیب کی وجہ سے اس کا پیچھے رہنا عادۃً یقینی ہو، یا زیادہ قوی اور چالاک ہونے کی وجہ سے اس کا آگے بڑھ جانا یقینی ہو، حدیث میں ہے:

من ادخل فرساً بين فرسين و هو لايأمن ان يسبق فلا بأس به و من ادخل فرساً بين فرسين و هو آمن ان يسبق فهو قمار۔ (ابوداؤد ومسند احمد)

بدائع الصنائع میں شرائط جواز بیان کرتے ہوئے مذکور الصدر پوری تفصیل لکھی ہے، (بدائع الصنائع ص:۲۰۶، ج:۶) نیز عالمگیری کتاب الحظر والاباحۃ باب:۶ اور شامی ص:۳۵۴، ج:۵ میں بھی یہ سب تفصیل موجود ہے۔

گھوڑ دوڑ کی ناجائز صورتیں

۱:......گھوڑ دوڑ وغیرہ کی بازی محض کھیل تماشہ یا روپیہ کی طمع کے لئے ہو، اور استعداد قوتِ جہاد کی نیت نہ ہو۔ (شامی)

۲:......معاوضہ یا انعام کی شرط فریقین میں دوطرفہ ہو، اور کسی تیسرے کو اپنے ساتھ بتفصیل مذکورۂ بالا نہ ملایا جائے، تو یہ قمار اور حرام ہے۔ (بدائع، شامی، عالمگیری۔

۳:......ریس کی مروجہ شکل کہ گھوڑوں کی دوڑ کسی کمپنی کی طرف سے ہوتی ہے، گھوڑے کمپنی کی ملک اور سوار اس کمپنی کے ملازم اور دوسرے لوگ گھوڑوں کے نمبر پر اپنا داؤ لگاتے ہیں، جس کی فیس ان کو داخل کرنا ہوتی ہے، جس نمبر کا گھوڑا آگے بڑھ جائے، اس پر

داؤ لگانے والے کو انعامی رقم مل جاتی ہے، باقی سب لوگوں کی فیس ضبط ہو جاتی ہے۔

یہ صورت مطلقاً قمار حرام ہے، اول تو اس ریس کو قوتِ جہاد پیدا کرنے سے کوئی واسطہ نہیں، کیونکہ بازی لگانے والے نہ گھوڑے رکھتے ہیں، نہ سواری کی مشق سے ان کو کچھ کام ہے، ثانیاً جو صورت معاوضہ رکھی گئی ہے، کہ ایک شق میں داؤ لگانے والے کو انعامی رقم ملتی ہے، اور دوسری شق میں اس کو اپنی دی ہوئی فیس سے دست بردار ہونا پڑتا ہے، یہ عین قمار ہے، جو بنصِ قرآن حرام ہے۔

مروجہ ریس کی جو صورت معلوم ومعروف تھی، اس کا حکم لکھا گیا ہے، اگر اس میں کچھ مزید تفصیلات ہوں، تو وہ تفصیلات لکھ کر ان کے متعلق دوبارہ سوال کیا جا سکتا ہے۔

تنبیہ

جو احکام اور جائز ناجائز کی تفصیل گھوڑوں کی دوڑ میں لکھی گئی ہے، یہی حکم اونٹوں کی دوڑ اور پیادہ دوڑ اور نشانہ میں بازی لگانے کا ہے۔ (کما مر من الحدیث)

دوسرے کھیلوں میں بازی لگانے کے احکام

مذکور الصدر اقسام چہارگانہ یعنی گھوڑ دوڑ، اونٹوں کی دوڑ پیادہ دوڑ، نشانہ بازی کے علاوہ دوسرے کھیلوں میں کچھ تفصیل ہے۔

مفید کھیل

جن کھیلوں سے کچھ دینی یا دنیوی فوائد حاصل ہو سکتے ہیں، وہ جائز ہیں، بشرطیکہ انھیں فوائد کی نیت سے ان کو کھیلا جائے، محض لہو ولعب کی نیت نہ ہو، لیکن اس کی بازی پر کوئی معاوضہ یا انعام مشروط مقرر کرنا جائز نہیں۔

مثلاً گیند کا کھیل کہ اس سے جسمانی روزش ہوتی ہے، یا لاٹھی وغیرہ کے کھیل یا پہلوانوں کی کشتی وغیرہ جو قوتِ جہاد میں معین ہو سکتے ہیں، اسی طرح معمہ بازی، شعر بازی،

تعلیمی تاش وغیرہ ہار جیت کی بازی لگانا جائز ہے، مگر اس پر رقم معاوضہ کی مقرر کرنا جائز نہیں، بلکہ قمار حرام ہے۔

ولایجوز الاستباق فی غیر ھذہ الاربعة کالبغل بالجعل و اما بلا جعل فیجوز فی کل شیٔ و قال بعد ذالک لان جواز الجعل فیما مر انما ثبت بالحدیث علی خلاف القیاس فیجوز ما عداھا بدون الجعل و فی القهستانی من الملتقط من لعب بالصولجان یرید الفروسیة یجوز و عن الجواھر قد جاء الاثر فی رخصة المصارعة لتحصیل القدرة علی المقاتلة دون التلهی فانه مکروہ .(شامی ص:۳۵۵،ج:۵)

بے فائدہ کھیل تماشے

ایسے کھیل تماشے جن کے تحت میں کوئی معتد بہا فائدہ دین دنیا کا نہیں ہے، وہ سب ممنوع اور ناجائز ہیں، خواہ ان پر بازی لگائی جائے، یا انفرادی طور پر کھیلا جائے، پھر بازی پر کوئی رقم لگائی جائے یا نہیں۔ اور رقم بھی دوطرفہ ہو، یا ایک طرفہ بہرحال ایسے لغو کھیل شرعاً مطلقاً ناجائز ہیں حدیث میں ہے:

کل لھو المسلم حرام الا ثلثة ملاعبة اھله و تادیبه لفرسه و مناضلة بقوسه. (شامی ۲۵۳، ج:۵)

کبوتر بازی، پتنگ بازی، بٹیر بازی، مرغ بازی، چوسر، شطرنج، تاش، کتوں کی ریس وغیرہ سب اسی ناجائز صورت کے افراد ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ
کراچی یکم ربیع الثانی ۱۳۷۰ھ

اِزالۃ الاوہام

متکلمِ اسلام، محققِ مذاہبِ عالم، مجاہدِ حق حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی ردِّ عیسائیت پر فارسی زبان میں سب سے پہلی نایاب کتاب جو موصوف نے ۱۲۶۹ھ ۱۸۴۸ء میں تصنیف کی جس میں عیسائیت کے بڑے اعتراضات کے الزامی تحقیقی، عقلی ونقلی، مکمل ومدلل، جامع ومسکت جوابات دیے گئے ہیں نیز مسئلہ تثلیث اور بشاراتِ محمدی ﷺ پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔

تالیف

متکلمِ اسلام حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ وتقدیم شرح وتحقیق

مولانا ڈاکٹر محمد اسماعیل عارفی

تقریظ پسند فرمودہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴

المقالات الفقهية

لفضيلة الشيخ المفتي محمد رفيع العثماني حفظه الله تعالى
رئيس جامعة دار العلوم كراتشي

الناشر
مكتبة دار العلوم كراتشي
باكستان